

# انتخاب بخاری شریف

(ترجمہ و تشریح)

جلد اول

تخریج احادیث

امام بخاری قدس اللہ سرہ العزیز ۲۵۶ھ

عربی شرح  
علامہ ابن ابی عمیر مالکی اندلسی  
اردو ترجمہ و تشریح و فائدہ  
حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی ر  
زیر نگرانی  
حکیم الامت مولانا شرف علی تھانوی  
۴۹۹ھ  
۱۳۹۴ھ  
۱۳۶۲ھ

احادیث شریفہ سے مسائل سلوک و تصوف، مسائل اخلاق و آداب اور مسائل فقہ کے استنباط پر وہ گرانمایہ کتاب جو ہر دور میں علماء، صوفیاء اور دیندار حضرات کی توجہ کا مستحقہ طور پر مرکز رہی ہے۔ بخاری شریف کی منتخب احادیث کی بے نظیر شرح

ادانہ اسلامی



بخاری شریف کی منتخب احادیث کا ترجمہ اور بے مثل تشریح  
 رَحْمَةُ الْقَدَرِ تَرْجَمَ بِحَبْلِ الْفَنِّ

# انتخاب بخاری

(ترجمہ و تشریح)

تخریج احادیث  
 امام بخاری قدس اللہ سرہ الغزینی ۲۵۶ھ

زیر نگرانی  
 حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی  
 ۱۳۶۲ھ

اردو ترجمہ و تشریح فولد  
 حضرت مولانا فخر احمد عثمانی  
 جلد اول

عربی شرح  
 علامہ ابن ابی جبرہ مالکی اندلسی  
 ۶۹۹ھ  
 ساری حرمہ

احادیث شریفہ سے مسائل سلوک و تصوف، مسائل اخلاق و آداب اور مسائل فقہ کے  
 استنباط پر وہ گرانمایہ کتاب جو ہر دور میں علماء صوفیاء اور ویداحضرات کی توجہ کا  
 مستحقہ طور پر مرکوز رہی ہے۔ بخاری شریف کی منتخب احادیث کی بے نظیر شرح

بشر  
 ادارہ ایسٹ ایشیائی پبلشرز، بک سیلرز، کمپیوٹرز  
 لاہور

☆ سرکاری مطبعہ  
 پاکستان اسلام آباد، کلاں پریس ۲۲۲۸۱

☆ لاہور، قادیان، کراچی، پاکستان  
 فون: ۳۵۳۲۵۵ - ۳۵۳۲۵۶

☆ رجسٹرڈ سٹیشن، لاہور، پاکستان  
 فون: ۳۵۳۲۵۵ - ۳۵۳۲۵۶

پہلی بار کسی طباعت کیساتھ : جولائی ۱۹۸۰ء

بانتھا : اشرف بزدوز، لاہور

ناشر : ادارہ اسلامیات

انارکلی ، لاہور

فاروق امین لاہور

اصغر پریس، لاہور

کتابت

طباعت

قیمت

روپے ۱۰۰

ڈالنی دار

ادارہ اشرف پبلشرز بک سیلرز ایکسپورٹرز

\* ممبران روز  
پاک ٹریڈ انڈیا، لاہور ۱۹۸۰ء

\* ۱۹۰۰ انارکلی، لاہور، پاکستان  
۴۲۵۲۲۵۵ - ۰۲۲۲۲۲۵

\* دہلی، نیشنل ہائی وے، لاہور  
۴۲۵۲۲۵۵ - ۰۲۲۲۲۲۵

ملنے کے پتے

ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور

دارالاشاعت اردو بازار کراچی

ادارہ المعارف ڈاکخانہ دارالعلوم کراچی ۱۱

مکتبہ دارالعلوم، مدرسہ دارالعلوم کراچی ۱۱



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ



# عرضِ مآثر

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

اللہ رب العزت کا ہزار ہا شکر ہے کہ ہم اپنی ناکسی کے باوجود بخاری شریف کی احادیث کی وہ نادر و گرانمایہ شرح آپ کے سامنے اردو میں پیش کر رہے ہیں جس کی تعریف و توصیف میں تمام علماء و موفیہ رب اللسان رہے ہیں۔ یہ کتاب جو درحقیقت بخاری شریف کا ایک طرح سے خلاصہ اور تشریح ہے اپنے وقت کے مشہور امام علامہ ابن ابی جمروہ رحمہ اللہ نے تالیف فرمائی۔

اس کتاب کی اہمیت اور عظمت کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ فتح الباری شرح جامع البخاری، نامور عالم اور فقیہ المآثر محقق حافظ ابن حجر عسقلانی اس کتاب کے حوالے جا بجا اپنی کتاب میں پیش کرتے ہیں۔

احادیث سے مسائلِ سوک و تصوف اور مسائلِ اخلاق و آداب کے استنباط پر یہ اپنی نوعیت کی منفرد اور لازوال کتاب ہے، یہ کتاب ہر دو میں ہی اہل علم و عمل بزرگوں کی منظور نظر رہی ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہ اس کتاب کے بہت بڑے مداح تھے اور انہیں کے حکم پر مشہور محدث اور حدیث کی مشہور کتاب اعلام السنن و الجلدوں کے مصنف مولانا خضر احمد عثمانی نے اس کتاب کا خوبصورت اردو آسان اور ویسے ترجمہ کیا اور جا بجا اپنے گرانقدر فوائد کا بھی اضافہ فرمایا۔

ب

یہ کتاب تقسیم سے قبل طبع ہوئی تھی مگر شائقین کی کثرت کی وجہ سے جلد ہی ناپید ہو گئی تھی۔ ہمارے خوش نصیب ہیں کہ اس کتاب کو دوبارہ اور پہلے سے بہتر انداز سے چھپنے کی سعادت ہمارے حصہ میں آئی اور اب یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اصل کتاب میں ہم نے کوئی ترمیم و اضافہ نہیں کیا البتہ وہ ذیلی عنوانات جو سابقہ ایڈیشن میں صفحے باہر درج تھے اب صفحوں میں لے لئے گئے ہیں اور مکمل فہرست کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس محنت کو قبول فرمائے اور اس کتاب کی اشاعت کا ثواب والد ماجد مولانا محمد نذیر محمد خیم رحمۃ اللہ علیہ اور جلیل القدر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع نور اللہ مرقدہ کو پہنچا کر ہماری غرضشوں کو معاف فرمائے۔ آمین

اس کتاب کے استفادہ کرنے والے حضرات سے درخواست ہے کہ وہ ہمیں اپنی دعاؤں و صلحہ میں یاد رکھیں والسلام

ناشرین

(اشرف برادرز)

محمد اشرف ، مسعود اشرف ، سعید اشرف

ادارہ اسلامیات، لاہور



# رحمت القدوس جلد اول

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۶	خلو کیلئے گوشہ ساہلےجا سنت ہے	۱	دیباچہ مترجم
۲۸	اپنے گھر والوں کو جائے خلوت سے مطلع کرنا چاہئے	۵	کتاب اور مصنف
۲۹	اسبا معاش میں بقوری مشغول نا طلع جتا نہیں	۹	مقدمہ مختصر البخاری
۳۰	فرشتہ کے پھنیپنے میں نکت	۱۲	مقدمہ بچہ انفوس
۳۲	مبادی نفس کے بعد مبادی ہوتی ہے		
۳۴	مجاہد کی دو قسمیں ہیں ایک سنی و دوسری دیکھو		
۳۵	مناظرہ میں کسی گنگو کی جائے جو بڑی اسکی سمجھتا ہے	۱۹	حدیث کا ترجمہ
۳۶	نکرتما اعمال سے افضل ہے	۲۱	شرح
۳۷	صفات غنیمت اور صفات رحمت دونوں کو چننا چاہئے	۲۲	ہدایت امر و جہی ہے کسی نہیں
۳۸	تکلیف کے وقت دعا کرنا سنت ہے	۲۲	خلوت کی حقیقت
۳۸	کھانا میں اختصار سلوب ہے	۲۳	تسبیح لکھی خلاف سنت ہے
۳۹	امم واقعا کو گھر والوں سے بیان کرنا جائز ہے	۲۴	حقوق واجبہ ادا کرنے کے بعد خلوت ہو سکتی ہے
۳۹	امم دنیا میں اہل علم سے دُور کرنا چاہئے	۲۴	طریق تزہیت دو مکہ طریقوں سے افضل ہے
۴۰	تعریف میں مبالغہ نہ کرنا چاہئے	۲۵	مبتدی کیلئے خلوت ہی مناسب ہے
۴۱	بزرگوں کے سامنے چھوٹوں کا احتیاط سے گفتگو کرنا چاہئے	۲۶	حق کمال عباد اور اصلاح میں معین ہے

## حدیث بدالوحی

## حدیث کا ترجمہ شرح

ہدایت امر و جہی ہے کسی نہیں

خلوت کی حقیقت

تسبیح لکھی خلاف سنت ہے

حقوق واجبہ ادا کرنے کے بعد خلوت ہو سکتی ہے

طریق تزہیت دو مکہ طریقوں سے افضل ہے

مبتدی کیلئے خلوت ہی مناسب ہے

حق کمال عباد اور اصلاح میں معین ہے

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۷۰	سکے باقی تہجدات جہ نماز سے انفس ہے	۴۲	صاحب فائدہ کا پناہ دے خود بیان کرنا چاہیے
۷۲	عمل کی وقت تصحیح نہایت مطلوب ہے	۴۲	انسان اپنے لئے نیر کی تباہی نہ کرے
۷۳	عمل کا سب سے بڑا ثواب مغفرت ہے	۴۳	تلاوت عادت پر ہم لگانا چاہئے
۷۴	ایمان سب اعمال سے اعلیٰ ہے	۴۴	واقعات ملکوت و انکشاف تقویت ایمان کا باعث
		۴۵	عمل کرنا اور کثرت عمل پر نظر نہ کرنا
<b>حدیث اِنَّ الدِّينَ يَسْمُو</b>		<b>حدیث سلاوة الایمان</b>	
۷۵	دین آسان ہے	۴۶	حالات ایمان حسن ہے محض عقلی نہیں
۷۸	مجاہد اگر سناغ اور مخالب کی حد تک ہو تو ممنوع نہیں	۴۶	انرا اور رسول کیساتھ محبت کی علامت
۸۳	اسلام اور فلسفہ	۵۱	ایمان کا چل مہل ہے
۸۴	معاذ قتل پر درخانی کمال ہے	۵۲	حضرت سلف کا ایمان کسوت سے کامل تھا
۸۸	میں و شاک اور ترشہ میں عمل کا استقام		
۹۰	فراغ قلب اور وقت شناسی کو نصیحت ہے	<b>حدیث البیعة</b>	
۹۰	سلوک اہل میں تدریج چونا چاہیے	بیعت کی حقیقت اور اس کی انعام	
۹۱	مستحب میں اتنا غلو نہ واجب فوج ہو جائے	توسیع حاصل کا حصول	
۹۳	کسی حال پر مداومت جو جائز ہی ترقی ہے	<b>حدیث قتال المسلمین</b>	
۱۵	ابتداء میں قاتل کا جوش ہو جائے پھر ٹنڈا پڑ جائے	فسادیت اور انفعال قلب پر مواخذہ	
۹۷	ہمیشہ عزیمت پر ہمارا نہ کرنا	بقاؤ کی حالت میں تنقید مسلم کا حکم	
۹۷	فردرت کی وقت رخصت پر نبی عمل کرنا	<b>حدیث لیلۃ القدر</b>	
۹۸	امت محمدیہ پر آسانی ہونا	نماز شانہ کے بعد واصل نیل سے حکم میں ہیں	
۱۱۲	میں کیساتھ عبادت قبول نہیں علم ضروری ہے		
۱۱۶	مذہب کے مسائل پر عمل کی مہارت		
۱۱۶	معیشت دینی تماش کرنا قرب دنیا کی علامت ہے		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	حدیث۔ احسن النفع علی الأهل	۱۲۲	دیوی ترقی کے حصول کا طریقہ
	عمل کا درجہ حسن نیت سے بلند ہوتا ہے	۱۲۴	تسلیم اقتصاد دین آسان ہو جاتا ہے
۱۵۹	عمل میں حسن نیت نفس پر گراں ہوتا ہے	۱۲۸	ایمان الہی کی تعمیل میں تشدد اور سہولت کی طرف
۱۶۱	عمل ظاہر سے عمل باطن کے انقل حوئے کا راز		المنافع نہ کر د
۱۶۲	حدیث۔ تفقہ فی الدین	۱۳۱	توقع اور تجویز کم کرنے سے دین میں مدد ملتی ہے
	حدیث کی حقیقت اور اس کی فضیلت	۱۳۲	نفاق رضایا صبر ہو تو دین آسان ہے
۱۶۶	علم غیر عظیم ہے	۱۳۵	یقین کامل ہو جائے تو دین آسان ہے
۱۷۱	علم دی ہے جس سے غیر کی طرف رہنمائی ہو	۱۳۹	نفسانی خواہشوں پر غالب آجاؤ تو دین آسان ہے
۱۷۲	حدیث۔ طلب علم	۱۴۲	دولت اخلاص حاصل کرو تو دین آسان ہے
	جو چیز نیکی میں حسین ہو وہ بھی خیر ہے		حدیث وفد عبدالقیس
۱۷۷	طلب علم اور تحصیل علم	۱۴۹	آپنوالے کا نام اور شخصیت دینا کھانا سنت ہے
۱۷۹	جہنم سے نجات بڑی کامیابی ہے	۱۵۰	ہر شخص کو اس کے درجہ پر رکھو
۱۸۲	علم شریعت کا طالب اللہ کی پناہ میں ہے	۱۵۱	اللہ کی طرف سے ہونے والے حال نسیب ہونا
۱۸۳	قیلہ الامت المحمدیۃ علی الحق	۱۵۲	حق واجب ملزم ہو تو قسم بتا دینا چاہیے
	مبارک ہے وہ جس سے نیر کا سد جانی ہو	۱۵۳	توسیق کا مدار تقدیر پر ہے
۱۸۶	عطار نیر انش کے قبضہ میں ہے	۱۵۳	عملی و دخول جنت کا سبب ہے
۱۸۷	مثال کے ذریعہ سے مقصود کی توضیح کرنا چاہیے	۱۵۶	ہر شخص کو وہی بات بتاؤ جو اس پر واجب ہے
۱۸۹	ایسا میں تاثیر نہیں مگر اختیار کرنا فرمودی ہے	۱۵۷	سب سے فرائض کا اہتمام کرو
۱۹۰		۱۵۷	علم دیگر اعمال سے افضل ہے
		۱۵۸	حفاظت علم فرمودی ہے

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	حدیث اسعد الناس من قال لا اله الا الله	۱۹۱	اسباب دین اور اسباب دنیا کا فرق
		۱۹۳	نہ بدین تعوی کے آسان نہیں
۲۱۴	سوال سے پہلے مخاطب کا نام لینا چاہیے	۱۹۵	ایک ایک جماعت دین کے ایک ایک شعبہ کو سنبھالے گی
۲۱۵	سوال کے وقت تکلّف اور تلقّی		
۲۱۵	محبت اتباع میں ہے باتوں میں نہیں	۱۹۷	کثرت سے جہاد اور قلت کی طرف مائل ہو
۲۱۶	عیاد فضیلتِ قوتِ ایمان ہے	۱۹۷	اہل حق کو مخالفین کا اندیشہ نہ کرنا چاہیے
۲۱۷	معاملاتِ آخرت تیس سے بالا ہیں	۱۹۹	موت سے خوش ہونا اور اس کا انتظار کرنا
۲۱۷	مخاطب کا دل خوش کرنا سنت ہے		
۲۱۸	مخاطب کی خوشی میں اضافہ کرنا سنت ہے		
۲۱۹	جواب دیتے ہوئے مخاطب کا نام لینا سنت ہے	۲۰۱	اہم امور کو جزئیات اور رد و شریف سے شروع کریں
۲۲۰	جوابات زیادہ مفید ہو اس کو مقدم کرو	۲۰۲	ذول اکرم کو تمام غیب کا علم نہ تھا
۲۲۰	حسن افعال جسے سن حال پر استلال	۲۰۴	علوم کشفیہ مقصود نہیں بلکہ علوم وحی مقصود ہیں
۲۲۱	علوم کھت کا اہل سے وقت پر بیان کرنا	۲۰۵	قدر الہی عقل کی پابندی نہ تیس کی
۲۲۱	کسی کے عمل کی تعریف کرنا	۲۰۶	ایک ہی وقت میں مختلف مقامات پر حضور کا دیدار
۲۲۲	اہل اشکاء بعض فضلت میں متنازع ہونا	۲۰۷	کراماتِ اولیاء حق ہیں
۲۲۳	ایمان میں آمیزش، شفاعت سے عوری	۲۰۹	سچی بات بدلائین کرتی
۲۲۴	زبان سے کلمہ طیب کہنا ضروری ہے	۲۱۱	عقل و فہم اسباب نہیں بلکہ اثر کی عطاریے
	حدیث رفع العالم بقبض العلماء	۲۱۱	اتباع اور ترک اتباع
		۲۱۲	اہل یقین غلطی سے غمخوار ہیں گے
۲۲۶	علم شریعت کے سوا کوئی علم نہایت نہیں	۲۱۲	ایمان کو قوی اور سفرِ آخرت کی تیاری
۲۲۷	علم، فہم، تہذیب کا نام ہے		
۲۲۸	خلفِ سفہ کا پورا کا نام نہیں ہوتا		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۶۰	اعمالِ ظاہر کی خصوصیت کا مداریت پر ہے	۲۳۲	متاخرین کا علم متقدمین کے برابر نہیں
۲۶۰	درجاتِ خلوص کی تحقیق	۲۳۴	اللہ تک پہنچنے کا راستہ ہر شے کا جدا ہے
۲۶۳	جواب کے وقت سائل کی طرف متوجہ ہونا سنت ہے	۲۳۶	دنیا میں اہل حق کا باقی رہنا
۲۶۳	وقامت رہنا سنت ہے	۲۳۷	دنیا میں راحت سے زیادہ مصیبت ہے
۲۶۳	مؤمن کے خلاف بات پر دلیل قائم کرنا	۲۳۸	سمجھنا، علم حقیقی سے حاصل ہوتی ہے
۲۶۴	کھڑت ہو کر مسکد ہو جانا جائز ہے	۲۴۰	عیاد شری کے خلاف حالت، نافع نہیں
۲۶۵	فضول بائیں نہ کرنی چاہئیں	۲۴۰	علم پر دھوکہ نہیں چل سکتا
۲۶۵	مونیہ کو مجاہد میں کیا سنت کرنی چاہیے؟	۲۴۳	غلط فتویٰ پر عمل کرنا ایسا بھی گمراہ ہے
۲۶۷	دنیا کے لئے جہاد ممنوع ہے	۲۴۴	جاہل، جہل کی وجہ سے مسعود نہیں
۲۶۸	کشت و کراہات کو ولایت میں کوئی دخل نہیں		
	حدیث تخمیل الرجل المریح وهو فی الصلوٰۃ		بَیِّنَاتُ الْحِسَابِ وَالْعَرَضِ
۲۶۹	حضور کے وقت عوارض بشریت بالنگات	۲۴۶	حساب کتاب کی تفصیل
۲۷۰	خطرہ طیلہ منہ ہے۔ نماز میں دل سے اپنی کرنا	۲۴۹	جواب سمجھ میں نہ آئے دوبارہ پوچھو
۲۷۱	شکوہ و سادس پر بالکل اتفاق نہ کرے	۲۵۰	مراجعة من ادب کے ساتھ ضروری ہے
۲۷۲	سادس سے حالت خاص میں تزلزل نہیں ہوتا	۲۵۱	استاذ و شیخ کے سامنے خود مستقل بننا
	حدیث آداب لبول والاہ استیجا والشرب	۲۵۲	تحقیق سے انسان سرور بنتا ہے
۲۷۳	دایاں ہاتھ اور بایاں لہجہ	۲۵۳	آج کل کا مناظرہ بہت بڑا ہے
۲۷۴	مجاور شئی کو شئی کا حکم دیا جاتا ہے	۲۵۶	زبان کی احتیاط بہت لازم ہے
			حدیث القتال فی سبیل اللہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	اسعد الناس من قال لا اله الا الله	۱۹۱	اسباب دین اور اسباب دنیا کا فرق
		۱۹۲	زہد بدن تقویٰ کے آسان نہیں
۲۱۴	سوال سے پہلے مخاطب کا نام لینا چاہیے	۱۹۵	ایک ایک جماعت دین کے ایک ایک شعبہ کو سنجھالے گی
۲۱۵	سوال کے وقت تکلف اور تملق	۱۹۷	کنزت سے بھاگو اور قلت کی طرف مائل ہو
۲۱۵	محبت اتباع میں ہے باتوں میں نہیں	۱۹۷	اہل حق کو مخالفین کا ذخیرہ نہ کرنا چاہیے
۲۱۶	معیار فضیلت قوت ایمان ہے	۱۹۹	موت سے خوش ہونا اور اس کا انتظار کرنا
۲۱۷	معاملات آخرت قیاس سے بالا ہیں		
۲۱۷	مخاطب کا دل خوش کرنا سنت ہے		سوال القبر و فتنۃ
۲۱۸	مخاطب کی خوشی میں اضافہ کرنا سنت ہے	۲۰۱	اہم امور کو جزئیات اور دو شریف سے شروع کریں
۲۱۹	جواب دیتے ہوئے مخاطب کا نام لینا سنت ہے	۲۰۲	دول اکرم کو تمام غیب کا علم نہ تھا
۲۲۰	جواب زیادہ مفید ہو اس کو مقدم کرو	۲۰۴	علوم کشفیہ مقصود نہیں بلکہ علوم وحی مقصود ہیں
۲۲۰	حسن افعال جسے حسن حال پر استدلال	۲۰۵	قدر الہی نہ عقل کی پابندی نہ قیاس کی
۲۲۱	علوم حکمت کا اہل سے وقت پر بیان کرنا	۲۰۶	ایک ہی ذلت میں مختلف مقامات پر حضور کا دیدار
۲۲۱	کسی کے عمل کی تعریف کرنا	۲۰۷	کرامات اولیاء حق ہیں
۲۲۲	اہل اللہ کا بعض صفت میں متنازع ہونا	۲۰۹	سچی بات بدلا نہیں کرتی
۲۲۳	ایمان میں آمیزش، شفاعت سے عروسی	۲۱۱	عقل ذہن اسباب نہیں بلکہ اثر کی عطاریے
۲۲۴	زبان سے کھریبہ کہنا مزیں ہے	۲۱۱	اتباع اور توکب اتباع
	رفع العلم بقبض العلماء	۲۱۲	اہل یقین غلطی سے محفوظ رہیں گے
۲۲۶	علم شریعت کے ساتھ علم ہیئت نہیں	۲۱۲	ایمان کو قوی اور سفر آخرت کی تیاری
۲۲۷	علم نور قلبی کا نام ہے		
۲۲۹	خلف سلف کا پورا باقائم مقام نہیں ہوتا		



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۶۰	اعمالِ ظاہر کی خصوصیت کا مداریت پر ہے	۲۳۲	متاخرین کا علم تقدیر کے برابر نہیں
۲۶۰	درجاتِ غلوں کی تحقیق	۲۳۴	اشد تک پہنچنے کا راستہ ہر شخص کا جدا ہے
۲۶۳	جواب کے وقت سائل کی طرف توجہ ہونا سنت ہے	۲۳۶	دنیا میں اہل حق کا باقی رہنا
۲۶۳	وقامت سے رہنا سنت ہے	۲۳۷	دنیا میں راحت سے زیادہ مصیبت ہے
۲۶۳	معروف کے خلاف بات پر پسپا قائم کرنا	۲۳۸	سچی دنیا، علمِ حقیقی سے حاصل ہوتی ہے
۲۶۴	کھڑے ہو کر مسدود رہنا جائز ہے	۲۴۰	عیاد شریعی کے خلاف حالت، نافع نہیں
۲۶۵	فضول باتیں نہ کرنی چاہئیں	۲۴۰	علم پر دھوکہ نہیں چل سکتا
۲۶۵	مونیہ کو عباد میں کیا سنت کرنی چاہیے؟	۲۴۳	غلط فتویٰ پر عمل کرنا اب بھی گمراہ ہے
۲۶۷	دنیا کے لئے جہاد منوع ہے	۲۴۴	جاہل، جہل کی وجہ سے معذور نہیں
۲۶۸	کشف و کرامات کو ولایت میں کھلنا نہیں	<b>بُث الحسَاب والعَرَض</b>	
<b>بُث تحفیل الرجل المریح وهو فی الصلوٰۃ</b>		۲۴۶	حساب کتاب کی تفصیل
۲۶۹	حضور کے وقت عوارض بشریت پر التفات	۲۴۹	جو بخت سمجھ میں نہ آئے دوبارہ پوچھ لو
۲۷۰	خطرہ قبلہ منشا ہے۔ نماز میں دل سے باہر کرنا	۲۵۰	مراجعتِ حسنِ ادب کے ساتھ مزدوری ہے
۲۷۱	شوکت و وساوس پر بالکل التفات نہ کرے	۲۵۱	استاذِ ادب کے سامنے خود مستقل بننا
۲۷۲	وساوس سے حالتِ خاص میں تزلزل نہیں ہوتا	۲۵۲	تحقیق سے انسان مردار بنتا ہے
<b>بُث آداب البول والاِستنجاء والشرب</b>		۲۵۳	آج کل کا مناظرہ بہت بُرا ہے
۲۷۳	دایاں لہجہ اور بایاں لہجہ	۲۵۶	زبان کی احتیاط بہت لازم ہے
۲۷۴	جادو شئی کو شئی کا حکم دیا جاتا ہے	<b>بُث القتال فی سبیل اللہ</b>	
		۲۵۸	مزدور کے وقت چھوٹے کا بڑے کو پکارنا
		۲۵۹	اپنے اعمال کی خرابیوں کو ظاہر کرنا

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۹۱	نہنڈ کی حکمت اور فوائد		حدیث الرأفة بالحيوان
۲۹۵	نہنڈ بھی اللہ کی بڑی رحمت ہے		
۲۹۶	اللہ تعالیٰ بندوں کی عبادت سے مستغنی ہیں	۲۷۶	مزدت، خلاف عادت پر مجبور کر دیتی ہے
۲۹۸	خاتمہ مشتمل بر نصیحت	۲۷۷	مزدت کیوقت ثقیل شئی کی نظر آتی ہے
	حدیث غسل المني من الثوب	۲۷۸	تغریض و کنایہ، تصریح کے برابر ہے
	مزدت شرعی کے وقت شرمناک امور کا تذکرہ جائز ہے	۲۸۰	غیر معتدی بہت بڑی قربت ہے
۳۰۰	پاک ناپاکی کے معاملہ میں شریعت نے سہولت دی ہے	۲۸۱	نفع متعدی کب افضل ہے ؟
۳۰۱	شوہر کا بیوی سے اپنے لئے خدمت لینا	۲۸۱	اعمال خیر میں سے کوئی عمل بیکار نہیں
	حدیث غسل دہر الحیض	۲۸۱	اخلاص ہی سے قلب بڑھتا ہے
۳۰۲	حضور کا آسانی کو پسند فرمانا	۲۸۲	کمال عمل سے اجر کا مل ہوتا ہے
	حدیث کیفیت الاغتسال من الحيض	۲۸۲	صلاح آخرت کے لئے فساد دنیا کی پرواہ نہ کرو
۳۰۴	جہاں توضیح کی مزدت ہواں مغالطے سے حکم شرعی بیان کیا جائے، شرک نہ کی جائے	۲۸۲	بڑوں کو چھوٹوں کے لئے مشقت برداشت کرنی چاہیے
۳۱۱	انسان کو اپنے عیوب چھپانے چاہئیں		حدیث النعاس فی الصلوة
	حدیث خلق الجنین فی بطن امہ	۲۸۳	عالم کو از خود بھی تعلیم دینے کا حق ہے
۳۱۵	اللہ تعالیٰ کا لطف پیدائش سے پہلے سے	۲۸۵	نماز میں دعا قبول ہوتی ہے
		۲۸۵	اپنے کام اور افعال کی نگہداشت
		۲۸۶	عمل قسم میں تمکد ادب بدتمیزی ہے
		۲۸۷	طاہرات میں کوئی ناگوار چیز نہ ملاؤ
		۲۸۹	تینفظ اور حزم کی تاکید

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۴۴	بزرگوں کے حالات ہم جنسوں میں بیان کرو	۳۱۷	انسان کی پیدائش کے مراحل اور تقدیر خداوندی
	حدیث کرامۃ الخاتمۃ فی المجد	۳۲۰	ذوق کے بارے میں اجمالی کوشش کافی ہے
		۳۲۲	مسئلہ تقدیر کی توضیح
۳۴۷	استفراق و مراقبے تعلیم احکام شرعی افضل ہے	۳۲۳	مسئلہ قدر پر اشکال و جواب
۳۴۸	مساجد کی حفاظت اور احترام	۳۲۴	مسئلہ قدرت و ہمت کو بلند کرتا ہے
۳۵۰	ہر وقت استفراق میں رہنا کمال نہیں		
	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی صفائی		حدیث جواز الصلوۃ فی السفینۃ
۳۵۱	خود اپنے دست مبارک رکھی	۳۲۶	افعال صحابہؓ حجت ہیں
۳۵۲	مخافت شرعی سے مسلمانوں کو تغیر ہونا چاہیے	۳۲۷	مشقت کی تفسیر
۳۵۳	کسی مسلمان کو مصیبت پیش آئے تو رد عمل	۳۲۸	صوفیہ کے نزدیک تشویش عام ہے
۳۵۴	احکام الہی کی بے حرمتی پر ناگواری کا اظہار	۳۲۸	سمندر کا سفر جائز ہے
۳۵۵	واقعات مذکور پر زیادہ ناگواری سنت ہے	۳۲۹	ظاہری سمندر طے کرنے کی شروط
۳۵۶	نماز میں حق تعالیٰ سے مناجات کی حقیقت	۳۳۰	باطنی سمندر سے ایسے اور ان کا تفصیلی بیان
۳۶۰	قرآن اللہ کا کلام پاک ہے	۳۳۰	بحر دنیا کا بیان
۳۶۱	اللہ تعالیٰ نمازی کے اوقبلہ کے دریاں بہتے ہیں	۳۳۱	بحر موی اود بحر شہوات کا بیان
۳۶۲	اللہ تعالیٰ جنت اور مکان سے منزہ ہیں	۳۳۲	شہوت نفس کے لئے حاجات کا پورا کرنا افضل ہے
۳۶۴	کیا مسلمان کعبہ کی پرستش کرتے ہیں؟	۳۳۵	بحر نفس اور بحر علم کا بیان
	حدیث حبیب النبی صلی اللہ علیہ وسلم التیامن	۳۳۶	بحر معرفت اور بحر قوس حیدر
		۳۳۸	سمندروں سے بہتے کرسلماتی کا راستہ
۳۶۷	دین کا ہر جزو (فرض، نفل، مستحب) مطلوب ہے		حدیث جواز التمرز من حرط صبا فی الجود
۳۶۸	تعلیم میں پہلے اجمال اور پھر تفصیل دوکار ہے	۳۴۰	مشائخ کے افعال و اقوال کا اتباع اور کسی عمل

منو	موضوع	منو	موضوع
۲۸۷	چھوٹے بچے کے ساتھ ادب گفتگو کرنی چاہیے	۲۹۹	جس کو اللہ نے توحید دی اسے تہجد دو مسئلہ تشبیہ
۲۸۷	بزرگوں کی عظمت چال میں کرنی چاہیے	۲۷۰	
۲۸۸	بزرگوں سے واقعہ صحیح بیان کرنا چاہیے		حدیث المسافر اذا قدم من سفره
۲۸۸	حکمت کی حفاظت کے ساتھ قدرتی بھی کام کرنا		سفر سے واپسی پر اہل مسجد میں جانا چاہیے
۲۸۹	مفتوں کے سپرد کیا حکمت ہے ؟	۲۷۲	مومن کے عمل کو اسے قول کی تصدیق کرنا چاہیے
۲۹۰	جس امر کا علم نہ ہو اس پر گواہ طلب کریں	۲۷۳	عالم بے عمل و عفا ترک نہ کرے بے عملی ترک کرے
۲۹۱	۴۴ میں گئے تھے شخص کے غفلت کی تلافی	۲۷۴	محرم اشیاء کے ترک کا حکم ادا کی دلیل
	کرم بھائی ہے	۲۷۵	تہذبات میں محدود سے تجاوز
	حدیث السيرة للمصلي والمروء	۲۷۶	حدیث صلاة الملتكة على المصلي
	بین یدیدہ		مادامہ فی مصلوہ
۲۹۲	خاندان کے صلے سے عزت و فخر کو کیوں کر ہٹایا جائے		نماز شرعی اور لغوی کا فرق
۲۹۳	ظاہر سے باطن پر استدلال درست ہے	۲۷۸	نماز کی فضیلت دوسرے اعمال پر
۲۹۴	کسی پر قطعی حکم یقینی دلیل کے بغیر جائز نہیں	۲۸۰	نیک انسانوں کی رشتہوں پر فضیلت
۲۹۵	احتمال کی دعایت بھی مرفوض ہے	۲۸۱	نماز کی جگہ کیا مراد ہے ؟
۲۹۶	احترام اس کا کیا ہے ؟ جو خود بھی احترام کرے	۲۸۲	خوشخبری سننے کا سنت طریقہ
۲۹۷	ادب احترام عمل سے بھی انفعالی ہے		جس طاعت کے دوسری طاعت نہ ہو اس میں خلل ہے
۲۹۸	ہر شخص پر وقتی فعل کی مطابقت حکم ہوگا	۲۸۲	
	حدیث فتنۃ الامل والمال		حدیث مسجد السلام
	و کھارتھا		
۳۰۰	حدیث سے متعلق چند سوالات	۳۸۹	جسے علم نہ ہو اسے بزرگوں کے افعال پر اقتراض نہ چاہیے

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۲۱	تفصیل حکم اصل ذکر ہے	۴۰۸	اعمال ملک اعتباراً زیادہ ہونا چاہیے
	ہدایت الہیہ فی البیادۃ وفضلہا	۴۰۸	حکومت کے حقوق کا تحمل نہ ہو تو حکومت بہتر ہے
۴۲۳	بے جان چیزیں اعمال مالو کی گواہ ہیں گی		حدیث ثقائب الملائکۃ
۴۲۴	جمادات میں قدرت سماع کا ثبوت		الکرام الکاہنین
۴۲۶	قدرت کو عقل کا پابند نہیں کیا جاسکتا	۴۱۱	حدیث کے متعلق چند اہم سوالات
۴۲۶	قانون قدرت کی تحقیق	۴۱۲	اعتبار غائمہ کا ہے
۴۲۷	حیوانات و جمادات نیک لوگوں سے خوش ہوتے ہیں	۴۱۳	نماز تمام عبادات سے اعلیٰ و افضل ہے
۴۲۸	جنگل میں نماز پڑھنے کی فضیلت کا مطلب	۴۱۳	فرشتے ملک نیک اعمال سے خوش ہوتے ہیں
۴۲۸	حب دنیا دین سے مانع نہ ہو تو جائز ہے	۴۱۴	فرد عسکر کے بعد فضیلت
۴۲۹	اختلاف اغراض، مانع اتحاد نہیں	۴۱۴	مذق جمع کی نماز کے بعد تقسیم ہوتا ہے
۴۳۰	ہر ایک کو اس کے مطابق نصیحت کرنی چاہیے	۴۱۵	بیداری اور شبیہی سے کام کرو
۴۳۱	قرن اول میں ہر ایک کو ذکر کی غرض تھی	۴۱۵	ماورین کو افراد عصر کی تہمت مشرور ہونا چاہیے
۴۳۱	ہر ایک کے لئے جمعیت قلب کا طریق جڑا ہے	۴۱۶	فرشتوں سے محبت ہونی چاہیے
۴۳۱	حضرت مہاشیہ کو مستحبات کا احترام	۴۱۶	غیب کی باتیں غنچے سے ایمان کی ترقی
۴۳۲	سب اہم اور مقدم دین ہے	۴۱۷	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی بنا پر
	حدیث فضل الازان والصف الاول	۴۱۷	قرب میں ترقی
	والعبۃ والصبح	۴۱۷	قوت ایمان اور مضطرب ایمان کا سیار
۴۳۳	اعمال مالو میں مسابقت کرنی چاہیے		حدیث من شئ صلاۃ فلیصلہا
۴۳۵	نفع معلوم ہونے کے بعد عمل کا شوق بڑھ جاتا ہے		اذا ذکرہا
		۴۲۰	بکھارنا تمام اعمال سے افضل ہے

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	ہدایۃ فیما الی الصلوۃ	۴۲۶	اعمال خیر کے لئے ہر ممکن تدبیر کر دے
		۴۲۷	شام کے ساتھ کام کرنا چاہیے
۴۵۴	امامت کے وقت کب کھڑا ہونا چاہیے	۴۲۷	عبادہ مونیہ کی وسیل
۴۵۵	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹی بات بھی {	۴۲۷	شعرا اسلام میں اظہار افضل ہے
	نہیں چھوڑی	۴۲۷	دین کے لئے اپنی برائی گوارا کرنا چاہیے
۴۵۶	عباد میں مشغول ہونے سے پہلے اپنی حالت دیکھو	۴۲۸	مسابقت کی تقسیم اور تحقیق
۴۵۷	احکام میں کمزوروں کا لحاظ ضرور رکھو		
۴۵۸	محنت کے ساتھ قدرتی پر بھی نظر ہونا چاہیے		ہدایۃ اثبات الصلوۃ بالسکینۃ
۴۵۸	عباد کا ادب یہ ہے کہ اعلیٰ سے ادنیٰ کی {	۴۲۹	دین تحقیق کے حکم نہیں لگانا چاہیے
	طرف نہ آئے	۴۳۱	نماز میں ششوع و سکون کا وجوب ہے
۴۵۹	منہزم کا احترام کرو اگرچہ تو خیر افضل ہو	۴۳۲	حوادث کی طرف دل کا بے اختیار متوجہ ہونا
۴۵۹	تحریر وقت کے ادا کا خیال رکھو	۴۳۳	نماز وہ اچھی جس میں بشریت باقی ہے
		۴۳۳	ذکر وہ اچھا جس میں نذرانہ ہو جائے
	ہدایۃ انتظار الایام		
۴۶۱	قرینہ حال سے حکم لگانا جائز ہے	۴۳۷	نماز کے لئے سکون و وقار کے ساتھ آنے {
۴۶۲	حوائج بشریہ عبادت کے سنانی نہیں	۴۳۷	کی تحقیق
۴۶۲	دین کے معاملہ میں خیال و شرم نہ کرنا چاہیے	۴۳۸	دین بہت آسان ہے
۴۶۲	عباد میں کاوش اور دھم کرنا بدعت ہے	۴۳۸	محبت الہی کی علامت
۴۶۲	وضو غسل میں جلدی کرنا اور نماز میں دیر {	۴۳۹	تنہا عبادت بھی گناہ کا گناہ ہو جاتی ہے
۴۶۵	لگا ماست ہے	۴۴۰	مومن دنیا میں غلغلی ہی رہتا ہے
۴۶۵	عباد میں اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف غور نہ چاہیے	۴۴۰	خیر کے فوت ہونے پر رنج ہونا ایمان کی علامت
۴۶۶	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایمان قوی تھا	۴۴۱	نیکداشت بظری حالت ہے
		۴۴۱	غلغلی میں خوف سے خوش ہونا چاہیے

موضوع	صفحہ	موضوع	صفحہ
وقتِ ایمان سے اعمال میں سہولت ہوتی ہے	۴۶۶	ذکر اللہ کے اتنا	۴۸۲
جماعت کو امام کا انتظار کرنا چاہیے	۴۶۷	صوفیہ کے نزدیک ذکر قلبی افضل ہے	۴۸۴
حدیث سبعة یظلہم اللہ فی ظل عرشہ		حدیث تقدیم العشاء علی الصلوٰۃ	
اعمال صالحہ وسیلہ سعادت ہیں	۴۷۱	حضور و خشوع اور اخلاص، نماز کی قبولیت کے اسباب ہیں	۴۸۶
اعمال صالحہ سب مطلوب ہیں	۴۷۱	فرو ریات سے فارغ ہو کر نماز میں مشغول ہو	۴۸۷
ثواب کی بنا کسی علت پر نہیں	۴۷۲	مستحبات کی پابندی کرنا سنت ہے	۴۸۸
خدا ہمیشہ نفس کو دبانے اور اخلاص حقیقی حاصل کرنا ہی کامیابی کا سبب ہے	۴۷۲	متبع سنت کے سارے کام طاعت ہوتے ہیں	۴۸۹
نفل پھپھانا اور فرض ظاہر کرنا افضل ہے	۴۷۹	خاصانِ خدا کو عبادت سے راحت ملتی ہے	۴۸۹
افسوس کے واسطے محبت کرنا لوگوں کی تین قسمیں	۴۸۰	دنیا کے کام اسی وقت مباح ہیں جب	۴۹۰
اللہ کو تنہائی میں یاد کرنے کی تین صورتیں	۴۸۲	آخرت میں معین ہوں	

قرآن تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، شیعہ و سوانح، تاریخ اور دیگر اسلامی

موضوعات پر بہترین مستند دینی کتب ہم سے

طلب فرمائیں

ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور







بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
رُحْمَةُ الْقُدُسِ  
بِهَجْرِ السَّيْفِ فُوسُ

الحمد لله الذى هدانا لهذا لو كنا لنهتدى لولا ان هدانا  
الله واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك  
له الحمد وله نعبد والاياء واشهد ان سيدنا ومولانا  
محمد اعبد ورسوله الذى اتخذه الله خليلا وحبيبنا  
واصلنا صلى الله تعالى وسلم عليه وعلى آله واصحابه  
وكل من تبعه اقتفاه

اما بعد

جب یہ احقر کتاب البحر المورود مؤلف قطب ربانی علامہ عبدالوہاب  
احمد بن علی الشرنوبی کے ترجمہ سے فارغ ہو گیا جو رسالہ شہرہ النور میں  
الدر المنضود کے نام سے عرصہ تک شائع ہوتا رہا اور ماہِ رجب ۱۳۵۴ھ میں  
مکمل کو پہنچ گیا ہے تو دل میں خود بخود خیال آیا کہ اس کے بعد کسی دوسرے  
مفید مضمون کا سلسلہ شروع کیا جائے تو اچھا ہے چنانچہ مختلف خیالات

دل میں گزرتے رہے مگر کسی ایک پر دل کو تدار نہ ہوا، اسی اثنار میں میری منجلی لٹکی جو ۹۰۸ مہینہ سے بعافہ صحتی لازمہ علیل مفتی شعبان ۱۳۵۴ھ میں نیا دہ علیل ہو گئی اور ۲۶ شعبان ۱۳۵۴ھ کو اتوار کے دن ۸ بجے صبح کے درمیان اس نے اس دار فناء سے دار البقا کی طرف انتقال کیا اور اپنی مغائرت کا مسد والدین کے دل و جگر پر چھوڑ دیا

فانالله وانا الیہ راجعون ، غفر اللہ لہا ورنع درجاتہا و تقبل حسناتہا و رزقنا الصبر الجمیل ،

اس عمدہ جانگاہ سے قرار و سکون رخصت ہوا تو وہ خیال جو پہلے ہی غیر مستقر تھا عدم استقرار کے ساتھ مضعل بھی ہو گیا کہ دفعۃً ایک روز جبکہ ناچیز مجلس بہ جرت ہر ایا خیر و رحمت میں بخدمت حضرت اقدس سیدی سندی مولائی و مرشدی ملاذی و معتمدی ظل اللہ علی العالمین حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب مخاوی دامت برکاتہم حاضر تھا حضرت کے کتاب بھجۃ النفوس مؤلفہ امام مقتدی محدث حافظ ابو محمد عبداللہ بن ابی جعفر الازدی الاندلسی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ فرمایا کہ یہ کتاب بہت عمدہ ہے جسمیں علامہ موصوفی نے احادیث نبویہ کی شرح کرتے ہوئے احادیث سے مسائل تصوف کا استنباط فرمایا ہے اور میرا دل چاہتا ہے کہ کوئی اس کتاب کا ترجمہ کر دے و

حضرت کے اس ارشاد سراپا ارشاد سے قلب مضطر میں داعیہ پیدا ہوا کہ الدس المنصوب کے اختتام کے بعد جو مضمون جدید لکھنے کا خیال تھا کہ اس کے لئے اسی کتاب مبارک کو متعین کر لینا چاہیے جسمیں چند فائے ہوں گے ، اولاً حضرت اقدس کی تمنا پوری ہوگی جن کی شان یہ ہے ۔

توچنین خواہی خدا خواہ چنیں  
می دھد یزداں مراد متفتیں

حضرت کی تمنا مجھ جیسے ناکارہ کے ہاتھوں پوری ہو جائے تو کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ٹھکانے لگادے۔

ثانیاً یہ کہ اہل اللہ کی تمنا جس کے ہاتھوں پوری ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی مدد اسکی ساتھ ہوتی ہے تو اس تالیف میں انشاء اللہ غیبی امداد میسر ساتھ ہوگی اور امید ہے کہ دولتِ اخلاص بھی نصیب ہو جائیگی جس پر مدارِ کار ہے۔“

ثالثاً یہ کہ مسدّد جان کاہ کے سکون میں اس سے مدد ملے گی کیونکہ تجربہ شہید ہے کہ شغلِ قرآن و حدیث اور ارشاداتِ اہل اللہ سے قلب کے سکون ہوتا ہے الا بذکر اللہ نظم من القلوب۔

رابعاً یہ کہ حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم نے کتاب عنوانات التصوف کے آخر میں بعنوان تبصیر و تبشیر جو ایک اعلان فرمایا ہے اس سے ناظرین کتاب مذکور کو کتابِ ہجرتِ النفوس کے مطالعہ کا اشتیاق پیدا ہوا ہوگا اور عربی نہ جاننے والوں کو اس کے ترجمہ کا انتظار ہوگا تو اس کتاب کے ترجمہ کی تہتہ تہتہ سے اصحابِ قلوب کے اشتیاق کی مکمل اور کلفتِ انتظار کی رافع ہوگی، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تیمناؤں کے اس مقام پر حضرت کے اس اعلان کو بلفظہ نقل کر دیا جائے تاکہ ناظرین میں سے اگر کسی کی منظر سے نہ گزرا ہو تو وہ بھی حضرت کے ارشاد سے اس کتاب کی عظمت و جلالت کا اندازہ کر لیں، و ہذا لفظہ ادام، اللہ ظہد۔

### تبصیر و تبشیر

ایک کتاب بہتہ النفوس نظر سے گزری جو مختصر الحقائق کی شرح ہے جو حضرت ماتن نے خود لکھی ہے متن سبذ اسانید و مکریات احادیث بخاری کی تلخیص ہے اور شرح میں احادیث سے اور

کہیں کہیں آیات سے بھی مثل مسائل علم ظاہری کے بکثرت مسائل علم باطنی بھی مستنبط کئے ہیں۔ فتح الباری میں کتاب کا جا بجا حوالہ اس کے مستند ہونے کیلئے کافی دلیل ہے، چونکہ عنوانات تصوف کے مآخذ اور اس کتاب کا ایک حصہ ہمزنگ ہیں اس لئے اس فن کے شائقین کیلئے اس کا اعلام کر دیا گیا۔

اشرف علی ثامن ربیع الاول ۱۳۵۳ھ  
اب خدا کا نام لیکر ترجمہ شروع کرتا ہوں اور بطور مقدمہ کے چند امور سے ناظرین کو مطلع کرنا چاہتا ہوں جن کا ترجمہ میں التزام کرنے کا ارادہ ہے۔

### اولے

یہ کہ اس وقت پوری کتاب کے ترجمہ کا ارادہ نہیں بلکہ صرف اس حصہ کا ترجمہ کیا جائے گا جس میں مسائل تصوف کا استنباط احادیث نبویہ یا آیات قرآنیہ سے کیا گیا ہے۔

### دوم

یہ کہ ترتیب ترجمہ کی اس طرح ہوگی کہ اولاً حدیث متفقہ کا مع حوالہ باب کے ترجمہ ہوگا اس کے بعد بعنوان شرح اس حصہ شرح کا ترجمہ ہوگا جس میں مسائل تصوف کا استنباط مذکور ہے اور ترجمہ کے بعد اگر کسی مضمون کی تفصیل و توضیح کی حاجت ہوگی تو اس کو بعنوان فتا لکھا جائے گا۔

### سوم

یہ کہ کتاب ہجرت النفوس میں جتنے مسائل حدیث سے مستنبط کئے گئے ہیں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو نمبر وار ذکر کیا ہے اسی طرح ترجمہ میں بھی ہر مسئلہ کو نمبر وار بیان کیا جائے گا مگر چونکہ ترجمہ میں

مشر مسائل تصوف کو لیا گیا ہے اس لئے ترجمہ کا مبراصل کتاب کے نمبر کے موافق نہ ہوگا مگر ہر مسئلہ کے بعد اصل کتاب کا نمبر لفظوں میں مع ابستدار و انتہاء عبارت اصل کے مختصراً لکھ دیا جائے گا تاکہ اگر کوئی اصل سے مراجعت کرنا چاہے تو اس کو دشواری پیش نہ آئے ۔

### چہارم

یہ کہ احادیث متن کی صحت کے متعلق اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ یہ سب احادیث صحیح بخاری کی احادیث ہیں جو اصح المکتب بعد کتاب اللہ کے لقب سے ممتاز ہے اور اس سے ناظرین کو اندازہ ہوگا کہ بولوگ باوجود سب کچھ پڑھ لینے کے بھی علم تصوف کے منکر ہیں وہ بخاری شریف کو بھی سمجھ کر نہیں پڑھتے بہت دور ہی کر لیتے ہیں اگر وہ قرآن و حدیث کو سمجھ کر پڑھتے تو ہرگز اس علم کا انکار نہ کرتے نہ اہل تصوف پر اعتراض کرتے

### پنجم

یہ کہ کتاب بہجۃ النفوس جو مختصر البخاری کی شرح ہے اس کے مصنف بہت بڑے امام ہیں جن کا تذکرہ خاتمۃ الحفاظ علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب حسن المحاضرہ میں اور علامہ ابوالعباس سیدی احمد بن احمد بن عمر بن محمد اقبیتنے کتاب نیل الالبتهاج بتظریۃ الیبلج میں و جو کتاب الیبلج المذہب فی معرفۃ اعیان علماء المذہب (المانکی) کا تکرار ہے اور اسی کے حاشیہ پر طبع ہوئی ہے) اور علامہ عبدالوہاب شعرانی نے کتاب الطبقات الکبریٰ میں بیان فرمایا ہے، چونکہ تراجم اسماء رجال کا علم جماعت علماء کیساتھ مخصوص ہے اس لئے ان کتابوں کی اصل عبارت اس جگہ عربی میں بلا ترجمہ نقل کی جاتی ہے۔ اگر ناظرین اہل علم میں سے کسی کو مصنف کا تذکرہ کسی اور کتاب میں بھی مل جائے تو درخواست ہے کہ مترجم کو اس سے مطلع فرمائیے تاکہ اس کو بھی خاتمۃ کتاب میں ملحق کر دیا جائے۔

قال الحافظ السيوطي في ذكر من كان بمصر من الصالحين  
والزهاد والصوفية الامام ابو محمد بن ابي جيمرة  
المقري المالكى العالم البارع الناسك قال ابن كثير  
كان توار بالحق اما رابا المعروف توفى بمصر في ذي العقدة  
سنة خمس وتسعين وستمائة (حسن المحاضرة ج ٢٣٢)  
وقال العلامة ابو العباس اتيت في نيل الاله بتهاج عبد الله  
بن ابي جيمرة ابو محمد الوالى القدوة العارف بالله  
الزاهد الصالح الامام العلامة المقري المشهور مؤلف  
مختصر الجندى وشرحه بمجته النفوس في سفرين لله  
كرامات عديدة رأيتها مجموعة في كراريس مع اخباره  
عن اكارار باب القلوب، ماهيك من حاله وكراماته  
ما ذكرانه قال يوما بحمد الله تعالى انه لم يعص الله  
قط اخذ عنه صاحب المدخل ونقل عنه كثيرا في  
كتابه توفى نفعنا الله به سنة تسع وتسعين وستمائة  
اهم ملخصاً (منها)

وقال القطب الرباني العلامة عبد الوهاب الشعراني  
في الطبقات له و منهم الشيخ عبد الله بن ابي جيمرة  
الاندلسي المبرسي رحمة الله الامام القدوة الرباني  
رضي الله عنه قدم مصر ولما زاوية بحط جامع المقسم  
وكان ذاتسك باثار النبي صلى الله عليه وسلم  
حالة وجميعيت على العبادة وشهرة كبيرة بالا خلاص  
والاستعداد للموت والفرار من الناس وانجماح عنهم  
الذي الجميع وابتنى بالانكار عليه حيث قال انه يرى

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقظۃً ویشافہہ و  
 قام علیہ بعض الناس فانقطع فی بیتہ الی ان مات  
 سنتہ تسع وتسعین وستمائة ۱۲۰  
 ہشتم

کتاب بجمۃ النفوس کے مستند ہونے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ  
 حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں اس کے مضامین جا بسما  
 ذکر فرماتے ہیں اور صاحب مدخل نے جا بسما حضرت مصنف کے  
 اقوال مدخل میں نقل فرمائے ہیں بلکہ کتاب مدخل کی تصنیف کا  
 سبب بھی حضرت مصنف کا امر وارشاد ہی بتلایا ہے وھذا لفظہ  
 وبعد فانی کنت کثیرا ما اسمع سیدی الشیخ العمدۃ العالم  
 العامل المحقق القدوة اباحمد عبد اللہ بن ابی جبرۃ یقول  
 وددت انہ لو کان من الفقہاء من لیس لہ شغل الا ان یعلم  
 الناس مقاصدہم فی اعمالہم ویفقد الی التدریس فی  
 اعمال النیات لیس الا «اوکلا ما ھذا معنا فانہ ما الی علی  
 کثیر من الناس الا من توضیح النیات فقد رآنی ذکر بعض  
 ما کان یجری عنده من بعض الفوائد فی ذلک لبعض  
 الاخوات فطلب ان اجمع لہ شیاؤ لکی یعرف تصرفہ فی  
 نیئہ وعبادتہ وعلما و تسبیہ الخ (رج ۱)

### ہفتم

حضرت مصنف نے ایک مقدمہ تو متن مختصر البخاری کا تحریر فرمایا ہے  
 دوسرا مقدمہ بجمۃ النفوس کا تحریر فرمایا ہے جو شرح ہے۔ ان دونوں  
 مقدموں میں سے اول کا زوپورا ترجمہ کیا جائے گا اور دوسرے کا پورا ترجمہ  
 نہیں کیا جائے گا بلکہ مختصر طور پر ضروری مضامین لے لئے جائیں گے جن کی

ضرورت عالم ہے اور جو مضامین اہل علم کے لئے مخصوص ہیں اُن کو ترک کر دیا جائے گا کہ وہ اصل کتاب سے خود معلوم کر سکتے ہیں۔

### ہشتم

اس وقت تک ہمارے پاس کتاب بہجتہ النفوس کی صرف دو جلدیں پہنچی ہیں جن میں سو حدیثوں کی شرح ہے، اور مقدمہ کتاب معلوم ہوتا ہے کہ متن مختصر البخاری میں تین سو احادیث کے قریب ہیں۔ اگر بقیہ شرح بھی دستیاب ہو گئی تو انشاء اللہ اس کے بھی حصہ تصوف کا ترجمہ کر دیا جائے گا، ورنہ جس قدر موجود ہے وہ بھی انشاء اللہ بہت کافی ہے۔

وہا انا اشرع فی المقصود متوکل علی ربی انہ رحیم ودود  
بیدہ ازمۃ التوئیک والخیر والحدیث "بیسرۃ تعسر  
وتم بالخیر



# ترجمہ مقدمہ مختصر البخاری

الحمد لله حق حمدًا . والصلوة والسلام على سيدنا  
محمد الخيرة من خلقه وعلى صحابة الختارين بصحبته وبعد  
چونکہ حدیث نبوی ابد اس کا حفظ اللہ تعالیٰ کی (رضاکا) طرف قریب تر  
وسیلہ ہے جیسا کہ ان کے آثار سے معلوم ہوتا ہے جو اس کے متعلق وارد ہیں  
من جملہ ان کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ جو شخص میری  
امت تک ایک حدیث پہنچا دے جس سے کسی سنت کو رواج دے یا بدعت  
کو رد کر دے اس کیلئے جنت ہے :

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے کہ  
"جو شخص میری امت (کو پہنچائے) کیلئے ایک حدیث یاد کرے  
اس کے لئے اکہتر راہ، نبیوں صدیقوں کا ثواب ہے :

اس بارہ میں اور بھی بہت آثار ہیں اور میں نے دیکھا کہ باوجود کتب  
احادیث کی کثرت کے ہمتیں اُن کے حفظ سے بوجہ سذون (کی طوالت)  
کے قاصر ہیں تو میں نے سوچا کہ کتب احادیث میں سے ایسی کتاب کو لوں  
جو سب سے زیادہ صحیح ہو اور اس میں سے حسب ضرورت کچھ حدیثیں منتخب کروں  
اور سندوں کو حذف کر کے اس کا اختصار کر دوں بحجز (صحابی) راوی حدیث  
کے (نام کے) کہ اس سے توجاہ ہی نہیں، اس طرح اس کا اختصار کرنا آسان ہوگا  
اور انشاء اللہ اس سے بہت فائدہ ہوگا، تو میرا ارادہ یہ ہوا کہ وہ کتاب  
(جس کا اختصار کیا جائے صحیح) بخاری ہو کیونکہ وہ حدیث کی، سب کتابوں  
میں زیادہ صحیح ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ بڑے بزرگوں میں سے ہیں :

اور حجابِ لدُعت بھی تھے (ایسی دُعا قبول ہوتی تھی) اور انہوں نے اس کتاب کے پڑھنے والے کیلئے دُعا بھی کی ہے و

مجھ سے ایک قاضی نے جو صاحبِ معرفت اور (طلبِ حدیث میں) صاحبِ رُحلت (و سیاحت) تھے، اُن بزرگوں سے نقل کرتے ہوئے جن کی فضیلت (و بزرگی) مسلم تھی بوقت ملاقات فرمایا کہ امام بخاری کی کتاب کسی مصیبت کے وقت پڑھی جائے تو مصیبت ضرور دور ہو جاتی ہے اور کشتی میں ساتھ لیکر سوار ہوا جائے تو کبھی غرق نہیں ہوتی، پس میں نے برکتِ حدیث کیساتھ ان برکتوں کو بھی لینا چاہا کیونکہ اس وقت دلوں کو زنگ لگ گیا ہے کیا عجب ہے کہ اللہ کا فضل ہو جائے اور تاریکی زنگ دور ہو جائے ” اور شاید (نفسانی) خواہشوں کی مصیبتیں جو اوپر تلے دلوں پر چھائی ہوئی ہیں جاتی رہیں اور امید ہے کہ ان عظیم الشان حدیثوں کے محفوظ کر لینے سے (دلوں کی کشتیاں) بدعتوں اور گناہوں کے سمندرِ دُعا میں غرق ہونے سے بچ جائیں گی ” پس اللہ تعالیٰ کی توسیع سے جب یہ منتخب حدیثیں پوری ہو گئیں تو (شمار میں) کچھ کم تین سو حدیثیں تھیں، جن میں سے اول یہ حدیث تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء کس طرح ہوئی اور سے آخر وہ حدیث تھی جس میں جنتیوں کے جنت میں جانے اور اللہ تعالیٰ کا اُن پر اپنی دائمی رضا کے ساتھ انعام فرمانے کا ذکر ہے، تو میں نے اس ترتیب کے موافق اس کا نام جمع النہایۃ فی بدایہ الخیر والغایۃ رکھا (جو بعد میں مختصر البخاری کے نام سے مشہور ہوئی) اور میں نے ان حدیثوں کو عنواناتِ ابواب مقرر کر کے الگ الگ نہیں کیا۔ اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور اس کے پڑھنے والوں اور سننے والوں کو خیر کی ابتداء مع انتہا کے کامل طور سے عطا فرمائیں ” بس اب ہم

خداوند کریم مالک عشرِ عظیم سے سوال کرتے ہیں کہ اپنے فضل سے  
 ان حدیثوں کو ہمارے دلوں کیلئے جلا اور دین کی بیماریوں سے شفا رہنا  
 دیں کہ اُن کے سوار (ہمارا مالک) پروردگار کوئی نہیں ہے۔  
 وصلى الله على سيدنا محمد  
 خاتم النبیین والحمد لله رب العلمین



## مُخَلَّصَاتُ

## بَهجتِ النفوس

اما بعد ہم نے اپنی کتاب مسمی بہ جمیع النہایۃ فی بدأ الخیر والغایۃ کے دیباچہ میں جو کچھ لکھا ہے اس میں اس طرف اشارہ تھا کہ اس کتاب کے فوائد بہت زیادہ ہیں اور اس کی خوبیاں عام ہیں، اور ہمیں نے اس خیال سے کہ ایک خسیعہ بعد دوسری خیر حاصل کریں ان فوائد کے بیان کرنے کا ارادہ بھی کیا تھا تا کہ وہ کتاب بمنزلہ اصل کے ہو اور یہ (شرح) بمنزلہ شاخ اور پھل کے ہو کیونکہ پھلوں سے پورا فائدہ اسی وقت ہوتا ہے جبکہ ان کو توڑ لیا جائے، اور تاکہ اس کتاب کے یاد کرنے والوں کو فائدہ کی بلکہ ان فوائد کی قدر معلوم ہو جو اس کے اندر موجود ہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تو ہر ہر فائدہ کیلئے جس پر ایک حدیث دلالت کرتی ہے الگ باب باندھا ہے اور اسی واسطے وہ ایک حدیث کو بعض دفعہ چند ابواب میں بار بار ذکر کرتے ہیں اور بعض دفعہ حدیث کے ٹکڑے کر کے ہر باب میں بقدر ضرورت ایک حصہ لاتے ہیں، میں نے یوں مناسب سمجھا کہ ان حدیثوں میں سے جو (مختصر ہیں) جمع کی گئی ہیں ہر حدیث کو ایک باب قرار دوں اور (واقعی) وہ باب ہی ہے اور بڑا باب، جسکی سمجھی ظاہر حدیث (اور اس کے الفاظ) ہیں اور جو ابواب (فقہیہ) اس سے نکلتے ہیں وہ سب راستے ہیں جو اسی دروازہ کے تابع ہیں، پھر میں نے حدیث کے (پورے) الفاظ کو متناظر کیا تاکہ

ان شیریں اور غایت درجہ شیریں الفاظ کی برکتوں سے وہ نور حاصل کروں جس سے دل کی جہالتوں کی پیاس بجھے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کسی لفظ کی زیادتی یا کمی کسی مفید معنی ہی کے واسطے ہوتی ہے، کیونکہ آپ خواہش (نفس) سے نہیں بولتے تھے۔ اسی لئے اکثر علماء نے فرمایا ہے کہ حدیث کو فار اور واو کے ساتھ نقل کرنا چاہیے (کہ جہاں واو ہو وہاں واو لایا جائے جہاں فار ہو وہاں فار ایک کی جگہ دوسرا حرف نہ لایا جائے مگر معنی نہ بدلیں) جیسا کتاب عزیزہ (قرآن شریف) کو نقل کیا جاتا ہے، اور ایک جماعت نے علماء میں سے یہ بھی فرمایا ہے کہ حدیث کو بالمعنی روایت کرنا بھی جائز ہے (کہ معنی محفوظ رہیں گو الفاظ بدل جائیں) لیکن حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی تو یہ حالت تھی کہ جب اُن کو کسی لفظ کے صیغہ میں کچھ شبہ ہو جاتا اگرچہ اس سے معنی پر کچھ بھی اثر نہ ہوتا اس کو بھی یہ کہہ کر ظاہر کر دیتے تھے کہ میرا گمان یوں ہے، میرا خیال یہ ہے، (کہ حضورؐ نے اس طرح فرمایا یا اس طرح) اور اس کا سبب سبب مزدوباؤں کے اور کچھ نہ تھا، ایک تو نقل کی سچائی، دوسرے اس خاص لفظ کی برکت کو محفوظ رکھنا (جو حضور کی زبان سے نکلا ہے) بلکہ وہ برکت فوت نہ ہو، اسی کی منظر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ حکایت ہے کہ انہوں نے حج کے راستہ میں ایک مقام پر اپنی اونٹنی کو چکر دیا کسی نے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ فرمایا وجہ تو میں نہیں جانتا مگر میں نے (اس مقام پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے تو میں نے بھی وہی کیا جو آپ نے کیا تھا، غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ اور آپ کے جملہ افعال صحابہ کے نزدیک سرایا برکات و انوار تھے اور کیوں نہ ہوں جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس کی ترغیب دی اور تنبیہ فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے ۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ  
 ”فرما دیجئے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع  
 کرو اللہ تم سے محبت فرمائے گا۔“

(اسمیں عموم کے ساتھ اتباع کا حکم ہے) اور عموم کیساتھ حکم اتباع کا  
 مقتضی یہ ہے کہ ہر چھوٹی بڑی بات میں خواہ فعل ہو یا قول پورا اتباع کیا  
 جائے اور حسنات صحابہ سے اس قسم کے واقعات بہت منقول ہیں جو  
 تلاش کر نیوالے کو مل جائیں گے، یہ ہے آئمہ دین سودہ بھی حدیث نبوی کا  
 بڑا احترام فرماتے تھے حتیٰ کہ وہ اُن کے نزدیک قرآن ہی کے مثل تھی  
 اس کے الفاظ و حروف سے بھی (قرآن کی طرح) احکام کا استنباط فرماتے  
 تھے اور کیسے احکام کا؟ جن سے دست بردھرتے ہوئے ہیں اور اسی پر  
 اپنے مذاہب کی بنیادیں قائم فرماتے تھے، احترام حدیث کا تو یہ حال تھا  
 کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ہے کہ (ایک دفعہ) خلیفہ (وقت)  
 ان کے مکان پر حاضر ہوا تو اپنے گھر سے نکلنے میں دیر کی، جب باہر تشریف  
 لائے تو خلیفہ نے عرض کیا اے مالک! تم ہمیشہ امراؤ (خلفاء) کو ذلیل ہی کہتے ہو، فرمایا نہیں بخدا،  
 مگر (دیر کی وجہ یہ ہوئی کہ) میں نے آپ کی آواز سنی تو یہ سمجھا کہ آپ کا میرا پاس آنا صرف اس لئے ہوا ہے  
 کہ حدیث (نبوی) کی متعلق مجھے کچھ پوچھنا ہے اور میں اس وقت بے وضو تھا مجھے گوانا نہ ہوا کہ حدیث  
 (نبوی) کے متعلق بے وضو گفتگو کروں، اس لئے میں نے وضو کی اور فوراً  
 باہر آ گیا اس کے سوا مجھے کچھ نہ نہیں (کہ دیر ہوئی یا سویر) نیز امام مالک سے  
 یہ بھی منقول ہے کہ جب طلبہ اُن کو درس دینے کیلئے (گھر سے) بلاتے تو  
 دریافت فرماتے کہ تم کیا پڑھنا چاہتے ہو، اگر وہ یہ کہتے کہ فتنہ (پڑھنا)  
 چاہتے ہیں تو اُسی حالت میں باہر آ جاتے جس حالت میں اس وقت ہوتے  
 اور اگر یہ اطلاع دی جاتی کہ حدیث (پڑھنا) چاہتے ہیں تو اچھی طرح  
 وضو کرتے خوشبو لگاتے، عمدہ سے عمدہ لباس پہنتے، مشک و اگر کی دہونی

لیتے پھر حدیث (پڑھانے) کیلئے بیٹھتے، اس قسم کے واقعات اُن سے بکثرت منقول ہیں اور چونکہ وہ حدیث نبوی کی (اس درجہ) تعظیم کرتے تھے اسی لئے اُن کا نام امیر المومنین فی الحدیث رکھا گیا۔ ہر حدیث کے الفاظ سے احکام کا استنباط کرنا اور اس کے فوائد کی تلاش میں رہنا تو اس کی مثال یہ ہے کہ امام مالکؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد نافذ وقعت الحدود و صرفت الطرق فلا شفعة سے تین مسئلے مستنبط فرمائے ہیں (جن کو اہل علم اصل کتاب سے سمجھ سکتے ہیں) اور اس قسم کی مثالیں امام مالکؒ اور ان کے سوا دوسرے کرامہ سے بکثرت منقول ہیں جو تلاش کرنیوالے کو مل سکتی ہیں غرض میرا دل ہمیشہ اس بات کا مشتاق رہا جس کو میں نے اوپر بیان کیا ہے کہ مختصر البخاری کی شرح کروں اور فائدہ حدیث کو بیان کروں اور) ایک خبر کو دوسرے خبر کے ساتھ ملاؤں، اسی سوچ اور فکر میں دن گزرتے گئے یہاں تک کہ مجھ سے ایک شخص نے جو اصل (کتاب) کو پڑھ چکا تھا درخواست کی کہ ان معانی و مطالب کو ظاہر کر دوں جو دل میں چھپے ہوئے ہیں، تو میں نے اسکی درخواست اس امید پر منظور کی کہ شاید اللہ تعالیٰ مجھے اور اسے اور جو اس کتاب کو بعد میں پڑھے اور تصدیق و رقت (قلب سے) پڑھے اس کے ذریعہ نفع دیں، (پس اب معلوم کرو کہ) یہ کتاب شریعت کے فرائض و سنن و مستحبات و آداب و احکام کے بہت سے موتیوں کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے، نیز اس میں علم

---

ع چونکہ مصنفؒ مالکی ہے اس لئے امام مالکؒ ہی کے استنباط کو مثال میں بیان فرمایا ورنہ تمام ائمہ مجتہدین کی یہی حالت ہے کہ حدیث نبوی کے لفظ لفظ سے مسائل کا استنباط فرماتے اور ان کے اشارات و دلالات سے احکام کا استخراج کرتے ہیں ۱۲

حقیقت پر حقیقت (واقعیات) کے ساتھ اشارہ کیا گیا ہے، اور علم حقیقت شریعت کو جمع کرنے کا طریقہ بھی بتلایا گیا ہے (کیونکہ جو حقیقت شریعت پر منطبق نہ ہو وہ زندہ ہے) نیز ان طریقہ ناجیہ کو بھی بیان کیا گیا ہے جن کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس ارشاد میں) اشارہ فرمایا ہے کہ میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے جن میں نجات پانے والا فرقہ وہ ہے جو اس راستہ پر چلے جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب اور ان کے مخالف طریقوں پر بھی اشارہ کیا گیا اور ان سے ڈرایا گیا ہے، اور بعض دفعہ میں نے ان مسائل پر جو ایک حدیث سے معلوم ہوئے آیات (قرآنیہ) اور اس کے مناسب دوسری احادیث سے بھی استدلال کیا ہے جو اسکی مؤید ہیں، جن میں سے بعض کی تو الفاظ سے ہی تائید ہوتی ہے اور بعض کی معانی سے، اور اس کے بعد کچھ حکایات بھی بیان کر دی ہیں تاکہ (ناظرین کا) ذہن تیز ہو اور مقصود واضح ہو جائے۔ اور بعض دفعہ کسی کسی جگہ میں نے نفس کو غفلت پر (زجر دے کر) توبیخ کرنے کی ہدایت کی ہے کہ شاید گمراہی سے باز آجائے۔ نیز میں نے اس کتاب میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقہ اور ان کے آداب اور حسن عبادت اور نقل کی احتیاط اور حسن خطاب پر بھی تنبیہ کی ہے اور اس سے جو آداب شبیہ مستنبط ہوتے ہیں ان کو بھی بتلایا ہے جب کہ الفاظ حدیث میں ان امور سے تعرض ہو، کیونکہ ان امور میں سے کسی کو غفلت کیساتھ چھوڑ دینا مناسبت نہیں اس لئے کہ یہی حضرات (اللہ کے) برگزیدہ اور مقرب بندے اور منتخب اور بلند درجے والے ہیں۔ علماء نے حق تعالیٰ کے ارشاد و تنبیغ غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولیٰ (جو کوئی رسول کی مخالفت کرے

بعد ازیں کہ ہدایت اس پر واضح ہو چکی اور مؤمنین کے راستہ کے سوا دوسرا راستہ اختیار کریگا ہم اس کو اسی حالت پر چھوڑ دیں گے جو اس نے اختیار



کی ہے اور جہنم میں جھونک دیں گے) کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ مؤمنین سے مراد حضرات صحابہ اور قرن اول (کے مسلمان) ہیں، دوسرے یہ کہ یہی وہ حضرات ہیں جن سے بلا واسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب بالمواجہہ ہوا ہے اور انہوں نے خوبصورتی کیساتھ سوال کر کے ان اشکالات سے تسلی حاصل کی جو ان کے دلوں میں واقع ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بہترین جواب دیا اور اچھی طرح حقیقت کو واضح فرما دیا، صحابہؓ نے اس کو سنا اور سمجھا، اس پر عمل کیا اور اچھی طرح عمل کیا، محفوظ کیا اور ضبط کے ساتھ یاد رکھا پھر دوسروں کے سامنے نقل کیا اور سچائی کے ساتھ نقل کیا، پس اُن کے لئے بڑی فضیلت ہے کیونکہ انہی کے ذریعہ سے ہمارا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ سے پھر حق جل و علا کے سلسلہ سے ملا پس اُن کا ہم پر بڑا احسان ہے۔ اُن کے حق کے لحاظ سے بھی اور سبقت کی وجہ سے بھی، اللہ تعالیٰ اُن کو بہترین جزا عطا فرمائے جو کسی عمن کو عطا کی گئی ہو اور ان کے الفاظ کیونکر چھوڑے جاسکتے ہیں حالانکہ ہم نے اُن کے حق واجب کا دسواں حصہ بھی بیان نہیں کیا، اور اگر کوئی ملحد (بد دین) اُن پر اعتراض کرے اور اس نعمت کی ناشکری کرے جو اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کے ذریعہ سے ہم کو عطا فرمائی ہے تو اس کا منشا اس کا جہل اور سوء فہم اور قلت ایمان ہے (اور کچھ نہیں) کیونکہ اگر اُن پر بھی تنقیص کا کوئی شبہ پہنچ سکتا ہے تو دین کا کوئی پایہ قائم نہیں رہ سکتا، وہی تو ہم تک (دین کے) پہنچانے والے ہیں اگر یہ مقدس ناقل بھی مجروح ہو گئی تو عامادیت و آیات کا معاملہ

عن اس تقریر سے اُن لوگوں کو سبق لینا چاہیے جو حدیث۔ انکار کرتے ہیں اور حضرات صحابہ اور محدثین کرام کی محنت و مشقت کا احسان

خطرناک ہو جائے گا جس سے تمام مخلوق تباہ ہو جائیگی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اور وحی نہیں آسکتی (اب اگر اس وحی میں بھی شک و شبہ کو دخل ہو گیا تو مخلوق کا کہاں ٹھکانا ہے گا، حق تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں لا نذرکم بہ ومن بلغ ذکر لے رسول فرما دیجئے کہ یہ قرآن مجھ پر اس لئے نازل کیا گیا ہے کہ تم کو بھی ڈراؤں اور ان لوگوں کو بھی جن کے پاس یہ پہنچ جائے، اور مبلغ (و ناقل) کا عادل (و معتبر) ہونا تبلیغ کی عمت کیلئے (پہلی) شرط ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اصحابی كالنجوم فبايهم اقتديتم اهتديتم (میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں اُن میں سے جس کے بھی پیچھے ہو گئے راستہ پالو گئے) اور (ظاہر ہے) کہ ہر ستارہ میں چمک اور روشنی ضرور ہے (تو ہر صحابی کا صاحب نور ہونا لازم ہے) اللہ تعالیٰ ہم کو صحابہ کے ساتھ محبت رکھنے والوں اور اُن کے طریقہ پر چلنے والوں میں سے کرے (آمین) اور بایں ہمہ میں اپنے کو لغزشوں سے بری نہیں سمجھتا مگر میں نے اس (تصنیف کے) معاملہ میں اپنا پیشوا (اور شاہ) حضرت عبداللہ بن عباس کے ایک ارشاد کو بنایا ہے جب اُن سے ایک مسئلہ دریافت کیا گیا تو ہمیں بھرتک اپنے جواب : دیا لوگوں نے عرض کیا کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی! آپ کے سوا اس مسئلہ کا جواب دینے والا ہمارے پاس کوئی نہیں، فرمایا اب جبکہ تم نے تقاضہ کیا ہے تو میں (جواب دینے کی) کوشش کروں گا اگر درست ہو تو اللہ کی طرف سے فضل و رحمت سمجھو اور غلط ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے سمجھو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو سچے ہیں (ہماری غلطی کو آپ کی طرف منسوب نہ کرو۔ پس میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور اُن کے اصحاب کو اپنے مقصود کے لئے اللہ کی طرف وسیلہ بنا لیا اور اس کلمات پر (بجۃ النفوس و تحلیہا بعرفۃ مالہا و ما علیہا تجویز کیا ہے اور میں اللہ ہی سے مدد چاہتا ہوں۔ وھو حسب و نعم الوکیل

## حدیث بدالوحی

حضرت عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اولاً وحی کی ابتداء سچے خوابوں سے ہوئی کہ آپ سوتے ہوئے جو خواب بھی دیکھتے اس کا ظہور ایسا ہوتا جیسا صبح کی پوچھتی ہے پھر آپ کو خلوت سے محبت دی گئی، آپ غار حرا میں خلوت گزریں ہوتے اور اس میں کئی کئی رات مسلسل عبادت کرتے اور اس نعمانہ خلوت کیلئے توشہ (کھانے پینے کا سامان) ساتھ لے آتے پھر سامان ختم ہو جاتا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس واپس جاتے اور اہٹتے ہی دنوں کیلئے اور توشہ لے آتے یہاں تک کہ آپ کے پاس غار حرا ہی میں (سنگا)، حق آپنچا فرشتہ آپ کے سامنے آیا اور اس نے کہا پڑھیے، آپ نے فرمایا کہ میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں، حضور فرماتے ہیں کہ (اس جواب پر) فرشتہ نے مجھے پکڑا اور سینے سے لگا کر (نور سے دبایا یہاں تک کہ مجھے تکلیف ہونے لگی تو چھوڑ دیا اور پھر کہا پڑھیے میں نے (وہی جملہ اب بھی) کہا کہ میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں، آپ فرماتے ہیں کہ (اس جواب پر) مجھے پھر اس نے پکڑا اور دوبارہ نور سے دبایا یہاں تک کہ مجھے تکلیف ہونے لگی تو چھوڑ دیا اور پھر کہا پڑھیے میں نے پھر وہی کہا کہ میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں تو اس نے اس دفعہ بھی پکڑا اور سہ بارہ نور سے دبایا پھر چھوڑ کر کہا

اقتراہ باسم ربك الذی خلقہ خلق الانسان من علق

اَقْرَأُوْ بِكَ الْاَحْمَرُ (الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ)

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان آیتوں کو سیکر اس حالت میں واپس ہوئے کہ آپ کا دل کانپ رہا تھا اور حضرت خدیجہ کے پاس پہنچ کر فرمایا مجھے کھبل اڑھا دو، کھبل اڑھا دو، چنانچہ انہوں نے کھبل اڑھا دیا (اور آپ کھبل اڑھ کر کچھ دیر لیٹے رہے) یہاں تک کہ گھبراہٹ دور ہو گئی تو آپ نے حضرت خدیجہ سے فرمایا کہ مجھے تو اپنی جان کا اندیشہ ہو گیا ہے (کیونکہ وحی کا ثقل بہت ہوتا ہے حضور نے عمر بھر اس کو محسوس کیا ہے تو پہلے دن جس قدر ثقل ہوا ہو گا اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ حضور کو اس ثقل ہی کی وجہ سے اپنی جان کا خطرہ ہوا) حضرت خدیجہ نے عرض کیا ہرگز نہیں خدا کی قسم! وہ آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے، اپنا حق کا پورا اٹھاتے، ناداروں کو کمانے (کھانے) کے قابل بناتے مہمان کی میزبانی کرتے اور قابل امداد حادثات میں مدد فرماتے ہیں، اس کے بعد حضرت خدیجہ آپ کو ساتھ لیکر ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبد الغنی کے پاس گئیں جو حضرت خدیجہ کے چچا زاد بھائی تھے اور زمانہ جاہلیت میں نصرانی بن گئے تھے، عبرانی زبان میں لکھنے پر قادر تھے چنانچہ انجیل کا جتنا حصہ مقدمہ ہوتا عبرانی میں لکھ لیتے تھے، اس وقت وہ بہت بوڑھے اور نابینا ہو گئے تھے، حضرت خدیجہ نے کہا اے ابن عم! ذرا اپنے بھتیجے کا قصہ تو سنو! ورقہ نے حضور سے کہا میں کبھی بھتیجے تم کیا دیکھتے ہو، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا ان سے بیان کر دیا جس پر ورقہ نے کہا یہ تو وہی معزز فرشتہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجا تھا۔ کاش! میں اس وقت جوان ہوتا رجبہ کہ آپ کو تبلیغ کا حکم دیا جائے گا۔ کاش! میں اس وقت تک زندہ ہی رہتا جب آپ کو آپ کی قوم (مکے) نکال دیگی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

(تجربے) فرمایا! کیا یہ لوگ مجھے نکالنے والے ہیں؟ حالانکہ اس وقت تک وہ میرا بڑا احترام کرتے اور صادق امین کے نام سے پکارتے ہیں، وردہ نے کہا ہاں، (آج تک) کوئی بھی اپنی قوم کے پاس یہ چیز نہیں لایا جو آپ لاتے ہیں مگر اس کے ساتھ دشمنی ضرور کی گئی اور اگر میں نے وہ دن پا لیا جو آپ کو پیش آئے والا ہے تو آپ کی پوری مدد کروں گا۔ مگر وردہ کو اس کے بعد زیادہ دن نہ گزے کہ وفات پا گئے، اور (کچھ دنوں کے لئے) وحی رک گئی (تاکہ آپ کو اس کا اشتیاق بڑھے)۔

ابو سلمہ بن عبد الرحمن حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرت وحی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک دن میں چلا جا رہا تھا اچانک آسمان کی طرف سے میں نے ایک آواز سنی، اوپر کو آنکھ اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ جو غار حرا میں میسر پاس آیا تھا آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے، مجھے یہ منظر دیکھ کر ڈر لگا تو (گھر کو) واپس ہوا اور حضرت خدیجہ سے کہا مجھے گرم کپڑا اوڑھا دو، تمبل اوڑھا دو۔ اسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ وَرَبُّكَ الْكَبِيرُ فَطَهِّرْ وَارْحُزْ

فَاھجر رول و تمنن تستكثر ولربك فاصبر

اس کے بعد وحی کا دریا جوش میں آ گیا اور پے در پے آنے لگی۔

## شرح

یہ حدیث فوائدِ کثیرہ پر مشتمل ہے جن میں احکام بھی ہیں، آداب بھی اور قواعد ایمان میں سے بہت سے قواعد اور سلوک ترقی کے مقامات کی معرفت بھی، اور ان مطالبے معانی ہی کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث حضرت عائشہ سے بیان فرمائی تاکہ وہ دوسروں تک اسے پہنچا دیں اور ان کو ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف ترقی کا طریقہ

معلوم ہو، اور ان فوائد کی وجہ سے حضرت عائشہؓ نے اس حدیث کو بیان فرمایا اور لوگوں نے اُن سے روایت کی، اور ہم انشاء اللہ حسب توفیق الہی ان میں سے کسی قدر تنبیہ و اشارہ کریں گے۔

۱۔ ہدایت امر وہی کہ جسے جی نہیں حدیث کا یہ لفظ کہ ”پھر آپ کو غفلت کی محبت دی گئی“ (اس بنا پر کہ یہ

صیغہ اس پر ڈال ہے کہ یہ محبت کس دینے والے نے دی خود نہیں ہو گئی) اس بات کی دلیل ہے کہ ہدایت محض اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کسی انسان وغیرہ کا اس میں دخل نہیں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت میں ابتداء ہی سے یہ بھلائی بکھری تھی، آپ کے ساتھ کوئی ترغیب دینے والا نہ تھا۔

خلوت کی حقیقت غفلت کے معنی ہیں کہ انسان اکیلا ہے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی چیز کی محبت دی گئی جو آپ کی شریعت میں عبادت کی جڑ اور عبادت کا اعلیٰ فرد ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خلوت بڑی عبادت ہے، غرض خلوت خود ایک عبادت ہے اور اگر اس کے ساتھ کوئی اور طاعت بھی مل جائے (مثلاً ذکر و فکر وغیرہ) تو وہ تبع ہے اور نور علی نور ہے۔

(الوجه الثالث قولها ثم حجب الیہ الخلام الی قوله فهو نور علی نور)

ف ہدایت کی دو قسمیں ہیں ایک راستہ معلوم کرنا و دوسرے راستہ پر چڑ جانا پہلی قسم اختیاری ہے جو انسان کو اسباب دلائل میں غور کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور دوسری وہی ہے۔ حضرت مصنف نے اسی دوسری قسم کے متعلق فرمایا ہے کہ کسی انسان کو اس میں دخل نہیں مگر عادت الہی یہ ہے کہ جو شخص صدق طلب اور گوشش کے ساتھ راستہ معلوم کر لیتا ہے اس کو راستہ پر چلنے کی بھی توفیق ہو جاتی ہے والذین جاهدوا فینا لنمہدینہم سبیلنا اور عالم اسباب میں جملہ استباکی یہی حالت ہے کہ اسباب پر تو انسان کو کچھ اختیار حاصل ہے مگر سبب پر

اختیار حاصل نہیں وہ محض وہی ہے جیسے زراعت کرنا انسان کے اختیار میں ہے مگر بیج کا بار آدہ ہونا اس کے اختیار میں نہیں مگر عادۃ اللہیوں ہی جاری ہے کہ جو زراعت باقاعدہ کرتا ہے اس کو ثمر و مل ہی جاتا ہے۔

ف حضرت مصنف کا یہ ارشاد کہ خلوت خود عبادت ہے اور اگر اس کے ساتھ کوئی اور طاعت بھی مل جائے تو نور علی نور ہے، یہ وہ بات ہے جو حضرت حکیم الامت نے بار بار بیان فرمائی ہے کہ اگر کسی سے کچھ بھی کام نہ ہو سکے تو کم از کم ایک وقت روزانہ ایسا مقرر کرے جس میں سبے الگ ہو کر خاموش بیٹھا رہ کرے انشاء اللہ یہ بھی اسکو راستہ پر لگا دے گا۔

۲۔ تبطل کلی خلاف سنت ہے حضرت عائشہؓ کا ارشاد کہ پھر حضرت خدیجہ کے پاس واپس جاتے

اور اتنے ہی دنوں کیلئے توشہ لے آتے، اس بات کی دلیل ہے کہ (مخلوق سے) بالکل الگ ہو جانا اور (بیوی بچوں سے) ہمیشہ کے لئے بے تعلق ہو جانا سنت نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غار (حار) میں اس طرح گوشہ نشینی اختیار نہیں کی کہ گھر والوں کو بالکل ہی چھوڑ دیا ہو بلکہ آپ عرف چند دنوں کے لئے عبادت کرنے وہاں جاتے پھر گھر والوں کی ضروریات کیلئے واپس آ جاتے پھر کچھ دنوں کے لئے وہاں تشریف لے جاتے؛

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری حدیث میں تبطل (وافقظا) کلی سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے؛

لَزَّهْبَانِيَّةٍ فِي الرَّسْلِ هـ

اسلام میں رہبانیت نہیں ہے

کہ نکاح ہی نہ کیا جائے اور مخلوق سے بالکل الگ تھلگ رہ جائے (اور یہ ممانعت ان لوگوں سے متعلق ہے جو رہبانیت کو سنت (اور ثواب) سمجھ کر اختیار کریں اور جو شخص اس لئے بے نکاح رہے کہ اس کو نکاح

فدوت ہی نہیں یا تو اس وجہ سے کہ اس کے پاس (نان و نفقہ) کی گنجائش نہیں یا اس وجہ سے کہ نکاح اس کو موافق نہیں وہ اس ممانعت کے تحت میں داخل نہیں، (الوجه الثامن من قوله فيه دليل على ان المتبتل الكلي والنفق طاع الله اتم الى قوله فلا يداخل تحت هذا النهي)

ف یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو بیوی بچوں کے تعلق کو تصوف کے غلاف سمجھتے اور اُن سے بے تعلقی کو خلوت اور یکسوئی کیلئے شرط سمجھتے ہیں ۱۲

۳۔ حقوق واجبہ ادا کرنے کے بعد ہی خلوت ہو سکتی ہے، یہ ارشاد اس ہے کہ عبادت حقوق واجبہ کو پوری طرح ادا کرنے کے بعد ہی ہو سکتی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں کے پاس اُن کے حقوق ادا کرنے ہی کو خلوت سے واپس آتے تھے اسی طرح دوسرے حقوق واجبہ کا ادا کرنا اور پوری طرح ادا کرنا بھی ضروری ہے۔ اس کے بعد مستحبات میں مشغول ہونا چاہیے (الوجه التاسع فيه دليل على ان العبادۃ لا تكون الا بعد اعطاء الحقوق الى قوله وحينئذ يرجع الى مندوبات)

ف خلاصہ یہ کہ حقوق واجبہ کو تلف کر کے خلوت و عبادت کرنا حقیقت میں عبادت نہیں بلکہ ہلاکت ہے گو ظاہر ہیں اس کو عبادت سمجھتے ہوں ۱۲۔

۴۔ طرق تربیت دوسرے طریقوں سے افضل ہے اس ارشاد میں اسکی دلیل بھی ہے کہ مرید کے لئے

(طریق) تربیت (کہ تدریجاً ترقی کرے) دوسرے طریقوں سے افضل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اول (سچے) خواب سے ہوئی پھر ترقی فرماتے گئے یہاں تک کہ درجہ کمال کو پہنچ گئے اور (ظاہر ہے کہ) رسول اللہ



صلی اللہ علیہ وسلم افضل البشر ہیں پس اگر تربیت کے سوا کوئی دوسرا طریقہ افضل ہوتا تو آپ اس کے زیادہ مستحق تھے۔

(الوجه الثاني عشر فيه دليل على ان التربية للمريد افضل

من غيرها الى قوله لكان اولي به، من غيره)

ف اس سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو شیخ کی ایک نظر میں

صاحب نسبت ہونے کے متنی ہیں اُن کو سمجھ لینا چاہیے کہ کامیابی کا یہ طریقہ افضل نہیں بلکہ افضل یہی ہے کہ تربیت کے طریقہ سے کامیابی حاصل ہو (وهذا هو ذوق مشائخنا سيما حكيمهم)

۵۔ مبتدی کیلئے خلوت ہی مناسب ہے اس ارشاد میں اس کی بھی دلیل ہے کہ مبتدی کے لئے خلوت

اور گوشہ نشینی ہی بہتر ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء امر میں اکیلے ہی رہتے تھے اور جب اس استہا پر پہنچ گئے جو آپ کے لئے مقدر تھی پھر آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ گھروالوں کے درمیان رہ کر ہی عبادت کرتے تھے۔ اب آپ کی یہ حالت ہو گئی کہ سجدہ کے وقت گھروالوں کا پردہ ہاتھ آتا کہ وہ اپنا پرسمیٹ لیں (اور سجدہ کے لئے جگہ ہو جائے)، اور ابتداء میں آپ نے اس پر قناعت نہیں فرمائی کہ گھر میں رہ کر گھروالوں سے یکسو رہیں بلکہ غار کی طرف تشریف لے جاتے تھے جیسا اوپر گذرا۔

(الوجه الثالث عشر فيه دليل على ان الاولى باهل البلية

الخلوة والاعتزال الى قوله حتى خرج الى الغار)

ف خلاصہ یہ کہ خلوت و انجمن مبتدی کے لئے مناسب نہیں بلکہ

اس کو خلوت کاملہ کی ضرورت ہے۔ خلوت و انجمن منتهی کا درجہ ہے اس کو اہل و عیال اور احباب کی صحبت توجہ الی اللہ سے مانع نہیں ہوتی، مگر منتهی کو بھی دن رات میں ایک وقت خلوت کاملہ کیلئے مقرر کرنا چاہیے۔

(لَقَوْلُهُ تَعَالَى لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ بَلُوغِهِ دَرَجَةِ  
الْحَبَالِ وَأَذْكَرَ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلَ إِلَيْهِ تَبَتُّلًا بَعْدَ قَوْلِهِ  
إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْعًا طَوِيلًا)

۶۔ خلوت کمال عباد اور صلاح دین میں معین ہے اس حدیث میں اسکی بھی  
دلیل ہے کہ خلوت سے

انسان کو کمال عبادت اور دین کی درستی میں مدد ملتی ہے کیونکہ رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں سے الگ ہو کر گوشہ نشین ہو گئے اور خلوت  
میں رہنے لگے اسی وقت آپ کو یہ خیر عظیم (یعنی نبوت) حاصل ہوئی پس جو  
شخص بھی آپ کے موافق عمل کریگا اس کو خیر حاصل ہوگی اور مقامات  
ولایت میں سے اللہ تعالیٰ نے جو درجہ بھی اس کے لئے مقدر فرمایا ہے اس  
پر پہنچ جائے گا۔ (الوجه الرابع عشر فیہ دلیل علی ان الخلوة اعون  
للانسان علی تعبدہ الی قولہ بحسب ما قسم اللہ من مقامات الولایۃ

۷۔ خلوت کیلئے گوشہ سالیجنا سنت ہے حدیث میں اس کی بھی دلیل ہے  
کہ جائے اعتکاف یا خلوت گاہ

یا مقام مراقبہ میں داخل ہوتے وقت گوشہ ساتھ لینے کی کوشش کرنا چاہیے  
کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلوت کی عبادت کیلئے کھانے پینے  
کا اتنا سامان لیجایا کرتے تھے جس سے مدت قیام میں زندگی کا سہارا  
ہو، اور اس میں حکمت یہ ہے کہ گوشہ ساتھ لیکر جانے میں صفت

عبدیت اور اپنی احتیاج وضعف کا اظہار ہے، کیونکہ انسان کو ان امور  
کی طاقت بحسنہ اللہ سبحانہ کی اعانت کے سمجھی حاصل نہیں ہو سکتی او  
بدن گوشہ کے جانے میں ایک گونہ دعویٰ کی شان ہے اگرچہ زبان سے  
کچھ نہ کہا جائے اور نہ دل سے نیت کی جائے تو ایسا کر نیوالے پر اندیشہ  
ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ اس کو اسی کی ذات کے حوالہ نہ کر دیں پھر وہ اپنا ارادہ

پورا کرنے سے عاجز ہو جائے جو اس راستہ میں اس نے کیا تھا، اسی لئے بعض حضرات صوفیہ شدت اتباع سنت کی وجہ سے اپنی خلوت گاہ میں داخل ہونے کے وقت ایک روٹی ساتھ لے لیتے تھے۔ اور اس کو اپنے تکیہ کے نیچے رکھ دیتے اور کئی کئی دن تک مسلسل روزہ رکھتے اور روٹی میں سے کچھ نہ کھاتے، کسی مرید نے ان کی یہ حالت دیکھ لی تو اس نے تکیہ کے نیچے سے روٹی نکال لی، ایک دن شیخ نے روٹی کو تلاش کیا اور (تکیہ نیچے) نہ پایا تو مریدوں پر بہت جھلائے اور ان کی اس حرکت پر بہت ناراض ہوئے۔ انہوں نے عرض کیا کہ جب آپ کو اس کی ضرورت نہیں (اور بدوں کچھ کھاتے پیے مسلسل روزے رکھ لیتے ہیں) تو اس روٹی کو یہاں کس لئے رکھتے ہیں؟ فرمایا کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ بہ قوت جو میکرو اندر دیکھتے ہو میری ذاتی قوت ہے؟ (سرگز نہیں) بلکہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے۔ اب بتلاؤ اگر میں (اپنی اصلی حالت کو بھول جاؤں اور) بہت بشریت ہی کی طرف لوٹا دیا جاؤں تو (اس وقت) میں کیا کروں گا؟ (کیا اس وقت بھی بدن کھاتے پیے روزہ رکھ لوں گا سرگز نہیں) غرض وہ (بزرگ) اپنے ضعف کی حالت کا اور عادتاً جتنی قدرت انسان کو دی گئی ہے اس کا لحاظ کر کے کام کرتے اور اس کے سوا جو کچھ (ظاہر) ہوتا اس کو اپنے اوپر اللہ کا فضل و احسان سمجھتے تھے، اور ان سب حالات میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتے تھے جیسا کہ ہم نے اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے نیز اس میں ایک اور بھی حکمت ہے وہ یہ کہ توشہ ساتھ لے کر جانے میں (پریشانی) کا سد باب ہے کیونکہ جب توشہ آپ کے سامنے ہوگا تو نفس کو کوئی انتظار اور تعلق (باقی) نہ رہے گا حدیث میں آیا ہے کہ جب انسان کے پاس قوت ہوتی ہے تو اس کو اطمینان نصیب ہو جاتا ہے، یہ حکم اس وقت ہے جبکہ حلال طریقہ سے روزی مل سکے ورنہ اللہ روزی دینے والا ہے اور بڑی قدرت والا ہے (وہ غیبی روزی دیں گے اور

اس صوڑ میں تو شیعین کی ضرورت نہیں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب قاعدہ کے موافق روزی نہ ملتی تو اپنے پیٹ پر بھوک کی وجہ سے تین تین پتھر باندھ لیتے تھے اور توشہ کا سامان کرنے کی اصلاً کوشش نہ فرماتے بلکہ اس کا خیال بھی نہ فرماتے: (الوجه الخامس عشر في دليل علي التسبب في الزاد إلى قوله ولا ينظر إليه)

ف یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو تو کہ اسباب کو شرط تصوف سمجھتے اور مشغولی اسباب کو مانع طریق سمجھتے ہیں ۱۲

۸۔ اپنے گھر والوں کی جائے خلوت سے مطلع کر دینا چاہیے

حدیث میں اس کی بھی دلیل ہے کہ انسان جب

عبادت کے لئے باہر جائے تو اپنے گھر والوں کو اور متعلقین کو اس جگہ کی اطلاع کر دے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فار (حر) کی طرف جاتے تو آپ کے گھر والوں کو جگہ کی بھی خبر ہوتی تھی اور اس بات کی بھی کہ آپ کس لئے وہاں جا رہے ہیں اور اسمیں چند حکمتیں ہیں (ایک) یہ کہ اس کو اور اس کے گھر والوں کو کسی بیماری یا حادثہ وغیرہ کا پیش آجانا ہر وقت ممکن ہے تو اگر گھر والوں کو اس کی جگہ معلوم ہوگی تو ایسے عوارض پیش آنے کے وقت اُن کو اس کے پاس جانے میں سہولت ہوگی (دوم) یہ کہ گھر والوں کو اپنی جگہ رادراپنا ارادہ بتلانے سے اُن کو خوشی پہنچے گی اور پریشانی دور ہوگی ورنہ وہ مختلف مقامات کی طرف خیال دوڑائیں گے جہاں اس کا جانا ممکن (وعمثل) ہے تو اُن کو خبر کر دینے میں اس پریشانی کا ازالہ ہو جائیگا اور خوشی اس واسطے ہوگی کہ اُن کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ عبادت کے لئے سب سے الگ رہنا چاہتے اور عبادت میں مشغول ہونا چاہتے ہیں (کسی دشمن وغیرہ کے خوف سے جنگوں میں نہیں چھپتے) اور مسلمان کو (خصوصاً گھر والوں کو) خوش کرنے میں جس قدر ثواب احسن معلوم ہے (سوم) یہ کہ اسمیں اپنے گھر والوں

اور دوستوں کو بھی خلوت و عبادت کی دعوت (اور ترغیب) ہے اگرچہ (ضرورت) کیساتھ اُن سے کچھ نہ کہا جائے کیونکہ جو کام بارہا کسی کے سامنے کیا جاتا ہے تو عام عادت یہ ہے کہ اس کے دل کو بھی حرکت ہوتی (اور اس کا شوق اور رغبت پیدا) ہوتی ہے (چہاں) یہ کہ جب لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ عبادت کے واسطے گوشہ نشین ہے اور اسی میں رکا ہوا ہے تو جو کوئی اس سے تعلق رکھتا چاہے گا اسی قاعدہ کے موافق تعلق رکھے گا اور اس کے کام میں خلل انداز نہ ہوگا اور جو کوئی اس طریقہ پر نہ رہنا چاہے گا وہ اس سے تعلق ہی نہ رکھے گا تو یہ اس سے بچا رہے گا اور اس کے اختلاط اور صحبت سے جو تشویش لاحق ہوتی وہ بھی نہ ہوگی (الوجه السادس عشر فیہ دلیل علی ان المرء اذا خرج لتعبداً ان یعلم اھلہ الی قولہ و زال عنہ ما یلحقہ من التشویش فی مخالطتہ)

**ف** یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو ذکر و شغل میں مشغول ہو کر اپنے گھر والوں کو پریشان کرتے ہیں اور ان کی راحت کا سامان نہیں کرتے اُن کو سمجھ لینا چاہیے کہ ایسا تصوف جو گیوں کا تصوف ہے۔ شریعت اسلامیہ اور سنت محمدیہ کے ہرگز موافق نہیں۔

**۹۔ اسباب معاش میں تھوڑی سی مشغولی قاطع عبادت نہیں بھی دے دیتا ہے کہ**

ضروریات (بشریہ) میں تھوڑی سی مشغولی عبادت کیلئے قاطع (اور مضر) نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت روز تک مسلسل عبادت کرنے کیلئے باہر تشریف لیجاتے اور واپس کے متعلق یہ نہیں بیان کیا کہ بہت دنوں کیلئے واپس ہوتے تھے (۱۲) جس سے معلوم ہوا کہ واپسی تھوڑی مدت کیلئے ہوتی تھی اور قلیل کثیر کے تابع ہوتا ہے، پھر آپ کا عبادت کیلئے دوبارہ لوٹ جانا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ اس ضرورت میں مشغول رہتے ہوئے بھی جس کی وجہ سے گھر تشریف لائے تھے آپ کا دل عبادت ہی میں اُٹکا رہتا تھا۔

تو آپ ہمیشہ عبادت ہی میں رہتے تھے، جیسے معتکف حاجت بشریہ کیلئے نکلتا اور کھانا خریدنے جاتا ہے مگر اعمکان کی حرمت (وعزت) اس کے ساتھ قائم رہتی ہے اور یہی کہا جاتا ہے کہ وہ (مسجد سے باہر جانے کے وقت بھی) معتکف اور (اللہ کی طرف) متوجہ ہے اگرچہ اس وقت وہ دوسرے کاموں میں مشغول ہوا ہے جن کا ابھی ذکر ہوا۔

ہم اے اس قول کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے کہ سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) عرش کے سایہ میں پناہ دیں گے جبکہ سایہ عرش کے سوا اور کسی جگہ سایہ نہ ہوگا، منجملہ اُن کے ایک وہ شخص ہے جس کا دل مسجد میں اٹکا ہے، تو (دیکھو) اس شخص کو (ضرورت کے وقت) مسجد سے باہر جانا مضر نہیں ہوا کیونکہ دل اسی سے اٹکا ہوا تھا اور اس کو کتنی بڑی خیر (اور کیسا درجہ اور کسی عزت) دی گئی اسی وجہ سے اہل تصوف ہر حال میں اپنے دلوں کو حضور (و ائم) اور اہل بیت کے ساتھ آباد رکھنے کی کوشش کرتے ہیں خواہ کسی مباح کام میں مشغول ہوں یا خلوت میں (بیٹھے) ہوں، پھر چونکہ اُن کا باطن صاف ہو گیا ہے تو اُن کا نام بھی صوف (یا صوفی) ہو گیا جو کہ صفا سے مشتق ہے (الوجه السابع عشریہ دلیل علی ان الشغل السیر الضروري لا یكون قاطعاً للعبادة الی قوله وهو مشتق من الصفا)

۱۰۔ حدیث کا یہ لفظ کہ فرشتہ نے مجھے پکڑا اور زور سے دیا، اس بات کی دلیل ہے کہ کسی کو (سینہ) سے لگا کر دبانے کے باطن میں ایک نورانی قوت پیدا کر دیتا ہے جو تمام بدن میں پھیل جاتی ہے اور جو چیز القار کی جائے اس کے تحمل میں معین ہوتی ہے (جیکہ دبانے والا صاحب نور اور صاحب قوت روحانیہ ہو) کیونکہ جس وقت جبریل علیہ السلام کا بدن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ سے مل گیا تو آپ کے اندر اس کے اثر سے

یہ بات پیدا ہو گئی کہ آپنے اس (وحی) کا تحمل کیا جو آپ پر انقار کی گئی اور فرشتہ کی باتیں سننے کے لئے استقلال کے ساتھ کھڑے رہے اور اس وقت کو آپ کے وارثوں میں سے اہل تصوف نے پایا ہے جو حضور کے متبع اور محقق ہیں۔ چنانچہ ایک بزرگ سے منقول ہے کہ اُن کے پاس کچھ لوگ اعتراض کی غرض سے آئے تو انہوں نے جواب دینے سے انکار کیا ۱۰۰۰۰ اور اس وقت اُن کے پاس ایک عام آدمی بکریاں چرانے والا موجود تھا شیخ نے اس کو بلا کر سینہ سے لگایا پھر کہا تم ان لوگوں کے سوالات کا جواب دے دو، چنانچہ اس شخص نے جواب دیا اور بلیغ جواب دیا لوگوں نے پھر اس کے سامنے کچھ سوالات پیش کئے وہ ان کا جواب بھی تفصیل اور منع اور اعجاز کے ساتھ دیتا رہا یہاں تک کہ تمام علماء کو جو اس وقت موجود تھے گفتگو میں بند کر دیا۔ شیخ نے اس کو پھر بلایا اور سینہ سے لگایا تو جیسا پہلے جاہل تھا وہاں ہوا ہو گیا کہ کسی بات کا بھی علم نہ رہا، وہ کہنے لگا اے حضرت! اہل اللہ تو جب کوئی چیز دیدیا کرتے ہیں اس کو واپس نہیں لیا کرتے فرمایا ہاں بات تو یہی ہے مگر تجھ کو اس طریق سے کچھ مناسبت نہیں (یعنی تجھ کو یہ دولت تیری طلب پر نہیں دی گئی تھی بلکہ علماء کی تنبیہ کے لئے بلا طلب دی گئی تھی اس لئے مسترد منع ہو جانے کے بعد واپس لے لی گئی) پھر اس کو (اس کے درجہ کے مناسب) خیر کی بشارت دی اور جو فرمایا تھا وہی ہوا تو جب ایک انسان کے دوسرا انسان کو گلے لگانے میں یہ اثر ہوا حالانکہ وہ (حضور کا) وارث تھا تو جس وقت خود مورث اعلیٰ (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کا بدن روح الامین کے بدن سے ملا ہو گا۔ کیسا کچھ اثر ہوا ہو گا (اس کو خود ہی سمجھ لو) (الوجه الشد ثون و فیہ دلیل علی ان اتصال جبرہ الفاظ بالمعطالی قوله مجسد الروح الامین ۔

ف قلت وهذا هو الحق في حكمة غلط جبرئیل للنبي صلی اللہ

علیہ وسلم وضعہ الیہ واما ما قیل من انہ علیہ السلام وضعہ الیہ  
نادیہا لہ وان شدة الفطکات مبالغتہ فی التادیب نادى مجردة لا دلیل  
علیہا فی لفظ الحديث لا حتمال ان یكون الضم لان يحدث فی باطنہ صلی اللہ  
علیہ وسلم قوۃ نوریۃ متعشۃ شکت غونا علی حمل ما یلقی الیہ وشدة الفطکات  
تدریجاً لحمل الثقل لان کلام اللہ تعالیٰ حین نزولہ ثقیل یشہد لذلك قوله  
عز وجل انا سلقی الیک قوۃ ثقیلاً واذ کان الفعل محتملاً لوجهین یجب  
حمله علی الوجه الذی یلحق بشان الرسول علیہ صلوۃ اللہ وسلامہ ما ہبت  
الدبور والقبول ومن این لما ان نقول ان جبریل کان معلماً وھو دبالہ  
صلی اللہ علیہ وسلم ولم یدل علی ذلك دلیل والذی نسبت بالآیات  
والآثار انما ھو کونہ رسول وسفیر المحضات اللہ تعالیٰ کان ھو معلماً  
لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو دبالہ کما ورد فی الحديث علمنی ربی ما جئت  
تادیبی والعجب من السامع انہ مع علمہ بان حکمة الفط انما ھو احداث  
قوۃ نوریۃ فی باطنہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف اتبع غیرہ من الشراح فی  
حمله ذلك علی التادیب فی الوجه الخامس والعشیر من فوائد  
ھذا الحديث وتکننت ترجمت ھذین الوجهین اولہ ثم ضربت  
علیہما ولما ان باب یقف علی ذلك العوارفیتو حشوا منہ وقد  
امرنا بان نلکم والناس علی قدر عقولہم فانھم واللہ یتولی ھذا ۱۲

حدیث میں صوفیہ

۱۱۔ مجاہدہ نفس کے بعد ہی کامیابی حاصل ہوتی ہے کے اس قول کی

دلیل ہے کہ تخلیہ (بالجاء المحلہ) تخلیہ (بالجاء المعجم) کے بعد ہی ہوا کرتا ہے کیونکہ  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً تخلیہ (اور مجاہدہ) اختیار فرمایا۔

عہ یعنی کامیابی اور وصول الی اللہ ۱۲

عہ مجاہدہ نفس ۱۳



یہاں تک کہ آپ کی کوشش اور طاقت ختم ہو گئی، پھر جو آپ کا تخلیہ دوسروں کے تخلیہ سے افضل و اشرف تھا اور انسان اس درجہ کے مناسب تخلیہ سے عاجز ہے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو اپنے (سینے) چٹا کر دیا یہاں تک کہ آپ کو اس تخلیہ کے لائق تخلیہ حاصل ہو گیا (جو آپ کو عطا ہونے والا تھا) اسی واسطے آپ فرماتے ہیں حتی بلغ منی الجهد (کہ فرشتہ نے مجھ کو اتنا دیا کہ مجھے تکلیف ہونے لگی) غرض جبریل کا آپ کو دینا تخلیہ (کی تکمیل) ہی (کیلئے) تھا یہاں تک کہ آپ مجاہدہ نفس کے انتہائی مقام پر پہنچ گئے اور وحی کا آپ کی طرف القاء ہونا یہ تخلیہ تھا (اور جو آپ کی وحی دوسروں کی وحی سے افضل ہے جس کی وسیل قرآن کا اعجاز اور قیامت تک اس کا محفوظ رہنا ہے تو آپ کا تخلیہ دوسروں کے تخلیہ سے افضل و مکمل و اشرف ہے۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے جو ہم نے اد پر بیان کی ہے کہ جو شخص طریق (باطن) میں تربیت اور تدریج کے ساتھ داخل ہوا ہو وہ اس شخص سے افضل ہے جو دوسرے طریقوں سے داخل ہوا کیونکہ یہ سب معاملات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آتے تربیت اور تدریج ہی کے طور پر تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف اسی ذلت ترقی فرماتے تھے جبکہ پہلے مقام کے ادب کو مستحکم فرما لیتے اور اس کی حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیتے اور جن فوائد پر وہ مشتمل ہے اس سے بخوبی واقف ہو جاتے اور یہی وجہ ہے کہ ہر زمانہ میں لوگوں کو اسی شخص سے زیادہ منفع پہنچا ہے جس نے تربیت کے طریقہ پر کمال حاصل کیا اور جو شخص اس طریقہ کے سوا کسی اور طریق سے چلا ہو اس سے بہت کم لوگوں کو فائدہ ہوا (الوجه الثاني في الشذوذ فيه دليل لاهل الصوفية حيث يقولون ان الحقلى لا يكون الا بعد الحقلى الى قوله وقل من ينتفع على من يكون دخوله بغيب ركب)

ف تخلیہ اور تخلیہ تصوف کے اصطلاحی الفاظ ہیں تخلیہ مجاہدہ

نفس کو کہتے ہیں اور تخلیہ مشاہدہ اور حصول مقامات کو، پھر طریق باطن میں داخل ہونے والوں کی تین قسمیں ہیں بعضے اولاً مجاہدہ کرتے ہیں پھر مشاہدہ سے کامیاب ہوتے ہیں یہ طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت سے مشابہ ہے اور چشتیہ کا طریقہ یہی ہے بعض لوگ اولاً مشاہدہ میں مشغول ہوتے ہیں پھر مجاہدہ کرتے ہیں یہ طریقہ نقشبندیہ کا ہے اور بعضے تخلیہ و تسلیہ ساتھ ساتھ کرتے ہیں اور آجکل کے محققین طریق کار کا دستور العمل یہی ہے جس کو اس لئے اختیار کیا گیا ہے کہ آجکل لوگوں کی عمریں کم ہیں اور ان کا روزِ اشغال زیادہ ہیں تسلیہ و تخلیہ کی الگ الگ تکمیل کا اُن کو وقت نہیں ملتا اور مقصود تمام طرق سے حاصل ہو جاتا ہے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ چشتیہ کا اصلی طریقہ سنت نبویؐ کے زیادہ موافق ہے ۱۲

۱۲۔ مجاہدہ کی دو قسمیں ہیں ایک کسی ایک بھی حدیث میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ تخلیہ (یعنی مجاہدہ) کی دو

قسمیں ہیں ایک کسی (اختیاری) دوسرے جو اللہ سبحانہ کی طرف سے (بلا اختیار) فائز ہو تخلیہ کسببہ تو جیسا اوپر گزر چکا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غار میں خلوت و عبادت، اختیار کی، اور تخلیہ وہابیہ وہ ہے جس کے متعلق اس وقت گفتگو ہو رہی ہے یعنی (جبریل علیہ السلام کا آپ کو) سینہ سے لگانا امدد دینا۔ پھر سائیکین میں سے بعض تو وہ ہیں جن کا تخلیہ کسی ہی ہوتا ہے وہی نہیں ہوتا اور بعض وہ ہیں جن کا تخلیہ صرف وہی ہوتا ہے کسی نہیں ہوتا جیسے ابراہیم بن ادم اور فضیل بن عیاض وغیرہما، اور بعضوں کے لئے دونوں قسم کا تخلیہ جمع ہو جاتا ہے اور وہ اپنے اختیار سے بھی مجاہدہ کرتے ہیں اور غیب سے بھی اُن پر مجاہدہ فائز ہوتا ہے جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (معاملہ) کیا گیا اور ایسے بہت ہیں اور یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتے ہیں عطا فرمادیتے ہیں (الوجه الرابع و الثلاثون فیہ دلیل علی ان النبی علی ضربین مکسب و فیض من اللہ سبحانہ)

الی قولہ وهو فضل اللہ یوتیہ من یشاء

ف خلاصہ یہ کہ مجاہدہ اس طریق میں لازم ہے بدن اس کے کامیابی نہیں ہوتی خواہ مجاہدہ باختیار خود کیا جائے یا غیبی فائز ہو یا دونوں طریقہ جمع ہو جائیں ہیں اگر کسی کو بدن مجاہدہ کے کامیاب دیکھا جائے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس پر غیبی مجاہدہ فائز ہوا ہے ۔

۱۳۔ مخاطبے اولاً ایسی گفتگو کی جائے جو جلدی اسکی سمجھ میں آجائے جبریل علیہ السلام کا (اللہ تعالیٰ

کی طرف سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہنا کہ اپنے رب کے نام سے پڑھتے یعنی اپنے رب کا اُلیا کیجئے جس نے آپ کو پیدا کیا اور انسان کو خون بستہ سے پیدا کیا اس بات کی دلیل ہے کہ مخاطبے اولاً ایسی گفتگو کرنا چاہیے جو اس کی سمجھ میں جلدی آجائے جس کے سمجھنے میں دشواری نہ ہو اور بحث (و نامعل) کی حاجت نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اولاً اس بات پر متوجہ کیا ہے کہ خود اپنی پیدائش میں خود فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو خون بستہ سے پیدا کیا اور کسی حکمت اور خوبصورتی کے ساتھ قطرۂ آب کے جیتا جاگتا آدمی بنادیا اور یہ نہیں فرمایا کہ خدا نے آسمانوں، زمینوں اور ستاروں وغیرہ کو پیدا کیا، بلکہ ان باتوں کو بعد میں بیان فرمایا جبکہ حضور کو اپنی ذات اور اپنے حالات کا پوری طرح علم ہو گیا اور مدد الہی سے وہ بات حاصل ہو گئی جس سے تمام چیزوں پر (عقل کا تسلط ہو جاتا ہے) کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جو اپنی ذات کو پہچان لیتا ہے اسے سب چیزوں کا پہچانا سہل ہے اپنی ذات کی معرفت سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کے بعد جملہ عالم کی معرفت آسان ہے۔ (الوحبۃ الخامسۃ والثلاثون قول جبریل للنبی صلی اللہ علیہ وسلم اقتربا باسم ربک الی قولہ وحصل لہ من المادۃ الزانیۃ ما یسلط بہ علی ذلک۔)

ف اس سے صوفیہ کی تائید ہو گئی جو مراقبات کی بہت تعلیم کرتے ہیں اور ہم مخاطب کی پوری دعا یہ کہتے ہیں اگرچہ مراقبہ خلقت انسان کی تعلیم آن کل کم لکھاتی ہے مگر ضرورت ہے کہ اس پر توجہ کی جائے کیونکہ معرفت کا یہ بہت بڑا دروازہ ہے۔

۱۴۔ **سکر تمام اعمال سے افضل ہے** اس میں اس کی بھی دلیل ہے کہ نکر اور سوچ تمام اعمال (کی روح اور سب) سے

افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد خلق الانسان من علق (کہ انسان کو خون بستہ سے پیدا کیا) ایسے مضمون پر مشتمل ہے جس کے اندر غور و فکر کی ضرورت ہے تاکہ مخاطب کو اس کے ذریعہ سے (وجود باری کا) علم قطعی اور (پختہ یقین اور) سچا ایمان حاصل ہو جائے اور (ظاہر ہے کہ) غور و فکر کے بعد جو ایمان و تصدیق حاصل ہو وہ سچی ایمان جیسا نہیں (بلکہ اس سے افضل و اکمل ہے) اسی حقیقت کی طرف رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے تفکر ساعة خیر من عبادة ساعة کہ ایک ساعت کی غور و فکر سال بھر کی عبادت سے بہتر ہے اور ایک روایت میں ہے خیر من عبادة الدهر کہ زمانہ بھر کی عبادت سے افضل ہے۔

کیونکہ جب انسان غور و فکر سے کام لیتا ہے تو اس کا ایمان قوی ہو جاتا ہے اور حق ظاہر واضح ہو جاتا ہے اور جس قدر فکر گہرا ہوگا اسی قدر ایمان قوی ہوگا اسی وجہ سے بعض بندگان نے (اپنے مریدوں سے) فرمایا ہے کہ میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ خلوت اور یکسوئی کے ساتھ آئینہ فکر پر ہمیشہ نظر جمائے رکھنا اسی وقت تمہارے سامنے حق ظاہر ہوگا (الوجه السادس والثلاثون) فیہ دلیل علی ان الفکر افضل الاعمال الی قولہ فہناک یبین لک الحق

ف۔ اس میں بھی صوفیہ کی تائید ہے کیونکہ ان کو فکر کا اہتمام بہت زیادہ ہے اور اسی سے ان کو علمائے اہل ظاہر کے مقابلہ میں امتیاز حاصل ہے، علما ظاہر عبادات و اذکار میں فکر سے کام نہیں لیتے اسی طرح مبدا و معاد کا مراتبہ نہیں

کرتے اور صوفیہ بدون فکر اور توجہ قلب کے کسی عمل کو صحیح نہیں سمجھتے اور یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو طریق باطن میں داخل ہونے کے بعد بھی بے فکری اور بے پرواہی سے کام لیتے اور مشائخ کو پریشان کرتے ہیں اُن کو سمجھ لینا چاہیے کہ اس طریق میں تیقظ اور ہیلری شرط اولین ہے بیفکری کیساتھ یہ راستے نہیں ہو سکتا۔

طرق العشق کلہا آداب

ادبوا النفس ایہا الاصحاب!

ورزقنا اللہ تعالیٰ و جمیع الطالبین الفکر و الحضور الدائم و التیقظ و الادب و نختتم لنا بالحسنى ۱۲

(۱۵) صفا عظمت و جلال کی کتنا صفات رحمت و لطف و کرم کو بھی سوچنا چاہیے

اس میں اس کی بھی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال میں تفکر کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کے عفو و کرم اور احسان کو بھی سوچنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد خلق الانسان من علق کے معنی تواد پر گزر چکے کہ اللہ تعالیٰ نے اسمیں جس مضمون کو بیان فرمایا ہے اس میں غور کیا جائے اور یہ (فکر) عظمت و جلال (کے غلبہ) کو مقتضی ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا اقرار و ربك الذکر و پڑھیے اور آپ کا ادب بڑا کریم ہے اور یہ نام اُن تمام ناموں کے معانی پر مشتمل ہے جو اللہ تعالیٰ کے لطف و احسان کو ظاہر کرتے ہیں، ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ اپنے فضل کے مقد سے ہمارے ساتھ اسی کے موافق معاملہ فرمائیں، اور تنہا اللہ تعالیٰ کی عظمت میں فکر کرنا اور اس کے مقابل صفات کو نہ سوچنا جو ممنوع ہے اس کی بھمت یہ ہے کہ جو شخص تنہا عظمت ہی میں فکر کرتا ہے اس پر اندیشہ ہوتا ہے کہ یہ فکر اس کو ہلاکت کے سمندر یعنی یاس اور ناامیدی میں نہ پھینکے اور جب

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت واحسان کو بھی سوچے گا تو اس سے  
 ماموں ہے گا (الوجه السابع والثلاثون فيه دليل على ان المتفكر في  
 عظمت الله الى قوله امن من ذلك)

ف۔ صوفیہ محققین کو اس کا بہت زیادہ اہتمام ہے کہ صفات عظمت و  
 جلال اور صفات لطف و کرم دونوں کا ساتھ ساتھ مطالعہ کیا جائے تاکہ نہ  
 دلیری اور بیباکی پیدا ہو نہ یاس اور ناامیدی ۱۲

۱۲۔ تکلیف کے وقت دوا کرنا سنت ہے حدیث میں اس کی بھی دلیل ہے کہ  
 جس کو کوئی تکلیف پیش آئے اس کو  
 اپنی عادت کے مطابق دوا اور تدبیر و علاج کرنا نذر ہے جب تک اس میں  
 کوئی حرام چیز نہ ہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب خوف کا  
 اثر ہوا تو آپ نے گرمی حاصل کرنے کی تدبیر کی جس کے واسطے وقت میں آپ  
 عادی تھے چٹانچہ فرمایا مجھے کمبل اڑھ دو، کمبل اوڑھ دو، اور رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے تداوی کل نفس بما اعتادت ہر  
 شخص اپنی عادت کے موافق علاج کرے۔ (الوجه الثامن والثلاثون  
 فيه دليل على ان من اصابه امر فله ان يتداوى الى قوله تداوى  
 كل نفس بما اعتادت)

ف۔ بعض لوگ دوا اور علاج کو توکل کے خلاف سمجھتے ہیں ان کو  
 سمجھنا لینا چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی متوکل  
 نہیں ہو سکتا جب آپ نے دوا اور علاج سے پرہیز نہیں کیا تو اس  
 کو خلاف توکل ہرگز نہیں کہا جاسکتا۔

۱۴۔ کلام میں اختصار مطلوب ہے حدیث کا یہ لفظ کہ آپ نے جو کچھ دیکھا  
 تھا درود سے بیان فرما دیا۔ اس  
 بات کی دلیل ہے کہ کلام میں اختصار ہی مطلوب اور بہت مستحب کیونکہ

حضرت عائشہ نے فرشتہ کے ساتھ جو قصہ آپ کو پیش آیا تھا پہلے بیان کر دیا تھا پھر اس کی طرف غمیہ لٹا کر اشارہ فرما دیا تھا اور قصہ کا دوبارہ ذکر کرنے اور گفتگو کو طول دینے کی ضرورت نہیں سمجھی اور یہ جملہ اہل سنت کی نصیح گفتگو میں سے ایک ہے (یا یہ کہ اہل سنت کی نصیح گفتگو کا یہی طریقہ ہے) (الوجہ الرابعون قولہا فاخبرھا الخبر الی قولہ وھومن نصیح کلام العرب)

ف صوفیہ کو آداب کلام کا بہت اہتمام ہے فضول اور زائد از کار باتوں سے بہت احتیاط کرتے اور اختصار کلام کی تاکید کرتے ہیں بشرطیکہ ایسا اختصار نہ ہو جو مقصود ہی کو ادا نہ کرے ۱۲

۱۸۔ واقعات مہمہ کو اپنے گھر والوں اور مخلص دوستوں سے بیان کر دینا جائز ہے

حدیث میں اسکی بے دلیل ہے کہ آدمی کو جب کوئی امر مہم (مہتمم بالشان واقعہ) پیش آئے تو اس کو جائز ہے کہ اس کو اپنے گھر والوں اور غفیت مند دوستوں سے بیان کرے بشرطیکہ وہ دیندار اور صاحب عقل ہوں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ واقعہ (فرشتہ کے آنے اور دینے اور وحی لانے کا) پیش آیا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اس کو بیان فرما دیا اور حضرت خدیجہ کا درجہ دین اور درست رائے اور عقل صائب میں جو کچھ ہے وہ کسی سے مخفی نہیں (الوجہ الخامس والاربعون فیہ دلیل علی ان المرء اذا اصابہ امر مہم الی قولہ بحیث لا یخفی)

۱۹۔ اہم واقعات میں اہل علم و عقل سے رجوع کرنا چاہیے حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ انسان کو جب کوئی اہم واقعہ پیش آئے تو اہل علم اور اہل عقل سے اس کو دریافت کرے (اگرچہ وہ اپنے سے چھوٹے ہی ہوں) چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کو جب یہ واقعہ پیش آیا تو آپ ورقہ کے پاس تشریف لے گئے سہو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب زیادہ عالم اور سب افضل تھے (الوجه السابع والثلاثون) فیہ دلیل علی ان المرأ اذا وقع له واقعہ الی قولہ و افضلہم بعد النبی علی اللہ علیہ وسلم )

ف اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ورقہ حضرت صدیق اکبر سے بھی افضل تھے کیونکہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورقہ کے پاس تشریف لے گئے اس وقت تک حضرت صدیق کو آپنے اسلام کی دعوت ہی نہ دی تھی پھر جس وقت حضرت صدیق کو اسلام کی دعوت دی گئی اور وہ ایمان لے آئے تو وہ سب افضل ہو گئے کیونکہ ورقہ کے متعلق علما میں اختلاف ہے کہ انہوں نے حکم تبلیغ سے پہلے جو آپ کی نبوت کی تصدیق کی ہے وہ ایمان کیلئے کافی تھی یا نہیں ؛ اور حضرت صدیق کے کمال ایمان پر بعد اس بات پر کہ وہ انبیاء کے بعد سب افضل ہیں علما رامت کا اتفاق ہے ۔  
ف اپنے چھوٹوں سے مشورہ کرنا اور اہم واقعات میں ان سے رجوع کرنا حضرات صوفیہ کا خاص طریقہ ہے ۔

۲۰۔ تعریف میں مبالغہ نہ کرنا چاہیے مدیش سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی کی تعریف کی جائے تو انہی صفات

حمیدہ کو بیان کیا جائے جو اس کے اندر موجود ہیں اس سے زیادہ کچھ نہ کہا جائے ، چنانچہ حضرت عائشہؓ نے ورقہ کے اسی قدر عائد بیان فرمائے جو ان کے اندر موجود تھے زیادہ کچھ نہیں فرمایا (الوجه التاسع والاربعون) فیہ دلیل علی ان من وصف امرأۃ الی قولہ ولحمزہم علیہا

ف اہل طہیق نے اس کی بہت تاکید کی ہے کہ کسی کی تعریف میں مبالغہ نہ کرنا چاہیے ۔



۲۱۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب انسان کو کسی بزرگ کے پاس جانے کی حاجت ہو تو کسی رہنما کو آگے کرے اگر مل سکے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورقہ کے پاس تنہا نہیں تشریف لے گئے بلکہ حضرت خدیجہ کو ساتھ لیا جن کی ورقہ سے قربت تھی۔ (الوجه الحادی والخمسون فیہ دلیل علی ان الملأ اذا عرضت له حاجة الى قوله النبی ہی من قرابة ورقة)

ف۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ رہنما کے ذریعہ سے گفتگو میں سہولت ہوگی اور کوئی بات خلاف مزاج پیش نہ آئے گی۔

## ۲۲۔ بزرگوں کے سامنے چھوٹوں کو احتیاط سے گفتگو کرنا چاہیے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگوں کے سامنے چھوٹوں کو احتیاط کے ساتھ گفتگو کرنا اور سب کے درجہ اور رتبہ کا حق ادا کرنا چاہیے۔ چنانچہ حضرت خدیجہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ کا لحاظ کر کے ورقہ سے یوں کہا کہ: ”اپنے بھتیجے کا قصہ تو سنو! اس میں آپ کے منصب کو محفوظ رکھا گیا، کیونکہ عرب کا عام قاعدہ یہ ہے کہ بڑے کو باپ اور برابر والے کو بھائی اور چھوٹے کو بیٹا کہا کرتے ہیں مگر حضرت خدیجہ نے اس قاعدہ کو چھوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھتیجے کا لفظ اختیار کیا کیونکہ اس میں آپ کی زیادہ عزت تھی، اگر وہ (عام) قاعدہ کے موافق، یوں کہیں کہ اپنے بیٹے کی بات سنو! تو ورقہ کا درجہ آپ کے درجہ سے بہت بڑھ جاتا کیونکہ بیٹے کا درجہ باپ کے بہت کم ہے اور اگر یوں کہیں کہ اپنے بھائی کی بات سنو! تو یہ بھی ٹھیک نہ ہوتا کیونکہ عادیۃً عرب میں بھائی کا لفظ برابر والے کے لئے بولا جاتا ہے (اور ورقہ عمر میں حضور سے زیادہ تھے) تو دیکھو، حضرت خدیجہ نے کلام میں (کیسی) احتیاط کی اور ہر ایک کے درجہ کا حق (کس خوبی سے) ادا کیا

کیونکہ خطاب کے موقع پر اہل عسہ کی عادت یہ ہے معزز کم عمر کو صحتیاً کہہ کر پکالتے ہیں اس میں اس کی عزت کا بھی لحاظ ہوتا ہے اور کم عمری کا بھی) کیونکہ چچا کا حق بھتیجے پر اتنا نہیں ہونا جتنا باپ کا بیٹے پر ہوتا ہے (الوجه الثاني والخمسون في ردليل على ان من كان صغيرا بين اهل الفضل الى قوله لان العمر ليس له حق على ابن اخيه مثل ابنه) ف مونیہ کو بھی گفتگو میں احتیاط کا بہت اہتمام ہے اس سے اہل ظاہر کو سبق لینا چاہیے۔

۲۳۔ صاحب واقعہ کو اپنا واقعہ خوب بیان کرنا چاہیے حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس شخص کو واقعہ پیش آیا ہو عالم کے سامنے وہ خود ہی اس کو بیان کرے دوسرا بیان نہ کرے کیونکہ حضرت خدیجہ نے ورقہ سے یوں کہا "ذرا اپنے بھتیجے کی بات تو سنو! فالانکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے واقعہ بیان فرما چکے تھے (ان کو سب کچھ معلوم تھا، اگر بیان کرنا چاہتیں تو کر سکتیں تھیں مگر) انہوں نے خود نہیں بیان کیا بلکہ (اس کام کو) صاحب واقعہ کے حوالہ کیا۔ چنانچہ اس کے بعد ورقہ نے حضور سے دریافت کیا تو آپ نے خود سارا واقعہ بیان فرمایا۔

(الوجه الرابع والخمسون في ردليل على ان الواقع اذا وقع له مرئ الى قوله ولحالت على صاحب القضية)

ف یہ بھی آدابِ کلام میں سے ایک ادب کہ صاحب واقعہ خود واقعہ کو بیان کرے۔

۲۴۔ انسان اپنے لئے خیر کی تمنا کر سکتا ہے حدیث میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ انسان اپنے لئے خیر کی تمنا کر سکتا ہے۔ کیونکہ ورقہ نے اس بات کی تمنا کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت (اور تبلیغ) کے وقت جوان ہوتے۔

والوجه السادس والخمسون فيه دليل على ان الانسان يتمنى الخير  
 لنفسه ثم ذكر اختلاف العلماء في ايمان ورقه فمن قائل يقول  
 لم يحصل له الايمان بعد لانه لم يبلغ عمرة زمن الرسالة  
 ومن قائل يقول قد حصل له الايمان وهو اظهر الى آخره اقال  
 ف اور یہ تمنا آیت لا تتمنوا ما فضل الله به بعضكم على بعض کے خلاف  
 نہیں کیونکہ مقصود جوانی کی تمنا نہ تھی (جو کہ غیر اختیاری ہے) بلکہ نصت رسول  
 کی تمنا تھی جو کہ امر اختیاری ہے، اور تمنا کے احکام کی تفصیل بیان القرآن  
 سے آیت مذکورہ کے تحت میں ملاحظہ ہو ۱۲

۲۵۔ قانون عادت پر حکم لگانا جائز ہے حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو  
 شخص کسی چیز پر واقف ہوتا ہے وہ قانون عادت کے موافق اس کے انجام کو پہچان لیتا ہے اور اس کو جائز ہے کہ  
 مقدمات (اور مبادی) کو دیکھ کر انجام کے متعلق حکم لگائے، کیونکہ ردہ کو جب  
 یہ معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسالت (و نبوت) عطا ہوئی  
 ہے تو وہ سمجھ گئے کہ آپ (وطن سے) ضرور نکالے جائیں گے، انہوں نے مقدمتا  
 کی صحت سے انتہا (اور انجام) کی حقیقت کو معلوم کر لیا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت  
 جاریہ تھی جو کسی رسول میں مختلف نہیں ہوتی جیسا ردہ نے بیان کیا اور اس سے  
 یہ بھی معلوم ہوا کہ (قانون) عادت کے موافق حکم لگا دینا جائز ہے بشرطیکہ اس سے  
 کسی امر دینی میں اختلال واقع نہ ہو ذکرہ الشارح فی الوجه الرابع والرابعین ثم  
 اعاده فی الوجه السابع والخمسين ههنا)

ف حضرات صوفیہ بھی کسی کی کامیابی یا ناکامی کے متعلق مقدمات کو دیکھ کر  
 حکم لگا دیتے ہیں جیسا طالبین سے مخفی نہیں پس اُن پر اعتراض کی گنجائش نہیں مگر  
 یہ ظاہر ہے کہ مشائخ کے ایسے احکام ظنی ہوتے ہیں قطعی نہیں ہوتے،

۲۶- واقعات ملکوت کا انکشاف تربیت اور تقویت ایمان کا سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ

و سلم کے اس اشارہ میں کہ ”میں نے نگاہ اوپر اٹھائی تو وہی فرشتہ جو غارِ حرا میں میکہ پر اس آیا تھا آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا“ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں میں سے ایک قدرت کا اظہار ہے جب وہ کچھ کرنا چاہتے ہیں تو اس سے کہہ دیتے ہیں ہو جا، وہ ہو جاتا ہے، تو جیسا اللہ تعالیٰ نے زمین کو بنی آدم کے لئے فرش بنایا ہے کہ جس طرح چلتے ہیں اس میں چلتے پھرتے (اور کام کرتے ہیں) اسی طرح فرشتوں کے لئے ہو کو (فرش) بنا دیا ہے وہ جس طرح چاہتے ہیں اس میں چلتے پھرتے (اور کام کرتے) ہیں جس نے زمین کو زمین پر چلنے والوں کے لئے تھا لکھا ہے وہی ہو کو اور اس کے اوپر چلنے والوں کو قیامتاً ہے، اس کی قدرت میں علت اور معلول کچھ نہیں مگر یہ حقیقت (لوگوں کی نگاہوں سے مخفی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ منظر مندر آپ کی تربیت اور ترقی کے لئے دکھلایا گیا تھا تا کہ آپ ایلان اور یستین قوی ہو جائے اور علم الیقین عین الیقین بن جائے اور یہی طریقہ حضور کے مبارک وارثوں کے لئے جامی ہے، جب وہ اس قسم کے واقعات (بطور کشف سے) دیکھتے ہیں۔ اُن کا ایمان قوی ہو جاتا اور یستین کو ترقی ہو جاتی ہے جس سے ان کی تربیت اور مقامات ولایت میں ترقی ہوتی ہے۔

(الوجه المثانی والستون قوله عليه السلام فرفعت بصري الى قوله

وترقياني مقامات الولاية)

ف مگر ایسے انکشافات کے درپے ہونا اعلان کے نہ ہونے سے ممکن ہونا ممنوع ہے کیونکہ یہ امور مقاصد میں سے نہیں ہیں اور نہ انسان کے اختیار کو ان میں دخل اور غیر اختیاری امور کے دپے ہونا پریشانی کا سبب ہے اگر کسی کو اس قسم کے واقعات پیش آجائیں اور وہ ان کے وقوع کو نعمت سمجھے اور جس کو پیش نہ آجیے وہ عدم وقوع کو نعمت سمجھے اور کام میں رکھا ہے اور صدامِ بکر ہے کیونکہ مقصود

ان پر موقوف نہیں ۱۲

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ولاتتمن  
تشکثر میں (ایک تفسیر پر)

۲۷۔ عمل کرو اور کثرتِ عمل پر نظر نہ کرو

صوفیہ کے اس قول کی دلیل ہے کہ (ہر وقت) کام میں لگا رہنا اور توجہ اور حفظِ دائم کیساتھ رہنا چاہیے اور ادرادھرا تنفات نہ کرنا چاہیے کیونکہ جب اپنے عمل کی کثرت (زیادت) پر نظر کرنا سستی (اور کسل) پیدا کر دیتا ہے جیسا اوپر مذکور ہوا یعنی ۲۷ میں جس کا ترجمہ نہیں کیا گیا) تو عمل کے سوا اور چیزوں پر نظر کرنا کیا کچھ ہوگا (اس سے تو یقیناً سستی اور کوتاہی زیادہ ہوگی۔ اسی طرح ان کا یہ قول بھی ہے کہ الوقت سیف (وقت ایک تلوار ہے) مطلب یہ ہے کہ وقت کو کام کو ختم کر دے اور اس کو (بیکار) ٹالو گے تو وہ تم کو ختم کر دے گا، اور (ادرادھرا تنفات کرنا) اس واسطے (بھی منع ہے) کہ حفظِ نفس (اور کثرتِ عمل پر نظر کرنا) ہلاکت ہے۔ اور جب مالک اسبابِ ہلاکت کی طرف متوجہ ہوتا ہے ہلاکت ہو جاتا ہے۔ (الوجه اثنا من والستون ذیہ دلیل لاهل الصوفیۃ فی قولہم باستصعاب العمل الی قولہ کان ہالکا ۲۷)

ف آیت لاتتمن تشکثر کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں ایک قول یہ ہے کہ اپنے مقصد کو زیادہ سمجھ کر احسان نہ جتلاؤ، ایک قول یہ ہے کہ اس غرض سے کسی کو ہدیہ نہ دو کہ اس کے عوض میں زیادہ آئے گا۔ ایک قول یہ ہے کہ اپنے عمل کو زیادہ سمجھ کر عبادت کو قطع نہ کرو، شایع نے وجہ سابع و سنون میں ان سب اقوال کو بیان فرمایا ہے، اور صوفیہ کا یہ قول جو یہاں مذکور ہوا تیسری تفسیر ہے مؤید ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## حدیث حلاوتہ الایمان

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا  
 تین چیزیں جس میں ہوں اس نے ایمان کی حلاوت پالی،  
 (ایک) یہ کہ اللہ اور اس کا رسول سب سے زیادہ اس کو محبوب ہوں اور  
 (دوسرے) یہ کہ جس آدمی سے محبت کرے صرف اللہ ہی کے واسطے محبت کرے  
 اور (تیسرے) یہ کہ کُفر کی طشروٹوں سے (اور اس میں مبتلا نہ ہونے) سے ایسا گھبرا  
 بیسا لگ میں ڈالے جانے سے گھبرا ہے۔

شرح

یہ حدیث صاف طور سے بتلاتی ہے کہ ایمان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو  
 حلاوت کیساتھ ہو دوسرے وہ جو بدن حلاوت کے ہو، اور اسی کے تحت رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ ایمان دو ہیں ایک وہ جس کا حاصل کرنے والا  
 جہنم میں داخل نہ ہوگا اور (دوسرا) وہ جن کا حاصل کرنے والا جہنم میں ہمیشہ نہیں  
 رہیگا (یا لیتنی عرف من اخرجه) پس جس ایمان کا حاصل کرنے والا جہنم میں داخل  
 ہی نہ ہوگا یہ وہی ایمان ہے جو حلاوت کیساتھ ہو اور جس ایمان کا حاصل کرنے والا  
 جہنم میں ہمیشہ نہ رہے گا یہ وہ ہے جو بغیر حلاوت کے ہو (اب ہم حشر کے  
 فوائد پر گفتگو کرتے ہیں۔

جس حلاوت کا یہاں ذکر ہے  
 علماء میں اس کے متعلق اختلاف

۲۸۔ حلاوت ایمان جیسا کہ عقلی نہیں

ہے کہ یہ حلاوت حسی ہے یا معنوی ،

ایک جماعت نے جو کہ فقہاء ہیں اس کو معنوی (اور غیر محسوس) پر محمول کیا ہے اور ایک جماعت نے لفظ (حدیث) کو ظاہر پر دکھا اس میں تاویل نہیں کی اور حلاوت کو حسی (حلاوت ہی) پر محمول کیا ہے یہ (حضرات) عونیہ ہیں اور اس مسئلہ میں حق ان ہی کیساتھ ہے واللہ اعلم، کیونکہ (حلاوت اور شیرینی سے محاورات میں حسی حلاوت ہی متبادر ہوتی ہے تو) انہوں نے جو مطلب سمجھا ہے اس میں حدیث کے لفظ کو ظاہر پر دکھا (گیا) ہے کوئی تاویل نہیں کی (گئی) اور جب تک ظاہر لفظ کی مثال کوئی دلیل نہ ہو اس وقت تک بہتر یہی ہے کہ حدیث کو ظاہر پر دکھا جائے تاویل نہ کی جائے ، اور صوفیہ نے جو مطلب بیان کیا ہے اس کی تائید حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین اور اہل معاملات کے احوال سے ہوتی ہے چنانچہ اس کے منقول جو حکایات منقول ہیں ان میں سے ایک حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ جب اُن کو کھنڈ پر مجبور کرنے کیلئے گرم پتھر پر لٹا کر سخت سے سخت تکلیف دی گئی تو وہ اجد اجد ہی کہتے رہے کیونکہ عذاب کی تلخی ایمان کی حلاوت کیساتھ مل کر فنا ہو گئی تھی (وہ حلاوت ایمان کی چاشنی میں ایسے مست تھے کہ عذاب کی تلخی محسوس نہ ہوتی) اسی طرح ان کے انتقال کی وقت گھڑالے تو واکبراہ (بلے مصیبت) پکار رہے تھے اور وہ فاطمہ راہ (بلے خوشی) کہہ رہے اور یوں فرمایا ہے عذائق الوجد محمد ارحمہ ، کل کو میں (اپنے) دوستوں سے ملوں گا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی جماعت سے ملاقات کروں گا ، تو (دیکھو) موت کی تلخی حلاوت نقارسے جو کہ (حقیقت میں ایمان کی حلاوت نفی مل گئی) (اور فنا ہو گئی) تھی اس لئے وہ موت کے وقت خوش تھے اور دوسرے روہے تھے ، دوسرے ایک اور صحابی کا واقعہ (حدیث میں آتا) ہے کہ رات کو چوڑے اُن کا گھوڑا کھول لیا اس وقت وہ نماز میں تھے اور چور کو گھوڑا لیجاتے ہوئے دیکھ بھی لیا تھا مگر نماز کو نہیں توڑا ، لوگوں نے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ میں جس (مرزہ) میں تھا وہ اس سے زیادہ

قیمتی تھا۔ اور وہ (مزمہ) کیا تھا؟ وہ عبادت ہی تو تھی جو اس وقت اُن کو (نماز) میں محسوس ہو رہی تھی، تیسرے دو صحابیوں کا واقعہ ہے (جو صحیح حدیث میں وارد ہے) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ایک غزوہ میں (ایک گھاٹی پر) لشکر اسلام کی حراست (اور پہرہ) کے لئے متعین فرمایا تھا تو اُن میں سے ایک تو (اپنے ساتھی کی اجازت سے) سو گئے اور دوسرے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے، یہ نماز ہی میں تھے کہ دشمن کی طرف سے جاسوس آیا اور اس نے کمان میں تیرہ رکھ کر ان کے مارا جو (ٹھیک نشانہ پر لگا) اور صحابی کے بدن میں پیوست ہو گیا صحابی نے (تیرہ کو نکال کر پھینک دیا مگر نماز کو قطع نہ کیا بدستور اسی میں مشغول ہے۔ جاسوس نے دوسرا تیرہ مارا وہ بھی ان کے جسم میں پیوست ہو گیا "مگر نماز کو نہ توڑا۔ اس نے تیسرا تیرہ مارا وہ بھی ان کے لگا تو اس وقت (نماز ختم کی اور اب) انہوں نے اپنے ساتھی کو جگا کر فرمایا اگر مجھے مسلمانوں پر خطرہ کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں نماز کو راہی، ختم نہ کرتا بلکہ اور طول دیتا) اس کا سبب ہی اس کے سوا اور کیا تھا کہ اُن کو نماز میں بہت زیادہ عبادت محسوس ہو رہی تھی جس نے تیروں کی (سوزش اور کلفت کو زائل کر دیا تھا اور اہل معاملات سے تو اس قسم کے بہت واقعات منقول ہیں جن کے ذکر سے کلام طویل ہو جائے گا اور جتنے واقعات ہم نے بیان کر دیئے ہیں (اثبات مدعی کیلئے) یہی (رہبت) کافی ہیں اس لئے ہم کلام کو طول دینا نہیں چاہتے،

الوجه الاول المحذوف المذکور ہل ہی محسوس نہ الی قولہ و فیما

ذکرناہ کفایتہ .

ف حضراتِ صوفیہ کے نزدیک یہ مسئلہ بدیہی اور نہایت بدیہی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر سلاطین دنیا کو اس دولت کا پتہ لگ جائے جو ہمارے پاس ہے تو وہ تلواریں لے کر ہم پر چڑھ آئیں اور اس کو چھیننے کی کوشش کریں، اُن کو ذکرِ اللہ اور حضورِ دائم اور معرفتِ الہی میں ایسی عبادت محسوس ہوتی ہے کہ



دنیا کی کسی چیز میں وہ حلاوت نہیں ملتی، ذکر اللہ اور طاعت اُن کی طبیعتِ ثانیہ اور غذا بن جاتی ہے۔ پس یہ حدیث ہی طریقِ تصوف کے اثبات میں تنہا کافی ہے۔ کیونکہ حلاوتِ ایمان کے مطلوب ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا اور یہ حلاوت بدون طریقِ تصوف اور محبتِ صوفیہ کے نصیب نہیں ہوتی جس کو شک ہو وہ ہر روز واہ پر جا کر دیکھ لے یہ دولت اس کو صوفیہ کے سوا کسی کے پاس نہ ملے گی اس وقت وہ اس قول کی تصدیق کرے گا۔

پس ازسی سال اس معنی محقق شد بخاتانی  
کہ یحیم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی

۲۹۔ اللہ اور رسول کے ساتھ محبت کی علامت حنفی اللہ اور مفت عن الکفر ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں جو تین باتیں بیان فرمائی ہیں وہ سب (درحقیقت) پہلی ہی بات کی طرف راجع ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول سب سے زیادہ محبوب ہوں، کیونکہ اللہ اور رسول کی محبت کو وہ باتیں لازم ہیں جو بعد میں ذکر کی گئی ہیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد جو دو باتیں بیان فرمائی ہیں اُن کے ذکر سے فائدہ اور مقصود یہ ہے کہ جو کوئی اللہ اور رسول کی محبت کا دعویٰ کرے اس کو ان دو موقعوں پر اپنے نفس کا امتحان کرنا چاہیے، اگر کسی سے محبت ہو تو دیکھے کہ اس سے کیوں محبت کرتا ہے؟

اورد (یہ سوچے کہ) اگر اس کو کھنڈ پر مجبور کیا گیا (نعوذ باللہ منہ) تو اس وقت اس کے نفس کی کیا حالت ہوگی؟ کیونکہ بعض دفعہ نفس میں اللہ اور رسول کی محبت کا دعویٰ پیدا ہو جاتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دو علامتیں بیان فرمادی ہیں جو دعویٰ اور حقیقت میں

فرق کو ظاہر کرتی ہیں اور اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ۔  
وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِنَّ كُنْتُمْ مَوْحِدِينَ

”اللہ پر بھروسہ رکھو اگر تم موئن ہو“

(یہاں بھی توکل کو بطور علامت ایمان کے بیان کیا گیا ہے) کیونکہ ایمان کی حقیقت یہی ہے کہ موئن اپنے پروردگار پر جملہ امور میں بھروسہ اور اعتماد رکھے، اگر یہ بات نہیں تو وہ محض دعویٰ ہے اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ کرے اور ان دو علامتوں میں سچا نہ نکلے تو اس کی محبت نرا دعویٰ ہے (جسمیں) حقیقت نہیں ہے، (الوجه الثاني قوله عليه السلام ان يكون الله ورسوله احب اليه الى قوله فخبه دعوى لانه حقيقة)

ف یہ بات مشاہد ہے کہ صرف اللہ کے لئے کسی سے محبت کرنا صوفیہ کرام میں زیادہ ہے ورنہ عام طور سے لوگوں میں جو محبت دیکھی جاتی ہے وہ کسی غرض کی وجہ سے ہوتی ہے، حب فی اللہ، کا وجود زیادہ تر صوفیہ ہی میں ہے پس اس سے بھی صوفیہ کے طریق کی تائید ہوتی ہے۔  
ف جب اللہ اور رسول کی محبت کی علامت حب فی اللہ ہے تو شیخ کو لازم ہے کہ کسی کو سلسلہ میں داخل کرنے سے پہلے اس بات کو جانچ لے کہ اس کو شیخ سے محض اللہ واسطے تعلق محبت ہے یا اور کسی غرض کی وجہ سے ہے، کیونکہ بعض لوگ مقاصد دنیا میں کامیابی کے لئے بھی سلسلہ میں داخل ہونا چاہتے ہیں، اگر کسی کو محض اللہ کیلئے شیخ سے تعلق محبت نہ ہو بلکہ کسی اور وجہ سے ہو اس کو داخل سلسلہ نہ کرنا چاہیے کیونکہ وہ اللہ اور رسول کا طالب بن کر نہیں آیا بلکہ دنیا کا طالب ہو کر آیا ہے۔

۳۰۔ ایمان کا پھل عمل سے عمل کی پختگی ابتداء سنت کا اور پختگی کے بعد ہی پھل میں

حلاوت آسکتی ہے، حلاوت ایمان کی حقیقت کمال ایمان ہے اور کمال ایمان کی علامت یہ ہے جو حدیث میں بیان کی گئی ہے (یعنی کسی سے اللہ واسطے محبت کرنا اور کف سے ایسا گھڑانا جیسا آگ میں ڈالے جانے سے گھڑتا ہے) اور پھل میں شیرینی اسی وقت آتی ہے جب وہ پختہ ہو جائے پس ایمان کا پھل عمل تو ہے اور عمل کی پختگی اتباع سنت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کا عمل قبول نہیں فرماتے جب تک پختہ نہ ہو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ، اور عمل کی پختگی کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ اس کو ریا اور بدعت سے پاک صاف رکھے پس عمل کا خلاف سنت ہونا اس کے لئے ایک آفت ہے جو پختگی سے مانع ہے اور جب پھل پختہ ہی نہ ہوگا تو ظاہر ہے کہ شیرینی کے درجہ تک بھی نہ پہنچے گا۔ غرض جب عمل میں کوئی آفت آجائے گی (خواہ ریا سے یا مخالفت سنت سے) تو وہ پختہ نہ ہوگا (اور جب پختہ نہ ہوگا) تو قبول بھی نہ ہوگا، چنانچہ بعض عوام اسی دائرہ کے اندر ہیں کیونکہ وہ سنت سے جاہل ہیں اگرچہ ان میں سے بعضوں کو علوم کا دعویٰ ہے مگر جس علم کا عالم سنت (نبویہ) سے جاہل ہو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مصداق ہے، ان من العلم الجہل کہ بعض علم ہی جہل ہے، اور پوری پختگی (اور عمدگی) تو خاص ہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔ اور عمل کی شمال عمدگی یہ ہے کہ محض اللہ اور رسول کی محبت کی وجہ سے عمل کیا جائے اور کسی غرض نہ ہو جیسا اس حدیث میں وارد ہوا، اس وقت اس کے عمل کی (اللہ تعالیٰ کے) یہاں قدر کی جائے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ (اپنے خاص بندوں کی محبت) فرماتے

ہیں انما نطعمکم لوجه اللہ لہ نرید منکم جزا رولہ شکورا،  
 کہ وہ مسکینوں یتیموں کو اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے کھانا کھلاتے  
 اور یوں کہتے ہیں کہ ہم تم کو صفت اللہ کے لئے کھانا دیتے ہیں تم سے کوئی  
 بدلہ یا شکریہ نہیں چاہتے) (الوجه الثالث یود علی الحدیث سوال  
 وفیہ حل و دلائل ایمان عبارتہ عن کمالہ الی قولہ انما نطعمکم  
 لوجه اللہ، وترجمۃ ملخصاً)

ف یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو بدون عمل ہی کے  
 کمال ایمان کے مدعی ہیں، نیز ان کی غلطی بھی واضح ہو گئی جو عمل میں اتباع  
 سنت کا اہتمام نہیں کرتے، ان لوگوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ ایمان کا پھل  
 عمل ہے اور درخت اپنے پھل ہی سے پہچانا جاتا ہے۔ جس درخت پر پھل  
 نہ آئے گو وہ بالکل بیکار نہیں مگر زیادہ کار آمد بھی نہیں پس ایمان بلا عمل  
 دوسری قسم کا ایمان ہے جس سے یہ شخص ہمیشہ کے لئے تو جہنم میں نہ  
 رہے گا مگر یہ بھی ضرور نہیں کہ جہنم میں داخل ہی نہ ہو الا ان یشاء اللہ  
 اور جو عمل سنت کے موافق نہ ہو وہ پختہ اور شیریں نہیں ہو سکتا اس لئے جس کو  
 حلاوت ایمان حاصل کرنا ہو اس کو اتباع سنت کا اہتمام کرنا اور بدعات  
 سے بچنا چاہیے۔ آج کل بہت کم لوگ ہیں جو بدعات سے محفوظ ہیں۔ اللہ تعالیٰ  
 مسلمانوں کو اتباع سنت کی توفیق عطا فرمائے آمین !

### ۳۱۔ حضرات سلف کا ایمان اتباع شریعت ہی کی وجہ سے کامل تھا

حضرات سلف کا ایمان اسی لئے کامل تھا کہ وہ (شریعت کی) امر و نہی  
 کا اتباع کرتے اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت  
 رکھتے اور باہم ایک دوسر کی خیر خواہی کرتے تھے۔ چنانچہ جب وہ کسی سے  
 ملتے تو یوں کہتے تھے ”اگو ایمان حاصل کرس“ (وہ آئیں میں باتیں کرنے

کہ ایمان سمجھتے تھے، تو اُن کے ایمان کا درخت عمدگی اور شیرینی میں انتہائی درجہ کو پہنچ گیا تھا، اور آج کل تو یہ باتیں مفقود ہو گئیں اور اسی بات کا ظہور ہو گیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی تھی (کہ آدمی اس وقت تو ایسے ہیں جیسے پھل والا درخت اور عنقریب ایسے ہو جائیں گے جیسے کانٹوں والا درخت) سو واقعی وہ کانٹوں والے درخت ہی ہو گئے کیونکہ انہوں نے امر و نہی کا اتباع چھوڑ دیا اور آپس میں ایک دوسرے کی خیر خواہی چھوڑ دی، اُن کے دلوں میں کھوٹ آ گیا، اب خیر خواہی کی جگہ کھوٹ نے اور اتباع شریعت کی جگہ مخالفت نے لے لی، اور لوگوں کی عام حالت یہ ہو گئی کہ اُن میں سوائے کلمہ گو ہونے کے ایمان کی کوئی شان باقی نہ رہی، کلمہ پڑھ لینے کے سوا اُن کے جتنے بھی کام ہیں مقتضائے ایمان کینکلات نہیں ہیں پس جڑ تو باقی رہ گئی مگر پھل یعنی عمل ضائع ہو گیا۔ جیسے پھل والے درخت کی جگہ جھڑ بیکار کا درخت رکھ دیا گیا ہو کہ پہلا درخت تو پھل دیتا اور حلاوت سمجھتا تھا اور دوسرا کانٹے ہی اگاتا ہے۔ آج کل عام مسلمانوں کی تو یہی حالت ہے۔ بحرِ شاذ و نادر حقوٹے سے آدمیوں کے (کہ وہ سلف کے طریقہ پر قائم ہیں) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لَا يَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ لَا يَضُرُّهُمْ مِنْ خَالِفِهِمْ مِيرِئَمْتٌ مِثْلُ آبِ جَبَّتٍ جَمَاعَتٌ هَمِيْشَةً حَقٌّ بِرِئَاسَتِهِمْ كَيْسَى كِي مَخَالِفَتِهِ اس کو نقصان نہ پہنچے گا، پس یہ جمت جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اس کے ایمان کا درخت ہمیشہ باد آور اور اس کا پہل غایت درجہ شیریں رہیگا جیسا حضرات سلف رضی اللہ عنہم کا ایمان تھا، اور اگر (دنیا میں) ان کا وجود نہ ہوتا تو آسمان (بادش کا) ایک قطرہ نہ برساتا اور (زمین سے) ذرا سی بھی سبزی نہ اُگتی اور اُن لوگوں کی وجہ سے جن کا اوپر ذکر آیا ہے (عالم میں) تباہی آ جاتی، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کی خاطر سے اور ان کی رفعت ظاہر کرنے کیلئے ان سے ایمان

والوں کی وجہ سے دوسروں کو بھی مہلت دیدیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اپنے فضل و احسان سے ہم کو بھی اپنے اولیاء میں داخل کر دیں۔ (قولہ اونی من تقدّم من السلف کانت ایمانهم کاملہ یتتبّعهم الہ مردوالنہی الی قولہ جعلنا اللہ من اولیائہ، بعنہ ویجنہ)

و کمال اتباع شریعت ہی کا دوسرا نام طریقت ہے، کیونکہ طریقت کا مقصد عمل کو دیا وغیرہ پاک کر کے اخلاص کی دولت حاصل کرنا اور عبادت ایمان سے کامیاب ہونا ہے اور معلوم ہو چکا ہے کہ عبادت ایمان بدون اتباع شریعت اور کمال اتباع سنت کے حاصل نہیں ہو سکتی، پس یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو شریعت کو طریقت سے اور طریقت کو شریعت سے جدا سمجھتے ہیں۔

## حَدِيثُ الْبَيْعَةِ

حضرت عبدالہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ سے) فرمایا مجھ سے بیعت کرو اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر دو گے، چوری نہ کر دو گے زنا نہ کر دو گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کر دو گے، اور (کسی پر) ایسا بہتان نہ باندھو گے جو کہ کسی کے گمراہیاً علیہ، اور اچھی باتوں میں میرے نام فرمائی نہ کر دو گے پس جو کوئی اس (عہد) کو پورا کرے گا اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے اور جو ان (گناہوں) میں سے کسی کا ارتکاب کرے گا اگر دنیا ہی میں اس کو سزا دے دی گئی تو وہ اس کے (گناہوں کے) لئے کفارہ ہے اور جس نے ان (گناہوں) میں سے کسی کا ارتکاب کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی کی تو اس کا معاملہ اللہ کے حوالہ ہے خواہ اس کو معاف کر دیں یا عذاب کر دیں، پس ہم نے اسی پر آپ سے بیعت کی۔“

### ۳۲۔ شرح — بیعت کی حقیقت اور اس کی اقسام

بیعت ایک قسم کا عہدہ اور اس کی دو قسمیں ہیں ایک بیعت عامہ دوسرے بیعت خاصہ، بیعت عامہ کی پھر دو قسمیں ہیں ایک وہ جو بدون کسی شرط کے صحیح ہے۔ دوسرے وہ جو چند شرطوں کے بعد صحیح ہے

جو بیعت بدن کسی شرط کے صحیح ہے اس کی مثال باپ کی ولایت سے بیٹے پر، مرو کی اپنی بیوی پر اور غلاموں پر (کیونکہ بیٹے کا بیٹا ہونا عورت کا بیوی ہونا، غلام کا غلام ہونا باپ اور شوہر اور آقا کی ولایت کو مستلزم ہے۔ پس یہ بھی ایک عہد ہے جس کے حقوق کا ادا کرنا اُن کے ذمہ ہے) اور یہ ولایت (باپ اور شوہر اور آقا کو) اللہ تعالیٰ کے حکم سے حاصل ہے، اس لئے اس میں شرطوں کی ضرورت نہیں اور اس کا بیان حدیث کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ کی شرح میں آئے گا اور جو بیعت عامہ بدن شرطوں کے صحیح نہیں اس کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جو بذات خود ثابت ہے اور شرطوں سے اس کی تاکید ہو جاتی ہے اور کسی وجہ سے حکمت الہی اس کی مقتضی ہوئی دوسری وہ جو بذات خود ثابت ہے اور شرطوں کی تاکید ہو جاتی اور دوسرا حق بڑھ جاتا ہے اور تیسری وہ جو بدن شرطوں کے صحیح نہیں بلکہ شرط ہی سے اس کا وجود ہوتا ہے، پہلی قسم کی مثالیں بیعت الست برکم ہے (جو عالم ارواح میں تمام آدمیوں سے لی گئی ہے) کیونکہ خود ربو بیت ہی سے بندگی (کا حق بندوں) پر ثابت ہو چکا تھا (عہد لینے کی ضرورت نہیں تھی) مگر اس بیعت سے جو اس وقت لی گئی تھی حق مؤکد ہو گیا، اور کسی وجہ سے حکمت (الہی) اس کی مقتضی ہوئی اور وہ حکمت (ایک تو) یہ تھی کہ اس کی بیعت پر بندوں کا مکلف ہونا موقوف تھا کہ احکام کی سجا آوری پر (اُن کو) ثواب دیا جائے اور مخالفت پر عذاب دیا جائے (رہا یہ کہ بندوں کا مکلف ہونا اس پر کیوں موقوف رکھا گیا تو اس میں) محض شرعی علت عقلی یا منطقی نہیں، (اس کے سوا جو اور حکمتیں ہوں گی ہم اُن کا احاطہ نہیں کر سکتے) دوسری قسم کی مثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنا ہے، کیونکہ جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا تو اسی سے آپ کی بیعت



(سب پر) ثابت ہو گئی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے النبی اولح بالمومنین من انفسہم کہ نبی کا مسلمانوں پر اُن کی جانوں سے زیادہ حق ہے تو (دیکھو) اللہ تعالیٰ نے آپ کو اُن کی جانوں سے بھی مقدم کر دیا ہے (تو آپ کا حق خود بخود ہم پر ثابت ہو چکا) پھر لوگوں کا حضور سے بیعت کرنا آپ کی رسالت کی تصدیق اور آپ کے احکام کا انقیاد (ظاہر کرنے کے لئے) تھا اور لوگوں کا آپ کی تصدیق کرنا اسی بیعت کی تائید ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے (تمام بدن کے ذمہ) آپ کیلئے ثابت کر دی ہے۔

اردتیسری قسم کی مثال خلیفہ اسلام کی بیعت ہے اور اس کی بھی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ خلیفہ کسی کو اپنے بعد خلافت کیلئے نامزد کر دے جیسا حضرت صدیق نے حضرت عمر کو نامزد کر دیا تھا دوسریہ کہ خلیفہ کی موت کے بعد مسلمان کسی پر اتفاق کر لیں جیسا حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان پر اتفاق کیا اور یہ حکم قیامت تک کیلئے ثابت ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين ميري سنت کواور خلفاء راشدين کی سنت کو مضبوط پکڑو، (یہ تو بیعت عامہ کی تفصیل تھی) اور بیعت خاصہ وہ ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مسلمانوں کی) ہر جماعت کے متعلق بیان فرمایا ہے کہ جب وہ سفر کیا کریں تو کسی کو اپنا امیر بنالیا کریں اور اسی کے حکم میں ہر وہ کام ہے جو اس کے مشابہ ہو۔ کیونکہ یہ بیعت ایک خاص درجہ سے ہے اور اس کا نفع جو کچھ ہے بیعت عامہ کے منافع سے معلوم ہو جائے گا۔ جن کو انشاء اللہ ہم بیان کریں گے، کیونکہ بیعت خاصہ کو بیعت عامہ کے ساتھ (خاص) مشابہت ہے، رہی بیعت کی حقیقت تو (ظاہر ہے کہ)

یہ منجملہ (معاملات) بیوع کے ایک بیع ہے (جس کے معنی ہیں بیچنا، فروخت کر دینا) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہایعونی فرمایا ہے عاہدونی نہیں فرمایا اور اس لفظ کے معنی میں غلامی کے کسی قدر اوصاف پائے جاتے ہیں جن کو ہم بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ اور جب یہ بیعت منجملہ بیوع کے ایک بیع ہے تو اب اس کی ضرورت ہے کہ مبیع کو متعین کیا جائے اور ثمن کو بتلایا جائے کہ بیعت میں کس چیز کو بیچا جاتا ہے اور اس کے عوض میں ثمن کیا ملتا ہے ؟

پس (معلوم کرنا چاہیے کہ) اس جگہ مبیع تو نفس کا اختیار ہے کہ (بیعت کرنے والا) اپنے اختیار (وارادہ) کو فنا کر دے اور جس سے بیعت کر رہا ہے اپنے کو اس کے حوالہ کر دے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق اس میں جو چاہے تصرف کرے۔ اور یہ ایک قسم کی غلامی ہے کیونکہ آقا غلام کی ذات کا مالک بن جاتا ہے جس کے بعد غلام کا کوئی اختیار اور تصرف باقی نہیں رہتا کیونکہ جو شخص کسی کی ذات کا مالک ہوتا ہے اس کے تمام منافع کا مالک ہو جاتا ہے، پس بیعت کر نیوالا اطاعت و انقیاد میں غلام کے مشابہ ہے، مگر اس کا مال اسی کی ملکیت رہتا ہے صاحب بیعت کی ملک نہیں ہو جاتا کیونکہ یہ شخص صرف اطاعت و انقیاد میں غلام کے مشابہ ہے، جملہ احکام میں نہیں رہا ثمن (اور معاوضہ) تو وہ جنت ہے بشرطیکہ بیعت (کے حق) کو پوری طرح ادا کر دیا جائے کیونکہ بیعت عقبہ کے موقع پر جب صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اُن کو اس بیعت کے عوض کیا ملیگا؟ تو آپ نے فرمایا 'جنت' صحابہ نے عرض کیا کہ ہم (اس پر ملائی ہیں اور بیعت کو نہیں توڑیں گے) بلکہ اس کا حق ادا کریں گے، عرض شارح علیہ السلام نے بیع اور مبیع اور ثمن سب کچھ بتلا دیا ہے اور یہی حکم ہر اس بیعت کا ہے جو حضور کے بعد (کسی سے) شریعت کے موافق کی جائے کہ اس کا

فمن بھی جنت ہی ہے، جبکہ اس کو تو طانہ طے کیونکہ ہر بیعت، بیعت رسول کی تہذیب و تائید ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنا اللہ عزوجل سے بیعت کرنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ کہ جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ (درحقیقت) اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بیعت کرنا بیعت الست بربکم کا ایثار اور اسی کی تائید ہے (قوله فی الوجه الاول فانما النواہا فعلی ضربین الی قوله وفاء و تاکید لبيعة الست بربکم ملخصاً)

ف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعتِ مسافرین کو جو حکم دیا ہے کہ کسی ایک کو اپنا امیر بنالیا کریں۔ یہ بیعتِ صوفیہ کی دلیل ہے کیونکہ سالکین طریق بھی ایک سفر میں ہیں اور بڑے سفر میں ہیں جو سفر ظاہر سے اہم اور بہت اہم ہے، پس جب سفر ظاہر میں کسی کو امیر بنانا سنت مامور بہا ہے تو اس سے اہم سفر میں کسی کو امام بنانا خلاف سنت کیونکہ ہو سکتا ہے؛

ف جب بیعت کی حقیقت معلوم ہو گئی کہ وہ منجملہ بیوع کے ایک بیع ہے تو اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بیعت طریق کے لئے ہاتھ میں ہاتھ لینا ضروری نہیں بلکہ مرید اور شیخ کی طرف سے زبانی معاہدہ کافی ہے۔ باقی اس میں شک نہیں کہ حضور نے صحابہ سے جس وقت بھی بیعت لی ہے، خواہ بیعت اسلام ہو یا بیعت جہاد یا بیعت اتباع احکام وہ ہاتھ میں لیکر واقع ہوئی ہے اس لئے مشائخ نے بھی یہی صورت اختیار کی مگر صورت بیعت کو لازم اور مقصود سمجھ لینا اور اصل مقصود کو پس پشت ڈال دینا سخت غلطی ہے جس میں آج کل لوگ مبتلا ہیں۔

ف جب یہ معلوم ہو چکا کہ بیعت ایک قسم کی غلامی ہے تو ضرور ہے

کہ اس میں جلدی نہ کی جائے۔ مرید کو اس وقت بیعت کا ارادہ کرنا چاہیے جب اس کا نفس شیخ کی غلامی کیلئے پوری طرح تیار ہو جائے اور شیخ کو اس وقت بیعت لینا چاہیے جب اس کو اطمینان ہو جائے کہ شخص اخلاص و انقیاد کیلئے آمادہ ہو چکا ہے۔

ن شیخ کو مرید میں تصفہ کا حق شریعت کی حدود کے اندر ہے اس سے زیادہ نہیں پس جو لوگ مریدوں کے مال کو اپنا مال ان کی بیبیوں کو اپنی باندیاں سمجھتے ہیں وہ جاہل اور گمراہ کن ہیں۔

ف جب یہ معلوم ہو چکا کہ سالکین کی بیعت شیخ کے ہاتھ پر ایسی ہے جیسے جماعت مسافرین اپنے میں سے ایک کو امیر بنا لیتی ہے تو ضرور ہے کہ بیعت ہو نیوالا یہ بات جانتا ہو کہ وہ کس لئے شیخ کو اپنا امام بنا رہا ہے اور بیعت لینے والا طریق سے پوری طرح واقف ہو اس کی منازل و ضرورت یا کو اچھی طرح جانتا ہو تا کہ جماعت کو سیدھے راستہ پر لے چلے۔

قل هذه سبيلي ادعوا الى الله على بصيرة انا ومن اتبعي  
وسبحن الله وما انا من المشركين

۳۳۔ توحیدِ کامل حاصل کرنا چاہیے اور کسی کو اللہ تعالیٰ کے برابر نہ

سمجھنا چاہیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کر دے، عام لفظ ہے کیونکہ شئی ہر چھوٹی بڑی چیز کو شامل ہے، اور اس لفظ کے عموم پر عمل کرنے ہی سے فرقہ ناجیہ محمدیہ کو دوسرے فرقوں میں سے امتیاز حاصل ہوا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل میں تو بہتر فرقے ہوئے تھے اور میرا امت میں بہتر فرقے ہوں گے جن میں سے سوا ایک کے جو میرے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر ہو گا اور

سب جہنمی ہیں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیعت کے موقع پر اس فرقہ کی علامتیں بتلا دی ہیں تاکہ حضور کا اور آپ کے اصحاب کا طریقہ واضح ہو جائے کیونکہ

— (اولاً) حضرات صحابہ ہی کو اس بیعت (کی شرائط) کا مخاطب بنایا گیا ہے (تو یقیناً وہ اسی راستہ پر تھے جو یہاں بیان کیا گیا ہے) پس اس سے فرقہ ناجیہ کا پتہ لگ گیا کہ جس نے اس لفظ کو حقیقی عموم پر باقی رکھنے میں صحابہ کا اتباع کیا وہ تو اُن کے راستہ پر ہے اور اگر اس میں تخصیص کی خواہ قلیل ہو یا کثیر وہ اُن کا مخالف ہے اور جس درجہ کی تخصیص ہوگی اسی درجہ کی مخالفت ہوگی۔

(الوجه الثاني قوله عليه السلام على

ان لا تشركوا بالله شيئا هذا اللفظ عام الى

قوله فتليده ان او كثيرا) .

ف شارح نے اس مقام پر بہت تفصیل کے ساتھ اُن تمام فرقوں کا رد کیا ہے جو توحید اسلامی میں فلسفہ کے اثر سے خلل ڈالتے ہیں اس کے بعد توحید اسلامی اور عقیدہ اہل سنت کو وضاحت سے بیان فرمایا اور دلائل سے اس کو ثابت کیا ہے ہم نے اس تفصیل کو سرِ دست چھوڑ دیا ہے کیونکہ ہمارا مقصود اس وقت دوسرے مسائل تصوف کا انتخاب ہے مگر خلاصہ کے طور پر اتنا بتلادینا ضروری ہے کہ محققین صوفیہ کمال توحید کی تعلیم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی برابر اور اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے نہ وہ حلول کے قائل ہیں نہ اتحاد کے، نہ وہ جبریت ہیں نہ قدریہ، نہ معتزلہ، اور فلاسفہ کی طرح عقل پرست ہیں وہ اُسی صاف اور سیدھے راستہ پر

چلتے ہیں جو حضرت اصحاب کا طریقہ ہے۔

۱۔ بعض لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم غیب اور حاضر و ناظر سمجھتے ہیں اور بعض لوگ اولیاء اللہ میں ایسی قدمیت ملتے ہیں کہ وہ بدون اللہ تعالیٰ کی اجازت اور مرضی کے بھی جو چاہتے ہیں کر سکتے ہیں۔ گویا کارخانہ قدس اُن کے ہاتھ میں ہے۔ یہ سب توحید سے دور اور شرک سے قریب ہیں۔

”لَیْسَ کَمِثْلِهِ شَیْءٌ وَ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہُ اِلَّا بِاِذْنِہِ

وَمَا تَفْعَلُوْنَ اِلَّا اِنْ یَشَاءَ اللّٰہُ“

ان کو تصوف کی ہوا بھی نہیں لگی کیونکہ تصوف کمال اتباع شریعت کا نام ہے اور شریعت نے کمال توحید کی تعلیم کی ہے جس سے یہ لوگ کوسوں دور ہیں۔

## حَدِيثُ قَتَالِ الْمُسْلِمِينَ

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب دو مسلمان اپنی اپنی تمواریں لیکر لڑنے پر آمادہ ہوں تو قاتل اور مقتول (دونوں) جہنم میں جائیں گے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! قاتل (کا) یہ (مآل تو ظاہر ہے مگر مقتول کا یہ حال کیوں ہے؟ فرمایا اس لئے کہ وہ بھی اپنے ساتھی کے قتل پر حریص اور آمادہ تھا۔

۳۴۔ شرح : فسادیت و افعال قلبیہ بھی مواخذہ ہوتا ہے

حدیث سے معلوم ہوا کہ مقتول اپنی حرص اور فسادیت کی وجہ سے جہنم کا مستحق ہوا، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حرص ہی ایک عمل ہے جس میں (بعض دفعہ) فسادیت شامل ہو جاتی ہے (اور بڑے وبال کا باعث بن جاتی ہے) پس مقتول قاتل کے ساتھ ان دونوں صفتوں میں شامل ہو گیا (یعنی قاتل ہونے میں بھی اور جہنمی ہونے میں بھی) کیونکہ انسان کی قدرت میں جتنا تھا وہ دونوں کر چکے۔ کسی کی عمر کو باقی رکھنا یا ختم کر دینا یہ انسان کی قدرت میں نہیں اور مقتول بھی تو قاتل کی عمر ختم کر چکا کیونکہ وہ اس کے قتل پر حریص اور آمادہ تھا (اور یہاں سے معلوم ہوا کہ ظلم کی دو قسمیں ہیں ایک حسی جو محسوس طریقہ

پہلے سے ظاہر ہو دو سکے معنوی جو نیت اور ارادہ کے درجہ میں ہو ظلم  
 حسی کے احکام آتو فقہ میں مذکور ہیں اور شائع نے یہی اس سے کسی قدر تعرض  
 کیا ہے، ہاں ظلم معنوی کے متعلق گفتگو باقی ہے اور وہ اس مقام کے مناسب  
 ہے تو سمجھنا چاہیے کہ اس کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ محض نیت ہی کا درجہ  
 ہو عملاً ظلم کا صدور نہ ہو نہ ظلم کا سبب بنا ہو۔ دوسرے یہ کہ نیت کے  
 ساتھ عملاً بھی ظلم کا صدور ہوا یا اس کا سبب بنا (مگر ظلم محسوس نہیں ہوتا)  
 قسم اول کی مثال حسد اور بغض اور تمام بری نیتیں ہیں جن سے شرعاً  
 منع کیا گیا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:  
 لا تحاسدوا ولا تبغضوا ولا تبادوا فکونوا عباد اللہ  
 اخواناً،

ہا ہم حسد اور بغض نہ کرو ایک دوسرے سے منہ موڑ کر نہ چلو اور اے  
 اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن کر رہو۔

تو یہ بری نیتیں مال و آبرو کی طرح نہیں ہیں کہ ظالم و مظلوم دونوں کا  
 حساب کر لیا جائے اور جس کی زیادتی ہو اس سے بدلہ لے لیا جائے بلکہ یہ  
 (ہا ہم حسد و بغض نہ کرنے والے) دونوں قاتل و مقتول کی طرح ہیں ان دونوں کو  
 معاً عذاب ہو گا اور ایک کا عذاب دوسرے کے عذاب کو کچھ کم نہ کرے گا کیونکہ  
 خیر و شر میں باطنی امور (اور قلبی ارادہ و نیت) کا اثر ظاہری افعال سے  
 زیادہ ہے اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جسم  
 میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اگر وہ درست ہو جائے تو سارا بدن درست ہو  
 جاتا ہے اور وہ بگڑتا ہے تو سارا بدن بگڑتا ہے، سن لو وہ دل ہے،  
 (اگر دل خراب ہو گا تو بدن کے سارے افعال بگڑ جائیں گے) اور دل سے  
 مراد یہ عضو نہیں (حس کو اطباء دل کہتے ہیں) بلکہ وہ نیت و ارادہ مراد ہے  
 جو دل کے اندر ہوتا ہے۔ اس کی زیادہ توضیح و تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم



کا وہ ارشاد ہے جو آپ نے ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے فرمایا کہ اگر تم سے ہو سکے کہ ہر صبح اور ہر شام تمہارے اوپر ایسی حالت میں آئے کہ دل میں کسی کی طرف سے کھوٹ نہ ہو تو ایسا (مرد) کر دیکھو نہ فرمایا بخود دارمن ؛ یہ میری سنت ہے اور جس نے میری سنت کو زندہ کیا اس نے گویا مجھے زندہ کر دیا اور جس نے مجھے زندہ کیا وہ میرے ساتھ جنت میں ہو گا۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس نے اس حال میں صبح و شام کی کسی پر ظلم کی نیت نہیں رکھتا اس کے سب گناہ بخش دیے جاتے ہیں اور اس کی ضد (اور خلاف فتوہ) کے متعلق ارشاد ہے

من غشنا فليس منا

”جس نے ہم سے (یعنی مسلمانوں سے) فریب کیا وہ ہم میں نہیں“

اور جو کسی مسلمان کو ضرر پہنچانا چاہے گا، اللہ تعالیٰ اس کو ضرر پہنچائیں گے اور جو کسی مسلمان سے فتنہ کرے گا اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ فرمائیں گے اس بارہ میں آیتیں اور حدیثیں بہت ہیں اور جو ظلم نیت اور عمل (دونوں) کیساتھ ہو اس کی مثال قطع رحم ہے (یعنی بدشتہ قرابت کو توڑنا) کیونکہ جب دو آدمی باہم قطع رحم کریں گے تو ہر ایک اس وعید کا مستحق ہو گا جو اس کے متعلق وارد ہو گا، اور یہ عذر نہیں چل سکتا کہ پہلے دوسرے نے قطع رحم کیا تھا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

تصل من قطعك تعطى من حرملك

جو تم سے قطع تعلق کرے اس سے ملو جو تم کو نہ دے اس کو

دو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو رحم نے عرض کیا کہ قطعیت (یعنی قطع تعلق) سے پناہ مانگئے والے کا ٹھکانا آپ ہی ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تو اس پر راضی نہیں ہے کہ جو تجھ کو ملائے گا میں اس کو (اپنے سے) ملاؤں گا

جو نتيجہ کو قطع کرے گا میں اس کو (اپنے سے) الگ کر دوں گا، کہا  
 بیشک اے پردہ گار! (میں اس پر راضی ہوں) فرمایا تو بس ترس  
 واسطے یہ ہے، اور جو ظلم نیت سے ہوا وہ عمل سے نہ ہو مگر ظلم کا سبب  
 بنا ہو اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کے ساتھ دھوکہ اور فریب کرنے  
 کی کوشش کرے یا اس کو لٹچ دینا (اور تکلیف پہنچانا) چاہے اگرچہ اس کو  
 وہ تکلیف نہیں پہنچی جس کا اس نے قصد کیا تھا، کیونکہ نیت کا فاسد  
 کہنا اور (ظلم کا) سبب بننا دونوں یکساں ممنوع (اور حرام) ہیں خواہ  
 کسی کو تکلیف پہنچے یا نہ پہنچے تو یہ بھی انہی کے برابر ہے جن کا ذکر اوپر گذرا  
 کسی کا ظلم دوسرے سے کم نہیں کیونکہ ہر ایک نے اپنے بھائی (مسلمان کو ایذا  
 دینے کے لئے درپردہ ایسی کوشش کی جس سے شرعاً منع کیا گیا ہے یعنی  
 نیت فاسد کی اور بھائی کا سبب بنا، اسی لئے اُن بزرگ علما و عاملین نے  
 جن کو نور بصیرت عطا ہوا ہے گنہگاروں کی ذات سے بغض نہیں رکھا بلکہ  
 وہ صبراً اُن کے افعال سے بغض رکھتے تھے جن سے شریعت نے منع کیا  
 اور مذمت کی ہے اور گنہگاروں کی ذات پر اُن کو ترس آتا تھا کہ تہدیک  
 سے وہ ان گناہوں میں مبتلا ہو گئے اور اپنی ذات پر اندیشہ رکھتے تھے کہ  
 مبادا اُن کو یہ ابتلا پیش نہ آجائے (کیونکہ انبیاء کے سوا معصوم کوئی نہیں  
 ہر شخص کا ہر گناہ میں مبتلا ہو جانا محتمل ہے) پس یہ حضرات بغض بھی  
 رکھتے تھے کیونکہ اس کا اُن کو (شریعت کی طرف سے) حکم کیا گیا ہے، اور ترس  
 بھی کھاتے تھے کیونکہ گنہگاروں کی شرست ہی میں یہ گناہ رکھا ہوا تھا اور  
 اس اندیشہ سے کہ کبھی خود اُن میں مبتلا نہ ہو جائیں ڈرتے بھی تھے اور  
 اس (مضمون) پر تنبیہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کافی ہے وَلَوْ  
 تَأْخُذْكَ بِهِمَا رَأَيْتَ فِي دِينِ اللَّهِ (کہ تم کو زنا کاروں پر حد قائم  
 کرنے میں شفقت مانگ نہ ہو) یعنی جو شفقت بوجہ ایمان کے

تمہاری طبیعت میں پیدا ہو گئی ہے وہ تم کو ان حدود کے ضائع کرنے پر  
 نہ ابعاد نے پہلے جن کے قائم کرنے کا تم کو مکلف (و مامور) کیا گیا ہے (سو  
 اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے گنہگاروں کی ذات پر شفقت کرنے سے منع  
 نہیں فرمایا بلکہ اس بات سے منع فرمایا ہے کہ شفقت کی وجہ سے حدود و احکام  
 کو ضائع کیا جائے اور ان دونوں باتوں کے جمع کرنے کی، توفیق دینے  
 والا اللہ ہی ہے۔

برکھے جام شریعت برکھے سندانِ عشق  
 ہر ہوسنا کے نڈا نڈ جام و سندانِ باخشن

قوله الوجه في الوجه الرابع فاعلمهم انه استوجب ذلك  
 بحرصه وقوله في الوجه الثامن وبقي الكلام مرهنا على الظلم  
 المعنوي الى قوله واللہ الموفق )

ف یہ امراض قلوب ہی تو وہ ہیں جن کے ازالہ کا اہتمام صوفیہ  
 کرام فرماتے ہیں اور اسی کے لئے مجاہدات کئے جاتے ہیں کیونکہ فطری امور  
 آسانی سے نہیں بدلا کتے جبل گرد و جبلت نگردد، اور اس سے کسی کو  
 انکار نہیں ہو سکتا کہ تکبر، بغض، کینہ، حسادت، ارادہ وغیرہ  
 شرعاً حرام ہیں اور آیات و حدیث میں بکثرت ان پر وعید وارد ہے، پھر یہ  
 ہے کہ ان کے ازالہ کے طریق کا کس طرح انکار کیا جاتا ہے۔ اگر کسی کو یہ دعویٰ  
 ہو کہ بدن اس طریق کے بھی جو صوفیہ نے بیان فرمایا ہے۔ ان امراض کا ازالہ  
 ہو سکتا ہے تو وہ بیان کرے اور بتلائیے کہ وہ کون سا طریقہ یقیناً وہ  
 کوئی طریقہ بیان نہ کر سکے گا۔ اور مجبوراً طریق صوفیہ کی تصدیق کرے گا۔

ف الفاظ حدیث بظاہر عام ہیں مگر بالا جماع مراد خاص تھوڑے ہیں جبکہ  
 قاتل و مقتول دونوں ناحق پر ہوں اور عمداً قتل پر آمادہ ہوں کیونکہ اگر  
 دو مسلمان طریقہ جنگ سیکھنے کیلئے تلواروں سے مشتق کر رہے ہوں اور غلطی سے

ایک قتل ہو جائے تو یہ صورت وعید حدیث میں داخل نہیں بلکہ اس کو قتل خطا کہا جائے گا اسی طرح اگر ایک حق پر ہو اور دوسرا ناحق پر مثلاً چور یا ڈاکو نے کسی کا مال چھینے یا چور نے کیلئے حملہ کیا اور دوسرے نے اپنے مال کی حفاظت کیلئے مقابلہ اور مدافعت سے کام لیا تو اگر چور یا ڈاکو مارا گیا تو وہ بدترین مقتول ہوگا اور قتال پر وعید نہ ہوگی اور دوسرا مارا گیا تو وہ شہید ہوگا اور قتال جہنمی ہوگا اسی طرح اگر خلیفہ اسلام سے کسی نے بغاوت کی اور بغاوت کی کوئی معقول وجہ نہیں اس صورت میں اگر خلیفہ اسلام باغی کو قتل کر دے تو قاتل پر کوئی الزام نہیں اور مقتول گنہگار ہے، اور اگر بغاوت کی معقول وجہ ہے اور باغی کے نزدیک خلیفہ اسلام کی خلافت شرعاً صحیح نہ تھی اور خلیفہ اسلام کے نزدیک اس کی خلافت شرعاً صحیح تھی اس صورت میں دونوں اس وعید میں داخل نہ ہوں گے جو یہاں مذکور ہے، جیسا حضرات صحابہ کرام میں جنگ باہم ہوئی ہے اور دونوں جماعتیں شہادت حدیث کے مطابق جہنمی تھیں تو ان کا قتال عموم حدیث کے تحت میں داخل نہ تھا، غرض حدیث میں قتال کی وہ خاص صورت مراد ہے جبکہ قاتل و مقتول دونوں نے ایک دوسرے کے قتل کا ارادہ محض ظلم اور تعدی کی وجہ سے بدون کسی حق یا تاویل و شبہ کے کیا خوب سمجھ لو۔

(وہذا التفصیل مما قد نبہ علیہ الشارح و انما ذکرناہ فی الفوائد الخرجہ عما عن بصد دہ من مسائل التصوف و لم یترک من التنبیہ علیہ لکونہ من مزال الہ قدام ۱۲)

# حاشیہ لیلۃ القدر

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص لیلۃ القدر میں بوجہ ایمان اور طلبِ ثواب کے قیام کرے اس کے اگلے مہینہ بخش دیئے جائیں گے۔

**شرح** یہ حدیث صاف طور سے شبِ قدر کی فضیلت پر دلالت کر رہی ہے اور اس کے متعلق چند باتیں بیان کر لئے کی ہیں۔

۳۵۔ نمازِ عشاء کے بعد نوافل پڑھ لینا بھی قیامِ لیل ہے <sup>حدیث کا یہ لفظ 'جو' لیلۃ القدر میں قیام کرے</sup> اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ پوری رات کا قیام مراد ہو یا کسی خاص حصہ کا، اگر خاص حصہ کا قیام مراد ہے تو اس میں بھی دو احتمال ہیں ایک کہ قیامِ رمضان کی طرح اولِ شب کا قیام مراد ہو جو نمازِ عشاء کے بعد ہوتا ہے (کیونکہ عشاء میں قیامِ رمضان کی فضیلت و تاکید واد ہے حضرت صحابہ نے اس کو اولِ شب میں بعدِ عشاء کے نزدیک کی صورت سے ادا کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ عشاء کے بعد نماز پڑھنے کو بھی قیامِ لیل کہا جاتا ہے کیونکہ صحابہ سے زیادہ حضور کی مراد کون سمجھ سکتا ہے) دوسرے یہ کہ آخرِ شب کا قیام مراد ہو جسے تہجد کہتے ہیں اور حضور نے تو سعادت و مجازاً اس کو قیام سے تعبیر کر دیا جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قل للیل الذلیلین کہ رات کو قیام کیجئے سوائے تقویٰ حصہ کے اور اس (قیام) سے مراد تمہیں ہے کیونکہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام (کچھ دیر)

سونے کے بعد ہی ہوتا تھا اور لغت میں اسی کا نام تہجد ہے اور جس قیام میں اس کو بچھڑا ہے اس میں یہ سب احتمالات (جادی) ہیں مگر زیادہ ظاہر واللہ اعلم یہ ہے کہ اس سے ملو تہجد جو سونے کے بعد ہوتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو اختیار کر لیا اور آپ کا دائمی عمل یوں ہی تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہی صورت اختیار فرماتے تھے جو افضل و ادنیٰ اور سب رائج ہو، اگر اس کے سوا کوئی صورت افضل ہوتی تو آپ اسی کو اختیار فرماتے اور مفضل (وادنیٰ) کو چھوڑ دیتے۔ (الوجه الاول قولہ علیہ السلام من یصلح لیلۃ فلیصل لیلۃ فلیصل لیلۃ فلیصل لیلۃ)

فی این معلوم ہوا کہ عشا کے بعد کچھ نماز افضل پڑھ لینے سے بھی قیام لیل اور جو مالک ہے

اس پر شریعہ حکیم الامت نے بالکل تمبیہ فرمائی ہے اور بہت لوگ اس سے غافل ہیں اور یہ غفلت بعض

دندان کو ثواب تہجد سے محروم کر دیتی ہے۔ یہ کہ رات کو آٹھ گھنٹے کا بتر نہ ہو ۱۲

(۳۶) سنت کے موافق چار یا تیر رکعات کے ساتھ تہجد پڑھنا اور پڑھنے سے افضل ہے (تہجد میں رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام گیارہ رکعات یا تیر رکعات کیساتھ اختلاف و ایما ثابت ہوا ہے آپ کے رمضان

یا غیر رمضان میں اس پر پادتی نہیں فرمان تو اب دلی ہے کہ شب تہجد میں اتنا قیام کفایت کا ادنیٰ

درجہ ہے یا انتہا انہم درجہ ہے نہ سویہ ظاہر ہے کہ قیام (شب تہجد) کا انتہائی درجہ یہی ہے (جو

حضرت ثابت ہے) جسکی دو دلیل ہیں۔ ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات مقدسہ

کے لئے اعلا اور بہتر صورت ہی اختیار فرماتے تھے اعلیٰ درجہ کو چھو کر ادنیٰ درجہ اختیار فرماتے تھے دوسرے

یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص سورہ بقرہ کی آخری دو آیتوں کیساتھ قیام کرے

تو وہ دونوں اس کو کافی ہیں اور ایک روایت میں سورہ آل عمران کے آخر کا ذکر ہے اور کافی ہے

کام طلب یہ ہے کہ یہ دو آیتیں قیام لیل سے کفایت کریں گی اور اس شخص کو تہجد گزار کہا جائیگا

اور جب ہم نے یہ مان لیا کہ اس کو تہجد حاصل ہو گیا جس کو (حدیث میں) قیام لیل کہا گیا ہے تو

ان دو آیتوں کو دو رکعتوں میں پڑھنے ہی سے اس کو وہ ثواب مل گیا جو اسے ہزار رکعتوں کی عبادت

سے افضل ہے جن میں شب تہجد نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شب ہزار رکعتوں سے افضل ہے ریس

قیام شب قدر کا ادنیٰ درجہ تو یہ ہوا کہ سورہ بقرہ یا آل عمران کی دو آیتوں سے دو رکعتیں پڑھیں جائیں

عَنْ عَلِيٍّ بْنِ أَبِي طَالْحَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتْلُو سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ وَالْآلِ الْاِٰمِرَانَ يَوْمَ تَبَايَعُوا عَلَى الْاِسْمَاءِ وَكَانَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْعَلُ آخِرَ صَلَوةِ الْاَيْلِ قَوْلَهُ كَمَا اُمِرَ بِهِ فَافْهَمْ ۱۲ ط

اور جو درجہ حقو نے اختیار فرمایا ہے وہ اعلیٰ درجہ ہے، اگر کسی کو یہ شبہ ہو گیا کہ گیارہ یا تیرہ کعبتیں  
 انتہائی درجہ کمال کو کیونکر پہنچ سکتی ہیں حالانکہ بعض لوگ اس سے بھی زیادہ تیا کرتے اور دلت بھرنا  
 پڑتے ہیں تو دلت بھرنا کیا کر نیوالے سے وہ شخص کیونکر افضل ہو جائیگا جس نے گیارہ یا تیرہ رکعت ہی  
 سے قیام کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک گیارہ یا تیرہ رکعت سے تیا کر نیوالا دلت بھرنا پڑنے  
 والے سے افضل ہے۔ کئی دلیل عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث ہے (جو آئندہ آئے گی) اور  
 اس حدیث کی شرح میں بھی اس سوال کا جواب آئیگا جس کو شوق ہو اس مقام کا مطالعہ کرے اور جب  
 یہ بات ثابت ہوگئی تو اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت آپ کا درجہ، آپ کا مرتبہ  
 اللہ تعالیٰ کے یہاں کس قدر بلند ہے۔ اور آپ کی وجہ سے آپ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے اس امت پر  
 کتنا بڑا احسان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے واسطے (شب قدر) میں تہجد کی دو رکعتوں کا  
 ثواب ایک ہزار مہینہ کی دشوار ترعبادت یعنی (ہزار مہینے تک) جہاد کرنے سے بھی افضل کر دیا ہے جن  
 کی مقدار تیس ہزار دن اور تیس ہزار رات ہوتی ہے جس کا مجموعہ ساٹھ ہزار کا دما ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو  
 اور تم کو اپنی نعمت کے شکر کی توفیق دے اور اس نعمت کا اہل بنائے اور اپنے فضل سے اس نعمت کے  
 حامل کہنے پر ہماری مدد فرمائے (آمین) اور اسی کے مثل امت محمدیہ پر اللہ تعالیٰ کا ایک (فضل و  
 احسان جس کے مثال کرنے میں کچھ بھی فتنہ نہیں ہے) (خدا ہم کو اس امت کے صحابہ میں داخل فرمائے)  
 کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **وَارْتَدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا** اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننے  
 لگو تو شمار نہ کر سکو گے، اور درمراں شادیہ ہے **لَنْ تَشْكُرَ نِعْمَةَ رَبِّكَ** زید نکمہ اگر تم شکر کر دو گے  
 تو میں تم پر نعمتوں کو زیادہ کر دوں گا اس میں اللہ تعالیٰ نے نعمت کے بڑھانے کا وعدہ شکر پر موقوف  
 لکھا ہے اور بیشمار نعمتوں کا شکر ادا کرنا بہت دشوار تھا تو اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 فرماتے ہیں کہ جو کوئی ہر صبح اور ہر شام یوں کہہ لیا کرے **اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا**  
**شَرِيكَ لَهُ اللَّهُمَّ مَا اَصْبَحْتُ بِیْ اَوْ اَمَسْتُ لَیْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمَنْ لَّكَ وَحْدَكَ لَا شَرِيكَ لَكَ**  
**لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ** اس نے اللہ تعالیٰ کی اُن تمام نعمتوں کا شکر ادا کر دیا جو اس پر (نافع)  
 ہوئی ہیں تو اس فضل عظیم کو (تو) دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح ہمارے حقو سے لفظوں کو بیشمار نعمتوں  
 کا شکر پر قرار دیکر اور اسی پر ہمارے لئے نعمت بڑھانے کا ذمہ لیا۔

وقوله قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان ماثلت عنہ من الاحادی عشرۃ رکعة الی قوله وضمن لنا المزید

فن کیا اب بھی کسی کا منہ ہے جو صوفیہ کے طریق کو خلاف سنت کہہ سکے، تم نے دیکھا کہ معتقین صوفیہ ملت بھر نماز پڑھنے سے گیارہ یا تیر رکعات کے ساتھ تہجد کو افضل سمجھتے ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا اور بعض روایات میں جو اس سے زیادہ کا ثبوت ہے وہ بطور معمول کے نہ تھا یہاں روایات کے الفاظ سے واضح ہے ۱۲

۳۔ عمل کے تصحیح نیت استحضار ایمان مطلوب ہے حشہ کا یہ لفظ بوجہ ایمان اور طلب ثواب کے، اس باب کی دلیل ہے کہ ایمان کا استحضار ہر جہز و عمل کیساتھ مطلوب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام پر پیشہ بیان فرمائی ہے کہ شب قدر کا قیام تصحیح نیت کے ساتھ کیا جائے (یعنی صرف ایمان اور طلب ثواب کی وجہ سے قیام ہوا اور کوئی غرض نہ ہو) پھر علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے بعض کا قول ہے کہ یہ استحضار ہر وقت ضروری ہے اور بعض کا قول ہے کہ منہر عمل شروع کرنے کی وقت ضروری ہے اور عمل کے ہر جہز کے ساتھ استحضار ہونا کمال عمل کی شرط ہے جہاں اس پر ہیں اور یہ لفظ اس باب کی بھی دلیل ہے کہ عمل کی وقت، ایمان کے استحضار سے ایمان کو ترقی ہوتی ہے کیونکہ مسلمان کو تو پہلے ہی سے ایمان حاصل ہے پس عمل کی وقت اس کو نیت میں مافر کر لینا ترقی کا قائم مقام ہے۔

وقوله الوجه الرابع عشرنیہ دلیل علی ان استحضار الایمان مطلوب والوجه الخامس عشرنیہ دلیل علی ان استحضار الایمان زیادة الی قوله قارم مقام الزیادۃ فن صوفیہ کو تصحیح نیت کا بہت اہتمام ہے اور اسی سے ان کو علماء ظاہر سے امتیاز حاصل ہے علماء ظاہر کو انمال طلب کا اہتمام نہیں پس یہ حدیث صوفیہ کی مؤید ہے۔

فن۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ طلب ثواب صحت نیت کے منافی نہیں اس باب میں



جہیزِ نوریہ بھی انھیں کے خلاف چلے ہیں چنانچہ امام طوسیؑ نے ان کے کلام میں یہ مضمون ملتا ہے کہ عارف کو طالبِ ثواب اور طالبِ جنت نہ ہونا چاہیے۔ نہ طالبِ رضا ہونا چاہیے نہ محبوبِ جنت کی ایک نعمت ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ بنے اس نعمت کی طشورِ غبت کریں جیسا لہشل ہذا ذبیعہ عمل العاقلون وفی ذلک فلیتنا نفس اللہنا فنبون ہ سے ظاہر ہے تو جنت کی طلب عین محبوب کی طلب ہے مگر جنت کی طلب محض حفظِ نفس کیلئے ہو محبوب کی نعمت سمجھ کر نہ ہو تو بیشک یہ طلبِ معرفت کے منافی ہوگی۔

۳۸۔ عمل کا بڑا ثواب مغفرت ہے اس بڑھکر کوئی جزا نہیں اگلے حمانہ بخش دیے جائیں گے۔ حدیث سے یہ لفظ کہ اس کے

اس بات کی دلیل ہے کہ اعمال کا اصل ثواب اور اعلیٰ ثمر مغفرت ہے (کو کلمہ معاف ہو جائیں گے) کیونکہ شبِ قدر سے قیامِ ثواب مغفرت ہی کو قرار دیا گیا ہے۔ علامہ یہ تیار ہزار مہینوں کے اس عمل سے افضل ہے جو اللہ کے واسطے میں جہاد کی صورت ہو (پس اگر مغفرت سے بڑھ کر کوئی ثواب ہو تو اتنے بڑے عمل پہ اسی کو مرتب کیا جاتا اس سے معلوم ہوا کہ اس سے زیادہ کوئی ثواب نہیں) کیونکہ مغفرت ہی سب کی اصل ہے اور طاقت سے نعمت دینے والی یہی ایک چیز ہے اور اگر کسی وقت رحمت کے ساتھ مغفرت نہ ہو تو (بیکار) ہلاک ہونا ممکن ہے، اور اسی وجہ سے کہ مغفرت میں یہ خصوصیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مغفرت ہی کے ساتھ مخصوص و سرفراز فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے لیغفر اللہ لک ما تقدہ من ذنبک وما تاخر اس کے سوا اور کوئی ثواب بیان نہیں فرمایا۔ مرضِ عقل و نقل (دونوں) اس بات کو بتلاتے ہیں کہ انسان کو جو نعمتیں بھی عطا کی جائیں ان میں سب سے افضل مغفرت ہے کیونکہ اگر اس کی نیکیاں زیادہ ہو جائیں تو پھر بھی یہ انتمالی دھبہ کہ نجات ہوگی یا نہ ہوگی اور جس کی مغفرت ہو گئی اس پر کسی قسم کا کوئی اندیشہ باقی نہ رہے گا (الوجه السابع عشر قوله علیہ السلام غفر له ما تقدمه من ذنبه وما تاخره) علیہ بشی یخاف منه

۳۹۔ ایمان سب اعمال سے اعلیٰ ہے حدیث میں اس کی بھی دلیل ہے کہ ایمان تمام اعمال اعلیٰ (اور برتر) ہے کیونکہ اگر شبِ قدر کا قیام انوارِ ایمان

سے خالی ہوا تو یہ ثواب نہ ملے گا جس کا اد پر ذکر آچکا اور جب ایمان کے انوار بھی اس کے ساتھ شامل ہوں تو اس کے عوض میں اعلیٰ درجہ کا ثواب ملیگا جو کہ مغفرت ہے اللہم اجنا من غفرت له فی الدارین بلا محنة انک جواد کریم (قولہ الوجہ الثامن عشر فنیہ دلیل علی ان الودیعان اعلیٰ الاعمال) الی قولہ جواد کریم

ف صوفیہ کا یہ خاص مذاق ہے وہ دولت ایمان کو سب سے بڑھ کر سمجھتے اور اس کی تکمیل کا اہتمام کرتے ہیں۔

ف اس مقام سے علماء ظاہر کو بھی سبق لینا چاہیے اور طالبان سلوک کو بھی کہ اصل چیز مغفرت ہے بندہ کو اسی کا طالب ہونا چاہیے درجات عالیہ کا طالب ہونا چاہیے جس کو مغفرت حاصل ہوگی اس کو سب کچھ مل گیا حضرت حکیم الامت دامت بکاتہم فرمایا کرتے تھے کہ درجات کی تمنا اہل درجات کو مبارک ہو ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ جہنم سے نجات ہو جائے چاہے پھر جہنموں کی جوتیوں ہی میں جگہ ملے۔

## حاشیہ ان الدین الیسر

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین آسان ہے اور ہرگز کوئی شخص سختی (اور مبالغہ) کے ساتھ دین پر غالب ہونے کا ارادہ نہ کریگا مگر دین ہی اس کو ہلادیکا، پس سیدھے چلو، قریب قریب ہو اور خوشخبری حاصل کر د اور صبح دشام کی وقت سے اور کسی تدبیرات کے آخری حصہ سے (کام میں) سہارا لو،

۴۰۔ شرح دین آسان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ دین آسان ہے چند وجوہ کو محتمل ہے اور ہر وجہ کے لحاظ

سے حدیث کی شرح اخیر کا مختلف ہوگی پس ہم ہر وجہ پر الگ کلام کریں گے اور ایک وجہ کے موافق حدیث کی شرح پس کی کہ دوسری وجہ پر کلام کریں گے (علیٰ ہذا القیاس) چنانچہ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ حضور نے جو دین کو آسان فرمایا ہے تو ممکن ہے کہ دین سے ایمان مراد ہوادیہ بھی احتمال ہے کہ اسلام مراد ہو اور ممکن ہے کہ دونوں مراد ہوں۔ ایمان تو تصدیق کا نام ہے (کہ دل سے توحید و رسالت کو مان لے) اور اسلام انقیاد (اور اطاعت) کا نام ہے (کہ احکام شرعیہ کو بجالائے) اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ دونوں مراد ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ولکن قولوا اسلمنا اور اس کے بعد فرمایا ہے ولما میدخل الایمان فی قلوبکم رک جب تک ایمان دل کے اندر نہ ہو ایمان کا دعویٰ نہ کر د بلکہ اسلام کا اقرار کر د تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ظاہر (اسلام) کو قبول نہیں فرمایا کیونکہ ظہن میں تصدیق نہ تھی نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ان المنافقین فی الدارک الاسفل من النار کہ منافقوں کا ٹھکانا جہنم کا سب سے نیچا طبقہ ہے تو باوجودیکہ منافقین نے ظاہر میں اطاعت کربلی

حق جس کا نام اسلام ہے مگر اُن کے پاس ایمان نہ تھا اس لئے اسلام نے اُن کو کچھ نفع نہ دیا اسی طرح اس کے عکس کو سمجھ لو کہ ایمان بھی بدن اسلام کے نافع نہیں ہوتا، اور جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ اسلام اور ایمان آپس میں لازم و ملزوم ہیں تو دین سے یہاں دونوں ہی مراد ہیں۔ اب اس کی ضرورت ہے کہ ان دونوں کی سہولت کو بیان کیا جائے، بس ایمان کے آسان ہونے کیلئے تو جادریکی مشہور حدیث کافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک باندی سے دریافت فرمایا اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمان میں پھر لو چچا اور میں کون ہوں؟ کہا آپ اللہ کے رسول ہیں، اس پر حضورؐ نے اس کے مالک سے فرمایا اس کو آزاد کر دو یہ مومنہ ہے تو دیکھو حضورؐ نے اس کو انہی بات پر مومنہ قرار دیا کہ اس نے آپؐ کے رسول ہونے کا اقرار کر لیا اور اللہ تعالیٰ کو موجود اور قاہر و ماکم مان لیا تھا کیونکہ اس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا تھا اور اہل عتہ بلندی و رفعت کو اسی طرح ظاہر کیا کرتے ہیں اور بلندی و رفعت کے لئے قہر و غلبہ لازم ہے (تو آسمان کی طرف اشارہ کر کے اس نے اللہ تعالیٰ کے قاہر و غالب ہونے کا اقرار کیا تھا)، اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ کسی خاص مکان میں ہیں جیسا بعض ملحدوں نے سمجھا ہے۔ تعالیٰ اللہ عن ذلک علما کبیرا اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور مثرہ ہیں کیونکہ لغت اور محاورہ عرب کے موافق حدیث کا کوئی لفظ اس پر دلالت نہیں کرتا، اور اسی حدیث کی بنا پر بعض اہل سنت نے فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی بغض صفا سے ناواقف ہو وہ کافر نہیں اور یہ بات صحیح اور بہت صاف ہے کیونکہ اگر اس قول کو نہ مانا جائے تو عام مسلمانوں کی کھفایت کیلئے اور صحابہ و سلف صالحین کا اجماع ہے کہ ان کا ایمان صحیح ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے عَنْ اَمَّةٍ اُمِّيَةٍ (نقد اؤاد نکتب، ہم ان پڑھ امت ہیں لکھے پڑھے نہیں ہیں) اور جب آپ کی امت ان پڑھے تو وہ اُن علوم کی ملکوت نہیں ہو سکتی جو پڑھے لکھوں کو بھی دشواری سے حاصل ہوتے ہیں) اور اس کے تحت میں وہ لوگ داخل نہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جو اُن کے لئے زیبا نہیں کیونکہ ان پڑھے ہونے کا یہ اثر تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا علم نہ ہو اور یہ اثر نہیں ہو سکتا کہ ذات باری کی طرف ایسی باتیں منسوب کرنے لگے جو اس کی شایان شان نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت تمام قلوب میں بالخصوص مسلمانوں کے

دلوں میں فطرہ موجود ہے اس لئے جاہل سے جاہل بھی تمام بیعت ذات بادی کو منفرہ سمجھتا ہے غرض جب ایسا بیان کیلئے اتنی بات کافی ہے (جو حدیث جاد میں مذکور ہے) تو بلا شک اس آسان ہے۔ دہ اسلام تو اس کے آسان بننے کیلئے نعمان بن ثعلبہ کی مشہور حدیث کافی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کو دریافت کیا تو آپؐ فرمایا ارات دن میں پانچ نمازیں پڑھنا، کہا کیا میکہ ذمہ اس کے سوا بھی کچھ نماز ہے، فرمایا نہیں، مگر یہ کہ تم اپنی خوشی سے پڑھو (تو اختیار ہے) پھر حضورؐ نے فرمایا اور رمضان کے دنے رکھنا کہا کیا میکہ ذمہ اس کے سوا بھی کچھ دنے ہیں، فرمایا نہیں مگر یہ کہ تم اپنی خوشی سے رکھو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور زکوٰۃ دینا، کہا کہ میکہ ذمہ اس کے سوا بھی کچھ (صدقہ) ہے فرمایا نہیں مگر یہ کہ تم اپنی خوشی سے دو (اور حج کا ذکر اس لئے نہیں فرمایا کہ اس وقت تک حج فرض نہ ہوا تھا لیکن حدیث حیرل میں اسلام ہی کے بیان میں حج کا ذکر موجود ہے) دہوی کہتے ہیں کہ شیخیوں کو کہا ہوا لو کہ خدا کی قسم میں نے اس سے زیادہ کروں گا نہ اس میں کچی کروں گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ اپنی بات کا سچا نکلا تو فلاح کو پہنچ گیا اور فلاں پانے والا دہ ہے جو آخرت میں اپنی مراد کو پہنچ جائے تو بس اسلام کیلئے اتنی ہی مقدار کافی ہے اور اتنا کام اگر نیا لایا بھی فلاح کو پہنچنے والا ہے تو بلا شک اسلام آسان ہے۔

ف یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو دین کو دشوار سمجھتے ہیں اور اُن داعظوں کی بھی غلطی ظاہر ہوگئی جو بالی کی کمال نکال کر عوام کے سامنے دین کو دشوار طریقے سے بیان کرتے ہیں۔ باقی اس کا یہ مطلب نہیں کہ دین میں نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے سوا اور کوئی حکم نہیں ہے کیونکہ اس سے کون انکار کرتا ہے کہ نماز کیلئے دخول لازمی ہے اور پاکی نہ پاکی کے مسائل جاننے کی بھی ضرورت ہے نیز نماز کیلئے بن ڈھانکنا ضروری ہے جس کے واسطے کپڑا خریدنا ہوگا تو بیع و شرا کے احکام جاننا بھی ضروری ہیں کیونکہ حلال کھانے کے لباس سے نماز قبول نہیں ہوتی اسی طرح حج اور زکوٰۃ مالدار پر واجب ہیں اس کے لئے بھی احکام مال کا جاننا ضروری ہے کیونکہ حکام مال سے حج قبول ہوتا ہے نہ زکوٰۃ مگر ان احکام کا جاننا کچھ دشوار نہیں ہے کیونکہ محمد اللہ ہر زمانہ میں علماء موجود دیتے ہیں اور ہر بستی کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ اپنی بستی میں ایک عالم ضرور رکھیں تو اس سے پوچھ پوچھ کر سب کے احکام معلوم ہو سکتے ہیں ہر شخص کو

سمت میں پڑھنے کی ضرورت نہیں اور اگر کوئی چاہے کہ بدن علمائے دین سے کہے ہی دین آجائے تو اس طرح نماز بھی نہیں آسکتی بلکہ دنیا کا کوئی کام بھی بدن کسی استاد کے نہیں آسکتا، اگر کوئی چھینے اور سیکھنے کا کام ہی دشواری ہے تو دین سے زیادہ دنیا دشوار ہے خوب سمجھ لو۔

فی محققین صوفیہ بالخصوص مجددین امت کا یہ خاص مذاق ہے کہ وہ دین کو آسان سے آسان صورت میں مسلمانوں کے سامنے پیش کرتے ہیں اور اس زمانہ میں حضرت حکیم الامت مجدد ملت مولانا نقوی دامت برکاتہم وطلال بقا ہم نے دین کے ہر شعبہ کو بالخصوص طریق سلوک کو جس آسان صورت میں ظاہر فرمایا ہے غالباً اس کی نظیر صدیوں سے بھی نہ دیکھی گئی ہوگی۔

ف اسلام کی بنیاد جن پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے درحقیقت انہی میں سارا دین موجود ہے بشرطیکہ ان کو صحیح طور سے ادا کیا جائے، اگر ایمان کامل کے ساتھ نماز، روزہ، زکوٰۃ و حج کی کوہِ معلّم بھی طرح ادا کرنے لگیں تو سجدہ انہی سے ہمارے اخلاق بھی مہذب ہو جائیں گے معاملات بھی درست ہو جائیں اور دلوں کے کھوٹ بھی نکل جائیں، مگر افسوس ہے کہ ہم ان کو اچھی طرح ادا نہیں کرتے صرف نام کر دیتے ہیں تو ہمارا دین بھی برائے نام ہی رہتا ہے، ان ہی چیزوں کو اچھی طرح ادا کرنے کا نام تفویض ہے جس کو نامعلوم لوگوں نے کیا ہے کیا سمجھ لیا ہے۔

۴۱۔ مجاہد اگر مبالغہ اور مغالبہ کی حرکت نہ ہو تو ممنوع نہیں بلکہ مطلوب ہے،

حدیث کا یہ لفظ ”مہرگز کوئی سمجھتی کیسا تھے دین پر غالب تھے“ کا ارادہ نہ کریگا مگر دین ہی اس کو ہر ادویگا ”اس بات کو بتلاتا ہے کہ جو شخص دین میں اتنی محنت کرے جو مبالغہ کی حد کو نہ پہنچے تو وہ اس ممانعت سے خارج اور قسم محمد میں داخل ہے کیونکہ یہ تو درحقیقت (دین کی مضبوطی اور رحمت اور درستی) کی بلند ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

المؤمن القویٰ خیر من المؤمن الضعیف و فی کلّ خیر

مضبوط مسلمان کمزور مسلمان بہتر ہے اور یوں سب ہی اچھے ہیں

اس حدیث نے بتلادیا کہ ضعیف کا درجہ قوی سے کم ہے، اگرچہ ضعیف کو بھی اتنی خیر حاصل ہے جو اسکی خلاصی کیلئے کافی ہے جبکہ ایمان کی اس مقدار کو پورا کرے جس کے بدن پارہ نہیں، جیسا

اد پر بیان کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی باوجود ضعیف ہونے کے انصافیت (اور بہتری) سے خارج نہیں کیا مگر اس مضمون سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ دین میں (مطلوبہ کمال ہی ہے جس کا نام قوت اور ترقی ہے، ہاں اگر کوئی شخص درجہ کمال سے عاجز ہو تو اس کو کسی قدیمہ درجہ کی طرف لوٹنا چاہیے جو اس کی طاقت (اور عمر) کے مناسب ہو اور درجہ کمال حاصل کرنے میں مبالغہ اور منہ بیکاری سے بچنا چاہیے کیونکہ (اس مختصر میں) دین اس کو ہلادیا جیسا اد پر بیان کیا گیا مثلاً اگر کوئی شخص ایمان اور اسلام میں ہو کہ دین کے دو پہلوئیں تعمق (اور تکلف) سے کام لے تو یقیناً دین اس کو مزید دیکھائی دے گی اور وہ دونوں میں سے کسی ایک کا دسواں حصہ ہی پورا نہ کرے گا مثال کے طور پر ایمان ہی کو لے لیں اگر کوئی یہ ارادہ کرے کہ بغیر تقلید کے (اپنی تھکن) ایمان حاصل کرنا چاہیے اور اس کے بعد وہ استدلال، استنباط (اور دلائل و مقدمات کی چھان بین) میں مشغول ہو تو اس کی عمر ختم ہو جائیگی اور مقصود تک پہنچ سکے گا چنانچہ اس مقام پر رئیس المحققین ابوالمعالی (ابن الجونی) رحمۃ اللہ علیہ نے عجز کا اقرار کر لیا ہے، معتبر طبع سے معلوم ہوا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں نے اہل اسلام کو اور ان کے علوم (نقلیہ) کو (ایک طرف) چھوڑ کر بڑے سمندر میں قدم ڈالا (یعنی تحقیق عقلی کے سمندر میں داخل ہوا) اور اس مقام پر غوطہ کھایا جس سے مسلمانوں کو (شریعت میں) منع کیا گیا ہے (یعنی ذات و صفات باری کی تحقیق عقل سے شروع کی) اور یہ سب کچھ اس لئے کیا کہ میں تقلید سے بھاگنا اور خود (اپنی عقل سے) حق کو پانا چاہتا تھا مگر اب میں ان سب باتوں سے ہٹ کر سچی بات کی طرف واپس آ گیا ہوں (کہ تحقیق عقل سے حق کو کوئی نہیں پاسکتا بلکہ اتباع رسول ہی سے پاسکتا ہے) اور ابن جوینی کا ماس ہو (یہ خود اپنی بابت فرماتے ہیں کہ میں نے فضول وقت ضائع کیا) تو جب رئیس المحققین کا یہ قول ہے جس نے بغیر تقلید کے حق کو معلوم کرنا چاہا تھا اور اس کو اپنے عجز کا اقرار ہے تو ان لوگوں کا کیا حال ہو گا جو ان کے بعد اس قسم کا ارادہ کرتے ہیں ایسے ہی اگر کوئی یہ ارادہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کی شان و بزرگویت کے جو حقوق بندوں پر ہیں ان کو پوری طرح ادا کرنا چاہے تو اس کی عمر ختم ہو جائیگی اور اس کا دسواں حصہ ہی ادا نہ کر سکے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب عزیز میں فرماتے ہیں

یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جیسا اُن سے ڈرنے کا حق ہے

ادبیہ وہ چیز ہے کہ انسان اس کا تو حقوڑا حصہ ہی ادا کر کے رہ جاتا ہے (پورا تو اس سے کیا ادا ہوگا) اور اسکی توفیق کیلئے (حضرت) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کافی ہے کہ انہوں نے سات بھرنماز پڑھنے اور ہر دن روزہ رکھنے کا ارادہ کیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کو اس کی طاقت نہیں یہ تو دین کی دو باتوں کی حالت ہے کہ انسان اُن کو بھی اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ادا کر سکی طاقت نہیں رکھتا) تو دین کے بقیہ اجزاء کو عظمت (فدا و ندی) کے لائق کیونکر ادا کر سکیگا، پس لامحالہ اس پر یہ بتا صادق آگئی کہ میں اسکو ہر ایک کا تو خلاصی کا طریقہ اور بہتر مشورہ یہی ہے کہ دین کا درجہ کمال اس طرح حاصل کیا جائے کہ زیادہ مبالغہ نمونیہ چنانچہ ایمان میں تو اسکی ضروریہ ہے کہ پہلے یقین اور تصدیق کیساتھ شریعت کے موافق ایمان حاصل کیا جائے اور (دل سے) تمام شکوک و شبہات کو دور کیا جائے جب یہ بنیاد مضبوط اور پختہ ہو جائے تو اس کے بعد لائل (توجید) میں اس طریقہ سے غور و فکر کیا جائے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حکم لکھا ہے کہ اسماء او ذمیں کی مخلوقات میں شامل کرے تاکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلیل قائم ہو اس کا ایک شعبہ یہ ہے کہ اسمان کے ستاروں کو اُن کی مختلف حالتوں کو سورج کو اور چاند کو اور چاند کے گھٹنے بڑھنے کو اور اس کے سوا دیگر باتوں کو جو اُن کے اندر پائی جاتی ہیں، غور سے دیکھئے، نیز زمین کے مختلف حصوں میں غور کرے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ زمین کے مختلف نقتا آس پاس ہیں اور انگوڑوں باغات اور کھیتیاں اور کھجوریں ہیں جن میں سے بعضی اوپر جا کر دھتے والی ہو جاتی ہیں اور بعضی ایک ہی تنہ والی ہو جاتی ہیں (تو کیا یہ قدرت کی نشانیاں نہیں ہیں کہ ایک ہی زمین سے کہیں کچھ پیدا ہو رہا ہے کہیں کچھ؟ یہی زمین کی مٹی کہیں انگوڑ بن جاتی ہے، کہیں انار؟ کسی گج پھول بن جاتی ہے کسی جگہ گندھک اور جو کوئی زمین غور سے کوئی بخری اسی طرح پانیوں کو دیکھو کوئی شیریں؟ کوئی شور، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہذا عذب ذرات سائل شرابہ و ہذا ملح اجاج، و من کل تأکلون لعلما طریا و تستخرجون حلیۃ تلبسونہا وترى الفلک فیہ مواخر، یہ ایک پانی تو میٹھا ہے اور بہت شیریں جس کا پینا خوشگوار ہے اور دوسرا پانی تلکین؟



اور بہت تلخ اور ہر ایک سے تم (پھل کا) تازہ گوشت کھاتے اور (موتیوں کا) زیود نکالتے جو جو تمہارے سینے کے کام آتا ہے اور تم اس میں کشتیوں کو پانی پہنچتے ہو چلتی دیکھتے ہو اسطرح زمین کے پھلوں میں غور کرو اور ان کے مزوں کا اختلاف دیکھو مالاں کو ان کو ایک ہی پانی دیا جاتا ہے اور ایک ہی قطعہ میں اُگتے ہیں (مگر اسپر بھی کوئی پھل میٹھا ہے کوئی کٹھا کسی کا رنگ کیسا ہے کسی کا کیسا؟) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تسقہ بماء واحد وفضل بعضہا علی بعض فی الاکل کہ بعض پھل ایک ہی پانی سے (ایک ہی قطعہ زمین میں) سیرا کئے جاتے ہیں مگر ہم ایک کو دوسرے پر جو میں فوقیت دیتے ہیں، استدلال و نظر (دیکھو) کا یہ طریقہ کمال ایمان (حاصل کرنے) کیلئے کافی ہے جیسا ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب (ابراہیم) علیہ السلام کو علم الیقین عطا کرنے کیلئے یہی طریقہ اختیار کیا تھا چنانچہ فرماتے ہیں وکذلک نری ابراہیم ملکوت السموات والارض ولیکون من الموقنین اور ہم اسی طرح ابراہیم (علیہ السلام) کو آسمانوں اور زمینوں کی مخلوقات دکھائے ہیں تاکہ وہ ان میں غور کریں اور یقین والوں میں سے ہو جائیں اور اسی علم کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے تعلموا الیقین فانی اتعلم یقین کا درجہ حاصل کرو کیونکہ میں بھی اس کو حاصل کرتا ہوں۔ اب جو شخص اس حشر جو علم الیقین تک پہنچا دینے کیلئے کافی ہے آگے بڑھنا چاہے وہ مبالغہ کی حد میں داخل ہوگا جو اسکی طاقت سے باہر ہے پس لامحالہ دین اس کو ہر ادیکا، یا تو اس وجہ سے کہ دلائل بکثرت ہیں اور (عمر کا) زمانہ کم ہے یا اس وجہ سے کہ اس کو (دلائل میں) شک اور شبہ پیش آجائے گا تو علم الیقین حاصل نہ کر سکیگا) اور اسلام میں (مبالغہ کی حد سے بچنے کی) صورت یہ ہے کہ اول فرض کو ہر پہلو سے پوری طرح ادا کرے، جب اس میں کامیاب ہو جائے تو اپنی ہمت کے موافق مستحبات میں مشغول ہو اور کسی ایک واجب یا ایک مستحب میں اتنا غلو نہ کرے کہ دوسرے میں خلل ڈالے کیونکہ اعمال میں مبالغہ کی یہی صورت ہے جس کا انجام خسار ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے نطفے سے شگرتی فرمائیں اور توبہ کی توفیق دیدیں۔ اسکی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دن ملے اور دریافت کیا

کہ یا رسول اللہ! آپ کس چیز کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں؟ فرمایا میں عقل کیساتھ مبعوث ہوا ہوں  
 (یعنی مجھ کو ایسی شریعت دی گئی ہے جس پر چلنے کیلئے عقل و ذہن کی ضرورت ہے، عرض کیا یا رسول اللہ  
 اور ہم اے پاس (اتنی) عقل کہاں ہے؟ فرمایا عقل کی تو کوئی حد نہیں ہے (اور عقل کامل کا  
 حاصل کرنا واقعی دشوار ہے) لیکن جو شخص اللہ کی حرام کی ہوتی چیزوں کو حرام سمجھے اور حلال  
 کی ہوتی چیزوں کو حلال سمجھے اس کو عاقل کہا جائیگا، پھر اگر اس میں گوشش کرتا رہے  
 تو اس کو عابد کہا جائیگا اور اگر عبادت میں گوشش کرتا رہے تو اس کو جواد (اور باہمت) کہا جائیگا  
 (اس سے معلوم ہوا کہ عبادت میں گوشش اسی وقت محمود ہے جبکہ علم اور عقل کے ساتھ ہو) اب اگر  
 کوئی شخص بدن عقل کی رہنمائی کے جو اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کے اتباع و احتیاط کا پتہ  
 دیتی ہے عبادت میں گوشش کرنے اور نیک کاموں میں جو اندری دکھلانے لگے تو یہ ان لوگوں  
 میں داخل ہوگا جن کی گوشش دنیوی زندگی ہی میں برباد ہوگئی ہے مگر وہ یہی گمان لکھتے ہیں  
 کہ ہم چھپا کام کر رہے ہیں (کیونکہ کیا شخص اپنی بیعت کی وجہ سے یقیناً عبادت میں گرفتار کریگا  
 اور بعض دفعہ کسی ایک مسئلے کے لئے بہت سے فرائض و واجبات کو بڑھ کر لے لے گا) اس طرح اگر کوئی یہ  
 چاہے کہ تمام عبادات کو ہر پہلو سے پوری طرح حد کمال پر پہنچائے تو یہ بھی مبالغہ اور غلو میں مبتلا  
 ہو کر دین سے ہار جائے گا دو وجہ سے، ایک تو یہ کہ بندہ اس سے عاجز ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بہت دوڑنے والا نہ راستہ طے کر لے نہ سواری کو زندہ چھوڑے نہ کہ  
 طاقت بشیرہ اس کی عقل نہیں ہے (کہ ہمیشہ ہر زمانہ میں ایک ہی حالت پر رہے تو یقیناً زیادہ  
 محنت سے اسکی صحت برباد ہوگی اور ایک دن بالکل بیکار و معطل ہو جائیگا) دوسرے یہ کہ بعض  
 دفعہ ایک ہی وقت یا اکثر اوقات میں بہت سے واجبات اور متعدد مستحبات اس کے  
 سامنے جمع ہو جائیں گے اور یہ ان سب کو ادا نہ کر سکے گا بلکہ کسی ایک ہی کو بجا لائیگا اسوقت  
 اسوجہ سے کہ اس نے اپنے دل میں ایک تپا ٹھان لی تھی (کہ دین کا پورا حق ادا کر دینا) (دین اس پر)  
 غالب ہوگا اور اس کو سہارے گا بس دین میں کمال کی یہی صورت ہے کہ اول ان چیزوں کو لے  
 جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے اور بقیہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے جو کچھ بیان کیا جائے گا، انشاء اللہ  
 تعالیٰ، اس کے موافق عمل کرے (قولہ الوجه الثانی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ولین

یثار الدین احمدؒ کی قولہ علی ماسیئنا فی انشاء اللہ تعالیٰ

ف یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو مجاہد کو مطلقاً مذموم سمجھتے اور صوفیہ پر اعتراض کرتے ہیں اُن کو سمجھ لینا چاہیے کہ مجاہد اسی وقت مذموم ہے جبکہ خدا تعالیٰ سے خارج اور مبالغہ میں داخل ہو ورنہ مجاہد اور مطلوب ہے اور دین مجاہد کے کمال دین کامل نہیں ہو سکتا، جیسا حدیث اول کی شرح میں تفصیل سے بیان ہوا ہے۔

ف نیز اُن لوگوں کی غلطی بھی واضح ہوگئی جو دلائل عقلیہ فلسفیہ سے ذات و صفات کو معلوم کرنا چاہتے ہیں اُن کو جان لینا چاہیے کہ اس طبع سے ایمان کامل حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ سیدھا راستہ وہی ہے جو شریعت نے بتلایا ہے کہ اول تقلید سے شریعت کے موافق عقائد کو پختہ اور صحیح کیا جائے اس کے بعد ملکوت سموات و مخلوقات ارض میں تامل و تفکر کیا جائے اور واقعہ یہ ہے کہ جب اسلام میں فلسفہ آیا ہے اسی وقت مسلمانوں کے عقائد میں کمزوری آگئی اور وہ جوش مذہبی ٹھنڈا ہو گیا جو اسلاف میں کامل درجہ پر تھا۔

ف یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شریعت اسلامیہ عقل سلیم کے عین مطابق ہے مگر سلامت عقل فلسفہ یا سائنس سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ عقلا کی صحبت اور شریعت پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے جب انسان شریعت پر چلنا شروع کرتا ہے تو عمل کی برکت سے اس پر تمام احکام کی حکمتیں منکشف ہوتی چلی جاتی ہیں جن کو شک ہو وہ اہل عقبی یعنی حضرات صوفیہ کرام کی صحبت میں وہ کہہ کر اور اُن کی تعلیم پر عمل کر کے تجربہ کر لے۔

ف انسان کو اسکی کوشش نہ کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت کے لائق عبادت ہو بلکہ یہ کوشش کرنا چاہیے کہ اپنی ہمت اور طاقت اور شان بشریت کے مطابق کام ہو جائے۔ شان خداوندی کے لائق کون کام کر سکتا ہے؟ اور کس چیز سے یہ حق ادا ہو سکتا ہے؟

بنوہماں بہ کہ تقصیر خویش عند بد رگاہ خدا آورد

ورنہ سازاوار خداوندیش کس نتواند کہ بہا آورد

حدیث میں ہے اللہم لا احمہ شئاً علیک انت کما اثنیت علی

نفسک اور اسی لئے حضرت انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام طاقت و ہمت کے موافق کام

کرنے کے بعد بھی اپنی عبادت کو کسی درجہ میں شائبہ نہ کرتے تھے بلکہ ہمیشہ تقصیر کا اعتراف کرتے رہتے تھے کیونکہ شانِ ربوبی کا پورا حق کوئی بھی ادا نہیں کر سکتا اور یہ وہ چیز ہے جس نے بڑے بڑے عابدینِ نادیدین کو حد و ماضع و محب سے باہر نہیں جانے دیا، ہاں کوئی ایسی طرح نادان ہو تو وہ بعقلی اور حماقت کی وجہ سے اپنی عبادت پر ناز کرنے لگتا ہے اور یہ تکبر اس کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ فاعتربر وایا الہی البصائر۔

## ۴۲۔ حد اعتدال پر رہنا ہی کمال ہے اور اسی پر بشارتِ کامیابی کا

استحقاق ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد فسد دوا و قاسر لہوا سیدہ چلو اور قسیدہ قریب ہو اس میں دو احتمال ہیں، ممکن ہے کہ دونوں کا ایک ہی مطلب ہو اور ممکن ہے کہ ہر لفظ جدا معنی کیلئے ہو، پہلی صورت میں تو دونوں کا حاصل یہ ہے کہ متوسط حالت کو اختیار کیا جائے اور دوسری صورت میں سیدہ چلنے کا تو یہی مطلب ہوگا کہ درمیانی حالت پر چل جائے اور درمیانی حالت یہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت) عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو بتائی تھی کہ روزہ بھی رکھو، افطار بھی کرو، رات کو اٹھو بھی اور سوؤ بھی، کیونکہ تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے گھر والوں کا بھی تم پر حق ہے، اس کے بعد عموم کے ساتھ یوں فرمایا واعط لکل ذی حق حقہ اور ہر مقدار کو اس کا حق پہنچاؤ، پس سیدہ چلنا تو یہ ہوا کہ انسان تمام امور میں اسی قاعدہ پر چلے جو فرائض و مستحبات کیلئے مقرر ہے نہ کسی ایک جانب میں قنات ہو نہ دوسری جانب میں کوتاہی کرے اور قریب قریب چلنے کا مطلب ہے کہ اگر کوئی حد اعتدال پر نہ رہ سکے اور کسی عذہ کی بناء پر اس سے عاجز ہو تو وہ اس کے قریب قریب رہے کیونکہ قریب کا بھی وہی حکم ہے جو اصل کا ہے مگر شرط یہ ہے کہ قریب قریب رہنے کی حالت میں کسی واجب کے اندر دخل واقع نہ ہو کیونکہ واجب میں کوتاہی کرنا کسی حال میں جائز نہیں اور کوئی مستحب اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتا بلکہ کسی کو حد اعتدال کے قریب آئی وقت کہا جاسکتا ہے جبکہ واجبات کو ہر پہلو سے پوری طرح ادا کر چکا ہو اس کے بعد

اپنی استطاعت کے موافق کسی مستحب میں مشغول ہوا ہو، مگر کسی عذر کی وجہ سے جیسے بیماری وغیرہ  
 صلاعت ال سے پہنچنے سے رو گیا ہو اس صورت میں کہا جائیگا کہ یہ اعتدال کے قریب ہے، اللہ تعالیٰ شہاد  
 نے اپنی کتاب میں ان دونوں جماعتوں کا تذکرہ فرمایا ہے یعنی اُن کا بھی جو صلاعت ال پر قائم رہتے ہیں  
 اور ان کا بھی جو قریب قریب ملتے ہیں چنانچہ پہلی جماعت کے بارہ میں ارشاد ہے والسا بقون  
 السابقون اولئک البقربون اور سبقت کر نیوالے تو سبقت ہی کر نیوالے ہیں یہ  
 لوگ مقرب ہیں اور دوسری جماعت کے متعلق جو اس درجہ کو نہیں پہنچ سکے مگر قریب قریب  
 اشارے ان تجتنبوا کبار ما تھوت عنه معھر عنکم سیئاتکم  
 وند خلکم مد خلا کریمہا اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے بچتے رہو جن سے تم  
 کو منع کیا گیا ہے تو ہم تمہاری جھوٹی خطاؤں سے چشم پوشی کریں گے اور تم کو عت کے درجہ  
 پر پہنچا دیں گے۔ ہم اس مضمون کو معنی درجہ اعتدال اور اس کے قریب کے کو ایک مثال سے واضح کر دینا  
 چاہتے ہیں تاکہ جلدی سمجھ میں آجائے مثلاً کوئی طالب علم کیلئے آئے اور اس بات کی کوشش  
 کرے کہ عالم بن کر علما میں داخل ہو جائے تو اگر وہ اس ارادہ میں کامیاب ہو گیا تو سبحان اللہ  
 وہ تو اہل کمال میں داخل ہو گیا یہ تو حد اعتدال ہے اور اگر اس میں ناکام رہا تو اس کو علم کا کچھ حصہ  
 اپنی عمت کے موافق حاصل کر لینا چاہیے جاہل نہ رہنا چاہیے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد  
 ہے طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و علم (دین) کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض  
 ہے اس صورت میں یہ شخص حد اعتدال سے تو عاجز رہا مگر اس کے قریب قریب رہا، اسی طرح نفل عبادت  
 میں فرض کو پوری طرح ادا کرنے کے بعد مشغول ہوا اب اگر اتنی ہمت ہو کہ عابدین میں شامل  
 ہو جائے تو ہمت کمرے (اور عابد زاد بن جائے) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ کی طرف سے  
 فرماتے ہیں کہ بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کا پناہ محبوب بنا لیتا  
 ہوں تو اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے دیکھتا ہے  
 اور اس کا ماتھ بن جاتا ہوں جس سے کام کرتا ہے (یعنی اب میں اس کے تمام اعضاء کی حفاظت  
 کرتا ہوں کہ اُن سے کوئی کام میری مرضی کے خلاف نہ ہو نہ پائے بلکہ جو کام ہو میرے حکم کے تحت ہو اور اگر عابدین  
 کے درجہ میں داخل ہونے سے عاجز ہو تو نفل عبادت سے کچھ حصہ لے لے اپنے کو اس سے بالکل کوراند۔

لکھے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے کہ تیسرا تیسرے دن بندہ کی نماز کو اول  
 دیکھا جائے گا اگر پوری ہوئی تو خیر ہے اگر کچھ کمی رہی تو اللہ تعالیٰ (فرشتوں سے) فرمائیں گے  
 دیکھو اگر اس کے پاس کچھ نفل نمازیں ہوں تو فرض کی کمی کو ان سے پورا کر دو اسطرح تمام فرض  
 کیساتھ معاملہ ہو گا کہ جس فرض میں کمی رہی ہوگی اسکی ہم جنس نفل سے کمی کو پورا کر دیا جائے گا  
 تو جو شخص محض فرض ہی پر اکتفا کرے اور قصر کے اس مرتبہ کو بالکل چھوڑ دے جسکی طرف  
 ہم نے اشارہ کیا ہے تو اس پر یہ اندیشہ ہے کہ قیامت میں فرض کی کمی پوری نہ ہو اور عذاب کا  
 مستحق ہو جائے۔ اس مضمون پر یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 ایک بار غلاب دیکھا (جو حدیث میں پورا بیان کیا گیا ہے جس کا ایک جزو یہ ہے کہ آپ نے ایک شخص  
 کو دیکھا کہ اس کا سر پھوڑا جا رہا ہے (یا اس کے سر کو لٹھے کی کنگھی سے چیرا جا رہا ہے) حضور نے  
 پوچھا یہ کون ہے؟ جواب دیا گیا یہ وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم دیا تھا تو یہ  
 امت کو اس سے غافل ہو کر سوتا رہا اور دن میں اس پر عمل نہ کیا اسکے ساتھ قیامت تک یہی  
 معاملہ ہوتا ہے گا اور یہ بات معلوم ہے کہ رات کو اٹھنا اور فجر میں قرآن پڑھنا واجب نہیں ہے  
 اس کو نیز واجب کے ترک پر کیوں عذاب ہوا؟ حالانکہ عذاب تکم واجب پر ہی ہوا کرتا ہے یا  
 واجب میں خلل ڈالنے پر (ترک مستحب نہیں ہوتا) مگر بات یہ ہے کہ رات کا اٹھنا اگرچہ مستحب تھا لیکن اس شخص  
 کو (یہ مستحب ہی عذاب بجا دیتا کیونکہ اس سے واجب کی کمی پوری ہو جاتی تو دراصل) واجب میں  
 خلل ڈالنے ہی کی وجہ سے عذاب ہوا تفصیل اسکی یہ ہے کہ جب دن میں قرآن پر عمل کیا تو واجب  
 میں خلل ڈالا پھر اس نے مستحب کام بھی نہ کیا یعنی رات کو نہ اٹھا جس سے فرض کی کمی کو پورا کر دیا جاتا تو  
 عذاب کا مستحق ہوا پس حقیقت میں تو عذاب صرف ترک واجب ہوا مگر ظاہر میں دونوں پر ہوا  
 (ترک مستحب پر بھی اور ترک واجب بھی) اسی طرح اگر کوئی بعد ضرورت ایمان حاصل کرنے کے بعد علم یقین  
 کا درجہ حاصل کرنے کی ہمت لکھے تو اس کو یہ درجہ حاصل کرنا چاہیے اور اگر اس سے عاجز ہو جائے تو کچھ  
 حصہ ضرر حاصل کرے اپنے کو اس سے بالکل کو نہ دیکھے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے  
 یقین حاصل کمرے رہو کیونکہ میں بھی اسکو حاصل کرتا رہا ہوں اور غالباً اب ہم تسدید یا وقفرت  
 کی حقیقت پر کافی طو سے اشارہ کر چکے ہیں اس لئے اب زیادہ تفصیل نہیں کرنا چاہیے بلکہ

حدیث کے دو سر معانی پر کلام شروع کرتے ہیں کہ اس تفسیر کی بنا پر حضور کے ارشاد و البشروا اور خوشخبری حاصل کرو میں بشارت کے دو درجے ہیں ایک وہ جسکی حد معلوم ہے جو قبول اہل اور ان پر ثواب ملے گی امید وار ہو اور یہ ثواب بڑا ہے جیسا حضور کے ارشاد سے معلوم ہو چکا ہے اور حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو ذرہ برابر نیکی کرے گا اس کے ثواب کو دیکھ لے گا اور دیکھنے میں عموماً وہی آسکتا ہے اور ایک درجہ بشارت کا وہ ہے جس کی حد معلوم نہیں اور یہ وہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں وعدہ فرمایا ہے ویزید ہم من فضلہ اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے بھی زیادہ دیں گے سو اس زیادتی کی حد معلوم نہیں ہاں اتنا معلوم ہے کہ زیادتی ہوگی اور اس میں اس بنا پر بھی اشارہ ہے کہ بشارت کے مستحق وہی لوگ ہیں جو عمل کر نیوالے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت کا ذکر عمل کے بعد کیا ہے کہ پہلے سیدھے چلنے اور قریب قریب پہنچنے کا حکم دیا اس کے بعد ان لوگوں کو بشارت دی جو اس کے موافق عمل کریں اور یہ ایسا ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے والذین هاجروا وجاهدوا في سبيل الله اولئك يرحمهم الله كما رحم جن لوگوں نے ادب کے راستہ میں جہاد کی اور جہاد کیا وہی اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اس میں اللہ تعالیٰ نے صاف فرمادیا کہ جو لوگ یہ اعمال سجا لائیں گے وہی رحمت الہی کے امیدوار ہیں اسی طرح یہاں حضور نے فرمایا ہے کہ جو سیدھے چلیں گے اور قریب ہیں گے وہی بشارت حاصل کریں گے۔ (قولہ فی الوجه الاول الوجه الثالث قولہ علیہ السلام فسد دوا وقاسر بواو الوجه الرابع قولہ والبشروا الی قولہ ہوالذی یستبشرون

ف یہاں سے ان لوگوں کی غلطی ظاہر ہو گئی جو بدن عمل ہی کے کامیابی کے امیدوار ہیں حالانکہ قرآن و حدیث میں بشارت کو عمل پر مرتب کیا گیا ہے۔  
 ف۔ اسباب نجات میں کوتاہی کرنے کو بھی بعض اسباب عذاب میں شمار کر لیا جاتا ہے جیسے کسی شخص کو سنگسار کیا جائے اور جیلر سے اس کا سبب دریافت کرے تو وہ کہتا ہے کہ میں نے عدالت کی تو بین کی تھی اور کج نیت کو کوئی ذبردست سفارش بھی میسر نہ ہوئی اسلئے جیل میں ڈال دیا، تو حالانکہ ذبردست سفارش کا حاصل نہ کرنا کوئی جرم نہیں مگر چونکہ سفارش بھی بعض دفعہ

نجات کا سبب ہو جاتی ہے اس لئے اس کے ترک کو ایسا عذاب میں بیان کیا جاتا ہے اسی طرح عالم بے عمل کو دراصل ترکِ عمل پر عذاب ہوتا ہے مگر جو بکورات کو اُٹھ کر نماز میں قرآن پڑھنے سے قیام تک دن وہ اسکی شفاعت کرتا ہے جو اسبابِ نجات میں سے ایک بڑا سبب تو اس کے ترک کو بھی مجازاً استبا عذاب میں شمار کر لیا گیا خوب سمجھ لو۔

۴۳۔ صبح و شام اور پچھلی رات میں عمل کا اہتمام کرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد  
کہ صبح و شام اور کسی تدریجی رات میں کام کرنے سے سہارا لو۔ اس میں استغانت دو طرح سے ہے ایک تو اس وقت کی عمرگ اور خوبی سے دوسرے ان اوقات کے عمل سے، وقت سے استغانت کی وجہ تو یہ ہے کہ دن کے ابتدائی اور آخری حصہ میں ہوا معتدل ہوتی اور نفس کو نشاط ہوتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ ان دونوں وقتوں کا عمل دو سو گنا اوقات کے عمل سے زیادہ عمدہ اور پاکیزہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے **وَاَصْبِرْ نَفْسَكَ**

**مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْعَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ**

اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ رکھتے جو اپنے پروردگار کو صبح و شام یاد کرتے ہیں اور اس کی رضا کے طالب ہیں نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی زبانی سب کو یہ ارشاد فرمایا

ہے۔ **اِذْ كُنْ فِي سَاعَةِ بَعْدِ الصُّبْحِ وَسَاعَةِ بَعْدِ الْعَصْرِ اَلْفَاكُ مَا بَيْنَهُمَا**

کہ اے ابنِ آدم! تو مجھے کچھ دیر صبح کے بعد اور کچھ دیر عصر کے بعد یاد کر لیا کر! تو ان دونوں کے درمیانی حصہ کا تیرے لئے میں خود ضامن ہوں گا اور رات کا آخری حصہ بھی ایسا ہی ہے کہ اس وقت ہمیشہ بدن میں زیادہ قوت ہوتی ہے کیونکہ نیند اور غذا کے ہضم سے راحت و آرام لے چکا ہے اور اس وقت دل کو یکسوئی اور نشاط بھی زیادہ ہوتا ہے اور اس کی فضیلت بھی بہت وارد ہے جس میں سے ایک یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارا پروردگار ہر رات اور ایک ہدایت میں ہے کہ ہر تراب کے آخری تہائی حصہ میں آسمان اول کی طرف نزول فرماتا اور بندوں کو اس طرح خطاب



فرماتا ہے کوئی دعا کر نیوالا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں؟ کوئی مغفرت چاہنے والا ہے کہ میں اسکی مغفرت کر دوں، کوئی توبہ کر نیوالا ہے کہ میں اسکی توبہ قبول کروں پس جب اللہ تعالیٰ ہر ذات کے آخری حصہ میں اس طرح بندوں کو پکارتے ہیں تو اب یہ حال ہے کہ اس وقت کوئی دعا کرے یا توبہ یا استغفار کرے اور اسکی درخواست رد ہو جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کیا کرتے، اور یہاں نزول سے مراد فضل و احسان و رحمت کیساتھ متوجہ ہونا ہے حلول یا انتقال (مکانی) کیساتھ نزول مراد نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہیں اور استعانت بالعلم کا یہ مطلب ہے کہ ان اوقات کو مختلف قسم کی طاعات آباد کیا جائے اور جب یہ اوقات طاعات میں مشغول ہوں گے تو اب صرف وہی اوقات باقی رہ جائیں گے جو راحت کیواسطے مقرر کئے گئے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں بیان فرمایا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَيْسَ أَذْكَرَ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنْ قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهْرِ وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ثَلَاثُ عَوْدَاتٍ لَكُمْ۔

اے ایمان والو! تمہارے غلاموں اور نابالغ لڑکوں کو تین وقتوں میں اجازت لیجئے کہ تمہارے پاس پہلے

۲۔ اور جب دوپہر کو تم اپنے کپڑے اتار دو

۳۔ اور عشاء کی نماز کے بعد

یہ تین اوقات تمہارے پردہ کے ہیں، پس اب اس حدیث کا مطلب ایسا ہی ہوا جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے رَوَحُوا الْقُلُوبَ سَاعَةً بَعْدَ سَاعَةٍ کہ (اپنے) دلوں کو کچھ کچھ دیر کے بعد راحت دیا کرو مگر اس حدیث میں جس کی ہم شرح کر رہے ہیں حضور نے اُن اوقات کی تعیین بھی فرمادی ہے جو عبادت کے واسطے مقرر کئے گئے ہیں یعنی ان کی عبادت دوسرے اوقات کی عبادت سے افضل قرار دی گئی ہے (تَوَلَّوْا الْوُجْهَ الْأَوَّلَ الْوُجْهَ الْخَامِسَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاسْتَعِينُوا بِالْغَدَاةِ إِلَى قَوْلِهِ

ای جعلت العبادۃ فیہا افضل من سائر الاوقات)

فی حضرات صوفیہ کو ان اوقات میں عبادت و ذکر کا خاص اہتمام ہے جیسا جاننے والے جانتے ہیں کیا اب بھی طریق صوفیہ کا انکار کیا جائے گا؟

ف اس حدیث سے اور اسکی شرح میں جو احادیث مذکور ہوتی ہیں اُن سے محققین صوفیہ کی تائید ہوتی ہے جو عبادات و مجاہدات میں اعتدال کی تعلیم فرماتے اور مبالغہ اور غلو سے منع فرماتے ہیں کیونکہ غلو کا انجام تعطل ہے یا ایک مستحب کیلئے بہت سے واجبات و فرائض کو بڑا

۴۴۔ فراغ قلب اور اوقات نشاط کو غنیمت سمجھو۔ ہماری تقریر سے دو باتیں

نفس کے نشاط اور فراغ (و یکسوئی) کو غنیمت سمجھنا چاہیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اسکو صاف طور سے بیان فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے اغتنم خمساً قبل خمس وعدیہا فراغاً قبل شغل و صحبت قبل سفک و کپاچہ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو اسی میں یہ ہے کہ فراغت کو شغولی سے پہلے اور زندگی کو بیماری سے پہلے غنیمت سمجھو دوسرے کہ وقت کے حسن و اعتدال کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیے کیونکہ اس سے عبادت میں مدد ملتی ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ابرءوا بالصلوۃ (کہ گرمی کے زمانہ میں ٹھہر کر نماز کو ٹھنڈے وقت میں ادا کرو) (قولہ فی الوجه الخ) من الوجه الدول فعلى ما ذكرنا من التعلیل یترتب علیہ من الفقہ وجہان الی قولہ ابرءوا بالصلوۃ)

ف فراغ و یکسوئی اور اوقات نشاط کو غنیمت سمجھنا اور اس کا اہتمام کرنا حضرت صوفیہ کا خاص مذاق ہے۔

بفراغ دل زمانے نظرے بہار دے باز اں کہ چتر شاہی ہمہ روز نچے ۱۱

۴۵۔ سلوک باطن میں تدریج کیسا تھ تربیت ہونا چاہیے موافق مکتبہ حق اب دوسری وجہ کے موافق حدیث کی شرح کرتے ہیں وہ یہ کہ دین کے آسان ہونے سے بہرہ بردار ہو کہ جن اعمال کے بحالانہ پر نجات کا وعدہ اور عطا ہی پانے کی ضمانت ہے وہ آسان ہیں (کیونکہ یہ اعمال مشرورہ ہیں) جو ہم پر فرض کئے گئے ہیں

ہے معلوم ہے مگر چونکہ رات کو اٹھنا مستحب تھا اور اس کی وجہ سے فرض کی ایک

فضیلت میں خلل واقع ہوا تو حضرت عمرؓ کے اس کو پسند نہ فرمایا (بلکہ کراہت ظاہر کی) اگر وہ رات کے ایک حصہ میں نفلیں پڑھتے اور ایک حصہ میں سوہتے اور نماز جماعت سے ادا کرتے تو درجہ کمال حاصل کر لیتے اور کسی ضروری فضیلت میں نقصان واقع کر کے مغلوب ہوتے، غرض جب آدمی اپنے نفس کیساتھ نرمی کا برتاؤ کرے اور عبادت نافلہ کا (تدبیراً) اپنے کو عادی بنائے یہاں تک کہ جتنا کام اس نے اختیار کیا ہے وہ اسکی عادت اور طبیعت ثانیہ بن جائے تو عبادت اسکے لئے آسان ہو جائے گی اور انتہائی درجہ پر پہنچ کر بھی اسے کچھ مشقت معلوم نہ ہوگی بلکہ ایسا معلوم ہوگا کہ جیسا اس نے کچھ بھی زیادہ کام نہیں کیا۔ چنانچہ حضرت سہارنورد رحمۃ اللہ علیہ جو مولف رسالہ کے مشائخ میں سے ہے منقول ہے کہ ان کی نفل عبادت اس درجہ کو پہنچ گئی تھی کہ وہ اپنی دکان میں خرید و فروخت کرنے کے ساتھ روزانہ ہزار رکعتیں پڑھ لیتے تھے۔

اور اس بنا پر فساد و افار لہوا میں قابو یا کامطلب یہ ہو گا کہ ہمت کے قریب قریب جو معنی جان توڑنے کی کوشش نہ کرے جو مبالغہ کی حد کو نہ پہنچ جائے ورنہ دین تم کو عاجز کر دینا اور سد دوائے معنی یہ ہوں گے کہ شخص کی کوشش اپنی جسمانی طاقت و ہمت اور مزاج کی موافقی ہونا چاہیے اور اسی بات کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے بہت سے عابد تباہ ہو گئے ہیں کیونکہ وہ شمرع ہی سے ان اہل نہایت کاملین کا مقابلہ کر لے لگتے ہیں جو ان کے مثل نہیں ہیں (بلکہ ان سے اعلیٰ درجہ پر ہیں مگر یہ لوگ اپنی جیسے کام کرنے میں اور انہی کے طریقہ پر چلنے لگتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جلدی ہی کا کو جواب دیکر رہ جاتے ہیں کیونکہ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ جس کی مشابہت اور برابری کا انہوں نے ارادہ کیا تھا وہ طاقت جسمانی اور اعتدال مزاج میں ان سے بڑھ کر ہوا تھا اور اگر برابر یا کم بھی تھا تو اس نے تدبیری ترقی سلوک کی تھی اپنے کو اس درجہ کا عادی بنایا تھا جو اس وقت اس کو حاصل ہے یہاں تک کہ عبادت کا یہ درجہ اس کی عادت ثانیہ اور مزاج بن گیا جیسا حضرت سہارنورد کا واقعہ بیان کیا ہے اور اسی لئے یمن بن رزق رحمہ اللہ نے جو دونوں طریقوں

عہ حنفیہ کے قریب جماعت سنت ہو کہ قریب اجنبی اور دو گرائز کے نزدیک سنت ہے چونکہ شایع مالکی ہیں

اسلئے جماعت کو فضیلت کے درجہ میں رکھا تو حنفیہ کے نزدیک اس کا درجہ فضیلت سے زیادہ ہے ۱۲ کا

کے اہم حقے فرمایا ہے کہ اے مبتدیان! تم منتہی کی مشابہت اور ہماری سے بچو اور بہت بچو کیونکہ وہاں ایسے مقامات ہیں کہ تم اُن میں (ابھی) پہنچتے نہیں جاتے ہو۔

پس اب وہ طریقہ جس سے مبتدی انشاء اللہ مقصود کو پہنچ سکتا اور کامیاب ہو سکتا ہے یہ ہے کہ اول پانچ نمازوں کو جو اس پر فرض ہیں اور آسان بھی ہیں واجبات اور مستحباً کیسا پہنچ سکتا ہے ادا کرے اُنکی پوری محافظت اور مداومت کرے جب یہ اسکی طبیعت ثانیہ بن جائے تو اس کے بعد نرمی اور اعتدال کیساتھ نوافل مشروع کرے جیسا ہم نے اوپر شاہد کیا ہے (قول فی الوجہ الثالث من الوجہ الثانی ولن یثاد الدین احد الا غلبہ احمک لو علوا فی المندوبات الی قوله فی الوجہ الرابع منه علی ما اشرنا الیہ فی النوافل)

ف بعض لوگ صوفیہ کے مجاہدات و ریاضات و کثرت عبادات کو دیکھ کر اعتراض کر دیتے ہیں کہ یہ مبالغہ کی حد میں داخل ہے اور بدعت ہے اُن کو سمجھ لینا چاہیے کہ حد مبالغہ اور بدعت میں وہ کثرت عبادت و ریاضت داخل ہے جو نفس پر زیادہ مشقت کا سبب ہو اور اگر کوئی تدریجاً عبادت میں ترقی کرے کہ نفس کو زیادہ مشقت نہ ہو اور حقوق واجب میں بھی خلل نہ ہو تو یہ ہرگز بدعت نہیں کیونکہ حضرت اصحاب اور تابعین میں بھی بعض حضرات بہت زیادہ عبادت و ریاضت کی ہے چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھ لیا کرتے تھے اسی طرح حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ سے بھی ایسے واقعات منقول ہیں جیسا کہ آٹھ کی ٹھنڈک نماز ہو جس کو عباد میں سچے مشقت و کلفت کے طاعات و طمانیت حاصل ہوتی ہو اور حقوق واجبات ادا کرنا راحت قلب کا سبب ہو اور اس میں کوتاہی کرنے سے دل بے چین ہو جاتا ہو اس کیلئے کثرت عبادت و ریاضت کو یوں کر مذموم کہا جا سکتا ہے۔

۴۶۔ کسی حال پر مداومت نصیب نہ جانا بھی ترقی ہے اس تفسیر کی بنا پر حضور کے ارشاد

والبشر را خوشخبری حاصل کرو گے دو معنی ہیں ایک یہ کہ جب کسی نے فرض کے بعد قعدت بہت نفل کو بھی اختیار کیا تو اس کو نرمی کی خوشخبری حاصل کرنا چاہیے یعنی اس کو خوش ہونا چاہیے کہ آئندہ اعمال میں اور ترقی ہوگی اسی حد پر نہ ہے گا کیونکہ بشارت کامل دینہ

یہی ہے (کہ ترقی کی بشارت دی جائے) یہاں تک کہ اعمال بدھنیا اور مقامات بلند پر اپنی امید کے موافق پہنچ جائے، حقیقی بشارت وہی ہے جو آئندہ کے متعلق ہو اور رکاوٹ موجود نہ ہو۔ بات کا وعدہ کیا گیا ہو اس کا بیان کرنا بشارت ہے حقیقتاً بشارت نہیں حقیقی بشارت کی مثال یہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب بن مالک کو دی تھی جبکہ وہ غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے پر معتب تھے پھر ان کی توبہ قبول کی گئی تو حضور نے فرمایا اے کعب! خوشخبری حاصل کرو ایسا دن نصیب ہوئے گی جو تمہاری زندگی کے تمام دنوں سے بہتر ہے، کیونکہ اس وقت حضور کو معلوم ہو گیا تھا کہ اس کے بعد ان سے کوئی گناہ سرزد نہ ہوگا اس لئے فرمایا کہ یہ دن تمہاری زندگی کے تمام دنوں سے افضل ہے چنانچہ اس کے بعد ان سے کوئی خطایا مخالفت سرزد نہیں ہوئی بلکہ صدق (خال) اور عبادت (واعمال) پر جمے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے بہترین حالت پر ان کو اٹھالیا (اور جس ممالک بدرجہ کمال نصیب ہوا) اور اسی لئے اہل سلوک نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی مقام پر پہنچ کر ادب کے ساتھ اس پر جمائے تو وہ اس سے اعلیٰ مقام پر ترقی کرتا ہے اور جب تک انہی حالت یہ رہیگی (کہ ہر مقام کے ادب کو محفوظ رکھے) ہمیشہ ترقی کرتا رہے گا یہاں تک مقامات عالیہ کی انتہا پر اپنی لیاقت کے موافق پہنچ جائے گا، صوفیہ کا یہ ارشاد اس بشارت پر ہی مبنی ہے جیسا ہم نے بیان کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ جب آدمی فرض کو پوری طرح ادا کرنا اور مقبلی نفل میسر ہو اس پر اپنے کو جمائے رکھنا اور مداومت کرتا ہے تو خود یہ مداومت بھی ترقی ہے اور اسی پردہ بشارت کا مستحق ہے اس مطلب کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک دوسرے ارشاد سے ہوتی ہے جبکہ آپ کو دو بھائیوں کی اطلاع دی گئی سجن میں ایک دوسرے سے چالیس دن پہلے (جہاں میں شہید ہو کر مر گیا تھا) اور دوسرے چالیس دن بعد اپنے گھر میں بستر پر مر گیا) تو لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پہلے کی فضیلت ظاہر کی اور یوں کہا کہ خدا اس کو بھی پہلے کیسا تھا (ملک) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوسرے جو (پہلے کے بعد) بہت سی نمازیں پڑھیں تم کو کیا خبر کہ ان نمازوں نے اس کو کہاں پہنچا دیا نماز کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کے دروازہ پر آب ستیریں کی لبریز نہر بہتی ہو، اور وہ اس میں دیرانہ پانی نہ دفعہ غوطہ لگاتا ہو تو کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ اس کے بن پر کچھ بھی میل رہے گا؟

اسی لئے اہل سلوک نے فرمایا ہے کہ کسی حال پر مداومت دکھنا بھی ترقی اور زیادتی ہے اُن کا یہ  
اشارہ اسی حدیث پر مبنی ہے جو ہم نے ابھی بیان کی

(قوله الوجه الخامس من الوجه الثاني قوله عليه السلام هو البشرو الى

قوله عملاً بالحدیث الذی اور دناہ)

۴۷۔ ابتدا میں کام کا جوش ہوتا ہے پھر ٹھنڈا پڑ جاتا ہے اس تفسیر کی بنا پر رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد واستعینوا بالغدوة والرحلة وشئ من الدلجة کا  
مطلب یہ ہو گا کہ صبح کے وقت سے مدلول یعنی چاشت کی نماز پڑھو اور شام کے وقت سے  
سہارا لیں ظہر و عصر کے درمیان نفلیں پڑھو اور کسی قدر رات کے آخری حصہ سے مدلول  
یعنی آخرت میں تہجد پڑھا کر دو اور حضور نے رات کے متعلق کسی قدر اسلئے فرمایا کہ رات کا  
آخری حصہ ایک ایسا جزو ہے جسکی کوئی حد مقرر نہیں کی جاسکتی اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے درجہ افضلیت کی تعیین ایک حدیث میں کر دی ہے کہ بہترین نماز (تہجد) داؤد علیہ السلام  
کی نماز ہے وہ آدمی رات سوتے اور ایک تہائی میں نماز پڑھتے اور چھٹے حصہ میں پھر سو جاتے تو یہ  
حد اور تعیین تو درجہ افضلیت کی ہے کہ جس کو فضیلت کا درجہ لینا ہو وہ ایسا کرے مگر اس وقت  
درجہ کفایت میں گفتگو ہے جس سے استعانت اور مدد حاصل ہو سکے اور اس درجہ کو محدود  
نہیں کیا جاسکتا کہ وہ رات کا کتنا حصہ ہو دسواں یا بیسواں یا کم زیادہ) اب اگر کوئی فضیلت  
کی صورت اختیار کر سکے تو سبحان اللہ و نہ درجہ کفایت ہی کو لے لے جس سے مدد اور سہارا مل سکے  
حضور کا اس درجہ کی تعیین نہ فرمانا یہ امت پر توسع اور آسانی کیلئے ہے کیونکہ یہ وقت نیند اور  
غذاکا وقت ہے (اس میں اگر درجہ کفایت کو محدود کر دیا جائے گا تو ہر شخص کو عمل آسان نہ ہوتا  
اور یہاں سے معلوم ہوا کہ حضور ان اوقات کو مختلف قسم کی عبادات سے معمور رکھنے کی ترتیب  
دے رہے ہیں کیونکہ اس سے مدد اور سہارا ملتا ہے اور جس چیز سے مدد ملتی ہو اسے چھوڑنا  
نہیں چاہیئے ورنہ ناندیشہ ہے کہ یہ شخص مراد کو نہ پہنچ سکے گا اسی لئے بہتر یہ ہے کہ اول  
آسان اور سہل طریقہ سے کام شروع کرے اور اسی طرح کام کرتا رہے تاکہ استعانت

اور مدت سے عزم نہ ہے پھر اگر دیکھ کمال کی محنت پائے تو اس کو بھی ہاتھ سے نہ لے اور اگر کوئی شغل یا مرض اس کے ممانع ہو تو درجہ کفایت کو ہرگز نہ چھوڑے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مضمون کو ایک دوسری حدیث میں صاف طور سے بیان فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے لکل عابد شراۃ و لکل شراۃ فترۃ فطوبی لمن کانت فترۃ الی سنتہ، ہر عابد کو (ابتدا میں کام کا) ایک جوش ہوتا ہے اور ہر جوش (کسی وقت) ٹھنڈا پڑ جاتا ہے پس مبارک ہے وہ جس کا جوش سنت کے موافق ٹھنڈا ہو اور سنت کے موافق جوش کا ٹھنڈا ہونا یہی ہے جسکی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اشارہ فرمایا ہے کہ ان تھوڑے سے وقتوں میں کچھ نفل عبادت کر لیا کرے پس اے سبحان اللہ! حضور کے ذریعہ آپ کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے ہم پر کیسا احسان فرمایا ہے ؟

اور اس میں اہل سلوک اہل تربیت (کے اس معمول) کی دلیل ہے کہ وہ ابتدا میں رات اور دن کی نفلوں کو دو دو رکعت سے شروع کرنا پسند کرتے ہیں اس کے بعد تہی ہمت اور نشاط پائے بڑھاتے ہیں (مگر ابتدا میں اپنے ذمہ دو رکعت سے زیادہ لازم نہ کرے) تاکہ درجہ استقامت و کفایت سے محروم نہ رہے جیسا اسی بیان ہوا، یہاں تک کہ تدریجاً کمزور کو پیچ جائے کیونکہ جو شخص ان اوقات میں اپنی ہمت کے موافق عبادت کریگا وہ جتنا چاہے مراتب عالیہ میں ترقی کر سکے گا اور اس کو کچھ تعب نہ ہوگا اور اس طرح وہ ہمیشہ زیادت (عبادت) کیساتھ ترقی کرتا اور نقصان کو چھوڑتا رہے گا یہاں تک کہ اس انتہائی درجہ پر پہنچ جائے گا جو انسانی حالت کا مقتضا ہے۔ قولہ الوجہ السادس من الوجہ الثانی قولہ علیہ السلام واستعینوا بالعدوۃ الی قولہ الی نہایت ما تقتضیہ حال البشریۃ ملخصاً

ف سائیکین طریق کو اس مقام سے سبق لینا چاہیے کہ ابتدا میں کام کا جتنا جوش ہوتا ہے وہ ہمیشہ نہیں رہا کرتا پس لازم ہے کہ ابتدا میں سہل اور آسان طریق اختیار کیا جائے اور تدریجاً ترقی کی جائے ابتدا میں زیادہ جوش سے کام کرنا اور بعد میں کم کر دینا بہت مناسب ہے اور اگر کوئی عذر رافق ہو تو ان خاص اوقات میں جن کا حدیث میں ذکر آیا ہے کم از کم دو رکعتیں نفل کی ضرورت پر لیا کریں کہ اس سے ترقی میں مدد ملتی ہے۔



۴۸۔ ہمیشہ عزیمت ہی پر اصرار نہ کرو بلکہ ضرورت کے وقت رخصت یہ بھی عمل کرو

میری توجیہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد الدین یسر کا یہ مطلب ہو کہ جو دین تم کو دیا گیا ہے وہ ادیان سابقہ کی نسبت سے آسان ہے تم کو انہی احکام کا مکلف کیا گیا ہے جو تمہاری طاقت کے موافق ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت سے وہ دشواریاں انقادی ہیں جو پہلی امتوں کے اوپر تھیں چنانچہ ان کے لئے ہر سئی سے نکلنے کا راستہ بنا دیا گیا، مثال کے طور پر یہ (دیکھو) کہ ہمارے واسطے (گناہوں سے پاک ہونے کیلئے) توبہ کو مشروع کیا گیا ہے جس کی حقیقت ندامت اور استغفار اور آئندہ کو گناہ سے رک جانا ہے اور پہلی (بعض) امتوں کیلئے توبہ کا طریقہ قتل تھا اسی طرح نجاست ظاہر سے پاک ہونے کیلئے ہمارے واسطے دھونا اور نہانا مقرر کیا گیا ہے اور پہلے لوگوں کے لئے ناپاک چیز کھانا اور کاٹنا تھا۔

عہ قلت ولفظ الشاح نفسه وكذلك ايضا الغامضة طهارتها لانا بالفصل ولن قبلت بالقطعة والمقراض الخ واصل ما ورد في الحديث عند ابن ماجة عن عبد الرحمن بن حنثة ان النبي صلى الله عليه وسلم قال كان بنو اسرائيل اذا اصابهم البول قرضوه بالمقراض فبما هم رجل منهم فعذب في قبره واخرج المحامد صححه عن ابى موسى ان النبي صلى الله عليه وسلم قال ان نبي اسرائيل كان اذا اصاب احدكم البول قرضه بالمقراض كذا في الخفايش الكبرى للسيوطي (ج ۲) وحديث عبد الرحمن بن حنثة رواه ابن حبان في صحيحه ايضا كما في الترغيب (م ۳) وكل ذلك له دلالة فيه على كونهم مامورين بقرض ما تنقص من البدن واعضائه بل الظاهر حمله على قطع ما تنقص من الثياب وامثالها يؤيده ما رواه الطبراني في الكبير عن ابى موسى مرفوعا في حديث طويل فقال ان صاحب بنو اسرائيل كان اذا اصابه البول فبما هم رجل منهم كان معه مقراض فاذا اصاب ثوبه شئ من البول قصه ذكروه الهيثمي في مجمع

المزوائد (ج ۱) وقل فيه على بن عاصم وكانت كثير الخطاء والغلط وينبه على

اسی طرح قسم کا کفارہ ہمارے واسطے شروع ہوا ہے۔ پہلی امتوں کی واسطے نہ تھا۔ اسی طرح

(مقیہ حاشیہ صفحہ گنشتہ) غلطہ فلا یرجع اہ قلت ومع ذلك فقد اثنی علیہ یعقوب بن شیبہ وقال قد کان رحمہ اللہ من اہل الدین والصلاح والخیر الباء ۶ وشدید التوقی وقال کعب مازلنا نعرفہ بالخیر وقال الذہلی قلت لا حمد فی علی بن عامر و ذکر ت له خطأ فقال احد کان حماد بن سلمة عظمی خطایا خطاء کبیرا و اومى حمد بیدہ ولم یرب الروایة عنه بأسا کذا فی تہذیب التہذیب (ص ۳۴۵) فالرجل حسن الحدیث و لیس بہ ترک و لا من اجمع علی جبرہ، وقد اختار صاحب التفسیر المنطهری رحمۃ اللہ تعالیٰ حمل القطع والقرض علی قطع الثیاب قرضا کما ینظر من ترجمۃ تفسیرہ بالہندیۃ (ص ۱۶۶) نعم قد ورد عند ابن ابی شیبہ فی المصنف عن عائشۃ قالت دخلت علی امراة من الیہود فقلت ان عذاب القبر من البول قلت کذبت قالت بلی انه ليقرض منه الجلد والثوب فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم صدقت کذا فی الخصائص الکبری (ص ۳۱۱) قلت لعائشۃ رضی اللہ عنہا حدث فی عذاب القبر غیر هذا اخرجہ الشیخان بطریق مسروق عنہا ان یدودیۃ دخلت علیہا فذکرت عذاب القبر فقالت لہا انا ذک اللہ من عذاب القبر فسألت عائشۃ الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن عذاب القبر فقال نعم عذاب القبر قالت عائشۃ رضوان اللہ علیہا رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد صلی صلاۃ الا تعوذ من عذاب القبر و جمع الحافظ طرقہ فی الفتح (ص ۱۸۶-۱۸۷) فلم یذکر ہذہ الزیادۃ الخی وقعت عند ابن ابی شیبہ فی مصنفہ، فان ہم الحدیث فلیس فیہ ما یوجب حملہ علی قرض الجلد من الجسم لاحتمال ان یکون المراد بہ قطع الجلد من الثعل ومن الغزو الذی ہو من جنس اللباس حملہ علی ذلک شیخ شیعنا مولانا السید احمد الدہلوی رحمہ اللہ قال (مدارج المدرسۃ العالیۃ بدیوبند ویتعین حملہ علی ذلک لوجوب الاول ان قرض الجلد لیرید مرفوعا فی حدیث غیرہ ولم یرید فیہ ایضا من قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم و انہا ورد من قول الیہودیۃ وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم صدقت

حالت اضطرار میں جب جان کا خطر ہو، مردار کھاؤ اور حرام چیزوں کا استعمال کر لینا ہمارا

راجع الی اخبار عذاب القبر فقط کما یدل علی ذلك ما فی لفظ الصیغ من قوله نعم عذاب القبر الی جمیع ما اخبرت به والثانی ان الجدل لم یرحمینا فی حدیث ما علی

بأن صاحب بنی اسرائیل انما کان یقص ثوبه من البول فینبغی حمل الجدل علی

ما یلا ثم الشوب وهو ما ذکرناه من جلود النعال والفرد ونحوها والثالث ان حملہ

علی جلد البدن غیر معقول المعنی لضعفه واخلاف فی تکلیف ما لا یمطاق کما هو الظاهر

وقال الحصص فی تفسیر قوله تعالی لا یکلف الله نفسا الا وسعها فی نفس علی ان الله

تعالی لا یکلف احدا ما لا یقدر علیہ ولا یطیقه ولو کلف احدا ما لا یقدر علیہ

ولا یتطیعه لکان مکفاله ما لیس فی وسعہ، ولم تختلف الامة فی ان الله

لا یحوز ان یمکلف الزمن المشی والاعمی البصر والیدین البطش لانه

لا یقدر علیہ ولا یتطیع فعله ولا خلاف فی ذلك ببيت الامة وقد وردت

السنة عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ان من لم یستطع الصلاة قاما فغیر

مکلف للقیام فیها ومن لم یستطع القعود فیها فغیر مکلف للقعود بل یصلیها

علی جنب یومی ایما انہ غیر قادر علیها الا علی هذا الوجه ونص التنزیل قد

اسقط التکلیف عن من لا یقدر علی الفعل ولا یطیقه ونعم قوم جعلوا نسبت

الی الله فعل السفه والعبث فزعموا ان کل ما امر به احد من اهل التکلیف

او نفی عنه فالما امر به غیر مقدور علی فعله والمنتهی عنه غیر مقدور علی ترکہ و

قد اکتذب الله قلیہم بما نص علیہ من انه لا یکلف الله نفسا الا وسعها مع

ما قد دلت علیہ العقول من قبح تکلیف ما لا یمطاق وان العالم بالقبح المستغنی

عن فعله لا یقع منه فعل القبح امر و <sup>۵۳-۵۴</sup> قلت ویمكن ان یحمل قول

هذا القائل علی نفی القدرة الحقیقة المرادة فی قوله لا حول ولا قوة الا باللہ

فیستغیر الكلام ولا یمیز علیہ ما اردو فانهم وبالحملہ فان الله تعالی قد نفی التکلیف



طرح کوئی زبردستی ہم سے ناجائز کام لے (نو نگاہ زبردستی کرنے والے پر ہو گا ہمارے  
 عہد زبردستی کی تفصیل کتب نقہ سے معلوم کی جائے اور یہ بھی کہ زبردستی کی صورت میں انسان کون سے  
 ناجائز کام کر سکتا ہے اس کو کم از کم سمجھنا چاہیے ۱۷۸

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بہ انفسہا مالم تنکلم او تعمل بہ کذا فی الخطا  
 السیوطی (ج ۲) و فیہ ایضاً اخرج احمد و ابن حبان و الحاکم و ابی ماجہ  
 عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ وضع عن  
 امتی الخطا والنسیان و ما استکثرہوا علیہ

و فیہ ایضاً اخرج الفریابی فی تفسیرہ عن محمد بن کعب قال ما بعث  
 اللہ تعالیٰ من نبی ولا رسل من رسول انزل علیہ الكتاب الا انزل  
 اللہ علیہ هذه الآیة وان تبدل ما فی انفسکمما وتخفوه بما سبکم  
 به اللہ الآیة، فكانت الامم تأتي علی انبیاءہا و رسلہا و یقولون لو اخذ  
 بما تحدث بہ انفسنا و لم تعملہ جوارحنا فیکفرون و یضلون فلما نزلت  
 علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اشتد علی المسلمین ما اشتد علی الامم  
 قبلہم فقالوا یا رسول اللہ ایاخذ بما تحدث بہ انفسنا و لم تعملہ  
 جوارحنا قال نعم فاسمعوا و اطیعوا و اطلبوا الی ربکم فذالک قوله  
 تعالیٰ آمن الرسول الآیة فوضع اللہ عنہم حدیث النفس الا ما عملت  
 الجوارح لہا ما کبت من خیر و علیہا ما کسبت من شر ثم (ج ۲) والکلام  
 ہنا من وجوہ الاولی ان التجاوز عن الوسوستہ و الخطا و النسیان  
 مختص ببذہ الامم و یعلمہا و غیرہا من الامم و الثانیۃ ان  
 کانت ذلک مما اخصت بہ هذه الامم و کانت الامم قبلہا  
 یأخذون بما وسوست بہ صدورہا و بما اتت بہ خطا  
 او نسیاناً فہل لیس ذلک منافیاً لقولہ تعالیٰ لا یکلف اللہ نفساً و  
 وسعہا، و الثانیۃ ان لم یکن ذلک منافیاً لہ فہل الاحتراز عن

اوپر نہ ہوگا) اسی طرح نماز میں کھڑا ہونے کی طاقت نہ ہو تو بیٹھنے کی اجازت ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) الوسوسة والخطار والنسیان مما یدخل فی اختیار العبد،

والجواب اما عن الاولی فالظاهر اختصاص هذه الامت ببذلک

كما يشعر به قوله صلى الله عليه وسلم ان الله تجاوز عن امتی الخ فان المتبادر منه عدم التجاوز عن الامم غیرها ومن هنا عدل السیوطی من الخصائص

حيث قال باب اختصاص النبي صلى الله عليه وسلم بان امته وضع عنهم الذم الذي كان على الامم قبلهم واحل لهم كثير مما شدد على من قبلهم

واسم يحيل عليهم في الدين من حرج ورفعه عنهم المواخذة بالخطار والنسيان وحديث النفس (ص ۲۹) واما عن الثانية فان المأخذة بحديث

النفس والخطار والنسيان ليس منائياً لقوله تعالى لا يكلف الله نفساً ارجاً واما عن الثالثة فان الاحتراز عن حديث النفس وقريذتها مما یدخل

فی اختیار العبد، اما عن الخطار والنسيان فلان منشاها الغفلة وعدم التيقظ والاحتراز عن ذلك في وسع العبد لان التيقظ والمذكر ليس خارجاً

عن اختياره ومن هنا صرح الشيخ ابن المحمدي رحمه الله تعالى بان العارفين الكمل قد ارتفعوا عن الخطار والنسيان ولكن ذلك مما يتعذر على العامة

وقت اشتغالهم بامور الدنيا فلا يکادون ان يظفروا بالا ستحضار التام واليقظ والحال هذه فلاجل التغرر والمخرج تجاوز الله عن هذه الامة الخطا والنسيان

واما عن حديث النفس فلان اعمال القلب لها درجات عديدة ذكرها الامام الغزالي قدس الله سره في الاحياء (ص ۳۶) وبينهما شيخنا ابطال الشبهة

في رسالة المحمصة في حكم الوسوسة وهي جزء من رسالة المسماة بالتشریح باحسن بيان وهذا نصه قال الحق ان المراتب خمسة حاجب وخاطر

حديث نفس وهم وعز، فاشئ اذ ارتفع القلب ابتداء ولم يحل في النفس

بیٹھنے کی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر پڑھنے کی اور اس کی بھی طاقت نہ ہو تو اشارہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سہمی اجباً فاذا كان هو قاعداً في موضع اول

الامر لم يحتج الى المراتب التي بعده، اذا جال اي تردد في نفسه بعد

وقوعه ابتداءً ولم يتحدث به من بعد سہمی خاطر اذا حدثت نفسه

بان يفعل به اولاً يفعل على حد سواء من غير ترجيح لاحد هما على الآخر

سہمی حديث النفس فهذه الثلاثة عقاب عليهما ان كانت في الشر ولا

ثواب عليهما ان كانت في الخير فاذا فعل ذلك عوقب او ثيب على الفعل

على الهاجس والمخاطر وحديث النفس، فاذا حدثت نفسه بالفعل عوقب

مع ترجيح الفعل لكن ليس ترجيحاً قوياً بل هو مرجوح كالوهم سہمی تمّا

فهذا ثياب عليه ان كان في الخير ولا يعاقب عليه ان كان في الشر كما

في الحديث: اذا قوى ترجيح الفعل حتى صار جازعاً مصماً لا يقدر على

التكبر سہمی عزماً ثياب عليه ان كان في الخير ولا يعاقب عليه ان كان

في الشر قلت والوسوسة عام لجميع المراتب الثلاثة الهاجس والمخاطر وحديث

النفس، مجمع اقسامها غير مؤاخذ به وعد ما لم يؤخذ على حديث النفس

بالحديث الصحيح وعلم الباقيين بالذكر ان من اذا ارتفع حديث اللغة والتميز

ما قبله بالاولى، وان خالف ان العكس ربما تقاع حديث النفس يتوقف

على كون المراد به في الحديث ما اصطلاحتم عليه ونما لا يدل عليه

فاعلم بان هذا الاصطلاح عين اللغة والنصوص محمولة على اللغة ما لم

يطرأ عليها اصطلاح شرعي ولزم يطرأ فيعمل على ما ذكرنا فافهم والسري

في عدم المؤاخذة على الهاجس انه ليس من فعله وإنما هو شيء ورد عليه

لو قدس له عليه ولا ضيع والمخاطر الذي بعده وان كان قادراً على دفعه

بعون الهاجس اول ورودها ولكنه لما كانت دون حديث النفس وهو مشعر

بالحديث كان من فروعها بالاولى كما ذكرنا وبهذا اخل اشكال عويص وهو





وہ دین کا مقابلہ کرنے والا ہوگا اور جب دین کا مقابلہ کرے گا تو یقیناً وہ اس کو  
لذہول و ملاطفتاً لخواجہ ہوا العزم المستقل فلو عدت نفسه بالعصیۃ  
بعزم مستقل وان لم یغزو (فعل) تلك العصیۃ کالاستاذ بصورة الاجنبیۃ  
قصداً فالظاهر انه یواخذ علیہ وهذا الاستاذ داخل عندی فی عموم حدیث  
والنفس تمنی وتشتهی فی روائیۃ والقلب یموی ویتنی روحی الاول الشیخان  
والثانی مسلمہ (مختار ۲۹۲) وحاصلہ ان الاستاذ بصورتہ الاجنبیۃ داخل  
فی معاصی القلب الخسار البغض والحقد والكبر ونحوها فانہا توجب الاتم و  
یواخذ علیہا اذ كانت فی حرجۃ العزم وان لم یظهر اثرہا فی عمل  
الجوارح وقال الامام المجتہد ابن دقیق العید فی شرح عمدۃ الاحکام فی  
قولہ علیہ السلام من قوصار غر وحنوفی هذا ثم صلی رکعتین لا یحدث  
فیہما نفسه غفرلہ ما تقدم من ذنبہ ما نصیر قولہ یحدث فیہما نفسه  
اشارة الى الخواطر والوساوس الواردة علی النفس وهي علی قسمین احدهما ما یمیہم  
بہما یتعذر دفعہ عن النفس، والثانی ما یتسرل معہ النفس ویمکن دفعہ  
وقطعہ فیمکن ان یحمل الحدیث علی هذا النوع الثانی فیخرج عنہ النوع الاول  
لعدم اعتبارہ وشہد لذلك لفظہ یحدث نفسه فانه یقتضی تکلیفاً منذ تفعلا  
لهذا الحدیث، ویمکن ان یحمل علی النوعین معاً الا ان العسر انما یجب دفعہ  
عما یتعلق بالتکالیف والحدیث انما یقتضی ترتیب ثواب ومغرم  
علی عمل مخصوص فمن حصل لذلك العمل حصل لذلك الثواب  
ومن لا فلا وليس ذلك من باب التکالیف حتی یلزم دفع العسر عنہ، نعم  
لا بد ان تكون تلك الحالة ممکنة الحصول اعنی الوصف المرتب  
علیہ الثواب المخصوص، والامر كذلك فان المتجردین عن شواغل الدنیا  
الذین غلب ذکر اللہ عز وجل علی قلوبہم وعمرہا تحصل لہم  
تلك الحالة وقد حکى عن بعضهم ذلك (مختار ۳۹۱) و

گھبرا سکے گا، مثلاً کوئی شخص جائز طریقے سے قسم نہ کھائے بلکہ محکم پیادہ یا  
 (بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) حاصلات دفع الوسوسینو عیہا ممکن  
 الحصول وکن النوع الاول منهما وينبغي تسميتها بدرجۃ المحدث  
 يتعذر دفعه عن النفس والعسر يجيء دفعه عما يتعلق بالتكاليف فلا يصح القول  
 بكون الامم السالفة مکلفين بهذه الدرجة بل الذي يصح القول  
 بكونهم مکلفين به انها هو الدرجه الثانية وهي الوسوس التي  
 تسترسل معها النفس وينبغي تسميتها بدرجۃ البقاء، وهذا هو قاله  
 شيخنا اذا امر الله طلائع الوسوسة في درجۃ المحدث لم يكلف  
 بدفعها احد من الامم لكونها من غير اختيار العبد في درجۃ  
 البقاء كلفت الامم السابقة بدفعها ولم تكلف هذا الامم حمت  
 ولطفاً ومناوئاً انما كلفت بان لا يعزم على المعصية ظاهرة كانت  
 او باطنية والله تعالى اعلم -

وقال الامام القزالي في بيان ما يؤخذ به العبد من وسوس القلوب  
 وهما وخواطرها وما يعنى عنه ما نصه اعلم ان هذا امر غامض وقد  
 وردت فيه آيات و اخبار متعارضة يلتبس طريق الجمع بينهما  
 الاعلى سما سرۃ العلماء بالشرع فقد روی عن النبي صلى الله عليه  
 وسلم عقی عن ائمتی ما حدثت به نفوسنا ما لم نتكلم به او  
 نعمل به (متفق عليه) بانظ ان الله تجاوز لامتی) وقال ابوهريرة  
 قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله تعالى يقول للحفظة اذا هم  
 عبدی حسیة فلا تكتبوها فان عملها فاکتبت حسیة و  
 من حسنة لم يعملها فاکتبت حسنة فان عملها فاکتبت  
 عشر اخرجها البخاری ومسلم، وهو دليل على الغفوة عمل القلب  
 وهمم بالسیئة فاما ما يبدل على المأخذة فقولہ سبحانه ان تبدل ما فی

چلنے یا بیوی کی طلاق اور غلام کے آزاد کرنے کی قسم کھالے یا کمزوری کی حالت میں تیمم نہ کرے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) انفسکم او تحفوه یجاسبکم

بہ اللہ، وقولہ تعالیٰ ان السمع والبصر والفؤاد کل ذلک کان عندہ مسئلہ

فندل علی ان عمل الفؤاد کعمل السمع والبصر فلا یعفی عنہ، وقولہ تعالیٰ: ولا تکتسبوا

الشہادۃ ومن ینکتمہا فانہ اشقر قلبہ، وقولہ تعالیٰ ولا یؤخذن کریمہا

کسبت قلوبکم والحق عندنا فی ہذہ المسئلۃ لا یؤقت علیہ ما لم

تقع الاحاطۃ بتفصیل اعمال القلوب من۔ میل، ظہور ہا الی ان ینظر العمل علی

الجوانح فذکر لمراتب الخمسۃ اتق ذکرها الحنفی باختلاف ما فانہ جعلہا

اربع مراتب وہی الاولیٰ بالخاطر مرۃ وبعث النفس اخری والثانیۃ بالمیل

ای ہیجان الرغبتۃ والثالثۃ بحکم القلب ای الاعتقاد والرابعۃ بالہم وتقسیم

العزم، ثم قال اما الخاطر فلا یؤخذن بہ لانه لا یمیدخل تحت الاختیار

وکذلک المیل وھیجان الرغبۃ وہی المراد ان بقولہ صلے اللہ علیہ وسلم عفی

عن امتی ما حدثت بہ انفسہا فخذ ینفس عبادۃ عن الخواطر التي تجلب

فی النفس ولا یتبعہا عزم علی الفعل فاما الہم والعزم فلا یمید

تحت الاختیار واما الثالث وهو الاعتقاد فحکم القلب بانہ یمید ان ینفعل فہذا

متردوبین ان یمیدون اختیاراً یا اواضطراً یا فالاختیار منہ یؤخذن بہ کلا

لستذا بصورۃ الاجنبیۃ عمداً والا اضطراریاً یؤخذن بہ واما الرابع

وهو الہم بالفعل لانہ موأخذ بہ الا انہ ان لم ینفعل فان کان قد ترکہ

خوفاً من اللہ تعالیٰ وند ما علی ہمد کسبت لہ حسنۃ ان تعوق الفعل بما ائق

او ترکہ بعزم لا خوفاً من اللہ کسبت علیہ سیئۃ فان ہمد فعل من القلب

اختیاراً وقد قال صلے اللہ علیہ وسلم انما یحشر الناس علی نیانہم (اسناوہ

حسن وعند مسلم عن عائشہ ینبغیہم اللہ علی نیانہم) ونحن نعلم ان من عزم

لیارہ علی ان ینصیح لیقتل مسلماً او ینزنی بأمرأۃ فہات تلک اللیلۃ مات۔

بلکہ پانی ہی سے وضو کرنا چاہیے یا بیماری کی حالت میں کھڑا ہو کر ہی نماز پڑھنے کا ارادہ  
رے وغیرہ وغیرہ غرض ہر پہلو میں درجہ کمال ہی کو اختیار کرنا چاہیے اور رخصتوں کو  
پھوڑے لڑیہ شخصین کا سختی سے مقابلہ کرنا چاہئے اور اس صورت میں محض اس وجہ  
کہ اس نے ایک تبادل میں ٹھان لی ہے دین سے عاجز ہو جائیگا اور اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں  
کی مذمت کی ہے جنہوں نے پہلی امتوں میں سے ایسا کیا تھا، چنانچہ ارشاد ہے

قد خسر الذین قتلوا اولادهم سفہاء بغیر علم و حرہوا  
رزقہم اللہ اختار علی اللہ قد ضلوا و ما کانوا مہتدین  
”وہ لوگ ہلاکت میں مبتلا ہو گئے جنہوں نے ان چیزوں کو اپنے اوپر حرام  
کر لیا جو اللہ نے ان کو حلال فرمائی تھیں گمراہ ہو گئے اور سیدھے راستہ پر  
چلنے والوں میں نہ تھے“

(بیہ ماشیہ صفحہ گذشتہ) مصرعہ او بحشر علی بنیہ و قد ہم جسیۃ و لم یعلمہا ،  
والدلیل المقاطع فیہ قولہ علیہ السلام اذا التقی المسلمان بسیفیہما فالقاتل  
والہ مقتول فی النار قیل یا رسول اللہ ہذا القاتل فما بال المقتول قال لا ہ  
اراد قتل صاحبہ (متفق علیہ) و ہذا فی انہ صار بمرء الا وادۃ  
من اهل النار مع انہ قتل مظلوما انکلہم دخل تحت اختیار العبد  
فہو موأخذ بہ الا ان یکفر بحسنۃ و نقضہ بالسند حسنۃ  
ایضاً و اما الخواطر و حدیث النفس و هیجان الرغبۃ فکل ذلک  
لا یدخل تحت الاختیار فالہو أخذ بہ تکلیف ما لا یطاق و  
کیف لا یوأخذ باعمال القلب و الکبر و العجب و الریاء  
و النفاق و الحسد و جملۃ الخبائث من اعمال القلب بل السمع  
و البصر و الفوائد کل اولئک کان عنہ مسئلاً اہم ملخص  
(م ۲۶، ۲۷، ۲۸ ج ۳) و ما ذکرہ شیخنا عن الحنفی الصق بالاول  
ہادیث و اجمع لہا فتدبر ۱۲۵

اس کے بعد فسد دوا و قارہوا کا یہ مطلب ہوا کہ اول تو گوشتش اور ہمت سے درجہ احتیاط کے قریب رہو اور احتیاط کا درجہ یہ ہے کہ گناہوں کو چھوڑ دو اور ہوگا تمہارے ذمہ ہیں اُن سے فراغت حاصل کر کے مراتب عالیہ اور بہترین حالت کی طرف بڑھتے رہو پھر اگر کسی وقت کمزوری یا غفلت پیش آئے یا کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو سید ہو جاؤ۔

یعنی (ایسی حالت سے) خلاصی پانے کے جو طریقے بتلائے گئے ہیں اور بیماری و کمزوری اور غفلت کی نفی، جو رخصتیں تم کو دی گئی ہیں اُن کو اختیار کر کے اپنی حالت کو درست کرو (اگر گناہ ہو گیا ہو تو یہ کرو، اگر غفلت طاری ہوئی ہو استغفار کرو اور بیماری کی حالت ہو تو سہولت پر عمل کرو) کیونکہ اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہیں (وہ گناہ اور غفلت کی خطا کو معاف فرمادیں گے) اس صورت میں دالستی و اکایہ مطلب ہوگا کہ (رضمنوں پر عمل کر کے) خوش رہو کہ وہ بھی تم کو نجات دلانے والی اور ضائع مولا تک پہنچانے والی اور انجام بخیر کر نیوالی ہیں (یہ نہ سمجھو کہ یہ باتیں عزیمت ہی سے حاصل ہو سکتی ہیں رخصت سے حاصل نہیں ہو سکتیں) اس مضمون کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے۔

رُبْ ذَنْبٍ ادْخَلَ صَاحِبَهُ الْجَنَّةَ

بعض گناہ بھی انسان کو جنت میں پہنچا دیتا ہے

مطلب یہ کہ بعض دفعہ وہ گناہ تو یہ کہ اسباب بنتا ہے اور خاص تو یہ نصیب جاتی ہے تو وہ جنت میں پہنچانے کا سبب بن جاتی ہے۔ اس کی زیادہ وضاحت اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ ایک بزرگ پر ایک دن خوف کا غلبہ ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کسی حق میں تقصیر ہو گئی تھی پھر اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت نے ان پر تجلی کی تو خوف کے ساتھ وسعت رحمت نے امید کو بھی ملا دیا (اور ان کی حالت درست ہوئی) اس وقت (بطور الہام کے) ان سے کہا

بھی ہیں اور امید بھی دلاتے ہیں، اور جس سے ہم مغفرت کرتے ہیں اس کو اپنے سے دور کر دیتے اور غفلت میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

اس تفسیر کی بناء پر واستعینوا بالخذوة والروحۃ وشئ من اللہ

کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص ان اوقات میں یعنی صبح، شام، اور رات میں اعمال عبادت پر مواظبت کریگا اس کو غیب سے ان اعمال کی طاعات پر مدد دی جائے گی جو اس نے اختیار کئے ہیں اور دین کے اندر جو دشواری اس کو پیش آئیگی آسان کر دی جائیگی اور ایمان میں قوت عطا کی جائے گی، اس وقت معلوم ہوگا کہ اس پر کس قدر نطفہ کیا گیا اور اسکی ساتھ کس قسم کے معاملہ کا ارادہ کیا گیا اور حیبِ ادنیٰ کو یہ معلوم ہو جائے کہ خدا کا معاملہ اسکے ساتھ کیسا ہے تو یہ عبادت پر مدد کا بہت بڑا سبب بن جائے گا کیونکہ اس سے کام آسان ہو جاتا اور جتنی مقامات اکیلیک طرف بڑھنے لگتی ہیں اور اسی وجہ سے کہ ان اوقات کا دعائے معمول رکھنا ان بکات کا موجب ہے، بعض محققین نے فرمایا ہے کہ میں تم کو غفلت میں آئینہ فکر پر منظر جمائے دکھنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ اسی وقت تم پر حق واضح ہو گا اور جس پر حق واضح ہو جاتا ہے اس سے اتباعِ حق کی اور اہل حق بننے کی امید کی جاسکتی ہے ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں بھی حق کو حق ظاہر کر کے دکھلا دے اور اس کے اتباع کی توفیق دے (آمین)

اس مقام کے کچھ مناسب یہ حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ویل لمن غلبت احادہ عشراتہ بڑی خرابی ہے اس شخص کی جس کی اکائیوں دہائیوں پر غالب ہوں مطلب یہ کہ گناہ نیکوں سے زیادہ ہوں کیونکہ نیکیاں تو اللہ کے فضل سے ایک کی دس اور (بعض دفعہ) ستر اور سات سو بھی ہو جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ جسکو چاہتے ہیں اس سے بھی زیادہ عطا فرماتے ہیں اور گناہ ایک کا ایک ہی رہتا ہے،

مگر افسوس اس فضلِ عظیم کے بعد بھی انسان بیچارہ اپنی ذات سے غفلت کرتا اور کام کرنے کے گمراہ ہے اور اپنے واسطے کوئی راستہ نہیں پاتا یا تو اس وجہ سے کہ دین میں غلو کرتا ہے یا اپنے نفس کا محاسبہ نہیں کرتا اور برباد ہونے والوں کے ساتھ اس طرح برباد ہو جاتا ہے کہ اس کو خبر بھی نہیں ہوتی اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

حاسبوا قبل ان تحاسبوا

اپنے نفس کا خود محاسبہ کرو اس سے پہلے کہ تمہارا حساب کیا جائے

کتاؤں میں یہ قول حضرت عمرؓ سے منقول ہے حدیث مرفوع نہیں ہے) تو جو شخص اپنی ذات سے غافل ہو جائے اور اپنے ذمہ مد سے زیادہ کام لازم کر لے یا نفس کی نگہداشت میں غفلت کرنے لگے وہ ایسی ہی محنت و عید کا مستحق ہے (جو حدیث میں وارد ہے) اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں اور تمہیں اس سے محفوظ رکھے، پس غافل کو چاہیے کہ اپنی مدد اسی طریقہ سے کرتا رہے جس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے اور میزان شریعت کو سنبھالنے رکھ کر عاصیہ نفس سے غفلت نہ کرے اور دین میں غلو بھی نہ کرے تاکہ ان اسباب ہلاکت سے بچا رہے جن کا بھی ذکر ہوا۔ (قولہ الوحیہ الثالث ص ۷۷) الی قولہ لئلا یھلک بالحد هذه الوجوه

ف یہاں سے اُن انگریزی خوانوں کی غلطی واضح ہو گئی جنہوں نے الدین یہو کا لفظ ہی یاد کر لیا ہے اور اس کے معنی کی خبر نہیں انہوں نے اس کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ دین میں نہ ارادہ کی ضرورت ہے نہ ہمت کی نہ علم کی نہ اسباب اعانت کی، اُن کو اس مقام میں غور کرنا چاہیے کہ علمائے اس حدیث کے کتنے مطالب بیان کئے ہیں حضرت شراح نے دین کے آسان ہونے کی بارہ تفسیریں بیان کی ہیں جن میں سے تین کا ذکر ہو چکا باقی آئندہ آئیں گی مگر ہم سب کا استیعاب نہ کریں گے کیونکہ ہمیں اس وقت صرف وہ مضامین لینا ہیں جن سے مسائل تصوف کی تائید ہوتی ہے۔

ف اللہ تعالیٰ نے پہلی امتوں کو بھی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں فرمایا تھا اُن کے قویٰ ہم سے اچھے تھے اسلئے اُن کی شریعت میں اُن کی قوت کے موافق ہم سے زیادہ سخت احکام تھے باقی اسمیں شک نہیں کہ امت محمدیہ پہ سہولت اور آسانی بہت کی گئی ہے جیسا اوپر معلوم ہوا۔

ف سادکین طرق کو اس مقام سے معلوم ہو گیا کہ امت محمدیہ کو ہر پریشانی اور ضیق سے نکلنے کا راستہ بتا دیا گیا ہے پس کسی وقت یاس اور ناامیدی کو راہ نہ دینا چاہیے، اگر طریق میں غفلت یا غلط ہو جائے تو سببات کا راستہ معلوم کر کے رخصت ہو کر عمل کرنا اور حالت کو درست کر لینا چاہیے اس کے بعد شوق اور

جوش کو تازہ کر کے پھر بدستور کام میں لگنا اور پریشانی کو بھول جانا چاہیے  
 دھند امامانہ علیہ سیدی حکیم الامت دارمجدہ مرارا،

۴۹۔ اللہ تعالیٰ اجہل کے ساتھ کسی کی عبادت قبول نہیں فرماتے اس لئے علم حاصل کرنا

ضروری ہے یہی علمائے سے پوچھ کر کام کرنا ایک تفسیر حدیث کی یہ ہے  
 کہ دین اس شخص کو آسان ہے جو اس کو اچھی طرح جان لے پہچان لے کیونکہ جو دین سے غافل ہوگا اس کو دشواری کا  
 سامنا ہوگا اس تفسیر پر حدیث کا حاصل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تحصیل علوم دین  
 کی ترغیب دے رہے ہیں کہ کتاب اللہ اور سنت کے موافق اس کو حاصل کیا جائے اور لے  
 یشاد الدین احد الاغلبہ کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص کتاب اللہ اور سنت  
 کے سوا محض عقل سے یا اور طبع سے اس کو حاصل کرنا چاہے گا دین اس پر دشوار ہو جائے گا۔  
 کیونکہ اس صورت میں مقام اتقی تک پہنچنا دشوار ہے اور مقام حقیقت کا تو احتمال ہی احتمال  
 ہے پس یہ شخص خسارہ کی پونجی لیکر واپس ہوگا

خسر الدنیا والآخرۃ دنیا بھی برباد اور آخرت بھی

اس صورت میں سددوا و قاربوا کا مطلب یہ ہوگا کہ اپنی حالت کو درست رکھو اور  
 دینی کی مشورہ یہ ہے کہ دین کو اول کے احکام کو اچھی طرح معلوم کر کے اس کے موافق عمل اور  
 اتباع کرو۔ اس مضمون کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے کہ

طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم

”علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔“

علمائے محققین نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ انسان پر جو عمل واجب ہے اس کا علم  
 حاصل کرنا بھی واجب ہے کیونکہ جس چیز کا حکم دیا گیا ہے اس کو پوری طرح ادا کرنا بدین اس  
 کی حدود اور قواعد جانے ممکن نہیں اور جو شخص بدین علم کے عمل کو بے پھر اتفاق سے اس کا  
 عمل شریعت کے مطابق ہی ہو جائے تو علمائے نے اس کے بارے میں اختلاف کیا ہے بعض کا قول ہے



کہ اس کو عمل کا ثواب ملے گا کیونکہ اس نے حکم کو ادا کر دیا اور جو حکم کو سبالائے وہ ثواب مستحق ہے بعض کا قول ہے کہ اس کو گناہ ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ جہل کے ساتھ کسی کی عباد قبول نہیں فرماتے اور اس کو علم کے بعد ہی عمل پر پیش قدمی کرنا جائز نہ تھی، یہاں کیسا تھ جائز نہ تھی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

فَسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ

اگر تم کو علم نہ ہو تو اہل علم سے دریافت کر دو

جب اس نے بغیر علم کے عمل پر پیش قدمی کی تو حکم کے خلاف کیا اور جو شخص حکم کی مخالفت کرے، گنہگار ہے (اسلئے یہ شخص بھی گنہگار ہے کہ اتفاق سے اس کا عمل شریعت کے موافق ہو گیا ہے) اور بعض کا قول ہے کہ اس کو نہ ثواب ملے گا نہ عذاب ہو گا، عذاب تو اس لئے نہیں کہ علماء اس نے کسی ممنوع کا ارتکاب نہیں کیا اور چونکہ حکم یہ تھا کہ بدن علم کے عمل پر پیش قدمی نہ کرے اور اس نے ایسا نہیں کیا تو ثواب کا مستحق نہ ہو گا (غرض بدن علم کے عمل کرنا خطرہ سے خالی نہیں اگر عمل شریعت کی خلاف ورزی ہو تو اتفاقاً گنہگار ہے اور شریعت کے موافق ہو جب بھی فرض سے سبکدوش ہونے میں کلام ہے پس حالت کی درستی بدن تحصیل علم کے نہیں ہو سکتی)

اور اگر کوئی تحصیل علم کیساتھ اپنی حالت کو درست کرنے سے عاجز ہو تو اس کو قریب کا درجہ حاصل کرنا چاہیئے یعنی اہل علم سے پوچھ کر عمل کرنا چاہیئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے

فَسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں استمضوا العلم السوال کہ ناواقف کو پوچھنے ہی سے نفع حاصل ہوتا ہے اس کے بعد البشر وا کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص یہ راستہ اختیار کر لے (یعنی تحصیل علم میں مشغول ہو جائے) اسے خوش ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کو نفع دیں گے اور ایسی جگہ سے روزی پہنچائیں گے جہاں اس کا گمان بھی نہ تھا، بشرطیکہ خاص اللہ کے واسطے تحصیل علم میں مشغول ہوا ہو اس کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے۔

تکفل اللہ میرزت طالب العلم  
اللہ تعالیٰ نے طالب علم کے رزق کا ذمہ لے لیا ہے

اور اللہ تعالیٰ نے تو ساری ہی مخلوق کے رزق کا ذمہ لے لیا ہے، مگر اس بات کے بیان کرنے میں فائدہ یہ ہے کہ طالب علم کو بشارات اور خوشخبری سنانا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اوپر سے روزی تلاش کرنے کی مشقت و محنت و دور کردی اور رزق (کا دروازہ) بدون کسی مشقت کے اس کے لئے کھول دیا ہے کہ اب وہ اس کے پاس خود پہنچے گا اسے خود کچھ نہ کرنا پڑے گا، اسکی زیادہ وضاحت حضور کے اس قول سے ہوتی ہے

إذا ابتدع بدعة في الدين كبد الدين فعليكم ببعالم  
الدين واطلبوا من الله الرزق قليل وما معكم الدين  
قال عباس المحلول والحزام

”جس وقت دین میں بدعتیں داخل کی جائیں گیں اس وقت دین میں  
دھوکہ مٹنے لگیگا پس تم دین کے نشانات کو لازم سمجھو اور رزق اللہ  
سے مانگو“

عرض کیا گیا کہ دین کے نشانات کیا ہیں فرمایا حرام و حلال بیان کیے جانے  
کی مجلسیں،

اس تفسیر پر حضور کے ارشاد واستعينوا بالغدوة والروحة وشئ  
من الدلجة کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص ان اوقات یعنی صبح و شام اور  
پچھلی رات کے کچھ حصہ کو نفل عبادت سے اخلاص و صدق کے ساتھ سمجھے گا اللہ  
تعالیٰ تحصیل علم میں اسکی مدد اور علم کے اندر فرم عطا فرمائیں گے اور اسکی بقیہ کو منور کریں  
گے جن لوگوں نے اخلاص و صدق کے ساتھ اس پر عمل کیا ہے، انہوں نے اس کا تجربہ کر  
لیا اور اس دولت کو پایا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں

والذين جاهدوا فينا لنهدينهم سبلنا وان الله لم يملح المحسنين

جو لوگ ہمارے راستہ میں کوشش کرتے ہیں ہم اُن کو اپنے راستوں کی ہدایت کر دیتے ہیں اور بیشک اللہ تعالیٰ اخلاص کرنے والوں کیساتھ ہے

(قوله الوجه الرابع الى قوله وان الله لمع المحسنين)

ف یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو بدن علم شریعت صوفی بننا چاہتے اور تصوف کا دعویٰ کرتے ہیں اُن کو جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اہل جہل کے ساتھ کسی عبادت کو قبول نہیں فرماتے اس لئے بدن علم شریعت کے تصوف حاصل نہیں ہو سکتا۔

ف علم شریعت حاصل کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ قرآن و حدیث کو باقاعدہ پڑھا جائے کہ اول زبان عربی کے قواعد سیکھے جائیں پھر استاد سے قرآن و حدیث کا علم حاصل کیا جائے، دوسرے یہ کہ علماء سے پوچھ کر عمل کیا جائے اور تیسری صورت جو آج کل نکالی گئی ہے کہ قرآن و حدیث کا اردو ترجمہ دیکھ کر بعض لوگ اپنے کو قرآن و حدیث کا عالم سمجھنے لگتے ہیں یہ غلط ہے کیونکہ محض ترجمہ دیکھنے سے علم حاصل نہیں ہو سکتا جیسا قانون یا طب کی کتابوں کا ترجمہ دیکھ کر کوئی وکیل یا طبیب و ڈاکٹر نہیں بن سکتا، ف یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی بھی ظاہر ہو گئی جو طالبان علم دین پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ کھانے پھانے کا ذریعہ چھوڑ کر قوم کے ٹکڑوں پر پڑے بستے ہیں اُن کو جان لینا چاہیے کہ یہ لوگ قوم کے ٹکڑوں پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری پر پڑے بستے ہیں جس کا دل چاہے وہ اپنا ہاتھ روک لے اور دیکھے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو رزق دیتا ہے یا نہیں ؛

ف یہاں سے طالبان علوم دین کو بھی سبق لینا چاہیے کہ تحصیل علم میں غیب کے اس وقت مدد ہوتی ہے جبکہ صبح و شام اور رات کے پچھلے حصہ میں تھوڑی سی عبادت اپنے ذمہ لازم کر لی جائے۔ آج کل طلبہ اس سے غافل ہیں اسی لئے مدارس میں قلت آمد کی عام شکایت ہے اور اسی لئے طلبہ کو نور بصیرت بھی پہلے جیسا حاصل نہیں ہوتا فعلیہم جمعا لمدین واطلبوا الرزق من اللہ۔

ف یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی بھی واضح ہو گئی جو طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم میں دنیوی علوم کو بھی داخل کرتے اور ان کو بھی علم سمجھتے ہیں اُن کو جان لینا چاہیے کہ یہ علوم اس حدیث کا ہرگز مصداق نہیں، بلکہ یہ علوم بہل کا مصداق ہیں کیونکہ جو شخص دنیا بھر سے خبردار ہوا اور اپنے سے بے خبر ہوا اس کو عالم نہیں کہا جاسکتا علم وہی ہے جس سے انسان کو اولاً اپنا علم حاصل ہو کہ مبدا و معاد اور ذات و صفات خالق کی خبر ہو اور خالق نے جو احکام اس کے متعلق کہے ہیں اُن سے خبردار ہو اور یہ بات علوم دنیا سے حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ اُن کا خاصہ ہے کہ جتنی اُن میں ترقی کریگا اتنا ہی اپنے سے بیخبر ہو گا جس کو شک ہو تجربہ کر کے دیکھ لے۔

## ۵۰۔ متفق علیہ مسائل پر عمل کی عادت کرنا چاہیے اور اختلافی صورت پر ضرورت

میں عمل کیے ایک نوجوہ حدیث کی یہ ہے کہ الدین یسر کا مطلب یہ ہو کہ جن احکام کا تم کو نص قطعی سے مکلف کیا گیا ہے جن میں تاویل کی گنجائش نہیں وہ آسان ہیں اور ایسے احکام تھوڑے ہی ہیں زیادہ تر احکام تو ایسی نصوص سے ثابت ہیں جو تاویل کا احتمال رکھتی ہیں اور جب تاویل کو قبول کر نیوالی نصوص زیادہ ہیں تو یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے بندوں پر وسعت اور سہولت ہے، (اس کے بعد شائع نے چند مسائل بطور مثال کے بیان فرمائے ہیں جو نصوص مختلفہ سے ثابت ہیں اور مجتہدین نے اُن کی تاویل میں اختلاف کیا ہے) اور احکام میں جو علماء کا اختلاف ہے اس کا سبب یہی ہے کہ جس آیت یا حدیث سے وہ ثابت ہیں ان میں مختلف وجوہ کا احتمال ہے اور یہ اختلاف امت کیلئے وسعت و رحمت ہے، (کہ ضرورت کی وقت اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں) ایک بڑے بزرگ جن سے میں ملا ہوں فرماتے تھے کہ مشہور قول کے سوا کسی قول پر عمل کرنا یا متویٰ دینا جائز نہیں، اختلاف علماء سے اس وقت فائدہ اٹھانا چاہیے جب کسی ایسی مہم میں گرفتار ہو جائے جس کی تلافی مشہور قول سے نہ ہو سکے اس وقت کسی

ایک قول کیونکہ اس ہم کو حل کیا جائے کیونکہ اجماع کی مخالفت (اور حرام قطعی کے ارتکاب) سے یہ صوبت بہت سہوار اور دلائل بزرگ نے یہ بات بہت اچھی کہی کیونکہ اس طریقہ سے تمام تاویلات اور اختلافات پر عمل ہو سکتا ہے کہ اول درجہ کمال کو اختیار کیا جائے (جہمیں کسی کا اختلاف نہیں) اسی کا نام قوت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

المؤمن القوی خیر من المؤمن الضعیف و فی کل خیر

کہ مؤمن قوی مؤمن ضعیف سے افضل ہے اور یوں سب ہی اچھے ہیں، اور اگر کسی وقت درجہ کمال پر عمل دشوار ہو تو اختلافی صورت کو لیے اور سہولت پر عمل کرے، اس طرح محرمات کے اور اس کے درمیان بڑی روک ہو جائے گی، کیونکہ کسی وقت درجہ کمال پر عمل دشوار ہو تو اس کے سامنے ایسی صورت بھی ہوگی جس کی طرف رجوع کر سکے اور اجماع کی مخالفت سے بچ سکے اور جو شخص پہلے ہی شخصوں پر عمل کرنے کا عادی ہوگا اگر اس کو کسی وقت دشواری کا سامنا ہوا تو وہ حرام (اور ناجائز) کے ارتکاب سے نہ بچ سکے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر بادشاہ کی ایک محفوظ چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی محفوظ چراگاہ یہ محرمات ہیں (جن سے بندوں کو منع کیا گیا ہے) اور جو شخص محفوظ چراگاہ کے آس پاس چکر لگائے گا وہ ایک دن اس کے اندر بھی پہنچ جائیگا اس لئے انسان کو محرمات سے دور ہی رہنا چاہیے جس کی صورت یہی ہے کہ بدون مجبوری کی رخصت پر عمل نہ کرے

اس تفسیر پر ابن شاذان الدین احد الاغلبہ کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص ہر مسئلہ میں اجماع (اور اتفاق) ہی پر عمل کرنا چاہے گا دین سے گھبرا جائے گا کیونکہ زیادہ مسائل ایسے ملیں گے جن پر اجماع منعقد نہیں ہوا اور سند و وقار میں سدا کے دو معنی ہوں گے ایک یہ کہ حضرات صحابہ اور فزون اول کے مسلمانوں کا طریق عمل اختیار کر کے حالت کو درست کیا جائے، کیوں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے  
 خیر القرون قریٰ ثمال الذین یلونہم ثمال الذین  
 یلونہم

تمام آدمیوں سے بہتر میکہ زمانہ کے آدمی ہیں پھر وہ جو ان کے  
 بعد ہیں پھر وہ جو ان کے بعد ہیں ۔

دوسریہ کہ اختلافی مسائل میں دلیل سے جو قول قوی اور راجح ہو اس کو  
 اختیار کیا جائے اور سختی اور آسانی کی دونوں جانبوں میں شاذ اور ضعیف اقوال  
 کی طرف التفات نہ کیا جائے، بلکہ درمیانی قول کو لینا چاہیے جیسا ایک  
 خلیفہ نے (جو غالباً خلیفہ منصوب عباسی ہیں) امام مالک سے جبکہ انہوں نے کتاب  
 موطا لکھنے کا ارادہ کیا فرمایا تھا کہ عبداللہ بن عمرؓ کی تشدید اور عبداللہ بن عباسؓ کی  
 رخصتوں کو چھوڑ دو اسکے بعد جو چاہو لکھو، امام مالک فرماتے ہیں کہ یہ بات سنکر میں خلیفہ  
 کے پاس سے فقیہ بن کر نکلا، اور قریب قریب پہنچے کہ یہ معنی ہوں گے کہ اگر کسی  
 وقت بوجہ عذر کے قوی اور راجح قول پر یا قرون اول کے طریقہ پر عمل نہ کر سکے تو مختلف اقوال  
 میں سے کسی قول پر عمل کرے نہ تو شدت کے پہلو پر اصرار کرے، نہ بلا عذر کی رخصتوں پر  
 عمل کی عادت کرے۔“

اس مضمون کی تائید کیلئے یہ روایت کافی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خبر  
 ملی کہ ایک شخص مدینہ میں دین کی مشکل باتوں اور مشکل حدیثوں کی تفسیر معلوم کرنے آیا ہے  
 آپ نے اس کو بلایا اور پوچھا تو کون ہے؟ اس نے نام بتلایا تو فرمایا اور میرا نام عمر بن  
 خطاب ہے، یہ کہہ کر کھجور کی ایک قمی ہاتھ میں لی اور اس کے سر پر مانے لگے اتنا مارا کہ سر  
 سے خون بہنے لگا اور برابر یہ فرماتے رہے کہ میں عمر بن خطاب ہوں، اُس نے عرض کیا  
 اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے اب میکہ سر میں سے وہ بات نکل گئی ہے۔

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس شخص کو سنا دینا یہ مسئلہ سلئے تھا کہ جو کوئی  
 اس قسم کی باتوں کو تلاش کرتا ہے وہ عموماً دو حال سے خالی نہیں ہوتا یا تو شدت کی

جانب اختیار کر لیتا ہے تو دین سے گھبر جاتا ہے یا دھتکتوں کا پہلو لے لیتا ہے تو (یہ محرمات میں مبتلا ہونے کا ذریعہ بن جاتا ہے اور قریب کا راستہ چھوٹ جاتا ہے اس تفسیر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کا مطلب یہ ہو گا کہ جو شخص یہ طریقہ (یعنی حضرات صحابہ اور قرون اول کا طرز عمل)، اختیار کرے اس کو خوش ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دشواری کیوقت آسانی اور تنگی کیوقت فراخی عطا فرمائیں گے، اسکی تائید اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ہوتی ہے۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ مَنْ يَتُوكِلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ  
اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے دشواری سے نکلنے کا راستہ بنادیں گے اور ایسی جگہ سے رزق دیں گے جہاں اس کا گمان بھی نہ جا سکتا تھا۔

نیز اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی تائید کرتا ہے  
وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ  
اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کی برائیوں سے درگزر فرمائیں گے اور اس کو بڑا اجر دیں گے۔

اور اس بشارت سے زیادہ دوسری بشارت یہ حاصل ہوتی کہ اللہ تعالیٰ نے اسکو متقین میں داخل کر دیا اور اس بشارت سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ہی بعض لوگ دنیوی تنگی پیش آنے کے وقت محرمات و محرمات میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور یوں کہنے لگتے ہیں کہ ہم ان محرمات و محرمات کے ارتکاب پر مجبور ہیں (بدون اس کے کام نہیں چل سکتا) کیونکہ وہ اپنے نزدیک کوئی اور ذریعہ (معاش کا) نہیں پاتے سوا اس ذریعہ کے جن میں گم ہوتے ہیں۔

اور یہ باتیں قرب معصیت رزق تلاش کرنا قرب قیامت کی علامت ہے قیامت کا پتہ دیتی

ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے  
 من اشراط الساعة طلب الرزق بالمعاصی  
 قیامت کی علامتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ گناہوں کے ذریعہ سے  
 رزق تلاش کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ اچھا کو اس اندھے پن اور گمراہی سے محفوظ رکھے۔  
 بھلا اس پلے اندھے پن اور لازوال بہرین کو تو دیکھو گویا ان لوگوں نے کبھی اس  
 بشارت کو سنا اور سمجھا ہی نہیں اور شاید انہوں نے قرآن کو بھی نہیں دیکھا اور نہ  
 ان د آیاتوں کو سنا جو اوپر ذکر کی گئی ہیں اور شاید انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 کا یہ ارشاد بھی نہیں سنا

لا ینال ما عند اللہ الا بطاعة اللہ

کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے اس کو اللہ کی اطاعت ہی سے لیا جاسکتا ہے (یعنی مسلمان  
 کو اللہ کی نعمتیں طاعت ہی سے مل سکتی ہیں معصیت سے نہیں مل سکتیں) یہ سب  
 نصوص اس بات کو بتلاتی ہیں کہ جس نے بدن طاعت کے رزق کو تلاش کیا اس نے  
 بے طریقے تلاش کیا اور جو کسی چیز کو بے طریقے تلاش کرے گا پریشانی میں مبتلا  
 ہوگا اور خسارہ کی پونجی لیکر واپس ہوگا۔

اب ہم سلف کے بعض واقعات بطور نمونہ کے بیان کرتے ہیں کہ وہ کس طرح  
 اپنے پروردگار کی طاعت سے رزق کو تلاش کرتے تھے تاکہ مقصود پر تہنید ہو جائے ،  
 منجملہ ان واقعات کے ایک یہ ہے کہ ایک بزرگ عیال دار تھے کسی وقت ان کو  
 تنگی پیش آئی اور کچھ میسر نہ ہوا تو دل میں خیال آیا کہ اللہ کی طاعت میں لگنا چاہیے  
 یہی رزق کا بڑا وسیلہ ہے چنانچہ ایک دیوان مسجد میں پہنچے اس کی صفائی کی اور وہیں  
 عبادت میں مشغول ہو گئے ، صبح کو گھر سے نکلتے اور گھر والوں سے یہ کہہ جاتے کہ روزی کی  
 تلاش میں جا رہا ہوں شام کو واپس آتے اور گھر والے پوچھتے کہ مزدوری کہاں ہے تو ان  
 کو یہ جواب دیتے کہ جس کام میں نے کام کیا ہے وہ بڑا سخی ہے مجھے اس سے مانگے ہوئے شرم آتی ہے



خود ہی دے دیگا، اس طرح کئی دن گزر گئے، ایک ملت عادت کے موافق گھر آئے تھے کہ قریب پہنچ کر عمدہ عمدہ کھانوں کی خوشبو آئی ان کو تعجب ہوا کیونکہ اپنے ہمساؤں کی حالت معلوم تھی کہ وہ ایسے قیمتی کھانے نہیں پکا سکتے جب گھر کے اندر پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہیں سے خوشبو بہک رہی ہے، اب تو اور زیادہ تعجب ہوا، پھر دیکھا تو گھر میں کھانا اور سالن کے علاوہ کچرا اور روپیہ بھی (بہت کچھ) ہے اور گھر والے بھی عمدہ کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ اُن سے دریافت کیا کہ یہ سامان کہاں سے آیا؟ تو کہا جس کریم کی آپ خدمت کرتے ہیں اس نے ہی یہ سب سامان بھیجا ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں اور یہ بھی کھلا کر بھیجا ہے کہ خدمت موقوف نہ کرنا، (بدستور کام میں لگے رہنا) کہا بہت اچھا، تو دیکھو جو شخص طریقہ کسی چیز کو تلاش کرتا ہے اس کی کوشش کس طرح کامیاب ہوتی اور وہ کیونکر اپنی ہمدرد کو پہنچتا ہے۔

اس تفسیر پر واستعینوا بالغذاء والروحة وشیئ من الدرجة کا مطلب ہوگا کہ ان اوقات میں اللہ تعالیٰ کی تجلیات (ذو جہات) کا استقبال کرو، اس وقت اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کا لطف بہت زیادہ اور احسان بہت عام پاؤ گے اس کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے

اذا سالت فاسأل اللہ  
جب مانگو اللہ ہی سے مانگو

نیز آپ کا ارشاد ہے -

تعرضوا للنفحات اللہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات (ذو جہات) کا استقبال کرتے ہو۔

نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی زبانی (حدیث قدسی میں) فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر رات کے آخری تنہائی حصہ میں آسمان دنیا پر تختی فرماتے اور یوں ارشاد فرماتے ہیں، کوئی توبہ کرنے والا ہے کھ میں اس پر نظر عنایت کروں؟ کوئی مغفرت چاہنے والا ہے کہ میں اس کی مغفرت کروں؟ کوئی مانگنے والا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کر لوں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود یہ فرمائیں اور اس وقت کوئی شخص مغفرت

کی درخواست کرے یا توبہ کرے یا کچھ مانگے اور عزم رہ جائے، اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے پوری امید رکھتے ہوئے توبہ محال ہے؟  
ہم چاہتے ہیں کہ اس کے متعلق بھی سلف کے کچھ واقعات پر شاہدہ کر دیں  
تاکہ اس سے ہمارے مقصد پر روشنی پڑ جائے، منجملہ ان کے یہ ہے کہ ایک ظالم  
مفسد کسی اسلامی قلعہ پر پہنچا اور اس کے باشندوں کو اتنا پریشان کیا کہ انہوں نے  
اسے کچھ رشوت دینے کا ارادہ کر لیا، مگر بعض لوگوں نے کہا کہ جب تک فلاں شخص  
سے جو ان کے نزدیک بڑی گستاخ اور سید راستہ پر جا ہوا تھا مشورہ نہ کر لیا جائے اس  
وقت تک کچھ نہ دینا چاہیے۔ چنانچہ اس سے مشورہ کیا تو اس نے کہا تم کو یہ بات  
کسی طرح جائز نہیں کہ اپنی گردلوں کا مالک ایسے شخص کو بناؤ جو شریعت کی  
مخالفت کرتا اور ناسحق و نریزی کرتا ہے، یہ بات اس ظالم تک بھی پہنچ گئی تو اس نے  
دھکی دیکر کہا کہ بھیا کہ کیا تم کو میری پکڑ اور میری جوانی کی خبر نہیں؟ شیخ نے  
جواب میں کہا بھیا کیا تم کو میرے بڑھاپے اور رات کو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے  
اور اخیر رات میں اس سے دعا کرنے کی خبر نہیں؟  
اس جواب کو سن کر ظالم پر عجب طاری ہو گیا اور اس وقت ظلم سے باز آ گیا  
ان اوقات کی بڑی بڑھانے اور ان پر محافظت کی مزید تاکید کرنے کے لئے  
اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے

واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغداة والعشي

يريدون وجهه ولا تعد عيناك عنهم تريد زينة

الحياة الدنيا

اپنے نفس کو ان لوگوں کی صحبت میں جمائے رکھو جو اپنے پروردگار کو  
صبح و شام یاد کرتے ہیں اسکی رضا کے طالب ہیں اور (اے مخاطب) تیری آنکھیں  
حیات دنیا کی رونق (وزیبا نش) کی طلب میں اُن سے نہ ہٹنے پائیں یعنی دنیا کی  
زینت پر فریفتہ ہو کر اہل اللہ سے منہ موڑ کر اہل دنیا کیساتھ نہ ہو جانا تو جو کوئی

ان اوقات کا طلبگار اور ان کا نگران رہیگا وہ (دین کے) جس راستہ پر بھی چل رہا ہوگا (خواہ علم ظاہر ہو یا سلوک باطن) اس میں اس کی مدد کی جائے گی، پھر بشارت پر مزید بشارت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادْهُمْ هُدًى وَالَّذِينَ تَلَوْنَ الْقُرْآنَ  
اور جو لوگ ہدایت پا گئے اللہ تعالیٰ اُن کو ہدایت میں ترقی دیتے اور  
(انکی لیاقت کے موافق) کمال دین عطا فرما دیتے ہیں (تقویٰ کمال دین  
ہی کا نال ہے)

اے سبحان اللہ! یہ کیسی بشارت ہے جس سے کام کر نبیوالوں معرفت والوں  
کے دل خوش ہو گئے، توفیق والوں کی رحمتیں تازہ ہو گئیں، ڈونے والوں کا غم  
دور ہو گیا اور سبقت کر نبیوالوں کے قدم آگے بڑھنے لگے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنے فضل سے ان نعمتوں کا ایک حصہ اپنے فضل کے  
مناسب عطا فرمائیں (آمین)

قولہ الوحبہ الخامس الى قوله مختار الله منها من فضلہ  
ما یلیق بفضلہ۔

ف یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو دنیوی ترقی کیلئے کھانے طریقے  
پر چلنا چاہتی ہیں اُن کو سمجھ لینا چاہیے کہ مسلمان کو معصیت سے ترقی نہیں ہو سکتی  
اس کو اطاعت اور اتباع شریعت ہی سے ترقی نصیب ہو سکتی ہے، سو اور ثبوت  
وغیرہ سے مسلمان کو فلاح نہیں ہو سکتی۔ ان کو اپنی ترقی کیلئے شریعت کے وہ اصول  
اختیار کرنا چاہئیں جن کو انہوں نے چھوڑ دیا تو کمزور ہو گئے اور غیروں نے اختیار  
کیا تو وہ قوی ہو گئے۔ یعنی باہمی اتحاد و اتفاق اور پابندی وقت، جفاکشی، محنت  
تجارت، زراعت، پرکاری سے نفرت، صنعت و حرفت سے رغبت، باہمی اخلاص و محبت  
وغیرہ اسکی ساتھ فرائض الہی کی پابندی خدا کی اطاعت کو بھی شامل کر کے دیکھیں کہ  
ان کو دوسری قوموں سے زیادہ ترقی ہوتی ہے یا نہیں اس کے سوا جو طریقے ہی ترقی کے

ہیں اُن سے کفار کو ترقی ہو سکتی ہے مسلمانوں کو نہیں ہو سکتی۔

۵۱۔ تسلیم انقیاد سے دین آسان ہو جاتا ہے **صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد**

الدين يسر كما يه مطلبك ثم من حين حينه كما مطالبك يعني حکم الہی کے سامنے گردن جھکا دینا اور مان لینا وہ آسان ہے (گو عمل دشوار ہو) اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ جس وقت آیت ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوه یحاسبکم بہ اللہ نازل ہوتی (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ تمہارے دلوں میں جو کچھ ہو خواہ تم اس کو ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ تعالیٰ تم سے اس کا حساب لیں گے) اور یہ آیت صحابہ پر گراں گزری (کیونکہ وہ یہ سمجھے کہ غیر اختیاری وسوسوں پر بھی مواخذہ ہو گا جن سے بچنا آسان نہیں) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل کی طرح نہ بنو (جنہوں نے کہا تھا سمعنا و عصینا کہ ہم نے حکم خداوندی کو سن لیا مگر مانیں گے نہیں) بلکہ یوں کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو کچھ انہوں نے نازل فرمایا اس کو مان لیا، تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی

امن الرسول بما انزل اللہ من ربه والتمنون کل  
امن باللہ وملتکتم وکتبتہ ورسلا لا نفرق بین احد  
من رسلہ و قالوا سمعنا و اطعنا غفرانک ربنا و الیل العصیر  
لا یكلف اللہ نفسا الا وسعہا

(جمہیں حضرات صحابہ کی اطاعت و انقیاد و تسلیم کی تعریف کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین اللہ پر اور اس کے نازل کردہ حکم پر ایمان لائے سبکے سبب پر اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اور رسولوں پر ایمان لائے کہ ہم اللہ کے رسولوں میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے اور یوں بھی کہا کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا، اے اللہ ہمارے گناہ معاف فرما آپ ہی کی طرف ٹھکانہ ہے اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ کا مکلف نہیں فرماتے، اس میں صحابہ کا

اطمینان کر دیا گیا کہ غیبر اختیار و مساوی پر مؤاخذہ نہ ہوگا، تو صحابہ کو اتنی بڑی کامیابی  
انقیاد و تسلیم ہی کی وجہ سے نصیب ہوئی کہ انہوں نے اپنے پروردگار کے حکم کو مان  
لیا اور اسکے سامنے گردن جھکا دی، اور انقیاد و تسلیم بلا شک آسان ہے کیونکہ اس کا  
تعلق صرف دل سے ہے کچھ ہاتھ پیر چلانا نہیں پڑتے۔

اس تفسیر پر ابن یشاد الدین احد الاغلبہ کا مطلب ہوگا کہ جو شخص  
تقدیر پر راضی نہ ہو اور جو کچھ اس پر فرض کیا گیا ہے اس کو نہ مانے اس کے آگے گردن  
نہ جھکائے اور جن بالوں کا اُن کو مکلف کیا گیا ہے ان کو مشقت اور تکلیف سمجھے  
تو اس نے دین کو دشوار سمجھا اور جو دین کو دشوار سمجھے گا وہ دین سے گھبرائے گا جیسا  
بنی اسرائیل کا واقعہ ہے کہ جب اُن کو جہاد کا حکم دیا گیا انکار کر بیٹھے اور اپنے بنی سے  
صاف کہہ دیا اذهب انت و ربک فقاتلانا ہذا قاعدون کہ آپ اور آپ کے  
پروردگار چلے جائیں اور دونوں خود ہی جہاد کر لیں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں، جب وہ حکم  
الہی پر رضا نہ سمجھے اور اسکے آگے گردن نہ جھکائی تو اُن پر سختی کی گئی اور وادی تیبہ میں چالیس  
سال تک پھنسے رہے یہاں تک کہ بڑی عمر والے سب فنا ہو گئے اور چھوٹی عمر والے بڑے ہو گئے  
(تو اُن کو دولت جہاد سے حصہ ملا) اسکی زیادہ وضاحت اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کرتا ہے۔

وَلَنِلُوَنكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخُوفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ  
وَالْأَنفُسِ وَالْأَمْوَاتِ وَبَشَرِ الْمَآبِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ  
مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَأَنَا لِيهِ رَاجِعُونَ أُوْلَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتُ  
مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُوْلَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ۝

اور ہم تم کو ضرور ضرور آزمائیں گے کسی قدر خوف کے اور بھوک سے اور جان و مال  
اور پھلوں کے نقصان سے اور بشارت دید اُن مبرک کریموں کو جن پر کوئی مصیبت  
آتی ہے تو یوں کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ ہی کے ہیں اور اسی کے پاس جان و مال ہیں ان لوگوں  
پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایتیں نازل ہوتی ہیں اور رحمت بھی اور یہ لوگ ہدایت  
پلنے والے ہیں،

تو جس کو تقدیر پر یقین اور اس کے ظہور کے وقت میں نصیب ہو گیا اس کا اجر بڑھ جاتا ہے اور اس کیساتھ لطف کا معاملہ کیا جاتا ہے اور اگر دل تنگ اور ناراض ہو تو گنہگار ہوگا اور مقتدر تو مل ہی نہیں سکتا۔ تقدیر میں جو کچھ ہے پورا ہو کر ہے گا خواہ کوئی راضی ہو یا ناراض ہو۔ اگر راضی رہے تو ثواب ملے گا جو مصیبت کا نعم البدل ہے ناراض ہو تو اس سے بھی گیا اور مصیبت کی مصیبت برسی اسی واسطے حدیث میں آیا ہے فانما المحروم من حرمة الثواب کہ پورا بے نصیب تو وہی ہے جو ثواب سے محروم رہ جائے، اس نے دین کو دشوار سمجھا تو دین سے گھبرا گیا۔ ہم اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں، اس تفسیر پر سدد و اقرار ہوا میں سداد کے معنی یہ ہوں گے کہ اپنے آپ کو تسلیم و انقیاد پر جما کر حالت دست کرو اور قریب سے کہ یہ معنی ہیں کہ اگر اس مقام پر نہ پہنچ سکو تو اس کے قریب ہی رہو جو نہ کہ قریب حکم معنی وہی ہے جو اصل کا حکم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد البشر و امیں بشارت کے یہ معنی ہوں گے کہ جو شخص یہ طریقہ اختیار کرے اور اپنے دل کو تسلیم و انقیاد پر رہ جائے بکلیاں ان نعمتوں کی بشارت حاصل کرنا چاہیے جو آیت مذکورہ کے بقیہ حصہ میں مذکور ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

ربنا لا تؤاخذنا ان نسينا او اخطانا ربنا ولا تحمل علينا  
اصرا حملته على الذين من قبلنا ربنا ولا تحملنا ما لا طاقة لنا  
به و اعف عنا و اغفر لنا و ارحمنا انت هوذا خاضعنا على القوم الكافرين ه  
اے ہمارے پروردگار ہم سے بھول چوک پر مواخذہ نہ کیجئے اور ہمارے اوپر وہ بوجھ نہ لادیتے  
جو ہم سے پہلوں پر لاوا گیا اے ہمارے پروردگار اور ہمارے اوپر ایسی مشقت بھی نہ طے  
جسکی ہم کو طاقت نہیں اور ہم سے درگزر کیجئے ہماری مغفرت کر دیجئے ہمارے اوپر ہم  
کیجئے آپ ہی ہمارے مولیٰ اور کارساز ہیں پس کافروں کے مقابلہ میں ہمارے مدد کیجئے  
یعنی جو تسلیم و انقیاد سے کام لے گا اس کو دین میں اصلاً دشواری پیش نہ آئیگی دین اس کے  
حق میں پھولوں ہلکا ہو جائے گا اور عفو و مغفرت و رحمت و نصرت کے نوازنا جائیگا۔ اور اس صورت  
میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد واستعينوا بالعز وة والروحة وشئ من اللہ

میں استعانت کے معنی یہ ہونگے کہ جس شخص کو ان چیزوں پر عمل دشوار معلوم ہو جن کا ذکر کیا گیا ہے تو اس کو رب جلیل کے دروازہ پر ان خاص اوقات میں کھڑا ہونا چاہیے جو شخص اس پر مداومت کرے گا اسکو غیب کے نفس کے مقابلہ میں مدد و حمایت کی اور کیا ہی نصیب ہوگی اس استعانت کو بڑا کر نیکی وجہ ہی بعض لوگوں پر اس کا نفس غالب ہو گیا ہے، اسی لئے اُن کو انصاف و تسلیم نصیب نہیں ہوتا جس کا اُن سے مطالبہ کیا گیا ہے، وہ اپنے نفس کے ہاتھوں میں دبیئے گئے ہیں (جس طرح وہ پالتا ہے ناچتے ہیں) کیونکہ انہوں نے اس طریقہ سے اللہ کی مدد حاصل نہیں کی جو ان کی واسطے مقرر کیا گیا تھا اور مضمین ایسا ہی ہے جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ایک دفعہ فتنوں سے خبردار کیا تھا تو انہوں نے دریافت کیا کہ اس سے بچنے کا طریقہ کیا ہے؟ حضور نے فرمایا کہ اس وقت ایمان اور اعمال صالحہ کی پناہ لینا چاہیے اور فتنے تو آجکل بہت بڑھ گئے اور بڑھتے جا رہے ہیں مگر ایسے لوگ بہت کم ہیں جنہوں نے صحیح علاج اختیار کیا ہو جو ان سے نجات پانے میں معین تھا، تو لاعلمی اس کا انجام یہی ہوتا تھا کہ ہلاک ہونے والے زیادہ ہیں اور نجات پانے والے بہت کم کیونکہ جس بات کا حکم دیا گیا تھا اس پر عمل کم ہو رہا ہے پس اے مسکین! عمل میں جلدی کرو اور موت کے آنے اور مصیبتوں کے گھیر لینے سے پہلے سستی کو چھوڑ دے ورنہ نتجہ سے کہا جائے گا کہ تو نے تو گرمی کے نماز میں وودھ کو ضائع کر دیا ہے (اب جانوں میں کیا چاہتا ہے؟)

(قوله الوجه السادس الى قوله في الصيف ضيعت اللين)

ف جانوروں کا وودھ گرمی میں بڑھتا اور سردی میں کم ہو جاتا ہے اب اگر کسی نے گرمی کے زمانہ میں جانور کو بھوکا مارا اور وودھ سے محروم رہا تو سردی کے زمانہ میں اسکو ہرگز وودھ کی امید نہ رکھنا چاہیے۔ اسی طرح زندگی میں انسان کیلئے عمل کرنے اور ثواب حاصل کرنے کا موقع ہے۔ موت کے بعد عمل نہیں ہو سکتا جس نے زندگی کو سستی میں برباد کر دیا اس کو موت کے بعد عمل اور ثواب کی امید نہ رکھنا چاہیے۔

ف اس مقام سے اُن لوگوں کو سبق لینا چاہیے جو آج کل مسلمانوں کی کمزوری کو دیکھ کر فکر مند ہیں اور ترقی کے وسائل تلاش کرنے میں لگے ہوئے ہیں مگر اس صحیح علاج کو

اختیار نہیں کرتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے، دوسری قوموں سے مدد کے طالب ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل نہیں کرتے، حالانکہ مسلمانوں کو ہمیشہ اللہ کی مدد سے کامیابی ہوتی ہے، غیروں کی مدد سے کامیابی نہیں ہوتی اور اگر کبھی قرن اول کے مسلمانوں نے غیروں کو اپنے ساتھ لیا ہے تو اپنا ماتحت اور تابع بنا کر ساتھ لیا ہے نہ کہ مساوی یا متبوع بنا کر جیسا آج کل ہو رہا ہے فاعتبروا اہل الابصار ف جو لوگ دین کو دشوار سمجھتے ہیں اُن کو جان لینا چاہیے کہ اس دشواری کا سبب ہشدر یہ ہے کہ اُن کو تسلیم و انقیاد حاصل نہیں وہ اللہ و رسول کے حکم کے آگے گردن نہیں جھکانے اور عقائد اسلامیہ کو دل سے نہیں مارتے ان پر یقین نہیں رکھتے بلکہ شکوک و شبہات پیدا کرتے ہیں، اگر وہ ادغان و تسلیم و انقیاد سے کام لیتے اور شکوک و شبہات کو دل سے نکال کر ان خاص اوقات میں جن کا حدیث میں ذکر ہے کچھ کام کرتے تو دین ان کے لئے پھولوں ہلکا ہو جاتا اور اصلاً دشواری پیش نہ آتی۔

## ۵۲۔ احکام الہی کی تعمیل میں جلدی کرو، تشدد اور سہولت کی طرف التفات

نہ کرو ایک تفسیر یہ ہے کہ دین کے آسان بنانے کا مطلب یہ ہے کہ تشدد اور سختی دونوں میں سے کسی میں غلو نہ کیا جائے بلکہ اگر کسی حدیث یا قرآن کی آیت میں مختلف توجہات ہوں تو جو ظاہر اور قہر ہو اسکو اختیار کر کے عمل میں جلدی کرے اور اگر التفات نہ کرے اور جب شریعت کی مراد یہ ہے کہ امثال امر میں جلدی کی جائے اور اگر التفات نہ کیا جائے تو وہ بلا شک آسان ہے (دشواری اسی وقت پیش آتی ہے جب تعمق اور غلو کیا جائے) اس صورت میں ولت یثا الدین احد الاغلب کا مطلب یہ ہوگا کہ جو کوئی اپنے اوپر سختی کریگا یا تو تعمق اور تشدد کر کے یا دین میں لا پرواہی کر کے اللہ تعالیٰ اس کے اوپر سختی کریں گے، جیسا بنی اسرائیل کی حکایت ہے کہ اُن کو ایک گائے کے ذبح کا حکم دیا گیا تھا اگر وہ اس حکم کی تعمیل میں جلدی کرتے اور کوئی سی ایک گائے ذبح کر دیتے اسکی کیفیت وغیرہ دریافت نہ کرتے تو حکم کی تعمیل ہو جاتی مگر انہوں نے اپنے اوپر



سختی کی اسکی صفت اور کیفیت اور رنگ دریافت کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اُن سختی کی گئی کہ اسکی عمر اور رنگ اور حالت و کیفیت کی تعیین کر دی گئی پھر جو اسکو تلاش کیا گیا تو مدت تک ایسی گاتے نہ ملی اوہی ہی تو ایک آدمی کے پاس ایک سی ملی، خریدنے کی گفتگو کی گئی تو اس نے انکار کر دیا بہت اصرار کیا تو بیچنے پر راضی ہوا اور کھال بھر کر سونا اور چاندی و دیگر اس گاتے کو خرید لیا گیا ایک روایت میں ہے کہ وہ مرتبہ کھال بھر کر سونا چاندی دیا گیا غرض انہوں نے اپنے اوپر سختی کی تو اللہ کی طرف سے بھی سختی کی گئی، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ سوالات سے نفرت تھی اور بہت سوال کرنے والے کی مذمت فرماتے تھے کیونکہ اس تصور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سختی ہونے کا اندیشہ تھا۔ اسی وجہ سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اس بات کی تمنا کیا کرتے تھے کہ حضور کے پاس کوئی اجنبی مسافر آئے اور سوال کئے اور ہم جواب سنیں (حضور کا) کیونکہ اجنبی مسافر کے سوالات پر غیب سے سختی نہ ہوتی تھی، اجنبی آدمی آداب ناواقف اور احکام سے بیخبر ہوتا ہے اسکے زیادہ سوالات سے حضور کو گرانی نہ ہوتی تھی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی سختی کا معاملہ نہ ہوتا تھا، اور یہ اندیشہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی تک تھا کیونکہ اس وقت سے نئے احکام رات دن آتے رہتے تھے جب حضور معلم پاک صاف اپنے اللہ کے پاس پہنچ گئے یہ اندیشہ جاتا رہا کیونکہ اب نیا حکم نہیں آ سکتا دین مکمل ہو چکا تو عبادی تشدید پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سختی کا اندیشہ نہیں رہا مگر بعض لوگوں میں اس کا کچھ نمونہ باقی رہ گیا ہے اور وہ بھی بہت سے، چنانچہ اسی قسم کا ایک شعبہ نسو اور وہم ہے جو بعض لوگوں کو کسی عبادت میں اتنا پیش آتا ہے کہ حکم شریعت میں خلل ڈالنے لگتے ہیں ایسا وہی آدمی عبادت میں گمراہی پر جما رہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں اچھا کام کر رہا ہوں، حضرت یمن بن زرق رحمہ اللہ نے جو دونوں طریقوں کے امام ہیں فرمایا ہے کہ شیطان جب کسی کے عقیدہ میں شبہ اور شک ڈالے سے عاجز ہو جاتا ہے تو اسکو گناہوں کی ترغیب دیتا ہے اگر اسمیں کامیاب ہو گیا تو مقصود حاصل ہو گیا اگر اس پر قادر نہ ہوا تو عبادت میں اسقدر وسوسہ اور وہم ڈالنا شروع کرتا ہے کہ شریعت کے احکام میں خلل پڑنے لگے اگر اسمیں کامیاب ہو گیا تو

اسی قناعت پر کہ کہے چھوڑ دیتا اور اسکو عبادت کی رغبت دلانا اور بلند آواز سے بلاتا ہے، اسکے بعد اگر کوئی دوسرا شریر شیطان اسے بہکانے آتا ہے اس سے کہہ دیتا ہے کہ تو اسکے پیچھے نہ بڑ، یہ میل ہی کا کر رہا ہے اور میری منشا کیمطابق گمراہی میں چل رہا ہے تو دیکھو اس شخص نے دین کو سختی کیساتھ لیا تو دین سے عاجز ہو گیا اور خسارہ کی پونجی لیکر واپس ہوا اس اندھے پن اور گمراہی سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں، اس صورت میں فساد و افکار بڑا کامطلب یہ ہوگا کہ اپنی حالت کو کمال اتباع سنت کے ساتھ درست کرو اور اگر بدیہ کمال اتباع سنت نہ ہو سکے تو اسکے قریب ہی رہو اور یہ بھی نہ ہو سکے تو مجاہدہ کر کے نفس کو اس پر آمادہ کرو، وہاذا بعد الحق الا الضلال اور حق کے بعد تو گمراہی کے سوا کچھ نہیں (جو شخص مجاہدہ کر کے سنت کے قریب پہنچے کی بھی کوشش نہ کرے وہ کسی طرح گمراہی سے نہیں بچ سکتا) اسکے بعد وابشروا کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے اس حکم پر عمل کر لیا تو خوش رہو اور بشارت حاصل کرو کہ مجاہدہ کیساتھ ہی خیر اور ہدایت کے راستے تمہارے آسان ہو جائیں گے۔ اس مضمون کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے والذین جاہدوا فینالہند ینہم سبلنا جو لوگ ہمارے واسطے مجاہدہ کرتے ہیں ہم انکو اپنے راستوں پر لگا دیتے ہیں اور واستعینوا بالزکوۃ والرحۃ وشئ من الذلجۃ کا مطلب ہے کہ ان اوقات میں دروازہ کھٹکھٹانے کی پابندی کرو اور مصائب فتن نازل ہونے کیوقت اس کا خیال رکھو کیونکہ نجات کا راستہ یہی ہے اسی راستہ سے عالم خفیات (باری تعالیٰ) کی مدد تمہاری دستگیری کریگی، اسکی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے من فحمہ فی الدعام فقد فتحت لہ ابواب الخیرات جس کا دل دعا میں کھل گیا اس کے لئے خیرات کے دروازے کھل جاتے ہیں، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا ہے من شغلہ ذکر عن مسئلتی اعطیتہ افضل ما اعطی السائلین جو شخص میری یاد میں مانگے اور دعا کرنے سے رہ جائے (یعنی یاد الہی میں ایسا مشغول ہو کہ دعا کی مسئلت نہ ملے) میں اس کو مانگنے والوں سے

بھی زیادہ دیتا ہوں، (قوله الوجه السابع الى قوله افضل ما اعطى السائلين)

۵۳۔ توقع اور تجویز کم کرنے سے دین میں مدد ملتی ہے <sup>ایک تفسیر یہ ہے</sup> کہ دین کے آسان

ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ کیلئے توقع اور تجویز کم کر دو تو دین آسان ہے کیونکہ توقع اور تجویز کم کرنا بھی اُن اسباب میں سے ہے جو دین میں معین و مددگار ہیں اسکے ذریعے دین آسان ہو جاتا ہے تفصیل اسکی یہ ہے کہ جب توقع اور تجویز کم کی جاتی ہے تو حرص کم ہو جاتی ہے اور زہد آسان ہو جاتا ہے اور عمل ہلکا ہو جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک حدیث میں) اس مضمون کو صاف صاف بیان فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہے

اذا صحبت فلا تحدث نفسك بالمساء ماذا امسيت

فلا تحدث نفسك بالصباح

کہ جب صبح ہو تو اپنے دل سے شام کے متعلق باتیں نہ کرو اور جب شام ہو تو اپنے دل سے صبح کے متعلق باتیں نہ کرو (کہ ایسا کریں گے اور یوں کریں گے کہ اس توقع اور تجویز ہی سے حرص کو ترقی ہوتی اور دل پریشان ہوتا اور دین پر عمل دشوار ہو جاتا ہے) روایت ہے کہ (حضرت سیدنا) عیسیٰ علیہ (وعلی نبینا) الصلوٰۃ والسلام نے اثنائے سیاحت میں ایک بٹھے کو باغ کی خدمت کرتے ہوئے دیکھا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو (اس کی حالت پر) تعجب ہوا کہ بڑھاپا آگیا اور کھائی کی پھر بھی اتنی حرص ہے، آپ کو یہ تعجب ہی ہوا تھا کہ اس نے فوراً پھاؤ لہا تھ سے دکھایا اور عبادت میں مشغول ہو کر مختلف قسم کے نیک کاموں میں لگ گیا، ایک مدت تک ایسی حالت پر رہا اسکے بعد پھر باغ کی خدمت میں پہلے کی طرح مشغول ہو گیا (حضرت) عیسیٰ علیہ السلام کو اس حالت پر پہلے سے بھی زیادہ تعجب ہوا تو بڑھے سے دریافت فرمایا کہ تو نے باغ کی خدمت کیوں چھوڑ دی تھی اور اب دوبارہ شروع کیوں کر دی؟ اس نے کہا پہلے تو میں اس لئے خدمت کر رہا تھا کہ دنیا میں طبعی طور پر انسان کو اپنی ضرورت یا کیلئے کھانے کا کھڑا ہوتا ہے،

پھر مجھے اپنے بڑھاپے کا خیال آگیا کہ موت کا وقت نزدیک ہے تو میں نے اپنے دل سے کہا کہ مجھے دوسری کیواسطے غنت و مشقت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس خیال کے آتے ہی میں نے سب کام چھوڑ دیا اور آخرت کی تیاری شروع کی پھر دل میں یہ خطرہ آیا کہ شاید میری عمر دراز ہو جائے تو دوسروں کا غمناج ہونا پڑیگا تو میں پھر اپنی پہلی حالت پر لوٹ آیا اور شغل معاش کو اس شغل عبادت پر ترجیح دی جسے اختیار کر چکا تھا (اس واقعہ سے توقع اور تجویز کی حقیقت اور اس کے آثار پر روشنی پڑ گئی ہوگی) اور اللہ تعالیٰ کی عادت اپنے اولیاء کے ساتھ یوں ہی ہے کہ ان پر عمل آسان اور عبادت میں مشغول ہو کر طریق عمل طے کرنا اور اس میں لگا رہنا اسی واسطے سہل ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توقع اور تجویز اور امید کو کم کر دیا ہے، اسی وجہ سے ان کو وہ کام آسان ہے جو دوسروں کو دشوار ہے اور اسی بات پر متنبہ کرنے کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے متعلق جبکہ انہوں نے ایک مہینہ کے ادوار پر کوئی چیز خریدی یا بیچی تھی فرمایا تھا ان اسامۃ لطویل الاولیاء اسامہ کی توقع اور امید تو بہت لمبی ہے۔ اس صورت میں ان بشارت الدین احمد الغلبہ کے یہ معنی ہوں گے کہ جس کی توقع اور تجویز لمبی ہوگی وہ سستی اور کسل میں مبتلا ہو گا تو دین سے عاجز ہو جائے گا کیونکہ ایسا آدمی آج کا کام کل پر اور کل کے کام کو برسوں پر ٹالا کرنا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نہ آج کا کام پورا ہوتا ہے نہ آئندہ کا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی آخری وصیت یہ تھی کہ اے شخص! کل کی فکر آج نہ کر اگر تو زندہ رہا تو اللہ تعالیٰ (کل کو) نیا رزق عطا فرمائیں گے اور مر گیا تو اپنے وقت کو اسی حکم میں مشغول نہ کر جس تک پہنچنا ہی نہ ہو گا اور اسی دروازہ کے کھولنے سے بہت لوگ بہرہ ور ہو گئے ہیں اس صورت میں فساد و اتنازبوا کا یہ مطلب ہو گا کہ اپنے دلوں کو توقع اور امید کے کم کرنے پر مجاہد کہ یہی پوری درستی ہے اور اگر اس کا وجہ انہی حاصل نہ کر سکو تو تسری کا درجہ حاصل کر لو، دور نہ جاؤ ورنہ پیچھے رہ جاؤ گے اور پیچھے رہنے والا محروم ہوتا ہے۔ اور البشیر! کا مطلب یہ ہو گا کہ اگر تم نے اس نصیحت کو قبول

کر لیا اور اس پر عمل کیا تو دنیا اور دین دونوں کی کسبب کی بشارت حاصل کرو اس کے بعد **وَاَسْتَعِينُوا بِالْعَدْوِ وَالْمَخِطَةِ وَشَيْءٍ مِنَ الدَّلْجَةِ** کے معنی وہی ہیں جو پہلے بیان ہوئے کہ ان اوقات میں عمل کا اہتمام کرو کیونکہ اس سے تم کو توقع اور تجویز کے کم کرنے پر مدد ملے گی **تَوَلَّوْا وَجْهَ الشَّامِ إِلَى تَوَلَّوْا كَالْكَلْبِ عَلَى الْوَجْهِ قَبْلًا** ف بہت لوگوں کو طولِ امل نے دینداری سے روک رکھا ہے وہ ہمیشہ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ دنیا کے فلاں فلاں کام پورے ہو جائیں تو دین کے کاموں میں مشغول ہوں کسی کو جائیداد پیدا کرنے کا انتظار ہے کسی کو بیٹے اور بیٹی کی شادی سے فارغ ہونے کا خیال ہے، کوئی پانشن کا وقت قریب آنے کا منتظر ہے، لیکن اُن کو یہ خیال نہیں آتا کہ موت کا وقت متعین نہیں ہے، نہ معلوم کس وقت پیامِ اجل آجائے اور ساری تجویزیں دل کی دل میں رہ جائیں اس لئے عاقل وہ ہے جو صبح کو شام کے متعلق تجویز نہ کرے اور شام کو صبح کے متعلق کوئی امید قائم نہ کرے، بلکہ زندگی کا جو لمحہ بھی نصیب ہے، اس کو غنیمت جان کر دین کا کام بھی اس میں پورا کرے اور دنیا کا بھی، اسی کا نام **قَصْرِ اَمَلٍ** ہے اور دوسری حالت کا نام **طَوْلِ اَمَلٍ**، حدیثوں میں **طَوْلِ اَمَلٍ** کی بہت مذمت آئی ہے کہ آدمی آئندہ کے متعلق توقعات اور تجویزات قائم کرتا ہے حالانکہ اس کو آئندہ کی کچھ خبر بھی نہیں کہ کیا ہوگا؟

## (۵۴) مقامِ رضا حاصل کرو یا صبر میں پختہ رہو تو دین آسان ہے،

ایک تفسیر یہ ہے کہ دینِ رضا سے آسان ہوتا ہے کیونکہ یہ بھی مقاماتِ عالیہ تک پہنچنے کا بڑا سبب اور سادہ ترین کے درجات میں بڑا مقام ہے، جسکی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے جو عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا تھا کہ اے بر خوردار! اگر تم اللہ کے لئے کاملِ رضا کے ساتھ عمل کر سکو تو ضرور کرو، ورنہ ناگوار امور پر صبر ہی کہو کہ اس میں بھی بڑی خیر ہے، اس صورت میں **وَلَنْ يَنَالِدَ الْبَيْنَ أَحَدٌ الْإِغْلَبَ** کا یہ مطلب ہوگا کہ جو شخص

تقدیر پر ماضی نہ ہو بلکہ ناراضی کا اظہار کرے اس نے دین کو دشوار راستہ سے لینا چاہا ہے تو دین اسکو ہر ادیگار اسی لئے اہل سلوک میں سے ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ تقدیریں تو چلتی رہیں اور پوری ہو کر رہیں گی۔ اب اگر تو ماضی رہا تو وہ چلیں گی۔ اور تجھ کو ثواب دے جائیں گی اور ناراض رہا تو وہ پھر بھی چلیں گی مگر تجھ کو گناہ دے جائیں گے۔ اس صورت میں یہ شخص دین سے عاجز ہو گیا کیونکہ تقدیر پر ماضی نہ ہونے کی وجہ سے گناہ ہوا،

اور فسد دوا و قار ہوا کا یہ مطلب یہ ہے کہ اپنی حالت کو کمال رضا اختیار کر کے درست کرو اور اگر ایسا نہ کر سکو تو اس کے قریب ہی رہو اور قریب رہنا یہ ہے کہ (تقدیر پر) صبر کرو چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی گزرا ہے کہ اپنے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا تھا کہ ناگوار امور پر صبر کرنے میں بھی بہت خیر ہے، اور (مقام) رضا کا نتیجہ اور ثمرہ تکالیف اور مصائب کے اجتماع ہی کے وقت ظاہر ہوتا ہے راحت اور امید بڑھتی کیونکہ ظاہر نہیں ہوتا کیونکہ اس پر تو ہر شخص راضی ہوتا ہے (پس تکلیف اور مصیبت کے وقت نفس کا امتحان کرنا چاہیے کہ اس کو رضا حاصل ہے یا نہیں، راحت و آرام کی حالت میں صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا) اس کے بعد واللہ وا کے یہ معنی ہیں کہ جس شخص نے طریقہ رضا یا طریقہ صبر کو اختیار کر لیا ہو اسے اپنی کوشش کی کامیابی اور مراد پر فتح پائی کی بشارت حاصل کرنا چاہیے جو ہر شخص کو اسکی رضا اور صبر کے موافق نصیب ہوگی، پھر اس کو اس بشارت کے علاوہ ایک بڑی بشارت اور دی جاتی ہے جو الفاظ حدیث کی بشارت سے زیادہ ہے، اور یہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے اندر مذکور ہے۔ و یزید ہم مفضلہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو اور زیادہ دیں گے اور جب یہ زیادتی اللہ کے فضل کے موافق ہوگی تو کتنی بڑی بشارت ہوتی (اس کو خود ہی سمجھ لو) اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم کو جس اس (روایت کا وہ حصہ عطا فرمائیں جو ان کے فضل کے مناسب ہے اور واستعینوا بالعدوۃ والروعة وشنئ

من الدلجۃ کا وہی مطلب جو پہلے مذکورہ جا کر ان اوقات میں عمل کا  
اہتمام کرنا چاہیے تاکہ حصولِ رضا میں غیبت مدد ہو قبولِ اوجہ و التماس  
الی قول منخا اللہ سبحانہ منہا من فضلہ سالیق بفسلہ

ف اس تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ دین اس شخص کو آسان ہے جسے اللہ و  
رسول کی محبت حاصل ہے کیونکہ محبت کے بعد محبوب کا کوئی حکم اور کوئی فعل ناگوار نہیں ہوتا  
از محبت تلغنا شیرین بود

چنانچہ مشاہدہ ہے کہ جو لوگ دین کو دشوار سمجھتے ہیں وہ دنیا و دار کیلئے اتنی مشقتیں  
برداشت کرتے ہیں کہ دین میں اس کا دسواں حصہ بھی مشقت نہیں اور اگر کسی پرانے  
دل آجائے تو اس کے لئے سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں مال بھی، آبرو اور  
عزت بھی اور جان بھی اور اس میں ان کو کچھ مشقت محسوس نہیں ہوتی، ان لوگوں  
کو سمجھ لینا چاہیے کہ دین ان کو اسی واسطے مشکل نظر آتا ہے کہ اللہ و رسول کی محبت  
دل میں نہیں آتی، اس دولت کو اہل محبت متبعین سنت کی محبت میں ڈکر  
حاصل کر لیں تو دین بالکل آسان نظر آئیگا۔

نہ کتابوں سے نہ کالج سے نہ ذر سے پیدا  
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

۵۵۔ یقین کامل ہو جائے تو دین آسان ہے ایک تفسیر یہ ہے کہ  
دین اس شخص کو

آسان ہے جس کو یقین حاصل ہو، کیونکہ یقین بھی درجا و مقامات عالیہ تک پہنچنے  
کا بڑا سبب ہے جسکی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی  
ہے جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ نے فرمایا ہے کہ :  
”ابو بکر کو زیادہ نماز روزہ کی وجہ سے تم پر فضیلت حاصل نہیں ہوئی  
بلکہ اس چیز کی وجہ سے ہوئی جو اُن کے دل میں جمی ہوئی ہے“

اور اُن کے دل میں جو بات جمی ہوئی تھی وہ ثبوت یقین ہی تھی، ابو بکر صدیق

رضی اللہ عنہ اس کی وجہ سے اعلیٰ مقام پر پہنچے اور اسی بات سے جو ان کے دل میں تھی دوسروں پر فضیلت لے گئے ان کو اعمال بدنیہ میں زیادہ مشقت برداشت کرنیکی ضرورت نہیں ہوئی اور یہ بلا شک آسان ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حامل کرنے کی ترغیب دی ہے ناکہ اُمّتِ مجلیہ دین آسان ہو جائے چنانچہ فرمایا ہے تَعْلَمُوا الْيَقِينَ فَاِنَّ اَتَعْلَمُوْهُ يَقِيْنٌ حاصل کرو کیونکہ میں بھی اس کو حاصل کرتا ہوں اور جس یقین کے حامل کرنے کی حضور نے ترغیب دی ہے وہ کیسی ہے کیونکہ یقین کی دو قسمیں ہیں ایک وہی ، دوسرے کسی ، تو حضور نے اس جگہ اس یقین پر اشارہ فرمایا ہے جسکی تحصیل میں بندہ کی تدبیر اور کوشش مفید ہو سکتی ہے اور اسکی تحصیل کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم وجود میں اپنے احکام کو کوئی جو کچھ ظاہر فرمائے ہیں اُن میں تامل اور غور کرے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ کبھی کسی طرح پر جاری ہوتا ہے کبھی کسی طرح اور صورت ایک ہی ہوتی ہے (مثلاً آدمی ایک ساتھ ہی پڑھتے ہیں اور امتحان دیتے اور پاس ہوتے ہیں مگر ایک کو ملازمت مل جاتی ہے ایک کو نہیں ، دو آدمی پاس پاس ایک ہی مال کی دکان کرتے ہیں مگر ایک کو نفع ہے ایک کو نقصان ، دینی ہذا القیاس) اسی طرح انسان کبھی ایک بات کو ترجیح دیتا اور پسند کرتا ہے پھر تقویٰ ہی دیر میں اسکی ضد کو ترجیح دیتا ہے۔ ان پاریکیوں ہی میں غور کرنے کی وجہ سے تو اولیاء صالحین کے یقین میں ترقی اور ایمان میں پختگی ہوئی ہے چنانچہ ایک نے رگ سے دریافت کیا کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کو کس بات سے پہچانا فرمایا ارادہ و عزیمت کر لوٹے (اور بدلے) سے اسی طرح ملکوتِ سموات و ارض و زمین کی مخلوقات میں نظر کر کے یقین حاصل کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے لئے قوت یقین کا سبب قرار دیا تھا ، بعض علمائے نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وجہ سے ارشاد فرمایا ہے کہ

تفكر ساعة خير من عبادة الدهر  
ایک ساعت کی فکر کرنا زمانہ بھر کی عبادت سے افضل ہے



کیونکہ ان چیزوں میں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے، کچھ دیر فکر کرنے سے ایسا یقین حاصل ہوتا ہے جو زمانہ بھر کی عبادت سے بھی حاصل نہیں ہوتا (اگر فکر سے خالی ہو) پھر (یقین کے بعد) اسکو دین (کا ہر کام) آسان ہو جاتا ہے اگرچہ (فی نفسہ) دشوار ہی ہو، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اہل یقین کو اسی صفت کیساتھ اپنی کتاب میں موصوف فرمایا ہے :

(الذین قال لهم الناس) ان الناس - قد جمعوا لكم  
فانخلشوا هم فزادهم ايماناً وقالوا حسبنا الله ونعم الوكيل  
فانقلبوا بنعمه من الله لمد يسرهم سوء واتبعوا رضوان  
الله والله ذو فضل عظيم

جب لوگوں نے ان سے کہا کہ تمہارے مقابلہ کیلئے دشمنوں نے بہت لوگوں کو جمع کیا ہے اُن سے ڈرو تو اس بات سے ان کے ایمان میں (اود بھی) ترقی ہو گئی اور انہوں نے کہا ہم کو اللہ بس ہے اور وہ اچھا کارساز ہے تو اب وہ اللہ کی نعمت کے ساتھ اس حالت میں واپس ہوئے کہ اُن کو ذرا تکلیف نہیں چھوئی اور اللہ کی رضامندی کے تابع ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے !

تو دیکھو! جب اللہ پر بھروسہ کرنے سے اُن کا یقین مضبوط ہو گیا تو (دشمنوں کی) خبر کا رعب اُن کے دل سے جاتا رہا اور اسکے بعد اللہ کے فضل عظیم کیساتھ دنیا و آخرت کی نعمتیں لیکر واپس ہوئے اور اس ساعت کی برکت سے جہیں انہوں نے اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کیا اور قوت یقین کیساتھ اسی پر بھروسہ کیا تھا دونوں جہان میں کامیاب ہو گئے ۔

اس صورت میں ولن يشاد الذين احدد الاغلبہ کا یہ مطلب ہو گا کہ جس کا یقین ضعیف ہو اور اسکی تقویت کے اسباب بھی اختیار نہ کئے وہ دین کو دشوار طریقے سے حاصل کرنا چاہتا ہے اور جو دشوار طریقے سے دین کو لینا چاہے گا وہ اس سے ہار جائے گا ۔

اور اُنے کی صورت یہ ہوگی کہ نفس اور شیطان کے دھوکوں اور اندیشوں میں مبتلا ہو جائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی یہی حالت قرآن میں بیان فرمائی ہے

يَعْرِضُونَ عَنْهُم وَيَذْهَبُ مَا يَشَاءُ الشَّيْطَانُ الاْغْوَاۗةَ

”شیطان ان سے وعدے کرتا اور ان کو امیدیں دلاتا ہے اور شیطان کے وعدے و وعید نرے دھوکے ہیں“ اور کچھ نہیں۔

اس کے بعد چند دوا و فار لیا کا یہ مطلب ہے کہ یقین کا اعلیٰ درجہ حاصل کرو اور اسی کے موافق عمل کرو، اگر درجہ کمال پر قادر نہ ہو سکو تو بالکل محروم بھی نہ رہو قریب کا درجہ ہی حاصل کرو ورنہ دین تم کو دشوار ہو جائے گا اور جس کو دین پر چلنا دشوار ہو گیا وہ خسارہ اور گمراہی لیکر ہی واپس ہوگا۔ نعوذ باللہ من ذلک

اور بشرط کے معنی یہ ہیں کہ اگر تم نے یقین کا وہ درجہ حاصل کر لیا جو کسبِ اختیار سے اُن اسباب کے ذریعہ جن کا اوپر ذکر ہوا حاصل ہو سکتا ہے تو یقین وہی کی بشارت حاصل کرو کہ اسے بعد تم کو یقین کا درجہ حاصل ہو گا جو محض اللہ کی عطا اور وہیب ہی مل سکتا ہے کسبِ اختیار کو اس میں دخل نہیں۔

اور واستعینوا بالغدوة والروحۃ وشیئ من الدلجہ کے وہی معنی ہیں جو پہلے مذکور ہوئے کہ اوقات میں عمل کر کے مدد اور سہارا لو۔ ان اوقات میں اللہ کی طرف التجا کرو کیا عجیب ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے ہمارے دل میں ان چیزوں سے عبت حاصل کرنے کا خیال ڈالیں جن سے یقین کو قوت حاصل ہوتی ہے، اور توسیع خاص سے تائید فرمائیں اور اس کے بعد ہم کو دوسری قسم کا یقین عطا فرمائیں جو کسبِ حاصل نہیں ہوتا بلکہ فیض اور دہش ہی عطا ہوتا ہے تو جس شخص پر یقین کا سر درجہ دشوار ہو جائے اور اس سے بالکل محروم ہو جائے یا کوئی درجہ حاصل ہو گیا ہو مگر وہ اس میں ترقی کا طالب ہے تو اسے ان خاص اوقات میں (کریم کے) دروازہ پر کھڑا ہونا چاہیئے اسکی گوشش کامیاب اور مراد پوری ہوگی، کیونکہ خبر دینے والا (رسول) سچا ہے اور جس کے حوالہ (معاملہ) کیا گیا ہے وہ کریم ہے کہ وعدہ خلافی

نہیں کرتا (پھر ناکامی کی کوئی وجہ نہیں) (قرۃ العابدین) قول دہلوی (مختلف المعاد)  
**ف** آجکل بہت لوگ دین کو دشوار بتلاتے ہیں اُن کو اس مقام سے سبق  
 لینا چاہیے کہ اس دشواری کا منشا ضعیف یقین ہے کہ لوگوں کو دین کی تعلیم پر  
 یقین نہیں رہا وہ ثواب عذاب اور جنت و دوزخ کو دھکوسلا سمجھتے ہیں پھر  
 ظاہر ہے جس شخص کو خیرات اعمال کا یقین نہیں اس کو اعمال شعیہ دشوار  
 نظر نہ آئیں گے تو اور کیا ہوگا؟ دیکھو اگر کسی شخص کو اس بات کا یقین ہو کہ ظالم  
 کام کرنے سے مجھے ایک لاکھ روپیہ ملے گا اس کو یہ کام دشوار نہ ہوگا اور جس کو  
 محض احتمال اور وہم ہی ہو یقین نہ ہو اس کو دشواری کا سامنا ہوگا۔ حضرات  
 سلف صالحین کو دین اسی واسطے آسان تھا کہ اُن کو قرآن و حدیث کے وعدے  
 وعیدوں پر پورا یقین تھا اب اس زمانہ ینحیرت میں لوگوں کو وہ یقین  
 نہیں رہا تو دین دشوار نظر آنے لگا فاعتبروا یا ادلی الہ بصار

**۵۶۔ نفسانی خواہشوں پر غالب آجاؤ تو دین آسان ہے** ایک تفسیر  
 دین اس شخص کو آسان ہے جو نفس کے حظوظ کو چھوڑ کر اپنے مولیٰ کے سامنے اس  
 کو ڈالے کیونکہ نفس کا اپنے حظوظ اور خواہشوں کو طلب کرنا اور انقیاد و  
 اطاعت چھوڑ دینا ہی بڑا حجاب ہے کیونکہ نفس جس چیز کی طرف بھی مائل ہوتا  
 ہے اسکو خراب کر دیتا ہے مگر جس کو اللہ تعالیٰ اس کی شر سے محفوظ کر دے (وہ خرابی  
 سے بچ جاتا ہے) پس نفس کو مطیع و منقاد بنا کر دہانا اور اس کی خواہشوں کو پورا  
 نہ کرنا اسی کو آسان ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ اس کام کو آسان کر دیں۔

ایک بزرگ سے کسی نے وصول (الی اللہ) کا طریقہ دریافت کیا تو فرمایا اپنے  
 نفس کو چھوڑ دو بس تم واصل ہو گئے (یعنی اس کی خواہشوں کو پورا نہ کر بلکہ اس کی  
 مخالفت کرو تو وصول میں دیر نہ ہوگی) اس صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 کے ارشاد ولف یشاد الدین احمد الز غلبہ کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص خواہش

نفس کے موافق کام کرے اور اسکی امیدوں آرزوؤں کو پورا کرے گا اور اس کو مطیع و منقاد نہ بنائے گا وہ دین کو دشوار طے بقرے سے لینا چاہتا ہے اور جو دشوار طے بقرے سے دین کو حاصل کرنا چاہے گا دین اسکو ہر ادیگا کیونکہ حجاب نفس کی وجہ سے یہ شخص اُن بھلائیوں سے محروم ہو جائے گا جو اطاعت و انقیاد کی حالت میں لطف و مدد الہی کی صورت میں اس کے لئے تیار کی جاتیں اور فساد و اوقار ہوا کا مطلب یہ ہو گا کہ خطوط نفس کو ایک دم چھوڑ کر عمل کرو نفس کو ان باتوں سے ہٹاؤ اور خالق جل و علا کے سپرد کرو تو کامیاب ہو جاؤ گے۔ اور اگر اس پر فطرت نہ ہو اور نفس تم پر غالب ہو تو بیاضات و مجاہدات اختیار کرو تا کہ وہ حالت میسر ہو جائے جس کی طرف اد پر اشارہ کیا گیا ہے (یعنی نفس مطیع و منقاد اور اسکی خواہشیں مغلوب ہو جائیں)۔

اور بالبشر و ا کے یہ معنی ہیں کہ اگر تم نے اس طریقہ پر عمل کیا تو خوشخبری حاصل کرو کہ اللہ تعالیٰ تم پر تمہارے نفس سے زیادہ مہربان اور اس سے زیادہ تمہارے واسطے بہتر ہیں وہ یقیناً تمہاری امیدوں اور آرزوؤں کو پورا کر دیں گے اور کیوں نہ ہو جب کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں :

وَلَا تَبْهِنُوا بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ

وہ مومنوں پر بہت مہربان ہیں

نیز فرماتے ہیں :

يَبْشِرُكُمْ بِرَحْمَةِ مَنْ دُونَ رِضْوَانِ وَجَنَاتِ

لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقْتَصِمٌ خَالِدِينَ فِيهَا أَسَدًا إِنَّ اللَّهَ

عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝

اُن کا پروردگار ان کو بشارت دیتا ہے اپنی رحمت اور خوشخودی کی اور ایسی جنتوں کی جن میں ہمیشہ کی راحت ہے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے بلا شک اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑا اجر ہے۔

نیز ارشاد ہے

وَمَا مِنْ خَافٍ مَقَامٍ بِهِ وَفَى النَّفْسَ عَنِ الْبُحَىٰ فَاِنْ  
الْجَنَّةُ هِيَ الْمَأْوَىٰ

اور لیکن جس نے اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے خوف کیا اور اس خوف  
کی وجہ سے، نفس کی خواہش کو روک لیا تو بیشک اس کا ٹھکانا جنت ہے۔

اور وَاسْتَعِينُوا بِالْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَيْءٍ مِنَ الدَّلْجَةِ كَمَا مَطَّلَبٌ ہو گا کہ ان  
اوقات سے مدد لو انکی نگہداشت رکھو تو جس چیز کا تم سے مطالبہ کیا گیا ہے اس میں تمہاری  
مدد کیا جائیگی اور تم اپنے رب کی رضا مندی سے کامیاب ہو جاؤ گے، تو کیا کوئی مستعد ہے؟  
جو مدد کے زمانہ کو پہلے اس سے کہ ہاتھ سے جاتا ہے غنیمت سمجھے اور اگر غنیمت نہ سمجھا  
تو پھر اسے نفس سے جو کچھ کوتاہی اس باب میں ہوگی اسکی تلافی نہ کر سکے گا۔ (قولہ الوجه الحادی  
عشر فی قولہ لا یجوز لنفسه علی ما شرط فیہ اقالہ)

ف نفسانی خواہشیں دو قسم پر ہیں ایک وہ جو شریعت سے موافق ہیں جیسے بقدر ضرورت  
کھانے پینے پہننے کی خواہشیں یا نکاح کی رغبت یہ تو حقوق نفس ہیں جن کا پورا کرنا ضروری  
ہے کیونکہ حدیث میں ہے اِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَیْكَ حَقًّا کہ تیرے نفس کا بھی تیرے اوپر  
کچھ حق ہے، دوسری وہ جو شریعت کی خلاف ورسی میں ان کا نام حظوظ نفس ہے اور اعمیٰ کو  
قرآن و حدیث میں ہوائے نفس سے تعبیر کیا گیا ہے، ان کا ترک کرنا ضروری ہے اور انہی  
کے ترک کا حکم ہے، پس حقوق نفس اور حظوظ نفس کو کسی محقق عالم سے دریافت کر کے  
حقوق کو ادا کرنا اور حظوظ کو ترک کرنا چاہیے۔ صوفیہ کرام نے جو مخالفت نفس کی  
تاکید کی ہے اس سے مخالفت حظوظ ہی مراد ہے نہ کہ مخالفت حقوق، خوب سمجھ لو  
اور یہاں سے معلوم ہوا کہ دین موصوف ہی سے آسان ہوتا ہے کیونکہ نفسانی  
خواہشیں پر قابو پانے سے جو طریقہ اسی سے معلوم ہوتا ہے اور شاخ طسریق کی  
تعلیم کا خلاصہ یہی ہے

## ۵۴۔ دولت اخلاص حاصل کرو کہ دین اسی سے آسان ہوتا ہے۔

ایک تفسیر یہ ہے کہ دین اس وقت آسان ہے جبکہ اللہ کیلئے خالص ہو، اللہ ہی کے واسطے، اللہ ہی کی وجہ سے (اس کو اختیار کیا گیا) ہو کہ انسان مولیٰ تعالیٰ شانہ کے حق کی تعظیم کیلئے عمل کرے اور کوئی غرض نہ ہو جب ایسا کرے گا تو دین اس پر آسان ہو جائے گا کیونکہ اس وقت یہ شخص طاعت میں عبادت پائے گا اور طاعات کی وجہ سے وہ اس پر تخفیف اور آسان ہو جائیگی، بلکہ اس کی غذا بن جائیگی (کہ اب بدن طاعت و عبادت کے چین ہی نہ آئیگا) پس وہ باطن میں فرشتہ اور ظہر میں انسان ہوگا، اسی لئے اہل سلوک میں سے بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اہل دنیا مسکین (اور قابلِ رحم) ہیں کہ دنیا چلے گئے اور اس کی راحت کا مزہ بھی نہ چکوا، کسی نے عرض کیا کہ دنیا کی راحت کیا ہے؟ فرمایا طاعات، اللہ تعالیٰ نے اخلاص کی طرف (بندوں کو) بلایا اور اس کی ترغیب دی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: ایاک نعبد و ایاک نستعین (کہ ہم تجھے ہیوں عرض کیا کرو کہ اے اللہ ہم صرف تیرے ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد چاہتے ہیں اور اخلاص اسی کا قونام ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کی جائے اور اسی کے واسطے اسی سے وجہ سے کھائے، پھر اللہ تعالیٰ نے زیادہ ترغیب کے لئے سرکعت میں اس کے پڑھنے کا حکم دیا تاکہ حال بن جائے اور جب اللہ تعالیٰ مددگار اور ہادی ہونگے تو رطف و عنایت کے ساتھ اس کو درجات عالیہ کی طرف اٹھالیں گے اور کرامت و احسان کا تاج پہنا دیں گے۔ اذنی یشاد المدین احمد الاغلیہ کا یہ مطلب ہوگا کہ جو شخص دین میں اپنے ہی نفس پر انحصار کرے اور اللہ تعالیٰ سے لگاؤ پیدا نہ کرے نہ اس سے مدد مانگے وہ دین کو دشوار طریق سے حاصل کرنا چاہتا ہے اور جو دشوار طریق سے دین کو لینا چاہے گا وہ دین سے ہار جائے گا کیونکہ اس پر نفس کے عبور نظر ہونگے اور ان سے نکلنے کا راستہ نہ ملے گا، پھر اس وقت دو حالتیں ہیں سے ایک کا سامنا ہوگا اور یہ (دونوں حالتیں ایسی ہیں کہ) ان میں سے ایک، بھی کسی کے اندر پائی جائے تو اس کی علامت ہلاکت کی ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے

لطف اور مکر سے کبھی کسی دسنگری فرمائیں (تو ادباً ہی) وہ دو حالتیں یہ ہیں  
 یا تو اپنی امید تک نہ پہنچنے کی وجہ سے یاس اور ناامیدی میں مبتلا ہوگا اور جب  
 اس صفت کے موصوف ہوگا تو اس پر ہلاکت کا سخت اندیشہ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے فرمایا ہے کہ کنس معجلاً عقوبۃ لعللہا  
 علی الھانظین مت رحمۃ (اگر میں جلدی سزا دیا کرتا تو اپنی رحمت سے ناامید  
 ہونیوالوں پر جلد غلاب بھیجتا، اور یا جس حال میں اس وقت ہے اسی پر راضی ہوگا  
 اسی پر جاہل ہوگا اور اس حالت میں خطبہ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں دنیا  
 اصبرھم علی النار کہ یہ لوگ دفعہ پر کیسے دلیر ہیں، مفسرین نے اسکی تفسیر میں  
 فرمایا ہے کہ یہ لوگ اُن اعمال پر جو جہنم میں پہنچا دیئے ہیں بڑے دلیر ہیں تو حقیقت  
 جہنم پر دلیر ہیں۔ اور یہ ایسا ہے جیسا حق تعالیٰ نے فرمایا ہے ان الذین یا کلون  
 اموال الیتامی ظلماً انما یا کلون فی بطونھم ناراً کہ جو لوگ یتیموں کا مال ناحق  
 کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ ہی بھرتے ہیں (اور کچھ نہیں) حالانکہ مشاہدہ یہ ہے کہ  
 وہ تو مزید رکھنا کھاتے ہیں مگر جب اس کا انجام جہنم میں پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے  
 اس کھانے کو ہی آگ بتلایا، اس کے بعد فسد و اوقار لول کا یہ مطلب ہے کہ اپنی نفسانی اور  
 ذاتی حالت کو درست رکھو اور ہر وقت اللہ تعالیٰ سے لگاؤ رکھو اپنے تمام معاملات میں  
 اسی سے مدد مانگو، اگر یہ درجہ درست حال کا حاصل نہ کر سکو تو اس کے قریب ہی کا درجہ  
 حاصل کر لو اور اس درجہ تک پہنچنے کیلئے دیباخت و مجاہدہ اختیار کرو، اور لمبی ملت  
 ملنے سے دھوکہ نہ کھانا (کہ ابھی تو بہت عمر باقی ہے اخیر وقت میں دین دار بن جائیں گے)  
 کہیں تم سے آخرت میں یوں نہ کہا جائے اولم نعمدکم مایتذکر فیہ من تذکر  
 (وجاہکم الذبیر) کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی جس میں معینے والا سمجھ سکتا تھا  
 (اور تمہارے پاس ڈرنا والا بھی پہنچ چکا تھا)

اس کے بعد بالبشریٰ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم  
 کر لیا اور اس کے آگے گردن جھکا دی تو خوشخبری حاصل کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کو اپنی امید

کے موافق (مہربان و کارسان) پاؤ گے اور کیوں نہ ہو جبکہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی انشاء فرماتے ہیں انا عند ظن عبدی جی میں اپنے بند کے گمان کیساتھ ہوں جیسا گمان بھی وہ میرے ساتھ رکھے اور واستغینا بالندوة والروحۃ وشیء من الدجۃ کا مطلب ہے کہ ان خاص اوقات سے مدد لو ان میں عمل کرنے اور مولیٰ کے دروازہ پر کھڑے ہونے کو غنیمت سمجھو، تمہارے مدد کی جائیگی اور دشوار کا آسان ہو جائے گا۔

اور جو شخص اس طریقہ پر عمل کرے گا اس کو پہلی بشارت سے زیادہ دوسری بشارت حاصل ہوگی کیونکہ اعانت خود ایک بشارت ہے، اور ایک بشارت پہلے دی جا چکی ہے، غرض یہاں چند بشارتیں ہیں اور خیر و شیر والا صحابہ اور جس کو طلب کیا جا رہا ہے وہ غنی و کمیر ہے کہ نیک کام کوئی والوں کی کوشش قبول فرماتا اور دے کام کر نیوالوں سے درگزر کرتا ہے تو کیا کوئی سچا شخص؟ اور اس جیسی ہی بشارت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اشارۃ مذکور ہے

الحد تزکیف فعل ربک یا صحاب الفیل ۰ الہم یجعل کیدہم

فی تضلیل ۰ وارسل علیہم طیرا ابابیل ۰ ترمیہم بحجارة من

سجیل ۰ فجعلہم کعصف ما کول ۰

”اے انسان، کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے باغی والوں کیساتھ کیا کیا؟ کیا انکی تدبیر کو غلٹ نہیں کر دیا؟ کہ ان پر پرندوں کی جماعتوں کو مسلط کیا جو کچی مٹی کی پتھریاں ان پر برسار ہی تھیں پھر ان کو ایسا کر دیا جیسا کھایا ہوا بھوسہ“ جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں

ایک خلیفہ بنائوں گا، اس پر فرشتوں نے کہا کیا آپ زمین میں ایسے کو خلیفہ بنائیں گے جو اس میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا، تو حق تعالیٰ اُن سے ناراض ہو گئے پس فرشتے (اللہ کے غضب سے) گھبر گئے اور انہوں نے سات دفعہ عرش کا طواف کیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی مغفرت فرمادی اور خطا معاف کر دی، پھر فرمایا کہ زمین میں ایک گمہ بناؤ جسکے گرد گنگار انسان سات دفعہ طواف کیا کریں گے چنانچہ نے عرش کا طواف



کیا تو میں ان کی مغفرت کر دیا کروں گا اور ان پر رحم کروں گا جیسا تم پر کیا۔ فرشتوں نے اس حکم کی تعمیل کی (اور مکہ میں خانہ کعبہ فرشتوں کے ہاتھوں تیار ہو گیا) پھر جب طوفان آیا تو اسکو اٹھایا گیا اور بنیاد باقی رہ گئی، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو تمیز بیت اللہ کا حکم دیا اور فرمایا کہ لوگوں کو (اس کا حج کئے کیلئے) بلاؤ، آواز دینا تمہارا کام ہے اور آواز کا پہنچانا سہارا کام۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس حکم کی تعمیل کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی آواز تمام آدمیوں کو پہنچا دی جن کے متعلق علم الہی میں حج مقدس ہو چکا تھا (انہوں نے اس آواز پر لبیک کہی) خواہ ماؤں کے رحم میں تھے یا باپوں کی پشت میں، پھر جب باقی والے (ابراہیم گورنر حبشہ) نے جو اس وقت شاہ حبشہ کی طرف سے یمن پر متعین تھا، اس گھر کے گرانے کا ارادہ کیا جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی مغفرت و رحمت کا سبب بنایا تھا اور یوں چاہا کہ لوگوں کو بیت اللہ سے ہٹا کر اس گھر کے حج پر مائل کرے جو اس نے بنایا تھا اور (بیت اللہ کے گرانے کو بڑا لشکر ساتھ لیکر مکہ کی طرف بڑھا) اس کا لشکر بڑا زبردست تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ وہ کیا جو اس سور میں مذکور ہے جسکی تفسیر میں علماء نے لکھا ہے جس وقت حد حرم میں ہاتھیوں نے قدم رکھا اگلے نہ بڑھ سکے اور خائفانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے زمین پر اور ہر لشکر والے ہاتھیوں کو مار مار کر اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے اور ہر سمندر کی طرف سے ہڈی دل جانور اپنی چونچوں اور پنجوں میں کنکریاں لیکر پہنچ گئے اور لشکر پر برسانا شروع کر دیں جسکے کنکری لگی فوراً ہلاک ہوا اور بدن نیلا پڑ گیا تمام لشکر میں صدمہ ایک آدمی زندہ بچا جس نے اپنے گھوڑے کو سٹیر دوڑا کر مین کا رخ کیا وہاں پہنچ کر اس نے خبر دی اور اسی وقت ایک جانور نے اسکو بھی کنکری مار کر ہلاک کر دیا (۱۲)

اس خبر کے دینے کا نتیجہ اور فائدہ یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت و رحمت اور مخلوق پر ان کے لطف و کرم کو معلوم کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس قصہ کے ضمن میں (بطور اشارہ کے) یوں فرمایا ہے ہاں کہ لے گئے گارہ مؤمن! میری قدرت کا نشان دیکھو! کہ جس شخص نے میری رحمت کا اثر تجھ سے قطع کرنا چاہا تھا میں نے اس کو کیونکر برباد کیا؟ باوجودیکہ تو میری

ساتھ کشتی سے پیش آنا اور میری نعمتوں سے نافرمانیوں میں مدلیتا ہے، دیکھ !  
 میں اس حالت میں تیسرے ساتھ کیسا ہوا اور سمجھ ! کہ اگر تو میری طرف متوجہ ہو اور  
 میرا حکام کو سجالانے لگے، میری کتاب کا اتباع کئے، میری نبی کی سنت پر چلے تو  
 پھر میں تیسرے ساتھ کیسا ہوں گا۔ کیا اس وقت جبکہ تو اپنے کو میرے حوالے کرے  
 گا کوئی تجھے مرنے پہنچا سکتا یا کوئی مصیبت تجھ پر ڈال سکتا ہے، یا میں تیرے کو مدد چھوڑ  
 سکتا یا تجھے دوسروں کا محتاج کر سکتا ہوں، (ہرگز نہیں)

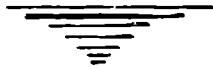
تو میری طرف متوجہ ہو، مجھے اپنے اد پر مہربان، اپنے حال پر کرم فرما، اپنا حاکم  
 اور مددگار بنے گا۔ کیا تو نے میرا یہ خطاب نہیں سنا

وكان حقا علينا ذم البهني مومنون کی مدد کرنا ہمارا ذمہ پر حق ہے

پس مجھ سے مدد مانگ میں تیسرے مدد کروں گا، میری طرف تفرغ و زاری کر میں  
 تجھ پر رحم کروں گا۔ میں تجھ سے زیادہ تجھ پر مہربان اور تجھ سے زیادہ تیری مدد پر  
 قادر ہوں جس نے اس شدت میں غور کیا اور اسکو سمجھ لیا اور اس کے موافق  
 عمل کیا اس نے اس کو سچ اور برحق ہی پایا چنانچہ میں نے ایک درویش کو دیکھا جن  
 کی عمر سو برس سادہ برحق وہ فرماتے تھے کہ جبے میں نے اپنے شیخ کو دیکھا ہے کسی سے  
 کوئی حاجت طلب نہیں کی، لوگوں نے اسکی حقیقت دریافت کی تو فرمایا کہ میرے شیخ  
 نے مجھے ایک وصیت کی تھی کہ اپنی حاجت کو اپنے ہاتھ میں رکھنا، پس جب میں  
 کسی حاجت کا ارادہ کرتا ہوں دعا سمیٹنے لے ہاتھ پھیلا دیتا ہوں اور اللہ سے اس  
 کو مانگتا ہوں، اگر وہ میرے حق میں بہتر ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو پورا کر دیتے ہیں  
 اور بہتر نہیں ہوتی تو مجھ سے دور کر دیتے ہیں۔ (قوله الوجه الثاني عشالي  
 قوله وان كان البعد ها عني)

فے اس مقام سے اُن لوگوں کو سبق لینا چاہیے جو تصوف کے منکر ہیں وہ خوب  
 سمجھ لیں کہ دین اخلاص سے آسان ہوتا ہے اور تجربہ شاید ہے کہ دولت اخلاص صوفیہ  
 ہی کی صحبت سے حاصل ہوتی ہے بلکہ تصوف حصول اخلاص ہی کا نام ہے اسی کو نسبت لیلان

کہتے ہیں اور اسی کے واسطے اہل سلوک اذکار و اشغال و مراقبات کرتے ہیں ۔  
 فے شیخ نے الدین یسیر کی جتنی تفسیریں اس مقام پر بیان فرمائی  
 ہیں حدیث میں ان کا مجموعہ بھی ملاد ہو سکتا ہے ، چنانچہ شیخ نے خود اس احتمال کو  
 ظاہر فرمایا ہے پس دین اس شخص کو آسان ہے جس کو یہ باتیں حاصل ہوں جو بارہ  
 تفسیریں میں اوپر مذکور ہوئی ہیں مگر افسوس ہے کہ لوگ اسباب سہولت کو تو اختیار نہیں  
 کرتے اور خواہ مخواہ دین کو دشوار سمجھتے ہیں ، ان کو یاد رکھنا چاہیے کہ ہر کام کی سہولت کے  
 کچھ اسباب ہوتے ہیں اگر ان اسباب کو اختیار نہ کیا جائے تو دنیا کا کوئی کام بھی آسان  
 نہیں ہو سکتا اسی طرح سہولت دین کے بھی اسباب ہیں جو اس معتم پر مذکور  
 ہیں ان کو اختیار کیا جائے اس کے بعد فیصلہ کیا جائے کہ دین آسان ہے یا نہیں ،



## حیث

## وفد عبدالقیس

ابن عباس رضی اللہ عنہما ہے روایت ہے کہ قبیلہ عبد القیس کا وفد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا یہ کس قوم کے آدمی ہیں یا فرمایا یہ وفد کون لوگ ہیں؟ انہوں نے عرض کیا (خاندان) ربیعہ کے افراد ہیں، فرمایا اس قوم یا اس وفد کو مرحبا ہے کہ نہ ذلیل مجھے نہ پشیمان (کیونکہ یہ لوگ خود بخود اسلام لے آئے تھے لشکر اسلام کو ان پر جہاد کی نوبت نہیں آئی) انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم لوگ آپ کے پاس ہجرت اس ماہ محرم (رجب) کے اور کسی وقت نہیں آسکتے، ہمارے اور آپ کے درمیان یہ قبیلہ یعنی خاندان قریش کے کفار (حائل) ہیں اس لئے ہم کو کوئی (اسی جامع اور) فیصلہ کن بات بتلا دیجئے جس سے ہم دوسروں کو بھی مطلع کر دیں اور اس کی وجہ سے جنت میں پہنچ جائیں، ان لوگوں نے بیٹے کی چیزوں کو بھی دریافت کیا تھا، تو حضور نے ان کو چار باتوں کا حکم دیا اور چار چیزوں سے منع فرمایا (سب سے پہلے) اُن کو اللہ و حرفہ پر ایمان لانے کا حکم دیا، اور فرمایا جانتے ہو کہ اللہ و حرفہ پر ایمان لانا کیا ہے؟

انہوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی بنیادہ جانتے ہیں، فرمایا (اللہ و حرفہ پر ایمان لانا) اس بات کی گواہی دینا (ہے) کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں

اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، اور نماز کی پابندی کرنا، زکوٰۃ دینا اور رمضان کے روزے رکھنا، اور (اس بات کا بھی حکم دیتا ہوں کہ) غنیمت کا پانچواں حصہ (بیت المال کو) دیا کرنا، اور اُن کو چار چیزوں سے منع فرمایا (ایک) زبردنگ کی مٹکی (دوسرے) کدو کا برتن (تیسرے) کھجور کی کھدی ہوئی لکڑی کا برتن (چوتھے) وہ برتن جس پر روغن زفت ملا گیا ہو اور کبھی مادی نے یہ کہا کہ جس پر روغن قار ملا گیا ہو یعنی اُن چیزوں سے منع فرمایا جو ان برتنوں میں پی جاتی ہیں) اور فرمایا کہ ان کو محفوظ کر لو اور ان لوگوں کو بھی اطلاع کر دو جو تمہارے پیچھے ہیں۔

## شرح

حدیث کی ولالت اس بات پر ظاہر ہے کہ جن چار باتوں کا حکم دیا گیا وہ واجب ہیں اور جن چار چیزوں سے منع کیا گیا اُن کا ترک ضروری ہے، نیز ان باتوں کے محفوظ کرنے اور ان کی تبلیغ کرنے کی ترغیب بھی دی ہے۔

۵۸۔ (اینوالے کا نام) اور شخصیت دریافت کرنا سنت ہے، حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ جس کا ارادہ کرے کوئی اچھے تو سنت یہ ہے کہ وہ اینوالے کی شخصیت دریافت کرے تاکہ اس کو پہچان لے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلے کے آدمیوں جب وہ آپ کے پاس حاضر ہوئے دریافت کیا تھا (کہ یکس قوم کے آدمی ہیں) یہاں تک کہ آپ نے اُن کو پہچان لیا (قرنہ فیہ دلیل علی ان من السنۃ سوال المقصود الی قولہ حتی عرفھا)

فہ محققین صوفیہ کا عمل اس حشر کے موافق ہے مگر آج کل کچھ ایسا مذاق بدلا ہے کہ اس قسم کے سوالات سے لوگوں کو وحشت ہوتی ہے اور سوال کرنے والے کی شکایت کرتے ہیں کہ ہم کو اجنبی سمجھا، ان لوگوں کو جان لینا چاہیے کہ آنے والے کی شخصیت دریافت کرنا سنت ہے اور اس سے متوحش ہونا سراسر عجیبیت ہے۔

۵۹۔ ہر شخص کو اس کے درجہ پر رکھو  
 حشر سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ ہر شخص کو اس کے مرتبہ پر رکھنا چاہیے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سوال اسی غرض سے تھا کہ گنہگار کی شخصیت معلوم کر کے اس کے ساتھ اس کے درجہ کے موافق سلوک کیا جائے۔ ایک دوسری حیثیت میں حضور نے اس مضمون کو صاف طور سے ارشاد فرمایا ہے

انزلوا الناس علی منازلہم

کہ لوگوں کو اُن کے درجہ پر رکھو

حضور نے جس بات کو اس حدیث میں قولاً بیان فرمایا ہے اس کو اس حدیث میں جسکی ہم شریعہ کے مطابق عملاً ظاہر کر دیا اور جب انسان آئینہ کو پہچانے گا نہیں تو نا ممکن ہے کہ اسکی ساتھ اس کے درجہ کے موافق برتاؤ کر سکے (اور پہچاننے کی صورت یہی ہے کہ اس سے اسکی شخصیت دریافت کی جائے) اسی لئے (حضرات) خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس جب کوئی مسجد میں بیٹھا تو وہ اس سے دریافت کیا کرتے تھے کہ تمہارا پاس قرآن کا کتنا حصہ ہے، یعنی کتنا قرآن یاد ہے۔ اسکی وجہ صرف یہی تھی کہ ہر شخص سے اس کے درجہ کے موافق برتاؤ کیا جائے، کیونکہ اُن کے نزدیک فضیلت کا معیار یہی تھا کہ قرآن کا جتنا حصہ کسی کو یاد ہو (اسی قدر فضیلت حاصل ہوگی) الوجه الثالث قوله فی ہذا من الفقہ ان ینزل کل انسان منزلتہ الی قوله بحسب ما یکون عندہم من القرآن۔

فہ کیا آجکل کے مسلمان اس سے سبق لیں گے؟ کہ حضرت اصحاب کے نزدیک فضیلت کا معیار کیا تھا اور آجکل مسلمانوں کے نزدیک معیار فضیلت کیا رہ گیا ہے؟ افسوس آجکل تو بعض نام کے مسلمان قرآن کی تعلیم اور اس کے حفظ کو بیکار ہی سمجھنے لگے، اُن کے دل میں اہل قرآن کی عظمت کیا خاک ہوئی اُن کو ذلیل سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک تو معیار فضیلت دو پیہ پیسہ ہے جو بڑا مالدار ہے وہ معزز ہے، جو مال میں کم ہے وہ ذلیل ہے، ان کو سمجھ لینا چاہیے

کہ حضرت اصحابہ و سلف صالحین نے کتاب الہی کی عظمت کی تھی تو خدا نے بھی ان کو وہ عظمت دی جس کی نظیر زمانہ کی آنکھوں نے کبھی نہ دیکھی تھی، جب مسلمانوں نے کتاب الہی کی عظمت اپنے دلوں سے کم کر دی خدا نے بھی ان کی عزت و عظمت لوگوں کے دلوں سے کم کر دی۔

فاعتبروا یا اولی الابصار =

تو اگر مسلمان اپنے بھلے دن چلتے ہیں تو کتاب اللہ کی عظمت کریں۔

۶۰۔ حضور کا وفد کو مرحبا کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ آنیوالوں کو مانوس کرنا چاہیے مگر مانوس کرنے کیلئے ایسی ہی بات کہی جائے جو متکلم کی حالت کے مطابق ہو، تاکہ آنے والے کو میزبان سے کسی ایسی چیز کی قطع نہ ہو جو اس کی قدرت سے باہر ہے۔ چنانچہ حضور نے ان آنے والوں سے ایسی ہی بات فرمائی جو آپ کے پاس ظاہراً باطناً ہر طرح موجود تھی، یعنی مکان و اظلام کی وسعت، (قولہ الموجب السادس قولہ صلے اللہ علیہ وسلم مرحبا بالقرمزاد بالوفد الخ قولہ حسا و معنی)

۶۱۔ اس ادب پر حضرات صوفیہ کا عمل سب سے زیادہ ہے وہ آنے والے کو مانوس بھی کرتے ہیں اور اپنی وسعت کے مطابق مانوس کرتے ہیں۔

۶۱۔ اللہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ اسی سے حسن حال نصیب ہوتا ہے

حضور کا یہ ارشاد غیر خزیایا دلائی کی یہ لوگ نہ رسوا ہوئے نہ پشیمان اس میں ان لوگوں کو بشارت تھی کہ اس وقت بھی ان کے سب مقاصد پورے ہوئے اور آئندہ بھی مسرت اور خوشی حاصل ہوگی، کیونکہ ندامت اور پشیمانی زیادہ تر آخر میں ہوتی ہے، ابتداء میں تو کسی کام کی رغبت کی وجہ سے اُن چیزوں کا فائدہ نظر سے غفلت رہتا ہے جو اس کی وجہ سے چھوٹ گئی ہیں جب کام پورا ہو جاتا ہے اس وقت ان چیزوں پر نظر ہوتی ہے جو اس کی وجہ سے فوت ہو گئی تھیں اب یا ندامت ہوتی ہے (اگر وقت شدہ فائدہ قیمتی نظر آیا یا خوشی ہوتی ہے) (اگر حاصل شدہ فائدہ زیادہ ہوا) تو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو خیر عاجل اور خیر آجمل دونوں کی اطلاع دیدی کہ اُن کو بھلائی اور خوشی ہمیشہ حاصل رہے گی، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی واسطے کوئی کام کرتا ہے اس کو اسبطر ح ہمیشہ خوشی اور فراخی حاصل ہوتی ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

مَنْ تَرَكَ شَيْئًا لِلَّهِ عَوَضَهُ اللَّهُ خَيْرًا مِنْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ،

جو شخص اللہ کے واسطے کسی چیز کو چھوڑتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عوض میں اس سے بہتر چیز ایسی جگہ سے عطا فرماتے ہیں جہاں اس کا گمان بھی نہ جاسکتا تھا ۔

پس جو کوئی کسی ایک جہت کو اللہ کی واسطے چھوڑتا ہے وہ اس کے عوض دوسری جہت کا ارادہ کرتا ہے اور اللہ کا تو خوبصورت وعدہ ہی بڑی دولت ہے۔ اسمیں کبھی ناکامی کا سامنا نہیں ہوتا۔ ندامت اور رنج و ناکامی کا سامنا تو اسی پہلو میں ہوتا ہے جو اللہ کی جہت کے سوا ہو ،

اور اس میں اہل تصوف کے اس عمل کی دلیل ہے کہ وہ اللہ کے سوا سب کو چھوڑ کر اللہ ہی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں کیونکہ اسی سے حسنِ حال نصیب ہوتا ہے اس وقت بھی اور آئندہ بھی (دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی)

۶۲۔ جب کسی حق واجب انسان عاجز ہو تو اس کو اپنے عجز کا سبب بتلانا چاہیے

وفدا کا یہ قول کہ ہمارے اور آپ کے درمیان یہ قبیلہ یعنی کفار قریش حائل ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ انسان جب کسی حق واجب یا مستحب کے ادا کرنے سے عاجز ہو تو اسکی وجہ بتلانا چاہیے چنانچہ ان لوگوں نے اپنا عذر ظاہر کر دیا جسکی وجہ سے وہ حضور کے پاس (جلد جلد) نہیں آسکتے تھے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ لوگ مومن تھے کیونکہ انہوں نے قریش کو کافر کہا، اگر یہ خود مومن نہ ہوتے تو ان کا کفر نہ کہتے (تو اللہ جل جلالہ عشر الی قولہ لما سمواکم کفاراً)



۶۳۔ توفیق کا مدار محض تقدیر پر ہے اس میں اس بات کی بھی دلیل

تقدیر پر ہے جمیں قسطنطین اور قرب مکان وقتہ زمان کو دخل نہیں چنانچہ قبیلہ مضر (فاندن قریش حضور سے) زیادہ قریب تھے وہ تو مدت تک ایمان سے محروم رہے اور تبعہ دفع تھے وہ (جلدی) کامیاب ہو گئے اسی لئے جوڑی رحمتہ اللہ علیہ فرمایا ہے کہ اگر کامیابی مقرر شکل سے ہوا کرتی تو بلال حبشی سعادت سے بہرہ ور اور ابولہب قرشی محروم نہ ہوتا (قوله الوجه التاسع عشر في دليل على ان القدره تخصيصة بالقدرة الى قوله وحرر ابولہب القرشي)

۴۔ یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو اسی بات پر تنازعہ کئے جاتے ہیں کہ ہم بزرگوں کی اولاد میں ہیں اور اُنکے طریقہ پر نہیں چلتے اُن کو سمجھ لینا چاہیے کہ کامیابی کا مدار نسب اور فاندن پر نہیں ہے بلکہ ایمان و اعمال صالحہ پر ہے جس کو یہ دولت عطا ہو جائے وہی کامیاب ہے اور اسمیں شک نہیں کہ اہل نسب کو یہ دولت عطا ہو جائے تو وہ دوسروں سے زیادہ کامیاب جاتے ہیں چنانچہ قریش میں سے جن حضرات کو یہ دولت عطا ہوئی اُن کا درجہ دوسروں سے بڑھ گیا حضرات خلفاء راشدین و عشرہ مبشرہ قریش ہی میں سے تھے۔

۶۴۔ عمل ہی دخول جنت کا سبب حدیث میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ دخول جنت

کا سبب اعمال ہی ہیں اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا معارض نہ سمجھا جائے لَنْ يَدْخُلَ أَحَدٌ الْجَنَّةَ قَالُوا إِلَّا أَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ لَا اِنَّا لَا اَنْ يَتَغَمَّدَنِي اللَّهُ بِفَضْلٍ وَرَحْمَةٍ كَمَا جُنْتُ مِنْ لَيْسَ مِنْ كَوْنِي دَاخِلًا نَهْ هُوَ كَا، لُوكُوْنِ لَ عَرَضَ كَمَا يَارَسُوْلُ اللّٰه! اُوْر اُپْ بھي نھيں ۽ فرمایا میں بھی نہیں، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے فضل و رحمت میں لے لے“ دونوں حدیثوں میں کوئی منافات اور تعارض نہیں، وجہ تطبیق یہ ہے کہ جس حدیث کی ہم شرح کر رہے ہیں اس کے مخاطب عوام ہیں کیونکہ حکمت کا مقصد ہی یہی ہے کہ ہر چیز کیلئے ظاہر میں کوئی سبب ہو اور اللہ تعالیٰ کی



کہ عمل کو دخول جنت میں ویسا ہی دخل ہے جیسا اسباب کو مسببات میں دخل ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ سبب مسبب کے لئے علت تامہ نہیں ہوتا بلکہ علت تامہ حق تعالیٰ کا ارادہ اور مشیت ہے، مگر عادۃ اللہ یہ ہے کہ بندہ جب اسباب کو اختیار کرتا ہے اسی وقت مسبب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ارادہ متعلق ہوتا ہے کیونکہ دنیا دار الامتحان ہے یہاں بعض حکمتوں کی وجہ سے بلا واسطہ اسباب کے ارادہ حق کا تعلق نہیں ہوتا وہاں کبھی بطور خرق عادت کے ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ مسبب بدون سبب کے پیدا ہو جائے جس سے لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ سبب خود مؤثر نہیں بلکہ ارادہ حق مؤثر ہے مگر خرق عادت کا ظہور شاذ و نادر ہے، عام قاعدہ یہی ہے کہ سبب کے بعد مسبب کے ساتھ ارادہ حق کا تعلق ہوتا ہے، مثلاً زراعت سے غلہ پیدا ہونا، کاشت سے اولاد کا ہونا، تجارت سے سرمایہ کو ترقی ہونا، دوا دار سے مرض کو شفا ہونا، کھانے پینے سے بھوک پیاس کا زائل ہونا وغیرہ وغیرہ یہ اسباب و مسببات کا ایک سلسلہ ہے جو عموماً اسبطر حیل چل رہا ہے کہ اسباب کے بعد مسبب کا ظہور ہوتا ہے مگر تجسس اور عقل شاید ہے کہ یہ اسباب خود مؤثر نہیں ہیں بلکہ مؤثر حقیقی مشیت خداوندی ہے کیونکہ اسباب خود مؤثر ہوتے تو مسببات کا کبھی ان سے تخلف نہ ہوتا حالانکہ بعض دفعہ تخلف بھی ہو جاتا ہے، لیکن اس پر بھی ان اسباب کو بیکار کوئی نہیں سمجھتا کیونکہ تخلف شاذ و نادر ہے اسی طرح سمجھو کہ دخول جنت کیلئے علت تامہ تو حق تعالیٰ کا ارادہ ہے مگر سبب ظاہری بندہ کا عمل ہے اور جیسا دنیا میں کبھی مسبب بدون سبب کے ہو جاتا اور سبب کا تخلف ہو جاتا ہے اسبطر حیل ممکن ہے کہ کوئی بدن عمل کے جنت میں پہنچ جائے اور کوئی عمل کے بعد بھی نہ پہنچے کیونکہ علت مؤثرہ خود عمل نہیں بلکہ فضل ہے مگر اس حقیقت پر نظر کر کے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ عمل کی ضرورت نہیں یا وہ بیکار ہے کیونکہ عام قاعدہ اور عادت مستقرہ یہی ہے کہ بندہ عمل کے بعد ہی جنت میں جاتا ہے جیسا کہ اسباب و مسببات کے سلسلہ میں عادۃ اللہ اسبطر حیل ہے پس جس شخص نے حقیقت کیساتھ اس حکمت کو بھی سمجھ لیا ہے جسکی وجہ سے مسببات کو اسباب کے ساتھ متعلق کیا گیا ہے، وہ نہ عمل کو بیکار سمجھتا ہے نہ اپنے عمل پر ناز کرتا ہے یہ تو کلام شائع کی توجیہ

اور توضیح تھی، مگر سہل بات یہ ہے کہ حقیقت کے اعتبار سے دخول جنت کا سبب وہ عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہو اور اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق کوئی بھی عمل نہیں کر سکتا اس لئے جنت میں اپنے عمل سے کوئی نہیں جاسکتا اور فضل و کرم کا قانون یہ ہے کہ بندہ اپنی شان کے لائق عمل کوئے تو جنت میں پہنچ جائیگا اسلئے ہر شخص محض فضل خداوندی سے جنت میں جائے گا خوب سمجھ لو ۱۲

## ۶۵۔ شخص کو وہی بات بتلائی جائے جو اس وقت اس کے واجب ہے،

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر شخص کو وہی بات بتلائی جائے جو اس وقت اس پر واجب ہے، اس کے سوا کسی اور کا بتلانا ضروری نہیں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو وہی باتیں بتلائی جو اس وقت اُن پر واجب تھیں اُن کے علاوہ کچھ نہیں بیان فرمایا (چونکہ یہ لوگ اہل جہاد تھے اس لئے غنیمت کا تحس یعنی پانچواں حصہ بیت المال کو ادا کرنے کی تاکید فرمائی اور حج اُن کے ذمہ نہ تھا کیونکہ کھاد و قریش درمیان میں حائل تھے اس لئے حج کا ذکر نہیں فرمایا) اگرچہ بعد میں وہ اُن کے ذمہ لازم ہوگا، اسی لئے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ حدیث طلب العلم فرض علی کل مسلم (علم کا طلب کرنا ہر مسلمان کے ذمہ فرض ہے) کا مطلب یہ ہے کہ جو کلام اس وقت اس کے ذمہ ضروری ہے اس کا علم حاصل کرنا فرض ہے (قولہ الوجه السادس والثلاثون فی هذا دلیل علی ان یخبر کل انسان بما هو واجب علیہ الی قولہ تعلم ما هو واجب علیہ فی وقتہ)

فے یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو علم ہی کو مقصود سمجھتے ہیں عمل کا اہتمام نہیں کرتے حالانکہ اصل مقصود عمل ہے اور اسی واسطے علم فرض ہے کہ عمل کا وسیلہ ہے کہ عمل پُر ن علم کے نہیں ہو سکتا ۱۱

۶۶۔ فرائض کا اہتمام سب سے پہلے کرنا چاہیے اور فرائض میں اہم کو مقدم

کھینچنا۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اول فرائض کا اہتمام کرنا چاہیے اور فرائض میں سے بھی اول اُن کا جو زیادہ ضروری اور ٹوکدیں پھر اُن کا جو اُن کے بعد ہیں کیونکہ فرائض بہت ہیں جیسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وغیرہ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان فرائض کو جو اس حدیث میں مذکور ہیں دوسرے فرائض پر فضیلت دی ہے اور جس کو دو ورنہ پر فضیلت دی جائے اس کا اہتمام زیادہ ضروری ہے اگرچہ فی نفسہ سب کا اہتمام ہی واجب ہے۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فروع کا درجہ اصول کے بعد کا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے ایمان کو بیان فرمایا حالانکہ مخاطب پہلے سے مؤمن تھے اس کے بعد اعمال کو بیان فرمایا ہے جس سے یہ بتلانا مقصود تھا کہ بڑن ایمان کے اعمال معتبر نہیں ہوتے۔

قوله الوجه التاسع والثلاثون في هذا دليل على انه يبدأ اولاً بفرائض الى قوله مع ان المحافظة على الكل واجبة

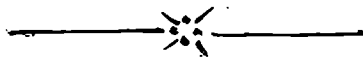
فے۔ یہ ایک بڑا باب ہے تصوف کا جو اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سب سے پہلے اہم و اقدم کا اہتمام کیا جائے اور فرائض کو واجبات پر اصول کو فروع پر واجبات کو مستحبات و نوافل پر مقدم کرنا چاہیے آج کل بہت لوگ اس سے غافل ہیں۔

۶۷۔ علم دیگر اعمال سے افضل ہے۔ حدیث سے علم کی فضیلت بھی دو ستر احکام و اصول علم ہی کے ذریعہ معلوم ہو سکتے ہیں ان کے نہ جاننے ہی سے عمل میں خلل واقع ہوتا ہے اور جب عمل میں خلل ہو یا اس کو چھوڑ دیا جائے تو دخول جنت سے محرومی ہوگی اور ہلاکت (کاسمانا ہوگا) اللہ ہم کو اس سے بچائے، نیز حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن و حدیث کا علم تمام علوم سے افضل ہے کیونکہ اس قسم کی باتیں کتاب سنت ہی سے معلوم ہوتی ہیں۔ اور دہی علم قطعی ہے اسی کے ذریعہ خلاعی ہوتی ہے۔

فے افسوس ہے کہ آجکل اہل تصوف نے بھی علم کتاب سنت کیساتھ بے اعتنائی کر رکھی ہے تم دیکھو گے کہ بہت لوگ تصوف کے مدعی ہیں مگر قرآن و سنت سے جاہل ہیں  
فالی اللہ المشتکی

۶۸۔ حفاظتِ علمِ ضروری ہے اسکی وصیت کرنا چاہیے حضور کا  
کہ ان باتوں کو یاد کر لادرو دوسروں کو بھی ان سے خبردار کر دو، اس بات کی دلیل ہے  
کہ علم کا یاد کرنا ضروری ہے اور اسکی وصیت کرنا چاہیے نیز اسمیں علم کے پھیلانے اور بیان  
کرنے کی بھی ترغیب ہے، اور اس بات کی بھی دلیل ہے کہ علم میں نیابت جائز ہے (یعنی  
احکام شرعیہ پہنچانے کیلئے عالم کسی کو اپنا نائب بنا سکتا ہے۔ قولہ الوجه الاستماع  
والا ربوعون قولہ علیہ السلام احفظوہم الخ قولہ جواز النیابۃ  
فی العلم)

فے اس سے بعض حضرات صوفیہ کے اس عمل کی اصل معلوم ہوئی جو اپنے ملفوظات  
ومواعظ کے ضبط کا اہتمام فرماتے ہیں کیونکہ ان کے اقوال کتاب سنت کے موافق اور  
اسی کی تشریح کر نیوالے ہوتے ہیں۔



## حیث

## احساب النفقة علی الہل

(عبداللہ) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مرد اپنے گھر والوں کو ثواب کی نیت سے نان و نفقہ دے تو وہ اس کے لئے صدقہ اور موجب ثواب ہوگا۔

شرح حدیث کا مدلول ظاہری تو یہ ہے کہ ثواب مجبہ کر خرچ کرنا صدقہ ہے اب ہم دو کفر فائدہ پر کلام کرتے ہیں (جو بطور اشارہ کے مفہوم بنتے ہیں)

## ۶۹۔ عمل کا درجہ حسن نیت سے بلند ہو جاتا ہے،

حدیث سے معلوم ہوا کہ ثواب کی نیت کر کے عمل کرنے سے عمل کا درجہ بڑھ جاتا ہے اور ثواب زیادہ ہوتا ہے، اسمیں صوفیہ کے اس طریقہ کی دلیل ہے کہ وہ اچھی نیت کر کے اپنے افعال کا دہرہ بڑھانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، خواہ فرض و واجب ہو یا مستحب، چنانچہ فرض و واجب میں تو ایمان و احتساب کو شامل کر لیتے ہیں، یعنی عمل سے پہلے دل میں یہ بات حاضر کر لیتے ہیں کہ ہمیں اس کام کے فرض و واجب پہنچنے کا یقین اور اس پر ایمان ہے پھر ثواب کی نیت کو بھی اس میں

شامل کر لیتے ہیں) اور مستحب میں اس سے بھی زیادہ اہتمام کرتے ہیں کہ پہلے اس کی نذر کر لیتے ہیں تاکہ مستحب کے درجہ سے بڑھ کر ان کے ذمہ واجب ہو جائے اور وجوب کے بعد اس میں ایمان اور نیت ثواب کو شامل کر لیتے ہیں اور مباح کو اس نیت سے اختیار کرتے ہیں کہ اس سے طاعات میں مدد ملے گی (مثلاً بیوی بچوں اور دوستوں سے ہنسی مذاق کر کے طبیعت کو نشاط ہوگا افسردگی دور ہوگی تو عبادات اور طاعات کیلئے دل تازہ ہو جائے گا، تو وہ مباح مستحب بن جاتا ہے اسکے بعد اس میں بھی ایمان اور نیت ثواب کو شامل کر لیتے ہیں، اس طرح اُن کے اعمال کا درجہ بلند ہو جاتا اور ہمیشہ بڑھ جاتی ہیں اور اسی حقیقت کی وجہ سے اُن کا قدم دوسروں سے آگے رہتا ہے اگرچہ ظاہر میں اُن کے اور دوسروں کے اعمال یکساں اور برابر ہی کیوں نہ ہوں، کیونکہ سچا عمل اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

ان الله لا ينظر الى صورهم ولاكن ينظر الى قلوبهم  
 اللہ تعالیٰ تمہاری اور تمہارے اعمال کی صورتوں پر نظر نہیں فرماتے  
 بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتے ہیں ۵

(قولہ الوجہ الخامس فی هذا دلیل لاهل الصفة الى قوله ولكن

ينظر الى قلوبهم)

۵۔ مستحب کی نذر کرنا اور اس کو اپنے ذمہ لازم کر لینا اگرچہ جائز ہے مگر خلاف سنت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ سے اس کا ثبوت نہیں، اسی لئے فقہاء حنفیہ اس کو پسند نہیں کرتے، شائع مانگی ہیں ممکن ہے اُن کے مذہب میں کراہت نہ ہو، مگر یہی بہتری اُسی میں ہے جو سنت کی موافق ہو اسلئے مستحب میں مفسر ایمان اور نیت ثواب کا شامل کر لینا کافی ہے، نذر کی ضرورت نہیں ۶

۶۔ بعض بزرگوں کا ارشاد ہے کہ عارف کی ایک رکعت غیر عارف کی ایک لاکھ رکعتیں افضل ہے، اس تقریب سے اُن کے ارشاد کی تائید ہوگی، نیز یہ حدیث



معی اسکی تائید کرتی ہے جسمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے صحابی کا ایک مدخیرات کرنا (جسکی مقدار تین پاؤں کے قریب ہوتی ہے) دوسروں کے احد ہاڑکی برابر سونا خیرات کرنے سے افضل ہے، اس فضیلت کا منشاء حسن نیت اور خلوص و معرفت ہی تو ہے جس سے معلوم ہوا کہ اخلاص اور معرفت سے عمل کا درجہ بڑھ جاتا ہے خوب سمجھ لو۔

## ۴۰۔ عمل میں حسن نیت کا اہتمام نفس پر گراں ہے، اس لئے

ثواب زیادہ ہوتا ہے صدقہ سے مراد یہاں ثواب ہے کیونکہ خود صدقہ دینے میں تو کچھ فائدہ نہیں بلکہ فائدہ ثواب میں ہے جو صدقہ پر مرتب ہوتا ہے اور یہ ثواب جس کا یہاں ذکر ہے تنہا اس عمل کا ثواب نہیں بلکہ نفقہ کے ثواب سے زیادہ یہ دوسرا ثواب ہے کیونکہ (بیوی بچوں کا) نفقہ تو (شرعاً) اس کے ذمہ واجب ہے اور جو شخص واجب کو ادا کرتا ہے اسے امتثالی امر یعنی بجا آوری کا حکم کی وجہ سے ضرور ثواب ملتا ہے پھر ایمان اور احتساب کے شامل کر لینے سے اس کو دوسرا ثواب زیادہ ملا شاید اس پر کسی کو یہ اشکال ہو کہ ایمان و احتساب کے شامل کر لینے سے یہ ثواب کیوں ملا حالانکہ اس میں نہ کچھ تعجب ہے نہ مشقت نہ اس میں ہاتھ پیچ جلتے ہیں نہ کچھ کرنا پڑتا ہے؟ سو جواب یہ ہے کہ اگر اس کو خلافت تیاں کہا جائے جب تو غفلت کی ضرورت ہی نہیں اور اگر تیاں کے موافق کہا جائے تو وجہ یہ ہے کہ قلب بھی ایک مستقل عضو ہے اور اس میں نیت کا ان طریقوں سے جوا پر مذکور ہے حاضر کرنا نفس پر گراں ہوتا ہے اور نفس پر جتنی گراں ہوتی ہے اسی قدر ثواب بڑھتا ہے جس کی وسیلہ حق تعالیٰ

غہ گرائی سے مراد وہ گرائی ہے جو بضرورت ہو، بلا ضرورت نفس پر گرائی ڈالنے سے ثواب نہیں ہوتا۔ مثلاً ایک سجدہ میں جانے کے دوران میں ایک قریب دوسرا سجدہ تو خواہ مخواہ دور کا راستہ اختیار کرنا موجب ثواب نہ ہوگا ۱۲ ظ

کا یہ ارشاد ہے

والذین جاهدوا فينا لنهدينهم سبلنا  
مکہ جو لوگ ہمارے راستہ میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم اُن کو اپنے راستوں  
کی ضرورت ہدایت کر دیتے ہیں :

اور نفس پر تعبد و مشقت کی جتنی انواع ہیں اُن میں سے ہر نوع مجاہد ہے جیسا پہلے  
ایک حدیث میں گند چکا ہے ۔

دوسرے یہ کہ عمل کی بوقت ایمان اور نیت ثواب کا حاضر کرنا واجب نہیں بلکہ مستحب  
ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

خير الاعمال ما تقدمته النية اعمال میں بہتر وہ عمل ہے جس سے  
پہلے نیت ہو ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیت کرنے کو عمل کیلئے بہتر فرمایا ہے اور جب یہ  
بہتر ہے تو بدن نیت کے بھی عمل درست اور صحیح ہے ، زیادہ تر علماء کا یہی مذہب ہے ۔  
مگر یہ تمام اعمال کیلئے عام قاعدہ نہیں بلکہ بعض اعمال بدن نیت کے صحیح ہیں اور بعض  
نہیں جیسا قواعد شرعیہ کا مقتضا ہے کیونکہ اعمال مختلف قسم کے ہیں بعض واجب ہیں بعض  
مستحب پھر مستحب میں بعض وہ ہیں جو مشر اللہ تعالیٰ کے واسطے ہی کئے جاسکتے ہیں بعض  
وہ ہیں جو کبھی اللہ کے واسطے کئے جاتے ہیں کبھی غیر اللہ کے واسطے پس واجب میں تو  
نیت کا حاضر کرنا ضروری ہے کیونکہ واجبات کے محدود صفات اور نام وغیرہ مقرر  
ہیں تو نیت کے ساتھ اُن کی تعیین لازم ہے ورنہ عمل باطل ہوگا ، مثال کے طور پر فرض  
نمازوں کو لے لو کہ اُن کے نام اور صفات محدود وغیرہ مقرر ہیں پس عمل کی بوقت نماز کو  
متعین کرنا ضروری ہے تاکہ دوسری نمازوں سے امتیاز ہو جائے اسی وجہ سے تحریمہ کے  
وقت نیت نماز ضروری ہے اور امام شافعیؒ کے مذہب میں نماز کی نیت پانچ شرطوں  
سے ہوتی ہے ۔

۱۔ نماز کی تعیین

- ۲۔ اس کے فرض و واجب محض کا اعتقاد
- ۳۔ نماز ادا کرنے کیلئے عمل کا ارادہ کرنا
- ۴۔ اس وقت ایمان کو پیش منظر رکھنا
- ۵۔ تحریر کے ساتھ متصل ہونا

باقی امام مالک رحمہ اللہ سے اس کے متعلق کچھ منقول نہیں، اسی لئے اُن کے اصحاب اس مسئلہ میں بہت اختلاف رکھتے ہیں بعض تو امام شافعیؒ کی طرح ان سب باتوں کو نیت میں شرط کرتے ہیں اور بعض کا قول ہے کہ اگر تحریر سے کچھ پہلے ان اوصاف کے ساتھ نیت ہو جائے تو کافی ہے، اور بعض کا قول ہے کہ بس اس خاص نماز کا ارادہ کرنا کافی ہے اس سے زیادہ اوصاف کی رعایت کرنا موجب کمال ہے لازم و موزی اور صحت کا موقوف علیہ نہیں، اور اس مسئلہ میں امام مالک کا ظاہر مذہب یہی ہے کیونکہ اگر یہ مقبول ہو امام شافعی نے نیت کیلئے بیان کی ہے واجب ہوتی اور وہ اس کو بیان نہ کرتے تو اُن کا امام ہونا درست نہ ہوتا حالانکہ اُن کی امامت پر اجماع ہو چکا ہے اس طرح رکعات (نماز) اور وقت کی تعیین میں بھی اختلاف ہے کہ نیت کے وقت اس کی بھی ضرورت ہے یا نہیں خفیہ کا مذہب اس باب میں یہ ہے کہ نیت فرض کیساتھ وقت کی تعیین تو ضروری ہے رکعات کی تعیین موزی نہیں، اس سے زیادہ جو اوصاف مذکور ہوئے ہیں اُن کی رعایت بہتر ہے لازم نہیں ہاں نیت کا تحریر سے متصل ہونا ضروری ہے، اور یہ سب باتیں کتب فقہ میں مذکور ہیں، اسی طرح کفارہ قسم و کفارۃ اظہار اور صدقہ واجبہ و غیرہ تمام واجبات میں اگر اس واجب کی نیت نہ کی جائیگی تو کچھ نفع نہ ہوگا و بآہ ادا کرنا لازم ہوگا۔

اور جو مستحب کہ فی اللہ ہی کی واسطے کیا جاتا ہے اس کا بدن نیت کے ادا کرنا بھی کافی ہے جیسے کوئی دو رکعت نفل پڑھنے کے لئے کھڑا ہو تو اس کو ان دو رکعتوں کا ثواب مل جائے گا اگرچہ نیت (دل میں) حاضر نہ ہو مگر خفیہ کے نزدیک کم از کم اتنی نیت ضروری ہے کہ میں نماز پڑھتا ہوں گو نفل کی نیت حاضر نہ ہو ہاں پہلے سے نیت کر لینا افضل ہے اور جو مستحب کہ فی اللہ کے واسطے کیا جاتا ہے کبھی غیر اللہ کے واسطے اس میں نیت

کا پہلے سے حاضر کرنا ضروری ہے تاکہ عمل اللہ کی واسطے خالص ہو جائے جیسے جمعہ کا غسل ان لوگوں کے قول پر جو اس کو سنت کہتے ہیں کیونکہ غسل کبھی ثواب کے واسطے کیا جاتا ہے کبھی ٹھنڈک اور صفائی حاصل کرنے کے واسطے، تو نیت کرنا ضروری ہے تاکہ فعل مباح اور فعل عبادت میں فرق ہو جائے (اگر بدون نیت کے غسل کیا جائیگا تو غسل جمعہ کا ثواب حاصل نہ ہوگا۔ قولہ علیہ السلام فہو لہ صدقۃ الصدقة ھہنا بمعنی الاحجر الخ قولہ فی الوجه الثامن لیفرق بین المباح والمعتد)

ف نیت کا اہتمام صوفیہ کو جس قدر ہے کسی کو غالباً نہ ہوگا وہ مباحات کو بھی حسن نیت سے مستحب بنالیتے ہیں اور اس طرح مباحات میں بھی ثواب حاصل کرتے رہتے ہیں، نماز کی نیت میں امام شافعیؒ نے جن اوصاف کو شرط قرار دیا ہے۔ ان کی رعایت خفیہ کو بھی کر لینا چاہیے تاکہ نماز بدرجہ کمال ادا ہو کیونکہ گمان سب کی رعایت مذہب خفی میں لازم نہیں مگر مستحب معنی میں بھی شبہ نہیں اسی واسطے میں نے اس قول کا پورا ترجمہ کر دیا ہے حالانکہ اس سے کسی خاص مسئلہ تصوف کی تائید واضح نہیں

## ۱۔ عمل ظاہر سے باطن کے افضل ہونے کا لازم

ممکن ہے یہاں کسی کو یہ سوال پیدا ہو کہ اعمال باطن میں اتنا بڑا ثواب کیوں

رکھا گیا جو اعمال ظاہر کے ثواب سے زیادہ ہے

پھر اعمال ظاہر کے صحیح ہونے کا ذریعہ بھی عمل باطن ہی کو مقرر کیا گیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ اگر یہ امر تعبدی (یعنی خلاف قیاس) ہے تو گفتگو کا موقع ہی نہیں اور اگر قیاسی عقل ہے تو بیشک (وجہ) بتلانے کی ضرورت ہے، بنظر اریا معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم کہ ایک حکمت کی وجہ سے ایسا کیا گیا وہ حکمت یہ ہے کہ تمام نعمتوں اور جملہ عبادتوں میں سب بڑا درجہ ایمان کا ہے اور ایمان کا عمل قلبی ہے تو جو عمل اس عمل سے صادر ہوگا جو ایمان کا ظرف ہے وہ دوسرے اعمال سے برتر و اعلیٰ ہوگا، اس بیان کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے کہ جم میں ایک ٹکڑا ہے جو بہت

ہو جاتا ہے تمام بدن و دست ہو جاتا ہے جب وہ بگڑتا ہے تمام جسم بگڑ جاتا ہے، سنو وہ دل ہے، پس دل کی درستی دوسرے اعضاء کی درستی سے زیادہ اہم ہے اور اس کی خرابی دوسروں کی خرابی سے زیادہ خطرناک ہے کیونکہ تمام اعضاء دل ہی کے تابع ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اُن لوگوں میں سے کریں جنہوں نے اللہ کے فضل سے اپنا ظاہر بھی درست کر لیا ہے اور باطن بھی (آمین) قوله الوجه التاسع لقائل ان يقول لم جعل في اعمال الباطن هذا الثواب الى قوله تمت اصلاح من الظاهر والباطن

**فے صوفیہ کو اصلاح قلبی بقدر اہتمام ہے ظاہر ہے بلکہ تصوف کا جزو اعظم ہی اصلاح قلبی ہے مگر یہ جان لینا چاہیے کہ اصلاح باطن بدن اصلاح ظاہر کے نہیں ہو سکتی جیسا اصلاح ظاہر بدن اصلاح باطن نہیں ہو سکتی تو جو لوگ بدن اصلاح ظاہر کے اصلاح قلبی مدعی ہیں وہ یقیناً جھوٹے ہیں، اعمال شرعیہ کو چھوڑ کر نہ قلب کی اصلاح ہو سکتی ہے نہ تصوف حاصل ہو سکتا ہے، تصوف یہ ہے کہ اعمال شرعیہ کی پابندی اس طرح کی جائے کہ ہر کام خلوص دل سے اور پوری توجہ سے ادا ہو محض ہم یا عادت یا دنیوی غرض سے نہ ہو عمل کے وقت اور عمل کے بعد دل میں تواضع پیدا ہو تکبر یا عجب یا پیدائش نہ ہو خوب سمجھ لو ۱۲**

# حیث

مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ

بخاری رضی اللہ عنہ نے (تعلیقاً) روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی چاہتے ہیں اس کو دین کی سمجھ عطا فرما دیتے ہیں اور علم تو طلب ہے (اور سیکھنے سے) ہی حاصل ہوتا ہے۔

**شرح** حدیث کا ظاہری مدلول تو یہ ہے کہ خیر کا حاصل ہونا فقہ پر موقوف ہے، اور یہ کہ علم سیکھنے ہی سے حاصل ہوتا ہے اور اس کے فوائد پر گفتگو چند وجوہ سے ہے۔

۷۲۔ فقہ کی حقیقت اور اسکی فضیلت فقہ کے معنی لغتاً سمجھنا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے فقہ

عہ تعلیق یہ ہے کہ کسی حدیث کو بلا سند بیان کیا جائے، امام بخاری نے تراجم ابواب میں بعض احادیث بلا سند بیان فرمائیں ان کو تعلیقات بخاری کہا جاتا ہے ان میں جن احادیث کو صیغہ جزم کیساتھ روایت کیا گیا ہے وہ تو صحیح ہیں اور جن کو صیغہ جزم سے نہیں بیان کیا گیا ان میں بعض صحیح ہیں بعض حسن اور کوئی ضعیف بھی ہے ۱۲ ف

فَلَانٌ یعنی وہ سمجھ گیا ہے، نیز حق تعالیٰ فرماتے ہیں

فَمَالُ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا

ان لوگوں کو کیا ہوا کہ ایک بات بھی نہیں سمجھ سکتے

اور یہاں فقہ میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ فہم فی احکام اللہ مراد ہو (یعنی احکام الہی کو سمجھنا)، دوسرے یہ کہ فہم عن اللہ مراد ہو (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے فہم حاصل ہونا)، اگر معنی اول مراد ہیں تو حدیث کے اگلے جملہ میں اس اجمال کی تفسیر ہوگی کیونکہ اس میں بتلایا گیا ہے کہ علم سمجھنے ہی سے حاصل ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ جب کلام میں مطلق و مقید جمع ہوں تو مطلق کو مقید پر حمل کیا جاتا ہے اور یہ فہم (یعنی احکام الہی کی فہم) سمجھنے ہی سے حاصل ہوتی ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کے اگلے جملہ میں بیان فرمایا ہے۔ پس طالب کو چاہیے کہ اول کتابوں کا صحیح مطالعہ اور حفظ و ضبط اختیار کرے، جب ایسا کریگا تو خود اسی عمل پر اس کو ثواب ملے گا بشرطیکہ عمل خالص اللہ کے واسطے ہو کسی اور کو اس میں شریک نہ کیا جائے اور اس صورت میں اس کا ثواب وہ ہوگا جو معتبر ناقل کا ثواب ہوتا ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

رَبِّ حَامِلٍ فَتَدْرِكُ مَنْ هُوَ أَفْقَدَ مِنْهُ

کہ بعض فقہ کے یاد کرنے والے اپنے سے زیادہ سمجھدار کو فقہ پہنچاتے ہیں، اسی طرح حج و داع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

إِلَّا فَيُلْبِغُ الشَّاهِدَ الْغَائِبُ فَلَعَلَّ بَعْضُ مَنْ يَبْلُغُ أَنْ

يَكُونَ أَوْعَى لَهُ مِنْ بَعْضٍ مِمَّنْ سَمِعَهُ

سنو! جو یہاں حاضر ہے اسکو چاہیے کہ غائب کو پہنچائے کیونکہ ممکن ہے جن لوگوں کو یہ علم پہنچایا جائیگا وہ بعض سننے والوں سے زیادہ اسکی نگہداشت کرنے والے ہوں۔

یعنی وہ اس پر زیادہ عمل کرنے والے ہوں پھر ان چیزوں کی تحصیل کے بعد

جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا اور ان پر عمل کرنے کے بعد اس کو حقیقی فقہ حاصل ہوگا اور وہ ایک نو ہے جو اللہ تعالیٰ دل میں ڈال دیتے ہیں۔ جس کے ساتھ یا اس کے ذریعہ اللہ کی قدرت سے دین کی فہم حاصل ہوتی ہے، اسی لئے امام مائتک نے فرمایا ہے کہ کثرت روایت کا نام علم نہیں بلکہ علم ایک نو ہے جو اللہ تعالیٰ دلوں میں ڈال دیتے ہیں کیونکہ قلت فہم کیساتھ روایات حفظ کر لینے والوں میں عمل بہت کم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی مذمت کی ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ مثل  
 ۱۔ لھمار یحمل اسفارا (کہ ان کی مثال ایسی ہے جیسے گدھے پر کتابیں لسی ہوں)  
 اور اسی شرط کے تحت کہنے کی وجہ سے جو اس فقہ حقیقی کے حصول کا سبب ہے بہت لوگوں کی جو اپنے زعم میں چند کتابیں یاد کر لینے یا خروج کا مطالعہ کرنے سے علم کے مدعی بن گئے ہیں یہ حالت ہے کہ جب وہ کوئی ایسا مطلب سنتے ہیں جو اپنی یاد کی ہوئی یا مطالعہ کی ہوئی کتابوں میں منقول نہ دیکھا ہو تو اس کا بالکل ہی انکار کر دیتے ہیں اور دلیل میں یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو کسی کو اس کا قائل نہیں سنا اور اگر کسی کتاب میں ایسا مسئلہ دیکھ پاتیں جس کے یہ خود قائل ہیں تو اگرچہ نقل میں غلطی ہو گئی ہو یا مصنف کو اشتباہ ہو گیا ہو اس کو فوراً قبول اور تسلیم کر لیتے اور کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ نو منقول ہے فلاں کتاب میں لکھا ہوا اور فلاں مصنف کا بیان کیا ہوا ہے یہ سب کچھ غرض اس وجہ سے ہے کہ ان کو خود وہ نور حاصل نہیں جس سے قرآن و حدیث کو سمجھتے (بس دوسروں ہی کے سہارے چلتے ہیں) کیونکہ انہوں نے وہ فضا حاصل نہیں کی جس پر نور چمکتا ہے اور گو بعضوں نے ظاہر میں یہ فضا حاصل کی ہے یعنی علم منقول جس کا اوپر ذکر ہوا مگر پھر نور سے اسلئے محروم ہیں کہ یا تو ان کا عمل غیر اللہ کیلئے تھا اور اس طور میں نور ان کیلئے حرام ہے (یعنی دشوار ہے) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص اعمال میں سے کوئی عمل متابع دنیا حاصل کرنے کیلئے اختیار کرے گا وہ جنت کی خوشبو نہ پائے گا، حالانکہ جنت کی خوشبو پانچ سو برس کی مسافت سے سونگھی جاتی ہے، یا ان کو اپنی نقل اور روایت ہی



سے عجب ہونے لگا کہ وہ اسی کو علم کی نایت سمجھ گئے اور اپنے کو علماء میں شمار کرنے لگے اور اس دعوے کی وجہ سے نور سے محروم رہ گئے، اگر اس مسکین (مدعی) کہلے نفس کی معرفت حاصل ہوتی (اور اپنا درجہ پہچان لیتا کہ وہ منکر ناقص کے خطاب کا مستحق ہے۔ بشرطیکہ اس کی صحیح نقل بھی ہوتی ہو تو اپنے نقص حال اور کمزوری کا اعتراف کر لیتا اور اس اعتراف پر یہ امید کی جاسکتی تھی کہ اللہ تعالیٰ اسے کچھ نور سے اپنے فضل سے عطا فرمادیتے اور جس کو نور سے کچھ حصہ مل جائے اس کے لئے توفیق مزید اور توفیق کی بھی امید ہے یہاں تک کہ ان اہل خبیثہ کے ساتھ جھگڑتی ہو جائے جن کا اوپر ذکر ہوا، غرض آجکل کے مدعیانِ علم کی حالت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو کچھ ان کے پاس ہے سب سب منقول ہی ہے اصول بھی کتابوں ہی میں ہیں اور شرح بھی کتابیں ہی ہیں جو ان پر لدی ہوئی ہیں اور یہی تو وہ پیستہ جس کی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مذمت فرمائی جس کے ساتھ تو سنن شاذ و نادر ہی شامل ہوتی ہے، ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں اس اندھے پن اور گمراہی سے اور اگر فقہ سے مراد دوسری صورت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے فہم کا حاصل ہونا تو یہ حدیث اپنے مفہوم میں مستقل ہوگی اور دوسری حدیث جو بعد میں آتی ہے مستقل ہوگی کیونکہ اس سے فہم عن اللہ مراد ہے اور دوسری سے احکام الہی کی فہم مراد ہے اور دو حدیثوں کا الگ الگ دو معنوں پر محمول ہونا ایک معنی پر محمول ہونے سے زیادہ مفید اور زیادہ ظاہر ہے۔

اور یہ بھی جائز ہے کہ جس حدیث سے ہم اس وقت بحث کر رہے ہیں اس میں فقہ سے مراد دونوں معنی ہوں اور اگلی حدیث ان دونوں میں سے ایک کی توجہ ہو اور یہ صورت بھی ظاہر و واضح ہے کیونکہ احکام الہی کا سمجھنا زیادہ ضروری ہے اور یہ فہم نور و الہام سے حاصل ہوتی ہے اور نور سنت سے حاصل ہوتا ہے جیسا حدیث بیعت کی شرح میں ہم نے اس پر اشارہ کر دیا ہے اور یہ نور اہل تحقیق ہی کو حاصل ہوتا ہے جو صدق و اخلاص اور ہدایت و نورانیت و حکمت و برکت سے آراستہ ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو سمجھایا تو سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو چاہا تو انہوں نے

ارادہ کیا، یہی اللہ کے برگزیدہ مکرم ہیں اور زمین میں خدا کی آنکھیں ہیں جیسا حقیر عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کو تم اللہ وجہ کے متعلق فرمایا تھا کہ زمین کی مخلوق میں سے کچھ لوگ اللہ کی آنکھیں ہیں انہی میں سے علی بھی ہیں۔ نیز حضرت عمرؓ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ہم ایسی مشکل سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں جس کے حل کیلئے علی رضی اللہ عنہ موجود نہ ہوں، حالانکہ حضرات خلفا رسکے سب ہی ہر تپا ہمیوں سے مگر ان میں سے ہر ایک دوسرے کو اپنے سے بڑھاتا تھا کیونکہ وہ اپنے کو سب سے کم سمجھتے اور اپنے ساتھیوں کی ان فضائل کی بنا پر جن سے اللہ نے ان کو مخصوص کیا تھا تعظیم کرتے تھے یہی شان حضرات تابعین کی ہے جنہوں نے اخلاص کیساتھ ان کی پیروی کی اور قیامت تک کرتے رہیں گے، غرض جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فہم حاصل ہو گیا وہ اللہ کے احکام کو بھی سمجھ لیتا ہے مگر اس کا عکس لازم نہیں کہ جس کو احکام کی فہم حاصل ہو اس کو فہم عن اللہ بھی حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی مخلوق میں سے منتخب کیا تو انہوں نے بھی اللہ کو تمام مخلوق اور جملہ ماسوا پر ترجیح دی۔ پس وہ اللہ کے ساتھ ہیں اور بلا شرکت غیر اسی کے واسطے ہیں اور کسی پر التفات نہیں کرتے ہم اللہ سے ان بزرگوں کی حرمت کے طفیل درخواست کرتے ہیں کہ ہم کے حال پر بھی کرم فرمائیں جیسا ان پر کرم فرمایا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی پروردگار نہیں (اور حقیر کو عزیز کر دینا ان پر کچھ دشوار نہیں)

رقوله الوجه الثالث الفقه هو الفهم يقال فقه فلان اذا فهم

الی قوله ان یفہم علینا حکما من علیہم (رب سوا)

فے یہاں سے معلوم ہوا کہ علم کی دو قسمیں ہیں ایک علم تمنا بلفظی، دوسرے علم دہی حقیقی، علم تمنا بلفظی پڑھنے پڑھانے سے حاصل ہوتا ہے اور علم دہی اتباع سنت اور تقویٰ و اخلاص سے حاصل ہوتا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ علم دہی کے واسطے علم تمنا کی ضرورت نہیں، کیونکہ یہ امر عادتہ اللہ بخلاف ہے اللہ تعالیٰ کی عادت مستمرہ یہی ہے کہ علم دہی اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جس نے اول علم تمنا ہی حاصل کیا ہو اور سنت کے موافق خلوص و تقویٰ کیساتھ اس پر عمل کیا ہو، بدون اس کے علم دہی عادتہ

حاصل نہیں ہوتا۔ الا انما والناور کا بعد ہم، پس جو لوگ بدن علم کتابی کی تحصیل کے اپنے لئے علم دہی کے مدعی ہوں ان کے علوم کو کتاب سنت اور صلفہ صالحین کے علوم سے ملا کر دیکھنا چاہیے۔ اگر سلف کے علوم سے موافق ہوں اور کتاب سنت کی مخالفت نہ ہوں تو ان کو ادلیار امین میں شمار کیا جائے گا جن کی شان یہ ہوتی ہے کہ احکامِ آبرہہ کو علما سے دریافت کرتے اور ان کی تعظیم کا حق ادا کرتے ہیں اور جس جاہل کے اقبال کتاب سنت کی مخالفت ہوں علوم سلف کے موافق نہ ہوں اور اعمال میں اتباع سنت کی بجائے ابتذال کی شان ہو اس کو علم دہی کی ہوا بھی نہیں لگ سکتی اس کی باتوں کو مجنون کی برادر جاہل کی بجائے سمجھنا چاہیے ایسے ہی لوگوں نے اپنی بکواس کو علوم و اسرار بنانے کیلئے عوام کے دلوں میں یہ غلط خیال جمانے کی کوشش کی ہے کہ شریعت اور ہے اور طریقت اور، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان دہرناں ایمان سے بچائے۔ آمین۔

### ۴۔ جس کو علم عطا کیا گیا اس کو خیر عظیم عطا ہو گئی۔

اس تقریر پر یہ بات بھی مرتب ہوئی کہ جس شخص پر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں قسموں میں سے کسی ایک قسم کے ساتھ احسان فرمایا ہے (خواہ علم کتابی عطا فرمادیا ہو یا علم دہی) اس کو خوش ہونا چاہیے کہ خیرِ عظیم اور فضلِ عظیم عطا ہوا ہو۔ کیونکہ شایع علیہ السلام نے عطائے علم وقفہ کو اس بات کی علامت قرار دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی ساتھ خیر کا ارادہ فرمایا اور خیر کو اس کے لئے ہیا کر دیا ہے اور یہ لوگ بطاعت کے کیوں مستحق نہ ہوں؟ جبکہ انہی کی برکت سے اللہ تعالیٰ بارش بھیجتے اور قحط کو دفع کرتے اور بستیوں پر اور بندوں پر رحم فرماتے ہیں

(قوله الوجه الرابع بترتيب على هذا من الفتحة الى قوله ويرحم

البلاد والعباد)

فے انقلاب نماز تو دیکھو کہ آج کل علماء کو انگریزی خواتون نے مسلمانوں کی

تبہا ہی و بربادی کا سبب قرار دیا ہے اور ایک جماعت نے تو اس بات کا  
 بیڑا اٹھایا ہے کہ مسلمانوں کو علماء سے متنفر کر کے بالکل اس سے منقطع کر  
 دے، اُن کو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ علماء سے جنگ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جنگ ہے  
 صحیح حدیث میں وارد ہے

من آدمی لی و لیا فقد آذنتہ بالعرب

جو میرے زلی کو ایذا میں اس کو اپنی طرف سے اعلان جنگ دیتا ہوں

اوجہ کو اللہ تعالیٰ اعلان جنگ دیں اس کو اپنا ٹھکانا ڈونڈھ لینا چاہیے ہمیں اس  
 سے انکار نہیں کہ آج کل بعض جہلا بھی عمامہ، جبہ اور سند لیکر علماء بن گئے ہیں  
 لیکن چند کاروں کی وجہ سے ساری جماعت کو بدنام کرنا کہاں کا عدل و انصاف ہے؟  
 جھوٹے اور بچے ہر جماعت میں ہوا کرتے ہیں اور موتے آئے ہیں مگر جھوٹوں کی وجہ سے  
 سچوں کو بدنام کرنا جہل و حماقت نہیں تو اور کیلئے؟ فالی اللہ المشتکی اگر وہ کسی  
 عالم کو خلاف شریعت عمل کرتے دیکھیں تو خاص اسی کو الزام دے سکتے ہیں کہ یہ شخص  
 عالم نہیں بلکہ جاہل ہے، ساری جماعت کو الزام دینا یقیناً عقل و نقل و قانون و  
 انصاف کے سراسر خلاف ہے۔ ان لوگوں کو جان لینا چاہیے کہ چاند کے طلوع ہونے  
 پر کتنے ہمیشہ بھونکا کرتے ہیں مگر اس سے چاند کو کچھ نقصان نہیں پہنچتا، کتنے ہی  
 اپنا گلا چار کر رہ جاتے ہیں۔

اگر گیتی سراسر باد گیرد

چراغ مقبلاں ہرگز نہیںد

۴۔ علم وہی ہے جس سے خیر کی طرف رہنمائی ہو رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم

کے ارشاد انما العلم بالتعلم میں حشر کے لئے سوف انہما اس واسطے لایا گیا  
 تاکہ بتلادیا جائے کہ علم تک رسائی کیسے اور حاصل کرنے ہی سے ہو سکتی ہے اس  
 کے سوا اور کوئی طریقہ نہیں جو شخص اس کے سوا کوئی طریقہ اختیار کریگا وہ راستہ

سے کھویا جائے گا۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم اور تعلم پر الف لام اس لئے داخل فرمایا تاکہ بتلادیا جائے کہ علم وہی ہے جو خیر کی علامت ہو نیکی کی طرف رہنا ہو، کیونکہ دنیا میں علوم بہت ہیں آپنے الف لام داخل فرما کر جو تین اور تخصیص کے لئے لغت میں موضوع ہے اس خاص علم نافع پر تنبیہ فرمادی جس کلام سے ارادہ کیا گیا ہے، اگر کوئی یوں کہے کہ الف لام تو کبھی جنس کے لئے بھی ہوتا ہے اس سے کہا جائے گا کہ یہاں جنس کیلئے ہونا جائز نہیں کیونکہ علوم شریعت و علوم انبیاء آدم علیہ السلام سے لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک سب کے سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام تک پہنچے ہیں خواہ فرشتہ کیواسطہ سے پہنچے ہوں یا بلا واسطہ جیسا بھی حکمت کا انتخاب ہوا چنانچہ قواعد شرائع سے سب باتیں معلوم ہو چکی ہیں پھر افراد امت ان علوم کو انبیاء علیہم السلام سے لیتے اور حاصل کرتے ہیں، پس علوم انبیاء کی اصل اور بنیاد نقل پر ہے اور جب اس کی بنیاد نقل پر ہے تو الف لام یہاں عہد و تخصیص کے سوا کسی اور معنی کے لئے نہیں ہو سکتا کیونکہ یہاں علم سے مراد علم شرعی ہے اور علم شرعی کے سوا جو اور علوم ہیں ان کی اصل اور بنیاد نقل پر نہیں بلکہ رائے اور فکر پر ہے جس میں سے بعض رائے تو شرعاً حرجواز میں ہیں اور بعض شرعاً ممنوع ہیں اسی علت کی وجہ سے کہ دنیا میں علوم بکثرت ہیں اور ان میں سے بعض ممنوع بھی ہیں یہ نہیں ہو سکتا کہ شارع کے اس کلام میں الف و لام جنس کیلئے ہو بلکہ تخصیص و تعیین کے لئے ہونا ضرور ہے اور جس علم پر یہاں اشارہ کیا گیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری حدیث میں اس کو صاف طور سے بیان فرمادیا ہے چنانچہ ارشاد ہے

تَرَكَتُ فِيْكُمْ اَثْقَالِيْنَ لَنْ تَضْلُوْا مَا تَسْعَتُمْ بِهَا كَمَا مَلَكَتْ  
وَعَرَفَتْ اَهْلُ بَيْتِيْ

میں نے تمہارے پاس دو قیمتی چیزیں چھوڑیں جب تک ان کو مضبوط نہ رکھے مجھے گمراہ نہ ہو گے، کتاب اللہ اور میرے اہل بیت

میرا خاندان (کیونکہ خاندان نبوت کے ذریعے حضور کے ارشادات و معہراج حالات کا علم ہوگا جس سے کتاب اللہ کی شرح میں مدد ملتی ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چند علوم کی تصریح ہی فرمادی ہے جو ثقلین سے مستفاد ہوتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے ۔

تعلّموا الفرائض فانہا من دینکم ودھی اول ما بینہی فرائض کو سیکھو کیونکہ وہ تمہارے دین کا جزو ہے اور یہی سب سے پہلا دیا جائے گا۔  
نیز ارشاد ہے :

تعلّموا الفرائض وعلّموا الناس فانہا من دینکم وعلّموا الفرائض سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ کیونکہ میری وفات ہوئی ہے ۔  
نیز ارشاد ہے :

وان العلم یقبض من بعدی حتی ان الاشیاء یختلفان فی الفریضۃ ولا یجدان من یفصل بینہما علم میرے بعد سمیٹ لیا جائیگا یعنی فنا ہو جائے گا، یہاں تک کہ وہ آدمی کسی معاملہ میں جھگڑیں گے اور کوئی فیصلہ کر نہ پالانہ پائیں گے غرض علم خاص وہی ہے جو شریعت سے معلوم ہو چکا ہو یا اہل اسلامیہ کی ایسی عادت سے جنہیں شرعاً کوئی خرابی نہیں جو علوم شریعت سے پہچانے جاتے ہیں وہ تو وہ ہیں جسکی تبلیغ کا حج و دارع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امر فرمایا ہے اور جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

یسرودا ولا تفسردا امانی کو سختی نہ کر دو جس میں تعلیم کے اند ترمی کرنے کا حکم ہے نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے انا انا فاسرود اللہ یعطی میں تو تقسیم کر نوالا ہوں اور اللہ ہی دیتا ہے جسکی شرح اگلی حدیث میں آئے گی ۔

اور جو علوم عادت سے معلوم کئے جلتے وہ ایسے ہیں جیسے بچوں کا استاد ان کو ہجاء سکھاتا ہے حروف کی پہچان بتاتا ہے اس کے بعد قرآن پڑھانا پھر لغت بتلاتا ہے تاکہ لوگ اپنے پروردگار کا کلام اور اپنے رسول کی حدیث پڑھ سکیں اور سمجھ سکیں اور اسکے سوا جو علوم اور اصطلاحات ایجاد کی گئی ہیں جن کو دلائل شریعت جائز نہیں کہتے وہ سب ممنوع ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی بھی تصریح فرمادی ہے چنانچہ ارشاد ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوا الرَّسُولَ  
وَأَطِيعُوا أَمْرًا مِّنْهُ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ  
اتقوا اللہ! آداب کھر فخذوا اما تعرفون و دعوا ما تنکرون  
آخر زمانہ میں بعض لوگ تمہارے سامنے ایسی باتیں بیان کریں گے  
جو تم نے اور تمہارے پاپ وادوں نے بھی نہیں جانی پس ان باتوں کو  
لے لو جن کو تم پہچانتے ہو اور ان کو چھوڑ دو جن کو نہیں پہچانتے  
حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فقہ اور فہم حقیقی علم منقول کی تحصیل کے  
بعد یا اسکی ساتھ ساتھ ہی حاصل ہو سکتا ہے بدون اس کے حاصل نہیں ہو  
سکتا جیسا ہم نے پہلے بیان کیا ہے کیونکہ اصل تو وہی ہے فقہ اور فہم اس  
کی فرع ہے۔ اسی لئے حدیث میں ایک کو دوسرے پر واہ کی ساتھ عطف کیا گیا  
جو کہ دو چیزوں میں مساوات اور شرکت کو مقتضی ہے اللہ تعالیٰ ہم کو دونوں کا  
پورا حصہ اپنے فضل سے عطا فرمائیں آمین قولہ الوجه السادس قولہ  
عليہ السلام وامنما العلم بالتعلم الحی قولہ فی الوجه السابع او زعنا اللہ  
من علیہما وذر تعیبہ بمنہ

ف۔ اس مقام سے ہمارے اس قول کی تائید ہو گئی جو فائدہ سابقہ میں گذر  
چکا ہے کہ علم وہی بدون علم منقول کے عادتاً حاصل نہیں ہو سکتا  
ف۔ اس مقام سے ان لوگوں کی غلطی بھی مافع ہو گئی جو فضائل علم کی  
اعادیت کو مطلق علم کی فضیلت پر محمول کر کے علوم دنیا کیلئے بھی ان فضائل کو

ثابت کرتے اور تعلیم انگریزی وغیرہ کی تاکید و ضرورت کے لئے طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم واطلبوا العلم ولو بالصین پڑھ دیا کرتے ہیں اُن کو جان لینا چاہیے کہ شائع کی زبان پر علوم دنیا کے حق میں لفظ علم نہیں آسکتا بلکہ ان کی نسبت تو شائع علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے ان من العلم الجہل کہ بعض علم جہل ہوتا ہے، علم وہی ہے جو انسان کو خدا کی طرف لیجائے اور معرفت حق کی رہنمائی کرے اس کے سوا جتنے علوم اہل دنیا کی نظر میں ہیں شائع کے نزدیک سراسر جہل ہیں۔

جز یادِ دوست سرچہ کنی عمر ضائع ست  
جز حرفِ عشق ہر چہ بخوانی بطلت ست

سعدی بشتوی نقشِ دلی راز لوحِ دل  
علمی کہ رہ حق نماید جہالت ست



## باب ثم

### حیث

## مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَطْلُبُ بِهِ عِلْمًا

البخاری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَطْلُبُ بِهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللَّهُ لَهُ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ  
 (ترجمہ) بخاری رضی اللہ عنہ (تعلیقا) روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے فرمایا جو شخص کسی راستہ میں طلب علم کی غرض سے داخل ہوا اللہ تعالیٰ اس کے لئے  
 جنت کا راستہ آسان کر دیں گے۔

**شرح** حدیث کے الفاظ سے یہ بات ظاہر ہے کہ جو شخص کسی کام کا اس  
 غرض سے اعادہ کرے کہ اس سے طلب علم میں مدد و اعانت ہوگی  
 تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت تک پہنچنا آسان کر دیں گے۔

(۵۰) جو چیز نیکی میں معین ہو وہ بھی خیر ہے  
 یہاں سلوک سے مراد  
 دخول ہے جیسا اللہ تعالیٰ

کے ارشاد ما سَلَكَكُمْ فِي سَقَرٍ اور ارشاد نبوی لو سَلَكَوا حَجْرًا مَضْبُوعًا  
 میں سلوک سے مراد دخول ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس جگہ جو ثمرہ مذکور ہے

وہ طلب علم کے طریق میں داخل ہونے کے لئے مخصوص ہے یا اس سے سوا ہر  
 نیک کام کو ما ہے ظاہر عزم ہے کیونکہ شریعت میں اسکی نظائر بہت ہیں چنانچہ  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لَا يَقْضَى الْقَضَاءُ حِينَ يَقْضَى الْغَضَاءُ

”قاضی کو غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرنا چاہیے“ (یہ حکم قاضی ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر فیصلہ کرنے والے کے لئے عام ہے) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”ینفق علی عیالہ یحتسبہا“ ”جو شخص اپنے بال بچوں پر طلب ثواب کی نیت سے خرچ کرے وہ اس کے لئے صدقہ ہے“ (یہ حکم بھی جملہ ابواب کے لئے عام ہے) جیسا پہلے اس کلام پر گزر چکا اور جب یہ حکم عامان لیا گیا تو اس سے یہ فقہی مسئلہ معلوم ہوا کہ جو چیز خیر میں معین ہو وہ بھی خیر ہے۔ اس کی تصریح بعض نصوص میں آپ کی ہے چنانچہ مجاہد کے بارہ میں وارد ہوا ہے کہ اس کی نیند بھی عبادت ہے کیونکہ اس سے جہاد میں مدد ملتی ہے۔ مگر یہ حکم کلی نہیں بلکہ دو شرطوں کے ساتھ مفید ہے مایک یہ کہ جس سے مدد و اعانت لی جا رہی ہو وہ شرعاً جائز ہو حرام و مکروہ نہ ہو اسکی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہو رہی ہے جبکہ آپؐ ایک شخص نے اپنے لئے وصیت کی درخواست کی تو حضورؐ نے فرمایا اسی بات (کبھی) نہ کہو جس سے قیامت کے دن معذرت کرنا پڑے“

ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ ان کو تنگدستی کی وجہ سے فاقہ کی نوبت پہنچی اور عبادات میں تعجب ہونے لگا پھر ان کو کچھ دودھ ہدیہ میں ملا جو حلال اور طیب طریقہ سے نہیں آیا تھا یہ اس کے پینے سے رک گئے ان کی والدہ نے فرمایا کہ دودھ پی لو مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دیں گے فرمایا مجھ اس کے نہ پینے ہی میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی امید ہے تو دیکھ یہ بزرگ اس دودھ کے پینے سے کس طرح باز رہے حالانکہ اس سے ان کے مقصود میں بظاہر مدد مل سکتی تھی مگر چونکہ اس میں کسی قدر کراہت بھی تھی اس لئے اقدام نہ کیا کیونکہ یہ نسبت فائدہ کے اسمیں خسارہ زیادہ تھا بلکہ (درحقیقت) وہ فائدہ سے بالکل ہی خالی تھا کیونکہ طاعت پر تو حلال (خالص) ہی سے مدد ملتی ہے، دوسری شرط یہ ہے کہ اس معین کو اختیار کرتے ہوئے طلب علم یا اور کسی نیک کام میں مدد و اعانت حاصل کرنے کی نیت بھی ہو کیونکہ فعل مباح سے نہ کچھ ثواب ہوتا ہے نہ جنت کی طرف قُرب ہوتا ہے جب تک اس سے طاعت پر مدد و اعانت کی نیت نہ کی جائے۔

پس جس چیز سے طلب علم وغیرہ میں مدد حاصل کرنے کی نیت کسی جائے خواہ فرض ہو یا مقرب اس سے مستحب کا ثواب بھی ملے گا اور جنت کی طرف قرب بھی زیادہ ہو جائیگا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طریقاً کو نکرہ استعمال فرمایا ہے اور نکرہ فرض و مستحب اور مباح کو عام ہے اور چوتھی صورت یعنی حرام یا مکروہ سے مدد لینا تو ممنوع ہے۔ (پس وہ اس عموم سے خارج ہے)

اور کیا فرض میں بھی ایسا ہو سکتا ہے کہ اس سے طلب علم یا کسی نیک کام میں مدد کی نیت کی جائے تو فرض کا بھی ثواب ملے گا اور اس نیت کی وجہ سے جنت کی طرف زیادہ قرب بھی حاصل ہوگا فقہاء کا مشہور مذہب تو اس صورت کو منع کرتا ہے مگر حدیث کا لفظ عام جواز کو مقتضی ہے تو جو شخص اختلاف سے بچنا اور نص حدیث پر عمل کرنا چاہیے تاکہ زیادہ ثواب ملے وہ اس طرح اس صورت میں نیت کرے جس طرح جمعہ کے دن جنابت کا غسل کرنا نواہیث کرتا ہے تو وہ اختلاف سے بچنے کے لئے یوں نیت کرتا ہے کہ میرا غسل تو جنابت کے لئے ہے اور امید ہے کہ غسل جمعہ کی طرف سے بھی یہ مجھے کافی ہو جائے گا اس طریقہ (سے نیت کرنے) میں اختلاف سے بھی بچاؤ ہو جاتا ہے اور لفظ حدیث کا اتباع اور اس پر عمل بھی ہو جاتا ہے۔ (قوله الوجه الاول قوله علیہ السلام من سلك طريقا السلوك بمعنى الدخول الى قوله ويصون متعبا لفظ الحديث عاماً علیہ)

(۷۶) طلب علم اور تحصیل علم دونوں علم حقیقی کے استباہ ہیں۔ یطلب بہ علما میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ طلب علم سے تحصیل علم اور اس میں مشغول ہونا مراد ہو دوسرے یہ کہ علم کا اہتمام اور اس میں کوشش کرنا مراد ہو جس کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے ”تعلموا العلم فان تعلموا للہ حسنۃ و طلبہ عبادۃ“ علم حاصل کرو کیونکہ اللہ کے واسطے علم حاصل کرنا نیکی ہے اور اس کی طلب عبادت ہے۔ اس ارشاد میں حضور نے تعلم اور طلب علم میں فرق کیا ہے اور

نفس طلب کو تعلم محض سے اعلیٰ قرار دیا ہے کیونکہ حضور نے طلب کو تو عبادت سے تشبیہ دی ہے اور تعلم کو جبکہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہو حسنہ قرار دیا ہے اور حسنہ کو عبادت متضمن ہوتی ہے (اس لئے عبادت حسنہ سے اعلیٰ ہے) اس پر شاید کسی کو شبہ ہو کہ یہاں وسیلہ مقصود سے کیوں افضل ہو گیا حالانکہ معاملہ برعکس ہونا چاہیے تھا جیسا قواعد شریعت و قوانین عبادت سے معلوم ہو چکا ہے کہ مقصود وسیلہ سے افضل ہوتا ہے (جواب یہ ہے کہ مقصود کو وسیلہ سے کم رتبہ یا اس کے مساوی نہیں کیا گیا، بلکہ دو وسیلوں میں سے ایک کو اعلیٰ ایک کو ادنیٰ بتلایا گیا ہے کیونکہ (علم) مقصود تو وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ قلوب میں القام فرماتے ہیں جیسا علماء سے ہم نے (اوپر) نقل کیا ہے اور پڑھنا پڑھانا روایت اور نقل تو اس نور کی تحصیل کا سبب ہے جس سے علم (حقیقی) حاصل ہوتا ہے۔ جیسا امام مالک کا ارشاد پہلے گذر چکا کہ علم کثرت روایت کا نام نہیں خلاصہ یہ کہ یہاں جن دو چیزوں کا ذکر ہے وہ دونوں اس نور کی تحصیل کے اسباب میں سے ہیں (مقصود ان میں سے ایک بھی نہیں) اور چونکہ ان میں سے ایک نفس پر زیادہ گراں اور دشوار ہے یعنی کوشش اور اہتمام اس کو عبادت کا درجہ دیا گیا جسمیں نفس پر مشقت اور مجاہدہ ہے اور دوسرا آسان ہے یعنی پڑھنا پڑھانا اس کو حسنہ قرار دیا گیا اور شائع علیہ السلام کا یہ ارشاد اس باب میں صریح ہے جو علماء سے اوپر نقل کیا گیا ہے کہ علم کثرت روایت کا نام نہیں حدیث کا بقیہ حصہ یہ ہے :

ومذاكرته تسبيح وتعليق، فمن لا يعلم صدقة  
وبذله لا همل قرينة، لانه معالم الحلال والحرام  
منازل سيل اهل الجنة والانس في الوحشة والصاحب  
في الغربة والحدث في الخلو والدليل على السراء والضراء  
والسلاح على الاعدام والذين عند الاخلاء يرفع الله به  
اوقاما ويجعلهم في الخيرة قادة واسمت تقيتس اثارهم

یقتدی بانعالہم وینتھی الی رائہم ترعنب الملائکتہ  
 فی خلعتہم و باحتہا تمسحہم و یتغفرلہم کل  
 رطب و یابس حتی الخیتان فی البحر و ہوامہ و سباع البر  
 انعامہ ، لان العلم حیاۃ القلوب من الجہل و مصیام  
 البصار من الظلمۃ بالعلم تبلغ منازل الاخیار والدستجاء  
 العلیا فی الدنیا والاخرۃ و التمتع فیہ یعدل بالصیام و مناسکہ  
 بالقیام و بہ توصل الارحام و یعرف الحلال والحرام و العلم  
 اماہ العمل والعمل تائبہ فیلہم السعداء و یجرحہ الشقیاء  
 علمی مذاکرہ تسبیح ہے (یعنی علمی تفکر و تجار کا وہی ثواب ہے جو فاکر مشاغل  
 کی تسبیح و ذکر کا ثواب ہے پس یہ نہ سمجھو کہ تحصیل علم میں مشغول ہونے والے فاکر  
 نہیں یا وہ فاکرین سے کم ہیں بشرطیکہ نیت خالص ہو اور جاہلوں کو علم دینا صدقہ  
 ہے اور جو اس کے اہل ہیں ان پر اچھی طرح علم کی پادش کرنا قربت و طاعت ہے۔  
 کیونکہ علم ہی حلال و حرام کے نشان قائم کر نیا لاہے اور اہل جنت کے راستوں  
 کی منزل ہے۔ علم وحشت و پریشانی کا انیس اور غربت و بیکسی کا ساتھی اور غلو  
 میں باتیں کر نیا لہ اور راحت و غم کا بتلانے والا ، دشمن کے مقابلہ میں زبردست  
 ہتھیار اور دوستوں کے سامنے زینت بخشنے والا ، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ  
 بعض لوگوں کو بندگی و رفعت عطا فرماتا اور ان کو خیر کا مقتدا و امام بنا دیتا ہے  
 جن کے آثار سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اور افعال کی اقتداء کی جاتی ہے اور ان  
 کی رائے پر معاملات چمکا کر آخری فیصلہ کیا جاتا ہے ملائکہ ان کی دوستی کی  
 خواہش کرتے اور اپنے پروں کو ان سے چھواتے ہیں اور تمام خشک و تر غلوقات  
 ان کے لئے استفادہ کرتی ہے۔

حتی کہ سمندر کی پھلیاں اور کیے ٹراؤں جنگل کے درند اور چوپائے بھی کیونکہ  
 علم (موت) جہل سے دلوں کو زندہ کرتا اور تاریکی دور کر کے بصیرتوں کو روشنی

بخشتا ہے، علم سے ہی نیک بندوں کے مقامات تک رسائی ہوتی اور دنیا و آخرت میں درجات عالیہ حاصل ہوتے ہیں۔ علمی باتوں میں فکر و غور کرنا روزہ کے برابر اور ان کا پڑھنا پڑھانا شب بیداری کے مساوی ہے۔ علم ہی سے صلہ رحمی کی جاتی ہے اور حلال و حرام کی تمیز ہوتی ہے۔ علم عمل کا امام ہے اور عمل اس کا مقتدی اس لئے نیک بختوں ہی کے دل میں علم کا شوق ڈالا جاتا ہے، بد بخت اس سے محروم رہتے ہیں (توجہ حدیث کا پورا ہوا) اور یتیم خوبیاں اور نعمتیں اسی وقت حاصل ہوتی ہیں جبکہ دو شرطیں پائی جائیں اور پوری طرح پائی جائیں (یعنی اول تحصیل علم کے لئے استہام اور کوشش کرنا پھر تحصیل علم میں لگ جانا) اس کے بعد یہ تمام بھلائیاں خود ہی ان دو شرطوں کے پیچھے پیچھے ہوں گی۔ اس حدیث کو صاحب علیہ وایت کیلئے اور اگر کوئی حجتی اس حدیث کے ضعف کا یہاں نہ ڈھونڈے تو اس سے کہہ دیا جائے کہ استاذ سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی سند کو صحیح بتلایا ہے (قولہ الوجه الثانی قولہ علیہ السلام یرطلب بہ علما الی قولہ فی الوجه الرابع صحیح مسئلۃ الاستاذ سمرقندی رحمہ اللہ)

(۷۷) جہنم سے نجات ہو جانا اسی بڑی کامیابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام پر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان فرمادیں گے، کسی ثواب یا حسنہ کا ذکر نہیں فرمایا جیسا اس حدیث میں بیان فرمایا ہے جس کو ہم نے بروایت علیہ ذکر کیا ہے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر حسنہ سے مراد ثواب ہے اور تسہیل سے مراد حصول علم کا راستہ آسان کرنا (جو دخول جنت کا سبب ہے) تو اس صورت میں حسنہ کا درجہ تسہیل سے بڑھا ہوا ہے اور تسہیل سے مراد وصول جنت کا آسان کرنا ہے تو اس صورت میں تسہیل کا درجہ حسنہ سے بڑھا ہوا ہے کیونکہ جنت کے قریب بندہ جہی پہنچ سکتا ہے جبکہ جہنم سے بچایا جائے اور جہنم سے بچ جانا بہت سی حسنات سے افضل ہے جن کے

ساتھ میں جہنم میں جانا پڑے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اور کچھ بھی نہ ہو مگر جہنم سے نجات مل جائے تو یہی بڑی کامیابی ہے پس تسہیل جنت کا درجہ حسنہ سے بلند و برتر ہوا۔ (الوجه الخاص قولہ علیہ السلام سہل اللہ علیہ طریقاً الى الجنة الى قولہ فیصون التسہیل ارفع من الحسنۃ و افضل)

**ف** سہا لے حکیم الامت دام مجہم کا مذاق بعینہ یہی ہے فرماتے تھے کہ مجھے درجات عالیہ کی ہوس نہیں بس اتنا چاہتا ہوں کہ جہنم سے نجات ہو جائے پھر چلے اہل جنت کی جوتیوں ہی میں جگہ مل جائے الحمد للہ کہ اس مذاق کی تائید حدیث سے بھی ہو گئی۔

(۷۸) علم شریعت کا طالب اللہ تعالیٰ کی پناہ میں ہے اس عمل یہ ثواب جو (یعنی طلب علم) پر مرتب کیا گیا ہے اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ صرف آخرت کے ساتھ مخصوص ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ دنیا و آخرت دونوں کو عام ہو اگر ہم اس حدیث کے لفظ کو دیکھیں تو یہ ثواب آخرت ہی کے ساتھ مخصوص معلوم ہوتا ہے اور اگر دوسری احادیث پر نظر کریں تو اس کو دنیا و آخرت دونوں کے لئے عام کہہ سکتے ہیں اور زیادہ ظاہر یہی ہے جس کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے۔

”من خرج الى المسجد ليعلم خيراً او ليتعلم ما كان في ذمۃ اللہ فان مات او دخل اللہ الجنة وان رجع کان للمجاهد رجع بالاجر والغنیمة“

”جو شخص مسجد کی طرف اس واسطے جائے کہ اچھی باتیں بتلائے گا یا سیکھے گا وہ اللہ کی پناہ میں ہو گا۔ اگر اس حال میں مر جائے تو اللہ اس کو جنت میں داخل کریگا اور اگر واپس آئے گا تو مجاہد کی طرح ثواب غنیمت لیکر لوٹے گا۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمادی ہے کہ اس کو دنیا میں بھی یہ ثواب ملے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ اور ذمہ داری میں ہو گا ثواب اس کے سوا کچھ کہنے کی گنجائش نہیں کہ طلب علم پر جو ثواب عطا ہوتا ہے وہ دنیا و آخرت دونوں کو نام ہے مگر یہ اسی وقت ہے جبکہ علم مخصوص یعنی علوم شریعت کو طلب کیا جائے جسکی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (الف لام عہدے) اشارہ فرمایا ہے اور طلب بھی اللہ کے لئے خالص ہو اور اخلاص اور حقیقت فقہ کا حاصل ہونا ہی تو بڑی چیز ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کر دیا ہے۔ اور اگر ان دونوں میں سے ایک یا دونوں کا مجموعہ حاصل ہو جائے تو حقیقی سعادت نصیب ہو گئی کیونکہ ہم اوپر بتلا چکے ہیں کہ اگر یہ وصف کسی میں پایا جائے تو اس بات کی علامت ہے کہ اس شخص کے ساتھ استدراج کا برتاؤ نہیں ہو گا۔ اور نہ پیچھے کو لوٹے گا۔ (بلکہ اس کا خاتمہ اچھا ہو گا اور بے کھٹکے جنت میں جائیگا)۔ اس کے قریب وہ بات ہے جو ہر قل نے کہی تھی اور وہ سچی اور کھلی ہوئی بات ہے کہ ایمان جب دل کے اندر پست ہو جائے پھر اس میں سے نہیں نکلتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و احسان سے یہ دونوں باتیں ہم کو عطا فرمائیں (قولہ الواجب السابع هذا الثواب المذكور علی هذا الفعل احتمال ان میراد بالآخذة الی قولہ من اللہ علینا بمجموعہما بمنہ ویمنہ)

**ف** اس مقام سے اہل علم کو سبق لینا چاہیئے کہ جب وہ اللہ کی پناہ اور ذمہ داری میں ہیں پھر معاش کی طرف سے کیوں پریشان ہوتے ہیں ان کو اخلاص کے ساتھ علم حاصل کرنا اور علم حقیقی کے لئے سعی کرنا چاہیئے اور امر معاش کی طرف سے بیفکر رہنا چاہیئے۔ ۱۲

**ف** طلب علم میں اخلاص کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ امر معاش کی پریشانی نہ ہو جس شخص کو معاش کے متعلق پریشان دیکھا جائے سمجھ لو کہ اس نے اخلاص نیت کے ساتھ علم حاصل نہیں کیا۔



فہ اخلاص فی العلم کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اس کے وسیلہ سے بارگاہ الہی میں عرض معروض کر سکے۔ جس شخص نے اخلاص کے ساتھ علم حاصل نہیں کیا وہ اپنے علم کے وسیلہ سے دعا کی جرات نہیں کر سکتا۔ قالہ العلامۃ عبدالوہاب الشعرانی۔

ف حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد تعلیم و تعلم کی خاص جگہ ہے مگر شرط یہ ہے کہ تعلیم باجرت نہ ہو اور علوم شرطیہ کے سوا کسی اور علم کی تعلیم نہ ہو۔

م

## قیام الامت الحمدیۃ علی الحق الی یوم القیامت

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں اس کو دین کی سمجھ بھلائی عطا فرمادیتے ہیں اور میں تو مفسر تقسیم کرنے والا ہوں دینے والا اللہ تعالیٰ ہے اور یہ امت ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گی کوئی مخالف اس کو ضرر نہیں پہنچا سکے گا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے۔

**شرح** ظاہر حدیث تین احکام پر دلالت کرتا ہے۔ ایک خیر کا فتنی الدین پر معلق و موقوف ہونا۔ دوسرے اعطا کا درحقیقت اللہ تعالیٰ

کے لئے بلا شرکت غیر کے مخصوص ہونا۔ تیسرے یہ کہ اس امت میں سے کچھ لوگ قیامت تک حق پر رہیں گے یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے ان کی مخالفت کرنے والا ان کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور اس میں چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۹)، مبارک ہے وہ جسے ہاتھوں سے خیر کا سلسلہ جاری ہو حضور کا یہ ارشاد کہ

میں تو تقسیم کرنے والا ہوں دینے والا اللہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت اور اللہ کے نزدیک آپ کے مرتبہ کی عظمت و بلند سی کی بڑی دلیل ہے کیوں کہ

جس خیر عظیم سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر رحم فرمایا ہے اس کی تقسیم کو آپ کے ہاتھوں میں دے دیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اللہ کو میسر سوا کوئی معبود نہیں میں نے خیر کو پیدا کیا اور اس کے اہل اور قابل طہارت کو بھی پیدا کیا پس مبارک ہیں وہ جن کو میں نے خیر کے لئے پیدا کیا اور خیر کو ان کے لئے پیدا کیا اور ان کے ہاتھوں سے خیر کے سلسلہ کو جاری کیا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں میں جن کے ہاتھوں خیر کے سلسلہ کو جاری کیا گیا ہے سب افضل اور بزرگ تر ہیں (الوجہ الثانی قولہ علیہ السلام انما انا قاسم الی قولہ ہواجل من اجری الخیر علی ید یدہ)

وہ پس جس کے ہاتھ سے کوئی سلسلہ خیر ظاہری یا باطنی جاری ہوا ہو اس کو اللہ کی اس نعمت سے خوش ہونا چاہیے مگر ناز نہ کرے اپنا کمال نہ سمجھے بلکہ جان لینا چاہیے کہ یہ سب اللہ کا فضل ہے اگر وہ بجائے اس کے دوسرے کو خیر کے لئے پیدا کر دیتے تو جو سلسلہ اس کے ہاتھ سے جاری ہوا دوسرے کے ہاتھ سے جاری ہو جاتا وان تتولوا یتبدل قوما غیرکم ثم لا یتولوا امثالکم

## ۸۰ عطا صراف اللہ کے قبضہ میں ہے رسول اور خلفاء رسول محض

**تقسیم کرنے والے ہیں** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات مقدسہ کا نام قاسم کیوں رکھا؟ حالانکہ قاسم اس کو کہتے ہیں جو کوئی مخصوص شے خاص لوگوں پر تقسیم کرتا ہو، جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات مقدسہ کا نام قاسم اس حقیقت کی وجہ سے رکھا ہے جس کا بیان اوپر گذر چکا کہ اللہ تعالیٰ نے اس خیر کو آپ کے ہاتھوں سے تقسیم کیا ہے جس سے مسلمانوں پر رحمت نازل ہوئی چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شریعت کو پوری طرح فاضح طود پر بیان فرما دیا پھر عدد کی تعیین فرمائی اور اچھے کاموں کی ترغیب دی اور بُرے کاموں سے ڈرایا کہ جو ایسا کریگا اس کو یہ صلہ ملے گا۔



اس کے سوا اور بھی بہت سی آیات ہیں

یہ حقیقت ظہور میں آچکی اور جی طور سے اس کا مشاہدہ ہو چکا ہے کہ کیونکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ہدایت کے راستے یکساں طور پر بیان فرمائے ہیں کسی خاص عبادت کے ساتھ اس کو مخصوص نہیں فرمایا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جس کو چاہا تصدیق و اتباع کی توفیق دی اور اپنے عدل سے جس کو چاہا محروم کر دیا اور اپنی حکمت سے جس کو چاہا ایک حصہ کے قبول کی ہدایت کی اور ایک حصہ سے محروم کر دیا (قولہ الوجہ الثالث لقائل ان يقول لم سعی علیہ السلام نفسہ الی قولہ والاعراض عن بعض)

ف یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو انعام نسبت کو مشائخ کے اختیار میں سمجھتے ہیں کہ وہ جس کو چاہیں ولی بنا دیں جس کو چاہیں محروم کر دیں ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ جب سینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں یہ بات نہیں تو اوروں کا کیا ذکر؟ بات یہ ہے کہ مشائخ کے اختیار میں راستہ بتلانے سے زیادہ کچھ نہیں مگر سنت اللہ یہ ہے کہ جو لوگ مشائخ کا اتباع کرتے اور ان کو راضی رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے لئے راستہ کھول دیتے ہیں من اطاعا ۱۶ میری عقیدہ اطاعنی ومن اطاعنی فقد اطاع اللہ اور اتباع مشائخ کی ضرورت اس لئے ہے کہ اتباع رسول بدوں اس کے حاصل نہیں ہوتا مشائخ کا تعلق رسول اللہ کے ساتھ ایسا ہے جیسا جملہ کلمہ اور کمشنر کا تعلق وائسرائے سے ہے جس طرح وائسرائے کی اطاعت اس کے ماتحت حکام کی مخالفت کر کے حاصل نہیں ہو سکتی اسی طرح رسول اللہ کی اطاعت خلفائے رسول کی مخالفت کر کے حاصل نہیں ہو سکتی امید ہے کہ یہ مثال اہل فہم کے لئے کافی ہو گئی ہوگی۔

(۸۱) مثال ذریعہ سے مقصود کی توضیح کرنا چاہیے

حدیث میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ

عالم کو احکام کی تقریر کرتے ہوئے مثالیں بیان کرنا چاہئیں یہاں تک کہ مخاطب مراد کو

سمجھ جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات مقدسہ کو قاسم سے تشبیہ دی ہے (جن میں چند حقائق کی طرف اشارہ ہے) جیسا اسی بیان ہوا اور اس وجہ سے امام مالک نے بیان فرمایا ہے بالسماعی استعبدنا لا بالالفاظ ہم کو معافی سے غلام بنایا گیا ہے نہ الفاظ سے اور اسی لئے ذات انطاہین (حضرت اسماء رضی اللہ عنہا) نے معلم سے فرمایا جب اپنے بچہ کو تعلیم قرآن کے لئے اس کے حوالے کیا ادب و احسن تادیبہ والرحمن علی القدرات اس کی نگہداشت کرو اور اچھی طرح نگہداشت کرو اور قرآن تو (جس کو سکھلایا) رحمن ہی نے سکھلایا، یہ لوگ اس حقیقت کو سمجھ ہوئے تھے کہ دینے والا کون ہے، اور حکمت کا معاملہ اشیاء میں کس طرح ہے؟ پس اولاد کو معلم کے حوالے کرنا مقتضائے حکمت ہے یہ نہیں کہ علم کا عط کرنا معلم کے ہاتھوں میں ہے، اور جو لوگ اس حقیقت سے ناواقف ہیں وہ ہمیشہ بچے کی قلت حفظ اور ہر کوتاہی کو معلم کے قصور کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ ان کا خیال صحیح نہیں (یہ بھی ممکن ہے کہ معلم نے تعلیم میں کوتاہی نہ کی ہو اور بچہ کو علم نہ آتا ہو) کیونکہ محروم کرینا اور دینے والا تو تمام اشیاء کا خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی، رزق ہو یا علم اللہ جل جلالہ ہے بس بندہ کا فرض منصبی یہ ہے کہ حکمت کا اتباع کرے اسباب کو کام میں لائے اور نتیجہ کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کرے۔

الوجد الرابع فی هذا دلیل علی ان للعالم ان یضرب الہ مثال  
 و حضرات صوفیہ مثال کے بادشاہ ہیں وہ غامض سے غامض علوم و معارف کو مثالوں میں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ معانی معقولہ محسوس و مشاہد معلوم ہونے لگتے ہیں اور یہ میراث اُن کو کمال اتباع رسول سے حاصل ہوئی ہے۔

## (۸۲) اسباب میں خود کوئی تاثیر نہیں مگر اُن کا اختیار کرنا ضروری ہے

حدیث سے دو علمی مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ اسباب میں بالذات خود کوئی تاثیر نہیں بلکہ قدرت کی مشیت نے جتنا اثر ان میں رکھ دیا اتنا ہی ہے دوسرے یہ کہ اسباب کے اختیار کرنے کی

ضرورت ہے کیونکہ مقنن حکمت پر ہی ہے اور حکمت کو چھوڑنا مخالفتِ خدا میں داخل ہے۔  
 ف یہی وہ بات ہے جس کو متکلمین اشاعر نے علمِ کلام میں بیان فرمایا ہے اور یہ مسئلہ  
 اشاعر کے کمالِ ایمان اور کمالِ اتباعِ نصوص کی دلیل ہے مگر افسوس بعض لوگوں نے  
 جن کے ایمان پر فلسفہ نے غلبہ پالیا ہے۔ اس مسئلہ کی وجہ سے اشاعر کا بہت مضحکہ اٹایا  
 اور یہ کہا کہ اشاعرہ سلسلہ اسبابِ مسبباتِ علل و معلولات ہی کے منکر ہیں، پھر انکی  
 توہین و تحقیر کے لئے ہومنہ میں آیا کیا اور جہول میں آیا لکھ مارا، حالانکہ یہ حضرات نہ سلسلہ اسباب  
 و مسببات کے منکر ہیں نہ سلسلہ علل و معلولات کے، ان کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ جس  
 کو تم سبب یا علت کہتے ہو اس میں خود کوئی تاثیر نہیں بلکہ سبب یا علت پر مسبب  
 یا معلول کا ترتیب حق تعالیٰ کے حکم و ارادہ سے ہوتا ہے، یہ نہیں کہ خلقِ علت و سبب کے بعد  
 مسبب و معلول خود بخود پیدا ہو جائے جیسا فلاسفہ کا دعویٰ ہے کہ ان کے نزدیک تخیل جعل  
 بین اللازم والملزوم باطل اور جعل سبب و علت ہی وجود مسبب و معلول کیلئے کافی ہے  
 حضرات اشاعرہ اگر سلسلہ اسبابِ علل کے منکر ہوتے تو اختیاراتِ اشبا کو ضرور کیا اور ترک  
 اشبا کو ناجائز اور داخلِ عناد و مخالفت کیوں کہتے ؟ ایسے منکرہ رجل رشید ؟

اس جگہ یہ سوال پیدا ہو گا کہ

### (۸۳) اسبابِ دین اور اسبابِ دنیا کا فرق

تو تاکید کی ہے اور غیبتِ دلالی چنانچہ فقہ فی الدین بھی ان کا ایک فرقہ ہے اور دنیا کی مذمت  
 کی اور اس کے اسباب بے رغبتی کی تعلیم دی اور زندگی بہت تاکید کی چنانچہ رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لَنْ تَمُوتَ نَفْسٌ حَتَّى تَسْتَكْمَلَ رِزْقَهَا فَاتَّقُوا اللَّهَ  
 وَاجْعَلُوا فِي الطَّلَبِ كَوْنِي شَعْنٍ ہرگز نہ مرے گا جب تک اپنا رزق پورا نہ کر لے پس اللہ سے  
 ڈرو اور طلبِ دنیا میں اجمال سے کام لو (جب اسباب کا اختیار کرنا حکمت کا مقتضاء ہے تو  
 اسبابِ دنیا سے بے رغبتی کی تعلیم کیلئے دی گئی) جواب یہ ہے کہ (حضور نے ترکِ اسبابِ دنیا کی  
 تعلیم نہیں دی بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اسبابِ دنیا میں اجمال سے کام لو زیادہ حرص اور انہماک سے  
 کام نہ لو کیونکہ) اس عالم میں رزق مفسوم (اور مقدر) ہو چکا اور اسکی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لے

لیے جیسا آیات و احادیث سے معلوم ہو چکا ہے تو شائع علیہ السلام نے اسی وجہ سے اسباب دنیا میں بے رغبتی کی تعلیم دی کہ ایمان کا مقتضی یہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں (مسلمانوں کی تعریف بیان کرتے ہوئے) ارشاد فرماتے ہیں یٰۤاٰمَنُوْنَ بِالْغَيْبِ کہ وہ غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور اسباب دنیا میں حرص کرنا ایمان کے لئے آفت اور تعذیب کی کمزوری اور تحصیل حاصل میں (بلا وجہ) مشقت و تعب (کا سبب) ہے اور (ثمرات آخرت کی ذمہ داری نہیں کی گئی بلکہ اُن کو اخست یا اسباب پر موقوف رکھا گیا ہے اور) اسباب (آخرت یعنی) اعمال صالحہ کے اختیار کرنے میں ایمان کو قوت اور حکم الہی کی موافقت ہے اور اس کے ساتھ دنیا سے محرومی بھی نہیں ہوتی بلکہ جتنا دنیا میں اس کے لئے مقدم ہو چکا ہے وہ یقیناً اس کے پاس پہنچ کر رہے گا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مَنْ بَدَأَ بِحَظِّهِ مِنْ آخِرَتِهِ مَا ارَادَہُ وَلَمْ يَفْتَدِ مِنْ دُنْيَاہُ فَاَقْتَصَرَ لِدُوْشَخْصٍ اِیْنِ آخِرَتِهِ كَے حصہ کو دنیا پر مقدم کرے گا وہ آخرت سے اپنی مراد پالے گا اور دنیا سے جتنا حصہ اس کے لئے مقدم ہو چکا ہے وہ بھی فوت نہ ہوگا، آیات و احادیث اس مضمون میں بکثرت وارد ہیں اور اس میں رغبت کرنا حقیقی ایمان ہے اور جو چیز ایمان کی حقیقت یا اس کے لازم میں سے ہو اس کا اختیار کرنا اور اس کا مستحق ہو گا اور اس کے کام کی قدر کی جائے گی اور اس کی مثال مجتہد جیسی ہوگی کہ اگر اس کا اجتہاد صحیح ہو جائے تو دوسرا ثواب ملتا ہے اور اجتہاد میں غلطی ہو جائے تو ایک ثواب ملتا ہے کیونکہ وہ (اپنی طرف سے) اسباب اجتہاد میں کوشش خرچ کر چکا پھر بھی خطا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی محنت کو ضائع نہیں فرمائے کیونکہ اس نے اپنی سی کوشش میں کوتاہی نہیں کی بخلاف اس شخص کے جو جہالت کے ساتھ کام کرتا ہے کہ اس کو ثواب نہیں ملتا گو عمل درست ہی ہو جائے، ظاہر اور صحیح قول یہی ہے الوجہ السادس لقائل ان يقول قد خضت الشريعة وندبت في اعمال البر الى قوله على اظهر الوجوه وادلاها

ف یہاں سے سالکین طریق کو سبق لینا چاہیے کہ طالب آخرت کسی حال میں



محرم نہیں اگر کامیاب ہوا تو دوسرے ثواب کا مستحق ہے، ناکام ہوا تو ایک ثواب کہیں نہیں گیا، مگر شرط یہ ہے کہ طلب قلم کے موافق ہو۔ جہل کے ساتھ طلب میں کچھ ثواب نہیں، اس لئے طالبِ اخلاص کو لازم ہے کہ جو کام بھی کرے پہلے اس کا علم حاصل کر لے اور یہاں سے اُن جہلاءِ صوفیہ کی غلطی بھی واضح ہو گئی جو طلب آخرت کیلئے علم کی ضرورت نہیں سمجھتے۔  
**(۸۴) ذہد بدون تقویٰ کے آسان نہیں**  
 یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ذہد بدون تقویٰ کے آسان نہیں ہوتا

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے فاتقوا اللہ واجملوا فی الطلب اللہ سے ڈرو اور دنیا کی طلب میں اجمال سے کام لو، اور یہ ایسا ہی ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فاتقوا اللہ وיעلمکم اللہ اللہ سے ڈرو اور اللہ تم کو تعلیم دے گا دونوں جگہ واؤ عالیہ ہے (جس سے معلوم ہوا کہ علم بھی بدون تقویٰ کے حاصل نہیں ہوتا اور جو علم بدون تقویٰ کے حاصل ہوتا ہے وہ علم بھی ہے حقیقی نہیں کیونکہ حقیقی علم تو ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ قلب میں پیدا کر دیتے ہیں اور وہ بدون تقویٰ کے حاصل نہیں ہوتا، پس تمام اعمال صالحہ کی اصل تقویٰ ہے جب یہ کسی کا حال بن جاتا ہے تو ذہد خود بخود شوق سے آجاتا ہے، اسی وجہ سے صوفیاء دوسروں سے زیادہ زاہد..... اور زیادہ تاک اسباب ہیں کیوں کہ اُن کا تقویٰ دوسروں سے بڑھا ہوا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

لَوْ تَوَكَّلْتُمْ عَلَى اللَّهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ

تَقْدِرُوا خِمَاصًا وَ مَتْرُوحًا بَطْأَانًا

”اگر تم اللہ پر توکل کرتے جیسا توکل کا حق ہے تو اللہ تعالیٰ تم کو اس

طرح رزق دیتے جس طرح پرندوں کو دیتے ہیں کہ وہ صبح کو بھوکے

جاتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر آتے ہیں“

اس پر بعض لوگوں نے جن پر طلب دنیا کی حرص غالب تھی یہ کہا کہ پرندوں

کا ہوا میں اڑنا بھی رزق حاصل کرنے کا ایک ذریعہ اور سبب ہے تو اس حدیث میں

اختیار اسباب کی ترغیب ہے (نہ تو اسباب کی)، اور یہ گفتگو محض لچر ہے بعض اہل  
 تحقیق نے اس کا تسلی بخش جواب دیا ہے اور وہی حق ہے جس میں کچھ شبہ نہیں انہوں نے  
 فرمایا کہ پرندہ کا اڑنا (اس کا طبعی فعل ہے طلب رزق کے واسطے نہیں پس اس کا یہ فعل)  
 ایسا ہے جیسا ریشہ والے کے ہاتھ کی حرکت دونوں میں کچھ فرق نہیں اس لئے اس پر  
 کوئی حکم لگانا صحیح نہیں، اس محقق نے اس بات کو سمجھا ہے کہ شارح علیہ السلام نے نما  
 حیوانات میں سے پرندوں کا ذکر خاص طور سے کیوں کیا؟ وجہ یہ ہے کہ دیگر حیوانات  
 یعنی وحوش و حشرات اسباب معاش کی تلاش میں بہتے ہیں چنانچہ چرنوالے جانوروں  
 کو تم ہمیشہ اس حال میں دیکھو گے کہ وہ سرسبز زمین کو تلاش کرتے اور خشک زمین  
 کو چھوڑتے ہوں گے، خشک زمین میں ان کو کبھی نہ دیکھو گے اور شکاری جانوروں کو شکار  
 کی تلاش میں پاؤں گے کہ خوشبو سونگھ کر اس کے پیچھے لگے ہتے ہیں یہاں تک کہ شکار ہاتھ آجائے  
 تو چونکہ اور حیوانات تلاش اسباب میں بنی آدم کے مشابہ ہیں اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے ان کو چھوڑ کر پرندوں کا ذکر فرمایا جو ہوا میں اڑتے ہیں، اور (ظاہر ہے کہ) ہوا میں کوئی ایسی  
 جگہ نہیں جس کا قصد کیا جائے نہ وہ ہے جو جگہ لیا جائے نہ کوئی چیز ہے جس کو چر لیا جائے نہ وہاں تو ہوا  
 دشمنی کے سوا کچھ نہیں، پرندے اسی میں پھرتے اور گشت رگتے ہتے ہیں یہاں تک کہ ان کا رزق ان کے  
 پاس پہنچ جائے یا اللہ تعالیٰ ان کو رزق کے پاس پہنچا دیتا ہے اسی حقیقت کی وجہ سے حضور نے پرندوں  
 کو ذکر کیلئے مخصوص فرمایا دوسرے حیوانات کا ذکر نہیں کیا اگرچہ وہ بھی سبک سبب کو بھوکے (جنگل جاتے  
 اور شاخ کو پیٹ بھرتے ہیں) (الوجه السابع فی هذا دلیل علی ان الزهد لا یصل الی بالتقویٰ الی  
 قولہ تغذوا خماصا وتروح بطانا)

ف اس جواب میں چند شکالات ہیں جو اہل فہم پر مخفی نہیں اس لئے یوں کہنا چاہئے کہ بیشک طائر  
 ہی ایک تیر میں تسبیح مگر وہ اس درجہ اجمال سے زیادہ نہیں جس کا حدیث میں حکم ہے حضور کا مطلب  
 یہ ہے کہ اگر تم کو توکل کا موقع حاصل ہوتا تو رزق کی طرف سے ایسے بے فکر ہو جاتے جیسے پرندے بے فکر ہیں کہ ان  
 کو کل کے واسطے ذخیرہ جمع کرنے کی حرص نہیں وہ اللہ کے چھوڑے صبح کو بھوکے اڑتے ہیں اور شاخ کو  
 پیٹ بھر کر واپس آ جاتے ہیں اور گویہ تادوسرے حیوانات کے اندر بھی موجود ہے مگر ان میں جو انسان

سے مانوس ہیں انکی غذا انسان خود ہیا کرتا ہے اور جو وحشی ہیں وہ انسان کے سلفے نہیں رہتے اسلئے انکی حالت کا پورا مشاہدہ نہیں ہوتا اور پرنسے خواہ مانوس ہوں یا وحشی انکی حالت کا انسان کو مشاہدہ ہے اسلئے خصوصیت کیساتھ ان کا ذکر کیا گیا واللہ تعالیٰ اعلم۔

## (۸۵) اس امت میں ایک ایک جماعت دین کے ایک ایک شعبہ کو سنبھالتی رہیگی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں کہ یہ امت ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہیگی دو احتمال ہیں کہ امت سے مراد امت ہو یا خاص افراد اگر خاص افراد مراد ہیں تو کچھ اشکال نہیں کیونکہ اہل بیت بعض سے کل اور کل سے بعض کا قصد کیا کرتے ہیں، دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانہ کے فتنوں سے جو خبر دی ہے کہ علم آٹھ جگہ کا جہالت اور ظلم کا غلبہ ہوگا وغیرہ وغیرہ وہ سب انہما کی جنس سے ہیں اور یہ حدیث بھی جسکی ہم شرع کر رہے ہیں خبری ہے اور انہما میں نسخ ہو سکتا اب اگر اس حدیث کو خصوص پر معلق کیا جائے تو اس کے معارض جتنی احادیث ہیں سب اپنی جگہ پر صحیح ہیں گی مگر اُن کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے **انفرت بنو اسرائیل علی ثلثین وسبعین فرقة و ستفتقر امتی علی ثلاثہ و سبعین فرقة کلہا فی النار الا ولحدۃ کہ بنی اسرائیل تو بہتر فرقوں میں منقسم ہوئے تھے اور ہر امت میں تہتر فرقے ہوں گے جن میں سوا ایک کے اور سب جہنم میں جائیگے تو یہی ایک فرقہ جسکی اس حدیث میں خبر دی گئی ہے وہی اس امت کا مصداق ہے جسکے متعلق یہاں گفتگو ہو رہی ہے کہ وہ قیامت تک اللہ کے حکم پر رہے گی) بعض ولایات کے الفاظ اس مطلب میں مرید ہیں چنانچہ آپ کا ارشاد ہے **لا تزال طائفة من هذه الامة کہ اس امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر رہیگی**، جس کا مطلب بعض علماء نے اسطرع بیان کیا ہے کہ اہل علم کی ایک جماعت اللہ کی رضی کیونانی علم کا حق ادا کرتی رہیگی اسید طرغ اہل حقیقت میں ایک جماعت ہوگی (جو حقیقت کا حق ادا کریگی) اور ایسے ہی اعمال کا عالم بجا لانیوالوں کی ایک جماعت ہوگی غرض انواع و اقسام میں سے خواہ علم ہو یا حال ہو یا حقیقت ہر اک ہر نوع کو بجا لانے والی مسلمانوں کی ایک عتقا ہوگی جو اس نوع کے بجا لانے میں مشغول ہوگی۔ کوئی مخالف اُن کو ضرور نہ پہنچا سکے گا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے اور اگر امت سے مراد امت ہو جب بھی کچھ اشکال نہیں کیونکہ اس فقرہ میں امت سے مراد حقیقی امت ہے، اور امت حقیقی ہی ہے جو اس صفیت سے**

موصوف ہو جسکے حدیث میں ذکر ہے اور ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں مراد ہے امتی  
 کلاماً فی الجنة کہ میگز ساری امت جنتی ہے یعنی امت حقیقیہ جو آپ کے راستہ اور طریقہ پر چلتی ہے ان کے  
 علاوہ جو اور لوگ آپ کی امت کہلاتے وہ ان کی مشیت اور مرضی کے حوالہ ہیں جن میں سے بعض تو آپ کی  
 امت میں اصلاً نہ ہوں گے یہ وہ ہیں جن کو خاتمہ کو قوت بدل دیا جائے (اور اسلام سے ہٹا دیا جائے) گا اللہ تعالیٰ ہمیں  
 اس سے بچائے اور بعض وہ ہیں جن کو قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحیحاً حقیقاً (دور ہو  
 جاؤ، دور ہو جائی فرمائیں گے، ان کے اندر ایمان کا کوئی (ظاہری) حصہ ہوگا اسی لئے وہ اس امت کی علامت  
 پر اٹھائے جائیں گے (اور ان کے باطن میں ایمان نہ ہوگا اسلئے حضور ان کو عذاب دیں گے اور غالباً یہ وہ لوگ  
 ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسلام لے آئے تھے اور حضور کی وفات کے بعد زندہ ہو گئے) اور  
 بعض وہ ہیں جن کی دستگیری حضور کی شفاعت کریگی بعد ازاں کہ وہ اپنی قسمت کے موافق سخت پریشانی  
 برواشت کر سکیں گے (شفاعت کی وجہ سے عذاب سے بچے جائیں گے) جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
 وسلم نے فرمایا ہے اختبأت شفاعتی لاهل الکتاب من امتی میں نے اپنی شفاعت کو اپنی  
 امت کے بڑے گنہگاروں کے واسطے چھپا کر رکھا ہے اور بعض وہ ہیں جن کو ان کے گناہوں کے  
 موافق قسم قسم کے عذابوں کا سامنا ہوگا پھر شفاعت کے ذریعہ جہنم سے نکالے جائیں گے کیونکہ  
 بہت سی احادیث میں وارد ہوئے کہ گناہوں کی مروج کے لئے جہل عذاب ہے جو اس کے ساتھ حضور  
 ہے یا اس کے قریب کچھ اور الفاظ ہیں الوجه الثالث من قولہ علیہ السلام ولئن تذا  
 ل هذا الامم الى قولہ امرانی معناه :

ف لایزال طائفۃ من امتی کی شرح میں علامہ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ تقسیم عمل پر لڑنے  
 ولایت کرتا ہے کہ مروج غیر لائق ادا کرنے والی ایک ایک جماعت طیفہ طیفہ ہوگی، یہ نہیں کہ ہر  
 جماعت تمام انواع خیر میں مشغول ہوگی، پس یہاں سے الکی غلطی واضح ہو گئی جو علامہ اور مشائخ کو  
 بھی سیاسیات میں شریک ہونے کا مشورہ دیتے ہیں، ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ ہر جماعت سب کاموں  
 میں مشغول نہیں ہو سکتی، اگر ایسا ہوگا تو کوئی کام ہی پوری طرح انجام کو نہیں پہنچے گا، تقسیم عمل ترقی  
 کا معیار ہے بدن اس کے کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی اور یہ ممکن تو اس موقع میں ہے جو سیاسیات  
 ملکیت شریعت اسلامیہ کی موافق ہوں اور شریعت کے خلاف ہوں تو ان کو انواع میں شمار کرنا ہی حتم

ہے، جیسا آج کل سیاست میں مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے مفتی اور مولانا ایسے جلیلو کی مدارت کرتے ہیں جنہیں ہندوؤں کی نوجوان لڑکیاں ساڑھیاں باندھے گلے کھوئے ہوئے اسٹیج پر تقریریں کرتی اور گانا گاتی ہیں اور بڑے بڑے مدرسوں کے علمائے اہل طلبہ ہندو لیڈروں کے استقبال کو اسٹیشن پر جاتے ہیں اور جب وہاں ملاقات کا موقع نہیں ملتا تو فروگاہ پر ملنے جاتے ہیں ایبتخون عندہم العزۃ فلما العزۃ جیعا سے

پھرتے ہیں میر غار کوئی پوچھتا نہیں اس ماضی میں عزت سدا بھی مگی

(۸۶) اکثریت بھاگ اور قلت کی طرف مائل ہو  
حدیث میں اسکی بھی دلیل ہے کہ باطل کو غلبہ ہوگا اور اہل باطل کی کثرت ہوگی

یونکہ جب ایک جماعت کے سوا حق پر کوئی نہ ہوگا تو باقی سب، مگر ای پوہوں گے، اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں اس جماعت کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں (الا الدین آمنوا و عملوا الصالحات، عقلیل ساهم کر ایمان والے تھوڑے ہی ہوں گے اور ارشاد ہے فماذا بعد الحق الا الضلال کہ حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے، جب ایک جماعت میں حق پایا گیا تو اسے سوا جو کچھ ہے باطل ہی باطل ہے اب اگر تو عقل رکھنے والے تو اکثریت سے بھاگ اور قلت کی طرف مائل ہو، سلامتی سے کامیاب ہو جائیگا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بدأ الاسلام غریبا وسیعود غریبا فظہی للغریب من امتی اسلام بے سروسامانی کے ساتھ شروع ہوا اور اخیر میں بھی بے سروسامانی ہو جائے گا پس میری امت میں بے سروسامانی جماعت کے لئے خوشخبری ہے، عرفی کیا گیا یا رسول اللہ آپکی امت کے میں بار ادا ہے سروسامان لوگ کون ہیں؟ فرمایا وہ جو لوگوں کے بگڑنے کے وقت دست دیں گے۔

ف اس مقام پر اہل سیاست کو غور کرنا چاہیے جو کثرت کا لاگ لگاتے ہیں اور کثرت پانے کو اصول شریعت میں ٹھونسے اور اس پر فیصلہ کا مدار رکھنا چاہتے ہیں، وہ دیکھیں کہ احادیث نبویہ سے کیا معلوم ہوتا ہے اور علماء اہل حق نے ان سے کیا سمجھا ہے؟ فہل من مدکر؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد

(۸۷) اہل حق کو مخالفین کی مخالفت کا اندیشہ نہ کرنا چاہیے

لا یضربہم من خالفہم کہ اُن کا مخالف ان کو ضرور نہ پہنچائے گا، تین احتمال لکھتا ہے ایک یہ کہ قاضی بالامر کی ذات مراد ہو کہ کوئی شخص ان کی ذات کو ضرور پہنچائے نہ قادر نہ ہو گا دوسرے یہ کہ اگر وہ مخالفین کے پاس یا اُن کے درمیان جیتے ہوں اور اس وجہ سے انکی اصلاحی کوششیں پوری طرح کامیاب نہ ہوتی ہوں تو مخالفین کی مخالفت سے اُنکے عمل کو ضرور نہ پہنچے گا ان کا عمل مقبول ہو گا اور ثواب میں کچھ کمی نہ ہوگی (بلکہ اجر میں ترقی ہوگی) کما دلت علیہ النص (حیرے یہ کہ اس مخالفت سے نہ اُن کو ضرور ہو گا نہ اُنکے عمل کو نقصان پہنچے گا اور یہی مطلب زیادہ ظاہر ہے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں وکان حقاً علینا نصر الہومنین کی مدد ہمارے ذمہ ہے نیز ارشاد ہے لا یضربہم من خالفہم اذا اہتدیتہم جب تم ہدایت پر ہو تو گمراہ ہونے والے کو ضرور نہیں پہنچا سکتے۔

اگر گیتی سراسر باد گھیر دو! چرخ مقبلاں ہرگز غمیز

اور امیں اُن لوگوں کیلئے بڑی بشارت ہے جو اس صفت سے محروم ہوں جو اس حدیث میں مذکور ہے کہ اُن کو ضرور کچھ اندیشہ نہ کرنا چاہئے اگرچہ مخالفین کتنے ہی زیادہ ہوں اس شخص کا دل ہوتے مطمئن اور سینہ ہمیشہ منشرح ہو گا کیونکہ بھڑا صاف ہے اور جسکی طرف سے خبر ہے وہ عالم وقادر ہے اس مضمون پر اللہ تعالیٰ نے بھی متنبہ فرمایا اور مرحلہ اس کو بیان فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے وکان حقاً علینا نصر الہومنین جیسا اسی ذکر ہوا اور جن مومنین کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد کو محض اپنے فضل سے لازم کیا ہے وہ وہی ہیں جن کی صفت اس حدیث میں بیان کی گئی ہے (یعنی اللہ کے حکم پر قائم رہنے والے) اسی لئے بعض بندگان نے یعنی یمن بن نازق رحمہ اللہ نے فرمایا ہے اذا وافقت الشریعة ولا حظت الحقیقة فلا تنبالی وان خالف رأیک جمیع الخلیقة جب تم شریعت کی مطابقت چل رہے ہو اور حقیقت تمہارے پیش نظر ہو پھر کچھ پرانا نہ کرو اگرچہ تمام مخلوق تمہاری رائے کی مخالفت کرتی ہو۔ الوجه الثالث عشر قوله علیہ السلام لا یضربہم من خالفہم والوجه الرابع عشر فی ہذا بشارۃ عظیمۃ الی قوله وان خالف رأیک جمیع الخلیقة۔

ف اس مقام سے سائکین و عافین کو سبق لینا چاہئے کہ جب وہ شرفیت کی مافیہ چل رہے ہوں اور حقیقت پیش نظر ہو پھر کسی مخالف کی مخالفت کی ان کو پرواہ نہ ہونا چاہئے، انشاء اللہ وہی کامیاب اور

غالب ہوں گے اور مخالفین ناکام اور مغلوب ہوں گے ۔

## (۸۸) موت خوش ہونا اور اشتیاق کیساتھ اس کا انتظار کرنا چاہیے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد حتیٰ یأتی امر اللہ یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے، دو احتمال لکھتا ہے ایک یہ کہ حکم الہی سے مراد قیامت ہو، دوسرے یہ کہ بڑی بڑی نشانیاں ملو ہوں جتنی کہ قریب ظاہر ہوں گی یعنی عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نازل ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ دین کو زندہ کریں گے اور جب کہ اللہ تعالیٰ چاہیں گے وہ زندہ ہیں گے اور وفات پا کر مسلمانوں کے درمیان دفن ہوں گے پھر ان کے بعد تھوڑی عرصہ تک مسلمان باقی رہیں گے پھر ان کی حالت میں فعل واقع ہونے لگے گا اور زنتی کرے گا جب یہ عمل حد سے گزر جائے گا تو اللہ تعالیٰ عرش کے نیچے سے ایک نمرود ناکم ہوا بھیجیں گے جو تمام مسلمانوں کی وجہیں قبض کر لے گی قرآن کو اٹھا لیا جائے گا ادا سوت بجز بدترین مخلوق کے (دنیا میں) کوئی نہ رہے گا، شیطان ان کے پاس آئیگا اور گمراہی میں مبتلا کر کے جاہلیت سابقہ کی طرف لوٹا دیگا اور صوفیہ نے بطور اشارہ کے حدیث سے یہ بھی سمجھا ہے کہ ۱۲۰ سال بعد مگر مراد خاص ہے یعنی یہاں تک کہ اللہ کا وہ حکم آجائے جو ہر ایک کے ساتھ بلا شرکت غیرے اللک اللک متعلق ہونا ہے یعنی موت تو حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ کسی مخالف کسی مخالفت ان کو ضرور نہ دے سیکے یہاں تک کہ بہترین حالت چوں کہ موت آجائے اس وقت اللہ کے وعدہ جمیل سے اُن کے سینے کھلے ہوئے (اور قلوب مطمئن ہوں گے اور خوشی کے ساتھ موت کا اس طرح انتظار کریں گے جیسا کوئی غم اپنے گھروالوں کے پاس جانا ہے اور گھر والے اس کا انتظار خوشی کے ساتھ کرتے اور اسکے اشتیاق میں گن گن کر دن گزارتے ہیں) اللہ تعالیٰ ہم کو بھی موت سے خوشی عطا فرمائیں اور اد اپنے فضل و کرم سے اس دن کو تمام دنوں سے اچھا اور بہتر بنا دیں (آمین) ۲۰ الوجہ الخامس عشر والوجہ الشامن عشوائی قولہ وجعل یومہ خیرا یا منام بنہ ویمہ ف ۔ مضمینہ من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاءہ جو اللہ سے ملنے کا مشتاق ہونا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنے کے مشتاق ہوتے ہیں اور مشاہدے کہ یہ اشتیاق لقاء صوفیہ کرام میں سب زیادہ ہے گویا جینے پمان سے زیادہ دوسرے لوگ آمادہ ہوئے مگر اس کا نام اشتیاق لقاء

نہیں دینے کو کسی کرنیوالے اور وطن و ناموس پر جان دینے والے کو فریبی اسی صفت میں داخل ہو جائیے گا۔ سب جانتے ہیں کہ ان لوگوں کا اشتیاق تھا کہ ہوا بھی نہیں لگی، پس جان دینے پر آمادہ ہونا اشتیاق تھا، کی دلیل نہیں بلکہ اس کی بڑی دلیل وہ عشق و معرفت ہے جو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف دل کو متوجہ رکھتی اور دنیا کو حیل خانہ اور آخرت کو وطنِ اصلی کی صورت دکھائی دیتی ہے اور عشق و معرفت الہی کی دلیل کثرت و کرامت و کمال اتباع سنت نبویہ ہے اور بس قل ان صلواتی رنسک و عیای و مماتی للہ رب العالمین و شریک لہ و بذلک امرت وانا اول المسلمین اللہم اجعل خیر عملی خواتیمہ و خیر ايامی یومہ القالت ذیہ یا ولی الہ سلوہ و اھلک ثبتتی بد حق اقلک امین امین

ف۔ اس پیش سے امت محمدیہ کا تمام امتوں سے افضل ہونا بھی معلوم ہوا کہ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس امت کو قیامت تک اپنے دین پر قائم رکھیں گے دین میں کسی قسم کا خلل واقع نہ ہوگا اور نہ یہ امت شریعت الہیہ کے سوا کسی دوسری شے کو دین قرار دیگی، بخلاف دوسری امتوں کے کہ وہ اپنے دین کو بدلتی رہتی ہیں اور ایک امت کا دوسرا بننے کے بعد دوسری امت اس کی جگہ لیتی رہی، نیز اس میں سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی اور مظلومت و غنا و پرہیزگاری و دلالت ہے کیونکہ امت کے شرف اور فضیلت کا سبب آپ ہی کا شرف اور نعمت ہے آپ ہی کی وجہ سے امت کو یہ سعادت عظمیٰ نصیب ہوئی ہے اللہ تعالیٰ ہم کو آپ ہی امتی بنائیں امداد آپ کی سنت کے اتباع کی کامل توفیق عطا فرمائیے آمین دلی کریم و ہذا الفائدۃ قدسب علیہا الشارح قدس سرہ اذ خلجھا فی الفوائد لخروجہا عما عنہ و قد توفی ترجمۃ الكتاب واللہ الموفق للصواب



## حدیث

# سؤال القبر و فتنۃ

حضرت اسماعیل رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد کی اور اسکی ثنائیں کی پھر فرمایا کہ جو کچھ میں (اب تک) نہیں دکھلایا گیا تھا آج میں نے اس مقام میں اسکو دیکھ لیا ہے یہاں تک کہ جنت اور دوزخ کو بھی دیکھ لیا پھر میری طرف دیکھی گئی کہ تم لوگ اپنی قبروں میں آئے جاؤ گے مثل یا قریب فتنۃ مسیح و جال کے (رہی کابیان ہے کہ میں نہیں جانتا کہ حضرت اسماعیل نے کونسا لفظ فرمایا، کہا جائیگا کہ اس شخص کے متعلق تو کیا جانتا ہے؟ تو مومن یا مومن میں نہیں جانتا کہ حضرت اسماعیل نے کون سا لفظ فرمایا، کہ گاؤہ محمد رسول اللہ ہیں ہمارے پاس رکھو آیت اور ہدایت لکھ آئے تو ہم نے آپکی بات کو مانا اور آپکا اتباع کیا تین بار کہے گاؤہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) تو اس سے کہا جائے گا تو چین سے سوتا رہو ہم کو معلوم تھا کہ بیشک تو آپ پر یقین رکھتے و لاہے رہا منافق یا شک کرینوا (میں نہیں جانتا کہ حضرت اسماعیل نے کونسا لفظ فرمایا) دیکھ گامیں کچھ نہیں جانتا میں نے لوگوں کو ایک بات کہتے سنا تو میں بھی وہی کہنے لگا۔

تشریح: ظاہر حدیث فتنۃ قبر و سوال قبر پر دلالت کر رہا ہے اور اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۸۹) امور مہمہ کہ کج و دشنام اور دوزخ و شریف شروع کرنا چاہیے حدیث سے معلوم ہوا کہ ابو مہمہ کہ

اللہ کی حمد شروع کرنا چاہیے کیونکہ یہ تقریب حق کو اپنے سے شروع کیا تھا بہت مہمہ با نشان تھی اقول

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو سوئے مکرم ہو کر لوگوں کی طرف دھمکاؤں کیلئے متوجہ ہوئے تھے، اور مہتمم بالشان امور میں آپ کی ہی مالوت تھی کہ ان کے شروع میں اول حمد پڑھائی کرتے تھے چنانچہ خطبہ نکاح میں بھی یہی سنت ہے کیونکہ وہ بھی مہتمم بالشان کام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے بھی اس کا ثبوت ہے اور صحابہ کے طرز عمل سے بھی۔

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جبکہ بعد ثنائی سنت سے حضور نے اس کی ترویج دی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل یہی تھا آپ کا اور صحابہ کا کلامی معمول سی پر مستقر تھا اور حمد ثنا پر اکتفا کرنا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات خاص کے لئے ہے اور دوسروں کیلئے اس کی ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پروردگار کا اعجاز بھی ضروری ہے کیونکہ آپ کا ارشاد ہے:

عليكم بسنتي وسنة الخلفاء من بعدي

”میری سنت کو مضبوطی سے تھامو اور ان خلفاء کی سنت کو بھی جو میرے بعد ہوں گے“

اور حضرت خلفاء اور تمام صحابہ اللہ عزوجل کی حمد و ثناء کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ورد بھی جیسے تھے الوجه الاول قولہا حمد اللہ والوجه الثاني قولہا والثنى عليه الى قوله بصل الحمد والثناء على اللہ عزوجل .

وہ اس سنت کی طرف سے تو تعلیم یافتہ جماعت نے تو اعراض کی اختیار کیا ہی تھا تم دیکھو گے کہ اپنی کتابوں اور سالوں کو حمد ثنا اور ورد و تشریف کے ساتھ شروع کرنے سے ان کو ملے مگر افسوس کہ انکی تقلید علما نے بھی شروع کر دی ہے، اب انکے مقالات و رسائل بھی اس سنت سے خالی نہ ہونے لگے،

واللہ المشتكى

(۹۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز غیب کا علم نہ تھا بلکہ بعض کا علم تھا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ما من شئ لہ ارضن امریتہ الا رأیتہ فی مقامی ہذا سے معلوم ہوا کہ اس وقت سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جملہ مغیبات کا مشاہدہ نہیں کیا تھا بلکہ بعض کا مشاہدہ کیا تھا اور اس وقت اس مقام میں آپ کو تمام منیبات کا پورا مشاہدہ ہو گیا، اس پر سوال یہ ہوتا ہے کہ ما من شئ لہ ارضن امریتہ الا رأیتہ فی مقامی ہذا

ہے آپکی مراد حقیقتہً تمام غیبات ہیں یا وہ جسکے بتلانے کی امت کو ضرورت آپکی ذات مقدسہ کو اُنکے مشاہدہ کی حاجت تھی، جواب یہ ہے کہ لفظ حدیث تو دونوں کو متعمل ہے مگر بظاہر ملود و کسر مراد ہے اور پہلا احتمال صحیح نہیں جسکی ہم صحت کی دلیل کتابت کے آیات اور سنت نبویہ کی دوسری احادیث میں موجود ہے، کتابت اللہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ  
 ”کہہ دیجئے کہ جتنے لوگ آسمان و زمین کے اند ہیں ان میں سے غیب کو کوئی بھی نہیں  
 جانتا سوا اللہ کے“

اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

مفاتیم الغیب خمس لا یعلمہن الا اللہ لا یعلم ما تنفیذ الرحام  
 الا اللہ ولا یعلم ما فی غدیر اللہ ولا یعلم متى یأتی المطر احد الا اللہ  
 ولا تدسی نفس باى ارض تموت الا اللہ ولا یعلم متى تقوّم الساعة الا اللہ“  
 غیب کی پانچ کنجیاں یہ ہیں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، کسی کو خبر نہیں کہ عورت کے دم میں کیا کمی ہوتی  
 ہے اور کیا بیشی اور کل کو جو کچھ ہوگا اسکی خبر بھی اللہ کے سوا کسی کو نہیں اور کوئی نہیں جانتا کہ بلڈن کب ہوگی  
 (یعنی قطعی اور یقینی علم کسی کو نہیں ہو سکتا باقی آثار سے تخمینہ اور حساب لگالینا وہ برکات ہے اور کوئی نہیں  
 جانتا کہ کس زمین میں اسکو موت آئیگی اور کسی کو پتہ نہیں قیامت کب آئیگی سوا اللہ کے“ اور یہ تو غیب کی کنجیاں  
 ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ غیب کا دروازہ ان کے بند کھلتا ہے اور جب ان پر خدا کے سوا کسی کی تریا  
 نہیں نو ثابت ہوا کہ غیب کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں انبیاء و رسل کو جو کچھ غیبات کا علم ہوتا ہے اس میں  
 ایک حصہ تو وہ ہے جو واقع میں غیب نہیں بلکہ محسوس و مشاہدہ ہے جیسے جنت و دوزخ، فرشتے اور  
 عالم ملکوت کے عجائبات کہ یہ سب دراصل محسوس و مشاہدہ ہیں غیب نہیں ہیں مگر عوام کی نظروں سے ایسے  
 پوشیدہ ہیں کہ ان کا نور بصیرت ناقص ہے انبیاء و رسل کا نور بصر اور نور بصیرت کامل ہوتا ہے وہ ان  
 کا مشاہدہ کر لیتے ہیں تو اسکی ایسی مثال ہوئی جیسے ایک شخص کے پاس دو درہن ہیں وہ اسکے ذریعہ  
 سے دو سکی چیزوں کو صاف دیکھ لیتا ہے دو سترن کے پاس دو درہن نہیں وہ ان کو نہیں دیکھ سکتے  
 مگر ظاہر ہے کہ دو درہن والا بھی محسوس و مشاہدہ ہی کو دیکھتا ہے غیب کو نہیں دیکھتا“

اور ایک حصہ وہ ہے جو واقعی غیبی اس کا علم انبیاء و رسل کو مقرر اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے ہوتا ہے خود ان کے حواس غلبہ و قلبیہ بصیرت ان کا مشاہدہ نہیں کرتے اور اس کا نام علم غیبی نہیں ہے بلکہ تعلیم غیبی و دشتان بدینہما

دو کمر اس قول کو تمام غیوب پر محمول کرنا ممکن بھی نہیں کیونکہ اس سے خالق اور مخلوق کی مساوات (صفت علم میں) لازم آتی ہے جو عقلاً محال ہے، نیز اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں کل یوم ہونی شان ہرون وہ ایک نئی شان میں آدرا شیا (مخلوق میں) بعض تو بنی آدم کی پیدائش سے بھی پہلے واقع ہو چکی ہیں اور بعض ان کی موت کے بعد واقع ہونگی تو ان سب کا مجموعہ یا تفصیلی علم کسی خلق کیلئے ثابت ہونا، عقل و نقل دونوں اعتبار سے محال ہے، الوجه الثالث قولہ علیہ السلام ما من شیء لہما کن ادنیہ الی قولہ مستفیلاً من طریق العقل والعلل ف اس زمانہ کے جاہل صوفیوں کو اس مقام سے سبق لینا چاہیے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم غیب کہتے ہیں اور صوفیہ محققین کو بدنام کرتے ہیں کہ یہ لوگ رسول کا ادیب ہیں کرتے ان جاہلوں کے نزدیک رسول کا ادیب ہے کہ ان کو خدا کے براہمہ کر دیا جائے تعالیٰ اللہ اعما یقول الظالمون علواً کبیراً " ان لوگوں کو آنکھیں کھول کر دیکھنا چاہیے کہ محققین سلف کا عقیدہ اس باب میں کیسا ہے؟ علامہ ابن ابی جمروہ صوفیہ محققین اور علمائے حدیث میں جو کچھ ہے وہ ان کے ترجمہ سے ظاہر ہے جو کتابتے شروع میں لکھ دیا گیا ہے اتنا بڑا محقق اور محدث صاف کہہ رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جملہ مغیبات کا علم حاصل ہونا عقلاً اور نقلاً ہر طرح محال اور ناممکن ہے آپ کو مقرر بعض غیوب کا علم حاصل تھا جسکی امت کو یا ذات مقدسہ کے حاجت تھی جملہ غیوب کا علم حاصل نہ تھا، یہی وہ بات ہے جس کی ہماری کامیابی تفسیر فرمائی تو ایوان بدعت میں زلزلہ آگیا اور تکفیر کے گولے برسے گئے وسیعہ الذین ظلموا اسی منتقلب ینقلبون

(۹۱) علوم کشفیہ مقصود ہیں بلکہ علوم وحی مقصود ہیں حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کو جس قدر مغیبات کا مشاہدہ کرایا گیا تھا ان سب کی جزا امت کو دینا آپ کے

ذمہ منور نہ تھا بلکہ آپ کو اختیار تھا کہ سب کو بیان کر دیں یا بعض کو بیان کریں اور بعض کو بیان نہ کریں بخلاف وحی کے اس کا تہمامہ بیان کرنا آپ کے ذمہ لازم تھا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جن چیزوں کا مشاہدہ اس مقام پر ہوا تھا آپ نے ان میں سے صرف بعض کا پتہ دیا تھا یعنی جنت و دوزخ کا، باقی سے سکوت کیا اور وحی میں آپ ایسا نہیں کر سکتے بلکہ اس کو کامل و مکمل جس طرح نازل ہوتی اس طرح بیان فرماتے تھے، اور اس میں حکمت واللہ اعلم یہ ہے کہ مشاہدات غیبیہ میں بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن پر کسی اور کا مطلع ہونا ممکن نہیں نہ کسی اور میں اتنی طاقت ہے بجز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ نے خاص قوت و مدد سے آپ کی امداد فرمائی ہے، بخلاف وحی کے کہ وہ اسی انداز پر نازل ہوتی ہے جس کی تعلق (اور تحصیل) کی امت کو قدرت ہے۔

ف اس سے معلوم ہوا کہ علوم کشفیہ کو قرآن میں دخل نہیں در نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مشاہدات غیبیہ کو امت سے بیان کر دیتے آپ نے قرب الہی کے تمام طرق بیان فرمادیئے ہیں کسی بات کو مخفی نہیں رکھا، قرب میں علوم وحی کو دخل ہے اسی لئے آپ نے علوم وحی کو بتدریج سہ سہ بیان فرمایا ہے بس ساکنین کو علوم وحی کا اہتمام کرنا چاہیئے علوم کشفیہ کے دپے نہ ہونا چاہیئے جب علوم وحی کے اتباع سے بندہ کو قسہ حاصل ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اسکی استعداد و کمالات کے مطابق علوم کشفیہ بھی عطا فرمادیتے ہیں اور یہ بھی لازم و مفروض نہیں کیونکہ باتفاق امت صحابہ تمام امت سے افضل ہیں مگر حضرت صحابہ سے علوم کشفیہ منقول نہیں صرف علوم وحی منقول ہیں علوم کشفیہ زیادہ تر اولیاء متاخرین سے منقول ہیں خوب سمجھ لو۔

## (۹۲) قدرت الہی نہ عقل کی پابستہ نہ قیاس کی تابع

حدیث میں اللہ تعالیٰ کی عظمت قدرت پر بھی دلالت ہے اور یہ کہ قدرت نہ عقل انسانی کی پابستہ نہ اس کے قیاس پر چلتی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کو یہاں سے (یعنی دنیا سے) تو دیکھ لیا اور شب معراج میں نہیں دیکھا اس وقت صرف سجدۃ المنہی کو دیکھا جو جنت میں داخل نہیں جیسا معراج کی حدیث میں اس کا بیان آئیگا انشاء اللہ تعالیٰ نیز ان دونوں کو دیکھا جو سجدۃ المنہی کی جڑ سے نکلے اور جنت کی طرف جاتی ہیں، تو یہ اس بات کی بڑی دلیل ہے

کہ قدرت جس چیز کو چاہتی ہے چھپا دیتی ہے خواہ اس کے درمیان کوئی واسطہ اور فاصلہ ہو یا نہ ہو، اور جس چیز کو چاہتی ہے ظاہر کر دیتی ہے خواہ وہ حجاب میں ہو یا بے حجاب اور اس حقیقت کے ظہور پر فائدہ یہ مرتب ہوا کہ اس کے جاننے سے عادات پر اتفاقات چھوٹ جاتا اور ایمان مضبوط ہو جاتا ہے اور جب آدمی قدرت الہی کی عظمت کا یقین کر لیتا ہے کہ یہ واقعہ بھی اسی کا ایک نمونہ ہے تو کس چیز کے حاصل ہونے یا جاننے سے غم اور ناز کرنا چھوڑ دیتا ہے اس وقت مومن کا دل اپنے مولیٰ کی بارگاہ سے لو لگانے اور ماسوا سے بے اتفاقات ہوجانے کے لئے کھل جاتا ہے اور اپنے ہاتھ سے اشیاء میں جو کچھ تصرف کرتا ہے اس پر (اصلاً) بھروسہ نہیں کرتا بلکہ محض مقتضائے حکمت کو باقی رکھنے کے لئے استعمال کا لیتا اور اپنے ہاتھوں سے تصرف کرتا ہے الوحید العاشر والوجه الحادی عشر (۱) قولہ بل ابقاؤ لہ نثاراً لِحَمَّتہ

ف عظمت قدرت کا انکشاف بڑی دولت ہے جو سائیکین کا مقصود اعلیٰ ہے اور اس کا طریقہ اسکے سوا کچھ نہیں کہ حدیث و قرآن کو سمجھ کر پڑھا جائے ذکر اللہ کی کثرت کی جائے بالخصوص لا الہ الا اللہ اور سنت نبویہ کا اتباع کیا جائے اس کی برکت سے عظمت قدرت کا انکشاف بہت جلد ہو جاتا ہے۔

### (۹۳) ایک ہی وقت میں مختلف مقامات پر حضور ﷺ کا دیدار ممکن ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد یقال ما علمک بہذا الرجل کہا جائے گا کہ اس شخص کی نسبت تو کیا جانتا ہے اس شخص سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ اور مردہ کو آپ کا دیدار معائنہ و مشاہدہ سے ہو گا اور اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی عظمت قدرت کی دلیل ہے کیونکہ لوگ ایک ہی وقت میں مختلف اور دور دراز اطراف عالم میں مرتے ہیں اور سب کے سب حضور کو اپنے پاس دیکھیں گے کیونکہ اہل عرب لفظ هذا کو اشارۃ قشریہ کی واسطے استعمال کرتے ہیں نیز اس میں ان لوگوں کا مدعی ہے جو کہتے ہیں کہ ایک وقت میں مختلف اقطار عالم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف صورتوں میں دیکھنا ممکن نہیں کیونکہ اول تو جیسا ہم نے ابھی بیان کیا قدرت سے یہ کچھ بعید نہیں دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من رآنی فی المنام فقد رآنی حقاً

جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے سچ بچ مجھے ہی دیکھا ہے (کیونکہ شیطان آپ کی تصویر نہیں بنا سکتا) تو جو شخص حضور کی ریت کا منکبہ ہے وہ اس حدیث کی تکذیب کرتا اور تقدیر کو پابند کرتا ہے جو کسی چیز کی پابندی نہیں نہ کسی حد اور قیاس کی تابع نیز اس میں اُن لوگوں کی دلیل ہے جو ایک وقت میں اُطرافِ عالم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کو ممکن اور بائز سمجھتے ہیں ان کی دلیل نقل سے تو یہی حد ہے جس کو ہم بیان کر رہے ہیں اور عقلی دلیل یہ ہے کہ اُن کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ آئینہ کے مشابہ ہے جس میں ہر شخص اپنی اچھی بُری شکل دیکھ لیتا ہے اور آئینہ اپنے اس حسن پر بہت لہجہ جواسکے اندر ہے اس میں تیز نہیں آتا۔ الوجه العشرون الى قولہ فی الوجه الثانی والعشرین علی حالتہا من الحسن لہر تتبدل :

ف اس حدیث سے ہم اُسے بزرگوں نے اشتیاق موت کا سبق بھی حاصل کیا ہے کہ جب مرنے کے بعد بوقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوگی اور آپ کا دیدار نصیب ہوگا تو ایسی موت پر ہزار زندگیاں قرآن، مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو پڑھاتے ہوئے جب یہ مضمون بیان فرماتے تو یہ شعر پڑھا کرتے تھے ۵

کشتے کہ عشق داد نہ گذارت بدیں سبھانہ گرینائی ہزار خواہی آمد

(۱۴) کراماتِ اولیاءِ رقی ہیں اس حدیث میں کرامتِ اولیاء کے حق پہنچنے کی بھی دلیل ہے کہ وہ دہر و راز کی اشیاء پر مطلع ہو جاتے اور کھلی آنکھوں ان کو اپنے پاس دیکھتے ہیں اور چند قدم اٹھا کر لمبی سے لمبی مسافت کو طے کر لیتے ہیں کیونکہ جس قدر رنے یہ سب کچھ کر دکھایا جس کا حدیث میں بیان ہے کہ حضور نے اس عالم میں رہتے ہوئے جنت اور دوزخ کا معائنہ فرمایا اور ان کو اپنے سامنے قریب دیکھا حالانکہ جنت ساتوں آسمانوں کے اوپر عرش کے نیچے ہے عرش الہی اسکی چھت ہے اور دوزخ اسفل السافلین میں بحرِ اعظم کے نیچے ہے وہ اس پر بھی قار ہے کہ اولیاء کو اشیاء بعیدہ یا مسافت طویلہ تک ذرا سی دیر میں پہنچایا ہے اسی واسطے بعض اولیاء نے فرمایا ہے کہ دنیا مومن کا ایک دم ہے اس طرح باوجود کثافتِ بدن کے ان کا قلب پر مطلع ہو جانا بھی ممکن ہے کیونکہ حدیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ جو اہلِ حرام خود اپنی ذات سے کسی شے کی ریت سے عاجز ہیں ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

دنیا میں رہتے ہوئے جنت و حدیث کو کیونکر دیکھ لیتے جن میں سے ایک ساتویں آسمان کے اوپر چہار دہائی گھری ہوئی ہے اور ایک اسفل السافلین میں بحر اظم کے نیچے ہے جیسا بھی بیان ہوا نیز میت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں کیونکر دیکھ سکتا حالانکہ آپ کے اور میت کے درمیان زمین اور پہاڑوں کی دیواریں حائل ہیں اور زمین تمام جوار سے زیادہ کثیف ہے و ہذا مما نبہ علیہ النشار فی الوجہ التاسع) ایک بزرگ کی جو اس کرامت سے ممتاز تھے حکایت ہے کہ وہ اپنے احباب کیساتھ ایک مقام پر بیٹھے ہوئے تھے مجلس میں ایک عام شخص بھی آ گیا جو ان کی جنت میں داخل نہ تھا بزرگ کے خادم میں سے ایک شخص نے اس عامی کے قلب پر نظر کی تو کچھ اچھی حالت نہ دیکھی جب یہ عامی مجلس سے چلا گیا تو بزرگ نے اس خادم سے فرمایا جو کچھ تم نے دیکھا ہے اس کو واپس کر دو کیونکہ تمہارے سوا دوسرے نے بھی تمہاری اس حرکت کو دیکھ لیا ہے اور اگر اس شخص کو یہاں برداشت نہ کیا جائے گا تو مروان طریق میں اور کہاں اسکی قدر ہوگی ہر مطلب یہ تھا کہ جس شخص کو کشف قلوب کی کرامت حاصل ہو اس کو بڑا حوصلہ مند ہونا چاہیے کہ اگر کسی کے دل کی حالت اچھی نہ معلوم ہو تو اسکو حقیر سمجھ کر نظروں سے نہ گرائے بلکہ اسکی حالت درست کرنے کی کوشش کرے تو جہ سے بھی اور دھلے سے بھی اور تبلیغ و نصیحت سے بھی اور جس کا حوصلہ اس درجہ کا نہ ہو وہ اس کرامت کا اہل نہیں اسی لئے بزرگ نے اس مرید کی کرامت کو سلب کر لیا جس کے بعد وہ کشف قلوب کے قابل نہ رہا (۱۲)

اس حدیث سے بہت سی مجمل احادیث اور شکل مسائل کی تفسیر و توضیح ہو گئی ہونسنے کیا تھے بعض لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتے مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن موت کو اہل جنت و اہل جہنم کے سامنے لایا جائیگا اور وہ سب اس کو پہچان لیں گے اسی طرح قیامت کے دن مسلمان خاص تعالیٰ سے اہل جہنم کو پہچان لیں گے وہ فرمائیں گے میں تمہارا رب ہوں تو یہ کہیں گے بیشک تیرے ہمارے رب ہیں حالانکہ بہتوں نے اس وقت سے پہلے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا نہ پہچانا تھا تو بحسب طرح مومن قسب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی پہچان لیا اسی طرح یہاں سمجھ لو اور اس منہر کی فشریح یہ ہے کہ بعض اولیاء کو اکثر ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ وہ بعض مسائل فقہ کا جواب دل سننے ہی معلوم کر لیتے ہیں حالانکہ پہلے سے ان مسائل کا ان کو کچھ علم بھی نہیں ہوتا پھر کتابوں میں دیکھا



جانا ہے تو بعینہ انکے قول کی موافق (جواب) نکلتا ہے اور اس قسم کے بہت سے اشکالات ہیں جو اس مسئلہ سے حل ہو گئے یہ سب سبسی قاعدہ کی موافق جس کا ذکر ہو چکا حدیث کے تحت میں ہیں اسلئے ان میں کچھ بھی اشکال نہیں کیونکہ قدرت جو چاہتی ہے اور جس طرح چاہتی ہے کرتی ہے الوجه الخامس والعشرون والسادس والعشرون الى قولہ لان القدرة لا تصنع ما شاء کیمت شاعرت ۔

فی بعد ایشہ نے اپنے اکابر میں اس شان کا مشاہدہ کیا ہے کہ سوال سنتے ہی جواب ان کے دل میں آجاتا ہے پھر کتابوں میں وہی نکلتا ہے جو ان کے دل میں آیا تھا، حضرت حکیم الامت دام مجدہم فرماتے تھے کہ جس شخص کو یہ دولت نصیب ہو جائے کہ اس کے دل میں سوال سن کر وہی جواب آئے جو کتابوں سے تلاش کے بعد نکلتا ہے اس کو اجتہاد سے کچھ حصہ مل گیا یہ مطلب نہیں کہ وہ مجتہد ہو گیا بلکہ اس کو اجتہاد کا ایسا ہی جزو سمجھنا چاہیے جیسا حدیث میں روایے صادقہ کو نبوت کا ایک جزو قرار دیا گیا ہے کیونکہ اجتہاد بھی اسی وقت کے کمال کا نام ہے جب اسکی قضا و دیگر آلات اجتہاد بھی پورے طرح میسر ہوں ۔

اجتہاد محض حفظ روایات کا نام نہیں بلکہ وہ ایک نوت ہے جو مجتہد کے دل میں اللہ تعالیٰ پیدا کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ ہر مسئلہ کا صحیح جواب اول اپنے ذوق سے معلوم کر لیتا ہے مگر اس پر اس وقت تک اعتماد نہیں کرتا جب تک حدیث مرفوعہ یا قول صحابی یا اقوال سلف سے موافقت نہ ہو مولانا فرماتے ہیں ۔

بسیفی اندر خود علوم انبیاء بے کتاب و بے معین و اوستا

فی یہ دولت تقویٰ اور اتباع سنت اور قدرت ذکر و صحبت مشائخ اہل قلب ہے جلد میسر ہوتی ہے محض درس و تدریس اور کتب بینی سے یہ دولت حاصل نہیں ہوتی مگر یہ کہ استاد جامع بین الظاہر والباطن ہو تو اسکی صحبت سے بھی یہ نور میسر ہو جاتا ہے۔

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سنی بات بدلا نہیں کرتی (۹۵) سنی بات بدلا نہیں کرتی

کیا جائے کیونکہ حدیث میں کہا گیا ہے کہ میت سے تین بار سوال کیا جائیگا تو مومن جو بخیر پر ہو گا وہ فرشتوں کے تین بار سوال لوانے سے گھبراہٹ کا نہیں بلکہ ایک ہی جواب پر مجاہدے گا کیونکہ اس کو اپنے حق پر ہونے کا یقین ہوگا۔

اگر جواب صحیح نہ ہوتا تو دوہری باریائیں بار سوال کے دوہرانے سے گھبراتا اور گھبرا کر پہلے جواب سے ہٹ جاتا کہ شاید جو جواب ملے اس لئے سوال دوبارہ کیا گیا اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں

وَكَلَّمَ مَن عِنْدَ غَيْرِ اللَّهِ لَوْ جِدَّ وَادْنَاهُ اخْتِلافًا كَثِيرًا

اگر یہ قرآن اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو لوگ اس میں بہت اختلاف پاتے

اکیسویں اس سورہ میں قرآن کا بنانے والا جھوٹا ہوتا اور جھوٹے کی باتیں مختلف ہوتی ہیں اور وہ گویا حافظہ ناسد (۱۲) نرض جوابات اللہ کے پاس سے (اللہ کی طرف سے) ہوگی وہ حق ہوگی اور حق مختلف ہوتا ہے مُتَبَدِّلٌ وَ مُتَغَيِّرٌ الْوَجْهَ الثَّانِي وَالْثَلَاثُونَ فِي هَذِهِ اَدْنِیْل عَلٰی اَنْ الْحَقَّ لَا یَتَبَدَّلُ اِلٰی قَوْلِهِ وَالْحَقُّ لَا یَخْلُفُ فِیْهِ وَلَا یَتَبَدَّلُ

ف ایک حدیث صحیح میں جسکی حاکم نے مستدرک میں تخریج کی ہے کسی قوم کے مبتلائے فتنہ ہونے کی علامت یہ بتلائی گئی ہے کہ جن جیسے زکو پہلے حلال سمجھا جاتا تھا اسکو حرام سمجھنے لگیں اور جس کو پہلے حرام سمجھتے تھے اسکو حلال سمجھنے لگیں پس علمائے اہل سنت کوان احادیث سے سبق لینا اور اپنی حالت پر غور کرنا چاہیے کہ مسائل و احکام میں یہ اختلاف و تبدیل جو ان کے ہاتھوں ہو رہی ہے کس بات کا پتہ دے رہی ہے ؟

ف اس حدیث سے سائلین کو بھی سبق لینا چاہیے کہ حالات و واردات میں سے اسی کو جانی سمجھیں جو قائم ہے متغیر و متبدل نہ ہو یعنی اس کا اثر باقی رہے گو غلبہ نہ ہے کیونکہ حال یا وارد کا غلبہ جیسا غلبہ ابتدا میں ہوتا ہے بعد میں ویسا نہیں رہتا اور اس میں بھی حکمت ہے ورنہ انسان دوسرے کاموں سے مغلط ہو جائے لیکن جو حال یا وارد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے وہ زوال غلبے کے بعد اپنا اثر چھوڑ دیتا اور مقام بن جاتا ہے اور کیفیات نفسانیہ زوال غلبہ کیساتھ اپنا کوئی نشان نہیں چھوڑتیں، اہل بصیرت اس امر کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ حالت قبض میں کیفیات نفسانیہ ہی نائل ہوتی ہیں حالات و واردات روحانیہ کو زوال نہیں ہوتا ان کا اثر باقی رہتا ہے۔

رَزَقْنَا اللّٰهَ وَاٰیَاکُمْ الثَّابِتَ عَلٰی الْحَقِّ وَ رَزَقْنَا الصَّدَقَ فِی الْاَقْوَالِ وَ لَمْ یَحْوَ اِلَّا اَعْمَالَ کُلِّهَا بِمَنْدَرٍ وَ کَوْنٍ اِنَّہٗ جَوَادٌ کَرِیْمٌ

## (۹۶) عقل فہم اسباب نہیں بلکہ اللہ کی عطا نصیب ہوتی ہے

حیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فہم نیز اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیز ہے جس کو عطا ہوتے ہیں کسی مقدم یا سبب کے بغیر یا بدن مقدم اور سبب کے عطا کرتے ہیں کیونکہ اس امت میں زیادہ تر افراد وہ ہیں جو علم سے اس قدر سیریا ہیں جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مصفا کو علم کے ذریعہ پہچان لیں (چنانچہ مشاہدہ) کہ ایسے افراد بہت کم ہیں پھر بھی بلو جو حضور کی ذات مصفا سے ناواقف ہونے کے سبب حاجت مند کو قبر میں کھینچ گئے دیکھتے ہیں کہ میں یہ محمد رسول اللہ ہیں اُن سے تین دفعہ سوال کیا جائے گا پھر بھی وہ اس بات سے نہ چلیں گے کہ ان کو عین ہو گا کہ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں وہی حق ہے، یہ اس بات کی بڑی دلیل ہے جو ہم نے پہلے بیان کی ہے کہ اس حدیث سے بعض احادیث اور بعض مسائل بلکہ بعض آیات سے بھی اشکال رفع ہو گیا کیونکہ جس قدر کے تحت میں یہ بات داخل ہے جس کا اس حدیث میں ذکر ہے وہ اس قسم کی سب باتوں پر قادر ہے

اتباع کیساتھ بعض صفا الہیہ جاہل ہونا مفید نہیں اور ترک اتباع کیساتھ

دلائل وبرہین کی معرفت مفید نہیں اس حدیث سے اہل سنت کے اس قول بھی بھی تائید ہو گئی کہ اتباع

امرو نہی کے ساتھ دلیل و برہان سے اللہ تعالیٰ کی معرفت مفید نہیں کیونکہ مسلمانوں میں بعض تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات سے واقف ہیں اور بعض ناواقف ہیں مگر سب سب حضور کو دیکھتے ہی پہچان لیں گے اور خوب پہچان لیں گے کہ تین دفعہ ان سے سوال کیا جائیگا اور ہر دفعہ یہی جواب دیں گے کہ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس جواب سے نہیں ہٹیں گے، اور منافقوں میں سے بعض نے دنیا میں حضور کو دیکھا تھا اور اسی طرح پہچان لیا تھا مگر جب اس معرفت کے فائدہ کا وقت آیا تو معرفت جہل سے بدل گئی اس کا سبب بجز اسکے اور کیا تھا کہ مسلمانوں نے حضور کے طریقہ کا اتباع کیا تھا اور منافقوں نے اتباع نہ کیا تھا ان کا علم جہل سے بدل گیا اور ظاہری معرفت نے کچھ بھی نفع نہ دیا اسی طرح جو لوگ فلاسفہ کی طرح دلائل و برہین سے اللہ تعالیٰ کی معرفت جاہل کرتے ہیں اور

شریعت کا اتباع نہیں کرتے قیامت میں یہ معرفت ان کو نفع نہ دیگی بلکہ بہت سے جاہل مسلمان اتباع شریعت کی بذلت اُن سے اعلیٰ دارفع ہوں گے۔ پس کوئی ہے جو غفلت سے بیدار ہو کر تحصیل اخلاص و صدق پر کما دہ ہو اور اپنی رہائی کا راستہ اختیار کرے؛ واللہ العالیٰ الثالث والاضلاع والاربع والاضلاعون فی هذا دلیل لاهل السنة الی قولہ لیسک محبة خلاصة

فی اس سے ساکین و عارفین کو سبق لینا چاہیے کسی کو اپنی فہم و معرفت پر ناز نہ کرنا چاہیے یہ اللہ تعالیٰ کی عطیہ جس کو چاہتے ہیں عطا فرما دیتے ہیں اور سچی معرفت وہ ہے جو مرنے کے بعد قبر میں اور حشر میں کام دے جس کی دنیا میں کسی کو خبر نہیں ہے  
تیار کرنا خواہد ملیش بکہ باشد

(۹۷) اہل یقین غلطی سے محفوظ اور خطرات سے مامون رہیں گے  
ہوا کہ یقین والے سوال  
قبر کے موقعہ پر جواب میں غلطی سے محفوظ اور اس مقام پر جن خطرات و فتن کا اندیشہ ہے اُن سے مامون رہیں گے۔ پس مقام یقین حاصل کرنے کے لئے جو کوشش کرنا چاہیے اور ظاہر ہے کہ صوفیہ اس مقام میں دوسروں سے زیادہ راسخ ہیں، رہائوں کا حال تو وہ بقیہ حدیث کی شرح میں آئے گا  
انشاء اللہ تعالیٰ (جس کا ترجمہ نہیں کیا گیا) الوجه المحادی والاصحیٰ فی هذا دلیل علی ان السو قنین محفوظون الی قولہ واما المؤمن نسائی بیان فی باقی الحدیث انشاء اللہ تعالیٰ

(۹۸) ایمان کو قوی یقین کو مضبوط اور آخرت کا سامان کرنا چاہیے

مجموعہ حدیث پر دو غلطی فائے مرتب ہو ایک یہ کہ اس سے ایمان کو قوت اور یقین کو وسعت اور کمال حاصل ہوتا ہے کیونکہ اس حدیث میں عظمت قدرت اور عظمت تقاد پر بہت زیادہ دلالت ہے جیسا کہ بلرم نے بتلایا ہے، دوسرے کو چ کے لئے سامان کرنے اور اپنی نجات کا راستہ اختیار کرنے اور دنیا میں جتنی بھی فرصت انسان کو ملے اس کیلئے کوشش کرنے کی ہدایت ہے کیونکہ اس حدیث میں موت کی خبری اور نجات وغیرہ کے طریقوں کا بیان بہت کچھ ہے پس کیا کوئی

اپنی جان چھڑانے کو مستعد ہے؟ قبر میں اترنے سے پہلے، کیونکہ جب ڈرا دیا گیا ہے تو پھر کسی قسم کا غرر نفع نہ دے گا۔ الوجه السادس والاربعون بتزئیل علی مجمع هذا الحديث ائی قولہ لا مند ولا ينفع الاعتذار مع تقدما لا نذار۔

ف اس حدیث اور اس قسم کی تمام احادیث سے یہ فائدہ صوفیہ اہل باطن ہی کو حاصل ہوتے ہیں اور وہی سفر آخرت کا نیا دہہ استقامت کرتے ہیں ظاہر بینوں یا سیاست دانوں کو ان فوائد کی ہوا بھی نہیں لگتی اور یہ دلیل ہے حضرات صوفیہ کے حق پر ہونے کی کہ ان کو حدیث و قرآن کی صحیح فہم اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں جعلنا اللہ وایاکم من حزبہ وحزب حبیبہ“

ف حدیث سے صحابہ و تابعین کی احتیاط فی الروایۃ ظاہر ہے کیونکہ فقط مثل اور قریب اور لفظ مؤمن و مؤمن اور منافق و مرتائب کے معانی میں کچھ تفاوت نہیں ہے مگر چونکہ راوی کو اس میں شک تھا کہ حضرت اسماءؓ نے کون سا لفظ اختیار کیا تو اس نے اپنے تردد کو ظاہر کر دیا کہ یہ لفظ تھا یا وہ ان دونوں میں سے ایک تھا، کیا اب بھی کچھ روایات حدیث کی سند اور حدیث کی حجیت میں کچھ کلام ہو سکتا ہے؟ ومن لم یحیل اللہ لہ لورا فمالہ من نور



## حدیث

## اسعد الناس من قال لا اله الا الله

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ قیامت کے دن آپ کی شفاعت سے زیادہ کامیاب کون ہوگا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو ہریرہ! میں جانتا تھا کہ اس بات کو تم سے پہلے کوئی مجھ سے نہ پوچھے گا کیونکہ میں حشر کیساتھ تمہارے شوق (اور شغف) کو دیکھ رہا ہوں، قیامت کے دن میری شفاعت سے زیادہ کامیاب وہ ہوگا جس نے لا الہ الا اللہ خالص دل سے کہا ہوگا۔

**مشرح** ظاہر حدیث اس بات کو بتلا رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے قیامت کے دن زیادہ کامیاب وہ ہوگا جس نے خالص دل سے لا الہ الا اللہ کہا ہوگا اور اس کے متعلق چند ضروری باتیں قابل ذکر ہیں۔

(۹۹) سوال پہلے مخاطب کا نام لینا چاہیے سے پہلے مخاطب (مسئول) کا نام

لینا چاہیے اور اگر اس کے نام و القاب متعدد ہوں تو جو ان میں سب سے اعلیٰ اور اس کو سب سے زیادہ محبوب ہو اسی کو اختیار کرنا چاہیے بشرطیکہ وہ نام شریعت کی موافق ہو، کیونکہ صحابی نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ پوچھنا چاہا تو پہلے آپ کا نام لیکر آپ کے پکارا پھر سوال کیا (چھوٹے ہی سوال شروع نہیں کر دیا) اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اور القاب

متعدد تھے تو ان میں جو سب اعلیٰ اور سب زیادہ حضور کو محبوب یعنی رسول اللہ اس سے آپ کو پکارا (اور اس طرح سوال سے پہلے حضور کو اپنی طرف متوجہ کیا)

سوال کے وقت تکلف اور تملق سے باتیں نہ کرنا چاہئیں (شیخ یا مربی سے) کوئی نیر یہ بھی معلوم ہوا کہ بات دریافت کرنے کے وقت التماس اور چالپوسی (اور تکلف نہ کرنا چاہیے کیونکہ صحابی نے حضور کا اسم گرامی لینے کے بعد اپنی حاجت ہی بیان کر دی کوئی اور بات التماس یا تکلف کی نہ تھی)

نیر یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت (آپ کے) اتباع میں ہے باتوں میں نہیں (اتباع میں ہے باتوں میں نہیں) میں نہیں ہے کیونکہ حضرت ابو ہریرہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جس قدر محبت تھی وہ معلوم و متیقن ہے اور اتباع (رسول) میں بھی جو درجہ اُن کا ہے کسی سے مخفی نہیں مگر میں ہمہ اس موقع پر انہوں نے جب حضور کو پکارا تو آپ کے مشہور نام پر کچھ اضافہ نہیں کیا اور اسی صفت میں تمام صحابہ یعنی مہاجرین و انصار اور حضور کے خاص عشاق سب ایسے ہی تھے۔ (سب یا رسول اللہ کے سوا کچھ نہ کہتے تھے) باوجود اس قدر کامل محبت کسی سے منقول نہیں کہ انہوں نے ایک دن بھی حضور کے نام میں مباہلہ کیا ہو اور یہ بات ان کے حالات سے بالیقین معلوم ہو چکی ہے کہ یہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم میں کوتاہی نہ کرتے تھے پس ثابت ہوا کہ سادگی سے نام لینا خلاف ادب نہیں اور نام لینے میں مباہلہ کرنا تعظیم و تکریم کے لئے لازم نہیں)

مدیر میں صوفیہ کے اس طرز کی بھی دلیل ہے کہ وہ محبوب کے ذکر سے کلام شروع کرنے کو پسند کرتے اور فرماتے ہیں کہ اس طرح کلام شروع کرنے سے دل روشن ہو جاتا ہے اور سید راستہ کی ہدایت ہوتی ہے اور اس سے ہمیشہ فائدے حاصل ہوتے اور خوشیاں نصیب ہوتی ہیں کیونکہ آدمی اپنے سب زیادہ محبوب کا نام لے گا تو اس سے اسکی مشترک و چنداں بشارت ترقی پذیر ہوگی جیسا آئمہ (مفصل بیان) آئے گا۔

اس مضمون کی زیادہ وضاحت اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ عبداللہ بن عباسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پیر

میں کچھ تکلیف ہو گئی تھی جس کی وجہ سے وہ اسکو دراز نہیں کر سکتے تھے کسی طبیعت کے حال بیان کیا تو اس نے کہا کہ اپنے سب سے زیادہ محبوب (امام) لیکر اس کو دراز کر رکھل جائے گا چنانچہ انہوں نے اسی وقت واحمد ادا کہا تو فوراً اٹھ کھل عیا (جب اطباء ظاہر امراض ظاہر میں محبوب کے نام کی تاثیر کے قائل ہیں تو طبائے باطن اگر شغلے ظاہر باطن میں اس کے قائل ہوں تو یہ تعجب ہے؟  
الوجه الاول والثانی والثالث والرابع الى قوله فنادى واحمد لا فاعثیدک

(۱۰۰) معیار فضیلت قوت ایمان ہے کثرت عمل نہیں (صحابہ کی قوت ایمان)

اور فضیلت بھی معلوم ہوئی کیونکہ شفاعت سے کامیاب اور ناکام کو وہی دیا فاع کر سکتا ہے جس کا ایمان شفاعت پر کامل اور تصدیق مضبوط ہو اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ما فضلکم البو بکرم بصرہ وولد صلوة ولکن بشئى وقرنى صدقة البو بکر (صدیق) کو تم پر نماز روزہ سے فضیلت حاصل نہیں ہوئی بلکہ اس چیز جو ان کے دل میں جی ہوئی ہے

اور صدیق اکبر کے دل میں جو بات تھی وہ قوت ایمان اور عین ہی تو ہے ماسیطرہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو دوسروں پر اسی چیز سے فضیلت حاصل ہے جو ان کے دل میں تھی اور جو کوئی محروم یا مرتد ہوا وہ ایمان اور تصدیق کی کمزوری سے محروم و مرتد ہوا کیونکہ جس کا ایمان کمزور ہو نہا ہے وہ معاملات سخت اور قدرت حق کی کیفیت دریافت کرنے سے وہ پتے ہوتا ہے اور جب کیفیت سمجھ میں نہیں آتی تو دین سے ایسا نکل آتا ہے جیسا تیر نشانہ سے اور اس پیارہ کو اپنی اس حالت کی خبر بھی نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے فضل سے آزمائش اور ابتلا سے بچائے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سعادت کی طلب اس کا اہتمام کرنا اور اس کے حصول کے طریقوں کو کام میں لانا چاہیے کیونکہ خوشحالی سعادت کا راستہ معلوم کرے گا اور اس کے سوا دوسرے راستوں کو چھوڑ دیگا اور اسی واسطے وہ اس راستہ کو دریافت کریگا الوجه السابع والثامن فیہ دلیل علی قوع ایمان الصحابة الى قوله فلذلك يسأل عنها



ف یہاں سے قوت ایمان اور یقین کا درجہ معلوم ہو گیا کہ اسی پر مدار فضیلت ہے، اسی لئے حضرت موصیہ اعمال ظاہر سے زیادہ تقویت ایمان اور تکمیل یقین کا اہتمام کرتے ہیں تم دیکھو گے کہ محققین صوفیہ عام نااہل و مابدوں سے زیادہ نمازیں نہیں پڑھتے مگر ان کی قوت ایمان دوسروں سے زیادہ ہے۔

(۱۰۱) معاملات آخرت قیاس و عقل سے بالاتر ہیں کہ معاملاً آخرت میں حدیث سے معلوم ہوا

قیاس اور عقل و اجتہاد کو دخل نہیں کیونکہ قیامت کی دونوں شفاعتوں کا علم تھا اور یہ بھی دلائل سے ان کو معلوم تھا کہ شفاعت سے زیادہ کامنیا کون ہے اور ناکام کون ہے، کیونکہ شفاعت کا علم حاصل ہونے کے بعد اس کا علم ضروری ہے لیکن انہوں نے اس علم پر التفات نہیں کیا جو ان تمام واقعات سے دلالت حاصل تھا بلکہ شائع علیہ السلام سے صراحتہ اس کو دریافت کیا اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کے نزدیک بات طے شدہ تھی کہ اس باب میں نقل کے سوا کسی شے کو دخل نہیں الوجہ الحادی عشر فی هذا دلیل علی ان امور آخرت لا تؤخذ بالعقل الی قولہ لا یسوغ فیہ غیر النقل کما تقدّر

ف پس امور آخرت کے اثبات میں دلائل عقلیہ سے کام نہ لینا چاہیے بلکہ دلائل نقلیہ سے ان کو ثابت کرنا چاہیے۔

(۱۰۲) مخاطب کا دل خوش کرنا سنت ہے کہ جواب دینے سے پہلے سائل حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا

کا دل خوش کرنا سنت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب سے پہلے یہ فرمایا کہ اے ابوہریرہ میں جانتا تھا کہ تم سے پہلے اس حدیث کو مجھ سے کوئی نہ پوچھے گا۔ اور اس بات سے صحابی کا دل خوش ہونے میں لایہ ہے کہ یہ بات حضور اس وقت تک نہیں فرما سکتے جب تک صحابی کے شوق و شغف کا مشاہدہ نہ فرمائیں اور شوق حدیث کا علم اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ حضور ہمیشہ سائیں طرف متوجہ رہتے اور ان کے اقوال و افعال پر نگاہ دیکھتے ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی ایک کو ایک نگاہ دیکھ لینا ہی صحابہ کے لئے خوشی کا بڑا سرمایہ تھا

تو جن بات اور دن ہر وقت حضور کی توجہ ہوا اس خوشی کا کیا پوچھنا؟ الوجہ الرابع عشر  
فی هذا دلیل علی ان من السنۃ ادخال السرور الی قولہ فکیف جافی مرہ واللیالی  
والایام۔

ف یہ حکم اس وقت ہے جبکہ سائل نے کام کی بات پوچھی ہو اور اگر فضول بات پوچھی  
ہو تو اس کے متعلق دوسری سنت یہ ہے کہ نا اافی کا اظہار کیا جائے چنانچہ حدیث میں ہے  
کان یکو المسئلۃ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سوال سے ناگواری ہوتی تھی یعنی فضول سوال  
سے نوب سبب ہو۔

(۱۰۳) مخاطب کی خوشی میں اضافہ کرنا سنت ہے  
ہوا کہ خوشی پر خوشی کا

اضافہ کرنا زیادہ مناسب ہے اس سے مسرت بڑھ جاتی ہے کیونکہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
اتنی ہی بات پر سکوت فرماتے کہ میں جانتا تھا کہ تم سے پہلے اس حدیث کو کوئی نہ پوچھے گا تو  
صحابی کے خوش ہونے کو اتنا ہی کافی تھا مگر جب آپ نے اس کا سبب بھی بتا دیا کہ میں تمہارا  
شوق کو دیکھ رہا ہوں تو اس سے مسرت پر مسرت کا اضافہ ہو گیا اور یہ ایسا ہی ہے جیسا  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرور و فہد عبد القیس سے فرمایا تھا فیک خصلتان  
یحیہما اللہ ورسولہ قال یا رسول اللہ ذلک شئ ان تصنعہ انا و شئ جبلی  
اللہ علیہ قال بل شئ جبلیک اللہ علیہ فقال الحمد للہ الذی جبلنی علی  
خصلتین یحیہما اللہ ورسولہ تمہاے اللہ دو خصلتیں ہیں جن کو اللہ اور اس کا رسول  
پسند کرتے ہیں انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں ان خصلتوں کو بہ تکلف اپنے اندر پیدا  
کرتا ہوں یا اللہ تعالیٰ نے میری فطرت میں ان کو رکھ دیا ہے فرمایا بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری فطرت  
میں ان کو رکھ لیا ہے، کہا اللہ کا شکر ہے جس نے میری فطرت میں ایسی دو خصلتیں رکھ دی ہیں  
جن کو اللہ اور اس کا رسول پسند کرتے ہیں، اسی کی نظیر وہ بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب  
میں مومنین کے متعلق بیان فرمائی ہے کہ جب وہ جنت میں داخل ہوں گے تو ان سے کہا  
جائیگا ادخلوا الجنة بما کنتم تعملون، بما کنتم تکتسبون، بما اسلفتم فی الدیام الخالۃ

کہ جنت میں داخل ہو جاؤ ان اعمال کے سبب جو تم نے کئے تھے جو تم اپنے اختیار سے کرتے تھے جو تم نے گزشتہ ایام میں پہلے سے ذخیرہ کئے تھے، یہ سب باتیں ان کی خوشی بڑھانے اور مشرک و ترقی دینے کے لئے کہی جائیں گی، ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل و احسان کے صدقہ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہم کو بھی اپنے کرم سے یہ دولت عطا فرمائیں **الوجه السادس عشر** **نیہ دلیل علی ان اتباع المسترۃ بالمسترة اعلیٰ، الی قولہ نسأل اللہ بمندان من علیہ نابلک بوف** ف یہاں سے ان مشائخ کے طرز تربیت کی تائید ہو گئی جو سائیکن کی ہمت بڑھاتے اور ان کے حالات عمودہ پر مسرت ظاہر کر کے ترقی کی طرف لیجاتے ہیں اور تجربہ شامہ ہے کہ یہ طرز زیادہ مفید ہے۔

(۱۰۴) جوابتے ہوئے مخاطب کا نام لیکر خطاب کرنا بھی سنت ہے یہ بھی معلوم

ہوا کہ جواب دینے کے وقت سائل کا نام لینا چاہیے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب پہلے حضرت ابوہریرہ کا نام لیکر ان کو خطاب فرمایا، اہمیں بظاہر وہ فائدے ہیں ایک یہ کہ نام لیکر خطاب کرنے سے مخاطب کی طبیعت مجتمع اور یکسو ہو جاتی ہے۔ نام خطاب میں یہ بات نہیں ہوتی اس کے بعد جو کچھ اس سے کہا جائیگا اس کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کریگا، اسی کی نظیر یہ واقعہ ہے کہ ایک بار حضرت معاذ بن جبل حضور کے ساتھ اونٹنی پر سوار تھے تو اچھے تین دفعہ ان کو یا معاذ کہہ کر پکارا اس کے جواب میں ہر دفعہ وہ بیک یا رسول اللہ و سعید کہتے تھے، تین بار پکارنے کے بعد آپ نے وہ بات ارشاد فرمائی جو ان سے کہنا چاہتے تھے، یہ کیوں کیا گیا، عرض اس لئے کہ جوابات ان سے کہنا تھے وہ اس کے سننے کو اچھی طرح تیار ہو جائیں اور کان دگا کر سنیں۔

دوسرے نام لیکر پکارنے میں مخاطب کا دل خوش کرنا ہے کیونکہ بزرگ جب اپنے چھوٹے کو نام لیکر پکارتے ہیں تو اس سے اس کو فرست اور نشاط ہوتا ہے کیونکہ یہ خاص تعلق کی دلیل ہے پھر سید الاولین والاخرین کا ان مبارک دستیوں کو پکارنا جن کی محبت حضور کے ساتھ قاتلوں سے ثابت ہے جو حضور کی ایک ایک نگاہ اور ادنیٰ سی توجہ کو بھی باعث بکثرت سمجھتے

تھے کیا کچھ موجب نشاط و سرور ہوگا؟ اس کا اندازہ عشاق ہی کر سکتے ہیں، اسکی تائید اس قصہ سے ہوتی ہے، ہمارے بیان کیا گیا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ہاتھ یا پیر میں تکلیف ہوگئی تھی تو طبیبتے کہا کہ اپنے سب زیادہ محبوب نام لیکر اس کو کھولوا انہوں نے داعمداد کہا اور ہاتھ کھل گیا۔ الوجہ السابع عشر فی دلیل علی تسمیۃ المسائل عند رد الجواب الی قولہ وقد تقدم ذکرہا فی الحدیث قبل هذا

ف بندگوں کے مختلف مذاق ہیں بعضے اپنے خدام کو نام لیکر نہیں پکارتے بلکہ القاب پکارتے ہیں اور خطوط میں بھی تعظیمی القاب تحریر فرماتے ہیں مگر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اپنے پھولوں کا نام لیا کرتے اور تعظیمی القاب استعمال نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس سے محبت اور تعلق کا اظہار ہوتا ہے۔ نام نہ لینے اور تعظیمی القاب سے یاد کرنے میں اجنبیت مترشح ہوتی ہے حضرت حکیم الامت دامت مدہم کا بھی یہی مذاق ہے اور بحمد اللہ یہ مذاق سنت کے موافق ہے۔

(۱۰۵) جوابات زیادہ مفید ہو اس کو مقدم کیا جائے حدیث سے معلوم ہوا کہ سائل کے

حق میں جوابات زیادہ مفید ہو اسے مقدم کرنا چاہیے اگرچہ اس نے اس کو دریافت بھی نہ کیا ہو نیز معلوم ہوا کہ جوابات کسی شخص کے ساتھ مخصوص ہو اس کا جانتا عام احکام کے جاننے سے مقدم ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جواب سے پہلے جو سائل وغیرہ سب کے لئے عام ہے۔ اس بات کو بیان فرمایا جو سوال کنندہ کے ساتھ مخصوص اور اس کے حق میں زیادہ مفید اور اس کے لئے باعث مسرت تھی الوجہ التاسع عشر فیہ دلیل علی تقدیم الاولی فی حق المسائل الی قولہ وما یرى بہ۔

(۱۰۶) حسن افعال سے حسن حال پر استدلال درست ہے حدیث سے یہ بھی معلوم

ہوا کہ انسان کے حسن حال پر اس کے افعال سے استدلال کرنا درست ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی کی حالت حسنہ پر ان کے عمل ظاہر سے استدلال فرمایا لعلہ

حرص و شوق حدیث سے اور حرص مجملہ اعمال کے ایک عمل ہے پس ثابت ہوا کہ اعمال سے حسن حال پر استدلال کرنا استدلال بالقول سے اولیٰ ہے کیونکہ قول میں توجہ کا بھی احتمال ہے اور فعل میں یہ احتمال نہیں (دوسرے قول میں تصنع اور بناوٹ بھی ہو سکتی ہے اور عمل میں تصنع مدت تک نہیں چل سکتا) الوجهہ العشرون فیہ دلیل علی جواز الاستدلال علی حال المرأ بفعلہ الی قولہ والفعل لیس کذلک

ف حضرت مشائخ کی تعلیم یہ ہے کہ شیخ کامل کو اس کے عمل سے پہچانو، باتوں سے نہ پہچانو، کیونکہ بائیں توسن سن کر یا کتابوں سے یاد کر کے بھی ہو سکتی ہیں مگر عمل پر سنت تصنع اور بناوٹ سے نہیں ہو سکتا جب تک دل میں اتباع سنت کا اہتمام نہ ہو، بناوٹ کا فائدہ دیر پا نہیں ہوتا اس لئے جلوت و خلوت میں ہر طرح شیخ کے عمل کو دیکھ کر انتخاب کرے نیز اولیاء معروفین کی شہادت کو بھی دیکھے کہ وہ اس کے بارہ میں کیسا گمان رکھتے ہیں۔

## (۱۰۷) علوم حکمت کو اہل ہی بیان کرنا اور وقت پر بیان کرنا سنت

حدیث سے معلوم ہوا کہ علوم حکمت کو اہل اور لائق ہی سے بیان کرنا سنت ہے اور یہ کہ اس قسم کی باتیں وقت ہی پر بیان کی جائیں بے وقت نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباس کی فضیلت کو اسی وقت ظاہر فرمایا جب انہوں نے اس حدیث کو جس سے بہت سے بندگان کرام غفلت کر رہے تھے دریافت کیا الوجه الثانی والعشرون فیہ دلیل علی ان السنۃ فی حکمتہ ان تعلقہ الا لا ہلہا الی قولہ قد یغفل عنہ کثیر من السادۃ الفضلہ

ف حضرات مشائخ کا اس سنت پر عمل ہے۔

## (۱۰۸) کسی کے عمل کی تعریف کا مضائقہ نہیں ذات کی مدح نہ کرو

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صاحبِ عمل کے عمل کی تعریف کرنا بہتر اور مستحب ہے کیونکہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی کی تعریف فرمائی اور ان کو حدیث کا زیادہ علم عشق بشلایا اس عمل کی وجہ سے جو ان سے صادر ہوا تھا یعنی حدیث کا شوق، بخلاف مدح ذات کے کہ وہ ممنوع ہے، اور فرق دونوں میں یہ ہے کہ عمل کی مدح سے تو صاحبِ عیسیٰ کو اس عمل کا شوق اور استقامت زیادہ ہو جاتا ہے اور ذات کی مدح سے عجب اور خود رائی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے الوجہ السادس والعشرون فیہ دلیل علی ان مدح العمل لمصاحبہ مندرج المیال قولہ یناف ہذہ الحب والالتفات

ف حضرت صوفیہ کا عمل اسی کے موافق ہے

(۱۰۹) اہل اللہ میں تمام کمال موجود ہوتی ہیں مگر جسمیں کوئی صفت

دوسرے کی قدر زیادہ ہو وہ اسی صفت ممتاز ہو جاتا ہے یہاں یہ سوال ہو

کتاہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کے شوق کے ساتھ ان صحابی کو بھی کیوں مخصوص فرمایا حالانکہ حدیث کا شوق تو تمام صحابہ کو تھا جیسا ان کے حالات و واقعات سے معلوم ہے کہ سب حدیث کی بہت حرص اور تعظیم و محبت رکھتے تھے جواب یہ ہے کہ واقعی سب صحابہ ایسے ہی تھے مگر اس باب میں ان صحابی کو کچھ فوقیت حاصل تھی جس کی وضاحت اس روایت سے ہوتی ہے جس میں خود حضرت ابوہریرہ نے فرمایا ہے کہ میرے انصاری بھائی تو بعض اوقات اپنے باغوں کی کچھ جال میں رہتے تھے اور ہاجرین بازاروں میں کسبِ معاش کے لئے مشغول رہتے تھے اور میں اپنا پیٹ بھرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پڑا رہتا تھا اس لئے مجھے وہ باتیں یاد کرنے کا موقع ملتا تھا جس کا دوسرے کو موقع نہ ملتا تھا اسی فوقیت کی وجہ سے کہ وہ ہر وقت حضور کے پاس رہتے تھے ان کو یہ بزرگی حاصل ہوئی اور ہر چند کہ ان کی طرح دو کمر صحابہ بھی اس امر کے بہت شائق و راغب رہتے کہ حضور کی باتیں سنیں، چنانچہ تم ان کے واقعات میں دیکھو گے کہ وہ ہر نیک کامی طرف سبقت کرتے اور ایک دوسرے کے بڑھنے کی کوشش کرتے تھے مگر اس حالت میں اگر بھی

کو نیک کام میں دوسروں سے ذرا بھی فوقیت حاصل ہو جاتی تو اس نیک کام کے طریقہ کو اسی کی طرف منسوب کر دیا جاتا اور اسی کو اس طریقہ کا امام کہا جاتا ہے، یہی حال ان بندگان کا ہے جو قیامت تک اخلاص کیساتھ ان کا اتباع کریں گے ہیں، اس تقریر کی توضیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے۔

انا مدینۃ الحیاء و البکر بابہا انا مدینۃ الشجاعت و عمر بابہا  
وانا مدینۃ الحیاء و عثمان بابہا و انا مدینۃ العلم و علی بابہا

”میں سخاوت کا شہر ہوں ابو بکر اس کا دروازہ ہیں، میں شجاعت کا مخزن ہوں عمر اس کا دروازہ ہیں میں حیا کا منبع ہوں عثمان اس کا دروازہ ہیں میں علم کا خزانہ ہوں علی اس کا دروازہ ہیں (اس حدیث کا اخیر جزو انا مدینۃ العلم و علی بابہا لوگوں کی زبان پر مشہور ہے مگر محدثین کی کوسی کی محبت میں کلام ہے پوری حدیث کا جو کچھ حال ہو گا اسی سے سمجھ لیا جائے) پس ہر چہ کہ چاروں حضرات کے اندر یہ تمام صفات موجود تھیں مگر ان میں سے ہر ایک کو دوسرے پر کسی ایک صفت میں ذرا سی فوقیت حاصل تھی تو وہ صفت ان ہی کی طرف منسوب ہو گئی۔ اس میں صوفیاء کے لئے بڑی تسکین ہے کہ چونکہ وہ بھی قطع علاق اور تعلق باللہ اور توجہ الی اللہ اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف مشتاق رہتے ہیں دوسروں سے بڑھے ہوئے اور صفایا باطن ہے بدرجہ کمال ممتاز ہیں اس لئے صفایا اور صفوت کی صفت سے مخصوص ہو گئے اور ان کا لقب صوفی ہو گیا حالانکہ مسلمانوں میں صفایا باطن کا کوئی درجہ یقیناً موجود ہے کیونکہ ایمان صفایا کو مقتضی ہے مگر صوفیہ کو اس باب میں خاص درجہ حاصل ہے اس لئے یہ صفت انہی کے ساتھ مخصوص کر دی گئی دوسروں کے لئے استعمال نہیں کی گئی اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم کو بھی ان کی برکات سے حصہ عطا فرمائے آمین

الوجه الثامن والعشرون والتاسع عشرون من قوله لقائل ان يقول لم خص

عليه السلام هذا بالخصوص الى قوله اعاد الله علينا من بركاتهم ومنه

ف جب حضرات صحابہ و اولیاء کرام کی یہ شان ہے کہ ان کا ہر فرد تمام صفات محمودہ

کا جامع ہوتا ہے تو یقیناً انبیاء کا مقام اس سے بھی اعلیٰ و ارفع ہو گا اب ان لوگوں کی جہالت و

حجرات کا اندازہ کرو جو اپنی سیرتوں میں لکھتے ہیں کہ نوح علیہ السلام میں دھماکا مادہ نہ تھا  
موسیٰ علیہ السلام میں طاقت ضبط نہ تھی عیسیٰ علیہ السلام میں سلطنت و تمدن کا سلیقہ  
نہ تھا معوذہ باللہ من هذه الہذیانات و نستغفر من جميع السيئات

(۱۱۰) جس کے ایمان میں کچھ بھی آمیزش ہوگی وہ حضور کی شفاعت

محروم ہوگا حدیث سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے ایمان میں کچھ بھی شائبہ آمیزش  
کا ہوگا وہ حضور کی شفاعت سے زیادہ کامیاب نہ ہوگا، کیونکہ رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ کامیاب ہونے کے لئے اخلاص کی شرط بیان فرمائی ہے اور اخلاص  
کے معنی یہ ہیں کہ اس میں فتوری یا بہت کچھ بھی آمیزش نہ ہو۔

دل سے لا الہ الا اللہ کہنا کافی نہیں زبان سے کہنا ضروری ہے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس کے دل میں ایمان ہو اور اس نے زبان سے ایمان  
کا اظہار نہ کیا ہو وہ بھی کامیاب نہ ہوگا نہ اس کو اس خاص شفاعت سے حصہ ملے گا کیونکہ  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان سے تلفظ کی شرط لگا دی ہے اور جب یہ شرط نہ  
پائی جائے مشروط ہی نہ پایا جائے گا قوله فی الوجه الواحد والثلاثین والوجه  
الثانی والثلاثین فیہ دلیل علی ان من خالط ایمانہ شائبۃ لا یسعد  
بہ وفیہ دلیل علی ان من اعتقد الایمان دون النطق بہ الی قوله والشرط  
اذا عد بعدہ والمشرط

ف صوفیہ کرام کو اخلاص عمل کا جس قدر اہتمام ہے ظاہر ہے کہ ان کی تمام تر کوشش اخلاص  
ہی کی واسطے ہے نیز صوفیہ کو ذکر لا الہ الا اللہ کی تشریح کا بھی اہتمام ہے ذکر نفی اثبات اس کا  
نام ہے اور اسی کی تکمیل سے ان کے نزدیک مقلدات کی تکمیل ہوتی ہے پس صوفیہ اس حدیث  
کے موافق شفاعت نبویہ سے زیادہ کامیاب ہیں جعلنا اللہ وایاکم من اسعد الناس بھا  
نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذکر قلبی تنہا کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ذکر لسانی کی بھی ضرورت ہے



ف یہ جو کہا گیا ہے کہ جس کے دل میں ایمان ہو مگر زبان سے اس نے لا الہ الا اللہ نہ کہا ہو تو وہ حضور کی شفاعت سے حصہ نہ پائیگا یہ اس پر مبنی ہے کہ قول کو تلفظ باللسان کیساتھ خاص کہا جائے اور اگر کلام قلبی کو بھی عام کہا جائے تو ایسے شخص کا شفاعت سے محروم ہونا لازم نہیں ہے

”لَنْ يَكْفُرَ لَكُمْ الْفُؤَادُ مَا اَسْمَا جَعَلَ اللّٰسَانَ عَلَى الْفُؤَادِ دَلِيلًا“  
اور یہ گفتگو اس شخص کے بارہ میں ہے جس نے بدن کسی عذر کے اظہار ایمان میں کمی سستی کی ہو اور اگر کسی عذر کی وجہ سے ایمان کو ظاہر نہ کر سکا اور اسی حالت میں مر گیا تو راجح اور ظاہر یہ ہے کہ وہ عند اللہ مابور ہوگا اور شفاعت نبویہ سے محروم نہ ہوگا۔

وهذا مما نبه عليه الشاح نفسه واحتج بقوله تعالى المؤمن اكره  
وقلبه مطمئن بالويمان

## حدیث

## رفع العلم بقبض العلماء

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح ہمیشہ لے گئے کہ اس کو بندوں کے دلوں سے چھین لیں گے بلکہ علماء کو وفات دیکر علم کو دنیا سے چھین لیں گے یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہ رہیگا لوگ جاہلوں کو سزا بنالیں گے ان سے احکام شرعیہ کی متعلق سوال کیا جائیگا تو وہ بغیر علم ہی کے فتویٰ دیں گے پس خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

تشریح حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ علم آہستہ آہستہ کم ہوگا ایک دم سے زائل نہ ہوگا اس کے متعلق چند وجوہ بیان کے قابل ہیں۔

(۱۱۱) علم شریعت کے سوا کسی علم کو ہدایت نہیں کہا جاسکتا یہاں دو احتمال ہیں کہ علم سے مراد عام ہو یا خاص، مگر قرینہ مقام سے ظاہر ہے کہ خاص علم یعنی علم شرعی مراد ہے کیونکہ حضور نے فرمایا ہے کہ وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے اور ظاہر ہے کہ علوم شرعیہ ہی سے ہدایت ہوتی ہے ان کے سوا کسی علم کو اطلاق کے ساتھ ہدایت نہیں کیا جاسکتا بلکہ قید لگانے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس مقام پر علم سے مراد کتاب اللہ اور حدیث نبوی کی فہم ہے۔

بھی کسی نہ کسی میں ضرور باقی رہیگا

یہاں ایک سوال واقع ہوتا ہے کہ یہ حدیث ظاہر میں اس حدیث کے معارض ہے و رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم سے قرآن کریم کھیتعلق مردی ہے کہ قرآن دفعتہ اٹھالیا جائیگا عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کیا ہم نے اس کو اپنے سینوں میں محفوظ اور مصاحف میں قلم بند نہیں کر لیا اور اپنے بیٹوں اور عورتوں کو نہیں سکھلایا؟ (پھر اس حالت میں دفعتہ کیسے اٹھالیا جائیگا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مات ایسی ایسی جس میں قرآن سینوں اور مصاحف میں سے اٹھالیا جائیگا نہ سینوں میں کچھ باقی رہیگا نہ مصاحف میں (یعنی قلوب سے اور کاغذ میں سے قرآن کے حروف غائب ہو جائیں گے) پھر آپ نے یہ

آیت پڑھی ولسن شُنا لندھین بالذی اوحینا الیک ثَمَّ لَا تَجِدُ لَکَ بِهِ عَلَیْنَا  
وَعِیْلًا ۔ اور اگر ہم چاہیں تو اس قرآن کو چھین لیں جو آپ کی طرف ہم نے وحی کیا ہے پھر  
ہم اسے ہا ہڈی میں خرمیں کے مالپس لانے کے لئے تم کو اپنے خاصہ محمدیہ وارثوں۔۔۔

جواب یہ ہے کہ دونوں میں کچھ تعارض نہیں کیونکہ ہم نے علماء کے حوالہ سے اوپر بیان کیا ہے کہ علم اس نور کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ قلوب میں پیدا کرتے ہیں اسی نور سے کتاب اللہ اور حدیث نبوی کی فہم حاصل ہوتی ہے اس حقیقت سے کتاب اور حدیث ناطق ہے اور دونوں نے اس مضمون کو بیان کیا ہے چنانچہ کتاب اللہ میں ارشاد ہے وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ اِگر یہ لوگ معاملہ کو رسول اللہ اور

اولی الامر کسیرف واپس کرتے تو ان میں جو لوگ حقیقت تک پہنچنے والے ہیں وہ اس کو سمجھ جاتے، اور قرآن کے معانی اور اس کے احکام نورہی کے ذریعہ تو سمجھ جاتے ہیں اور نہ فہم زبان میں تو سب اہل زبان مساوی تھے، اگر یہ نور مفقود ہو جائے تو مگر اسی پھیل جائیگی اللہ تعالیٰ ہم کو اس سے بچائے، ”احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”میں ایسے زمانہ میں ہوں جس میں فقہا یعنی قرآن کے سمجھنے والے زیادہ ہیں قرآن تو ٹوٹی ہیں اس زمانہ میں قرآن کے حدود احکام کی حفاظت کی جاتی ہے حروف کا زیادہ استقام نہیں کھاتا، پھر فرما یا اور عنقریب لوگوں پر ایک



کیا جاتا ہے، آجکل تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ قلوب میں وہ روحانیت باقی نہیں رہی جو پہلے تھی بلکہ مادیت غالب ہو رہی ہے مگر کسی کو اصل حقیقت کی طرف التفات نہیں ہوتا کہ روحانیت کا چشمہ کہاں ہے؟ سو معلوم کر لینا چاہیے کہ روحانیت اور نور کا سرچشمہ قرآن ہے مسلمانوں کو قرآن کی طرف متوجہ ہونا اور اس کے احکام و حدود پر کاربند ہونا چاہیے جس قدر اس سے غفلت کی جائیگی اسی قدر روحانیت میں کمی اور مادیت کا غلبہ ہوگا عوام کی کیا شکایت کی جائے انہوں نے یہ ہے کہ آجکل خواص کو بھی قرآن کی طرف توجہ کم ہے ایک زمانہ میں تو قرآن کے سمجھنے والے زیادہ تھے اس وقت بھی مسلمانوں کی حالت اس وقت سے بہتر تھی اب تیسرا زمانہ ہے کہ قرآن کے سمجھنے والے بھی کم ہیں اور پڑھنے والے بھی کم، اس کے بعد کس چیز کا انتظار ہے؟ کیا ہم لوگ اپنی اس بے توجہی اور غفلت سے یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن کی ضرورت نہیں رہی اس کو اٹھالیا جائے؟ اللہ اشد! اس وقت کے تصور سے بھی کلیہ نکالاجاتا ہے اور جان لبوں پر آ جاتی ہے، مسلمانوں! اللہ کی کتاب سے غفلت اور بے توجہی کا اظہار نہ کرو بخدا اگر یہ قرآن اٹھالیا گیا تو دنیا میں مسلمانوں کی کچھ بھی ہستی اور قیمت نہ رہے گی، سنبھلو سنبھلو اور اللہ کی کتاب کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔

(۱۱۲) ایک عالم بزرگ کی وفات کے بعد دوسرا جوان کا قاتل منہاں ہوتا ہے

ہر طرح سے پہلے جیسا نہیں ہوتا نہ اس کمی کو پورا کرتا ہے جو پہلے کے خدا کی موتی

اگر ایک عالم کی وفات ہو جائے اور اس کی جگہ دوسرا ایسے تو کیا وہ پہلے کی مثل ہوگا؟ اور اس کمی کو پورا کر دینا جو پہلے کی وفات سے (عالم اسلام میں آگئی تھی یا نہیں) اس حدیث کے ظاہر سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہیں (نہ یہ اس کے مثل ہوگا نہ کمی کو پورا کرے گا) مگر بظاہر اس کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے اذامات العالم تملت فی الاسلام تلتمہ لا یسدھا الا عالم آخر جب عالم مرتا ہے تو اسلام میں ایک رخنہ پیدا ہو جاتا ہے جس کو کوئی دوسرا عالم ہی بند کر سکتا ہے ”مگر درحقیقت دونوں میں کچھ تنازع نہیں، کیونکہ پہلے کے مرنے کے بعد جب

دوسرا اس کا قائم مقام بن کر درخت کو بند کر دیا تو بدانتہا معلوم ہے کہ وہ ہر حیثیت سے پہلے کی برابر نہ ہو گا کیونکہ پیوند نگا کپڑا اسلام کے پڑے برابر نہیں ہو سکتا اگرچہ متر بدین دونوں سے حاصل ہو جاتا ہے اور گو پیوند نگا نیوالے میں کچھ نقصان اور کمی بھی نہ ہو اس نے کتنی ہی ہشیاری سے رد کیا ہو مگر پھر بھی پہچاننے والے فرق کو محسوس کر لیتے ہیں، یہ ایسی بات ہے جس کا حسا مشاہدہ کیا جاتا ہے، خصوصاً جب ہم یہ کہیں کہ علم ایک نور کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ قلوب میں پیدا فرماتے ہیں جیسا آئمہ دین کے حوالہ سے اوپر نقل کیا گیا ہے تو اس کا نقص تو بدانتہا مشاہدہ ہے، کیونکہ حضرات صحابہ کا نور تابین کے نور جیسا نہ تھا، بلکہ ان سے کامل و اکمل تھا اور تابعین کا نور تبع تابعین کے نور جیسا نہ تھا اسی طرح قرنا بعد قرن دیکھتے چلے جاؤ تم کو نظر آئے گا کہ ہر زمانہ میں کوئی چیز اسٹی و کم ہو رہی ہے اور اسی حقیقت کی وجہ سے پہلے علم لوگوں کے سینوں میں تھا پھر اوراق کتب میں منتقل ہوا مگر اسکی کنجیاں لوگوں کے سینوں میں رہیں، پھر کتب میں اور دفتر تو بہت ہو گئے کنجیاں کم ہو گئیں اور اگر کوئی کبھی ملتے بھی تو سیدھی شاذ و نادر ہی ہوتی پھر یہ حال ہو گیا کہ علوم شرعیہ قرآن و حدیث تو سوار کے پیالہ کی طرح (پس پشت) ہو گئے اور تھوڑی سی توجہ بعض علوم فرعیہ میں رہ گئی، یہی کتب فقہ اور فتاویٰ میں وہ بھی اسلئے کہ مفتی یا تاضی کا عہد مل جائیگا) اور زیادہ توجہ علم مناظرہ، منطق، علم نجوم اور علم سائنس وغیرہ کی طرف منحطف ہو گئی اسوقت لوگوں نے ممنوع کا ارتکاب اختیار کیا اور ان کی رسم بدی پر آکر چٹھڑ گئی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لا تجعلونی کفدح الراکب مجھے سوا کے پیالہ کی طرح پس پشت نہ کر دینا (سوار اپنے پیالہ اور لوٹے وغیرہ کو پیچھے ہی لٹکایا کرتا ہے) تو ان لوگوں نے باوجود ممانعت کے ایسا ہی کر کے دکھایا کہ قرآن و حدیث کو پس پشت ڈال دیا اور دوسرے علوم کے پیچھے پڑ گئے پھر یہ لوگ ان پیہودہ علوم کو حاصل کر کے دین الہی میں گفتگو کرنے اور علماء اسلام پر اعتراض کرنے کا بھی حوصلہ دیکھتے ہیں (خلا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم) پس دنیا میں اگر کوئی رستے والا ہے تو وہ علم اور اہل علم کی موت کا اور دین کے زوال و ضعف کا نوہ کرے فان اللہ وانا الیہ راجعون

غرض جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحمت الہی کی طرف انتقال کیا ہے اسی وقت سے علم میں نقص شروع ہو گیا ہے اور سبط رحمت بھی ہوتی ہے گی یہاں تک کہ قرآن اٹھایا جائیگا بعض حضرات صحابہ نے اس امر کی تصریح بھی فرمادی ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر کے ہم نے ہاتھ بھی نہ جھائے تھے کہ اپنے دلوں کو متغیر پایا اور ایک روایت میں ہے کہ ہم نے اپنے دلوں میں نقصان محسوس کیا مگر اس نقص کو اس وقت اہل قلوب کے سوا کوئی نہ پہچانتا تھا یہی حال اس صدی کے بعد دوسری صدی میں ہمارا سبط رحمت تیسری صدی میں بھی جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت دی ہے کہ یہ خیال قرون ہیں تو اس خیال قرون میں علم انداز نہ رکھتے رہا تھا مگر ظاہر میں بطور ہاتھ کیوں کہ علماء کی کثرت تھی کتابوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہو رہا تھا اور اس حقیقت کو جسکی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے اہل قلوب کے سوا کوئی نہ پہچانتا تھا (عام لوگ مقرر تھے کہ کثرت کتب کثرت علماء اور کثرت مدارس مسلمانوں کی تھی اور تمدنی ترقی کا پتہ دے رہی ہے مگر اہل دل دیکھتے تھے کہ علم دل سے زبان پر اور زبان سے کاغذ پر آ رہا ہے دیکھنے میں سب کچھ ہے مگر دل ویسے نہیں جیسے پہلے تھے) اسی لئے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اپنے نمانہ کے علمائے (فرماتے تھے کہ میں ایک دن میں تمہاری زبان سے بار بار ایسی بہت باتیں سن لیتا ہوں جن کی تم کو پورا بھی نہیں ہوتی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم ان کو موبقات (مہلکات یعنی تباہ کن) خیال کرتے تھے یا اس کے قریب قریب کچھ اور فرمایا پھر تیسری صدی کے بعد تو اس نقص کو عام طور پر سب نے محسوس کر لیا اور اب تو ایسا ظاہر و روشن ہو گیا جیسا دو پہر کو آفتاب جس کے آس پاس بادل بھی تو دن حضرت شافع کے زمانہ میں ہو لوگ یہود و عوام حاصل کرنے کے بعد دین الہی میں کلام کرنے کی جرأت کرتے تھے کیونکہ اس وقت علم مناظرہ، منطق، سائنس، نجوم، طب وغیرہ تمام علوم کا خزانہ عربی زبان ہی میں تھا ان علوم کی تحصیل کرنیوالوں کو اگرچہ قرآن و حدیث کی فہم معرفت حاصل نہ ہوتی تھی مگر عربی زبان پر حاوی ہو جانے کی وجہ سے کسی قدر قرب اور نسبت حاصل ہو جاتا تھا جب اس پر ان کو دین الہی میں گفتگو کرنے کا حق نہ تھا کیونکہ وہ قرآن و حدیث کو پس پشت ڈالے ہوئے تھے باقاعدہ ان کو حاصل نہ کرتے تھے تو انصاف سے کہو جن لوگوں

نے سائنس و جغرافیہ وغیرہ علوم کو دنیا کو انگریزی میں پڑھا ہوا عربی زبان پر عادی ہونا تو کیا  
 ادنیٰ مناسبت بھی پیدا نہ کی ہو۔ ان کو دخل و معقول کامیاق ہے؛ مگر ہندوستان میں  
 تم دیکھو گے کہ بہت سے مملہ جہ دین محض اس وجہ سے کسی انگریزی کارخانے ان کو بلایے یا  
 ایم لے کی ڈگری دیدی ہے یا کسی طرح سے گورنمنٹ کی طرف سے شمس العلماء کا ان کو  
 خطاب مل گیا ہے یا اخبار کے ایڈیٹر بن گئے ہیں دین میں اجتہاد کے مدعی اور علماء اسلام  
 پر اعتراض کرنے میں پیش پیش ہیں و سبیلہ الذین ظلموا اسی منقلب یقلبون

(۱۱۳) متاخرین کا علم متقدمین کے برابر نہیں ہو سکتا اس مقام پر یہ سوال

بھی وارد ہوتا ہے کہ یہ حدیث اس حدیث کے معارض ہے جو پہلے گزری تھی کہ یہ امت ہمیشہ  
 اللہ کے حکم پر قائم رہے گی مخالف اس کو ضرر نہ پہنچائے گا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے  
 اور یہاں یہ بتلایا گیا ہے کہ علم سمیٹ لیا جائیگا اور جب علم جاتا رہا تو اس کی جھج جھج  
 رہیگا جس کا لازمی نتیجہ مگر بھی ہے جیسا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ہی سے  
 واضح ہے، جواب یہ ہے کہ ان دونوں میں بھی کوئی تعارض نہیں کیونکہ حدیث سابق کا مطلب  
 یہ ہے کہ ایک جماعت اس امت میں ایسی ضرور رہے گی جو اس حق واجب کو ادا کرتی رہے گی  
 جو شرعاً اس پر لازم ہوگا اس میں کوتاہی نہ کرے گی مگر ادا لے سنی واجبیت یہ لازم نہیں کہ اس  
 جماعت کا علم سلف کے برابر ہو کیونکہ علم جس نور کا نام ہے وہ ان کے پاس ویسا نہ ہوگا جیسا  
 ان سے پہلے بزرگوں میں تھا، اس مضمون کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد  
 سے ہوتی ہے کہ اپنے صحابہ سے فرمایا ”تم ایسے زمانہ میں ہو جس میں کوئی مامور بہ یعنی حکم شرعی  
 کا دسواں حصہ بھی چھوڑے گا تو ہلاک و برباد ہو جائیگا اور ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں کوئی  
 مامور بہ کا دسواں حصہ بھی ادا کرے گا تو نجات پائیگا“ اور یہ دسواں مستغبات کا مراد ہے  
 فرائض و واجبات کا نہیں کیونکہ فرض تو اول و آخر ہر زمانہ میں یکساں مطلوب ہے پس  
 یہاں مامور بہ سے مراد وہ نیک اعمال ہیں جو فرض و واجبات کے علاوہ ہیں کیونکہ دین تو سارا  
 ہی مطلوب ہے فرض بھی، مستحب بھی، آداب بھی اور نفل بھی پس یہ شبہ نہ کیا جائے کہ مستغبات



کو مامور بہ کیسے کہہ دیا گیا؟ اور سلف اول یعنی حضرت صحابہ رضی اللہ عنہم ان تمام چیزوں کو پوری طرح بجالانے کی پوری کوشش کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان سے ایسا ہی چاہتے اور اسی کی ان کو ترغیب دیتے تھے کہ فرض کو تمام آداب مستحبات و سنن کے ساتھ کامل مکمل ادا کریں۔ چنانچہ مری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار یہ ارادہ کیا کہ جو لوگ نماز کی جماعت میں حاضر نہیں ہوتے ان کے گھر جھونک دیں حالانکہ ہر شخص کے لئے جماعت میں حاضر ہونا مستحب ہے (فرض واجب ہے) اسی طرح حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ وہ نماز میں ہفتوں کو سیدھا کرنے کا بہت استقام کرتے اور لوگوں کو اسکی تاکید کرتے تھے حالانکہ نماز میں صف کا سیدھا کرنا مستحب ہے، غرض حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم ان باتوں کی دوسروں کی بھی تاکید کے ساتھ ترغیب دیتے اور خود بھی بہت زیادہ استقام کرتے تھے تاکہ ان میں سے کسی بات میں کمی اور کوتاہی نہ ہو اور جو حد ان کے واسطے مقرر کی گئی ہے اس کے تاکہ نہ قرار پائیں باقی آج کل تو ایسا مفقود نہیں کیونکہ اعمال میں بدعات و منکرات بکثرت شامل ہو گئے ہیں جن میں سے دسواں حصہ بھی بڑی کوشش کے بعد خالص نکل سکتا ہے اور خالص ہونے کا یہ مطلب ہے کہ عمل اسی طور پر واقع ہو جس طور سے شریعت نے مقرر اور طلب کیا تھا کہ اس میں کسی بدعت اور منکر کا شمول نہ ہو، اب تم خود سمجھ لو کہ ایسا عمل آج کل کیونکر ہو سکتا ہے) مثال کے طور پر جنازہ کے ساتھ ہونا، جنازہ کی نماز پڑھنا یا کسی شادی میں شریک ہونا یا اس کے مشابہ کوئی کام لیسو تو ہر شخص کو بہت کم شریعت کی موافق عمل کرنے پر قادر پاؤ گے کیونکہ ان میں یہودہ بدعتیں اور تباہ کن منکرات بہت کچھ شامل

عہ یہ استدلال شوافع اور مالکیہ کے مذہب پر نام ہے حنفیہ کے مذہب پر نام نہیں کیونکہ حنفیہ کے نزدیک جماعت سے نماز پڑھنا ہر شخص پر جسے کوئی عذر شرعی نہ ہو واجب ہے مگر اصل مقصود کو اسی وسیلے کے نام نہ ہونے سے کچھ ضرر نہیں کیونکہ بعض متفق علیہ مستحب

کے ترک پر بھی حضور کا کتاب ثابت ہے ۱۲ ظ

ہو گئے ہیں جن سے شاذ و نادر ہی کوئی بچ سکتا ہے پس ان لوگوں کا دس میں سے نو حصول کو چھوڑنا اس وجہ سے نہیں کہ ان کو نو حصوں سے اعراض ہے یا ان میں رغبت نہیں اگر ایسا ہوتا تو یہ لوگ ناجی نہ ہوتے بلکہ اس کا سبب ہے جو ہم نے ابھی بتلایا ہے کہ بدعا و منکرات کا شمول اعمال میں اس درجہ ہو جائے گا کہ اعمال کا ان سے خالص طریقہ پر ادا ہونا دشوار ہوگا پس جس جماعت کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ وہ سخی پرور ہوگی اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی طرف سے سخی واجب میں کمی نہ کریگی اور اگر ان کو واجب ناقص ملا ہو تو اس میں ان کا کیا قصور؟

الوجه السادس لقائل ان يقول هذا الحديث معارض لقوله عليه السلام لن تنزال هذه الاممة الى قوله انها لا تنفص مما يلزمها شيئاً

ف حدیث کی شرح میں علامہ امام نے جو کچھ فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ دسواں حصہ کمیات کے اعتبار سے مراد نہیں بلکہ کیفیات کے اعتبار سے مراد ہے، یہ مطلب نہیں کہ اخیر زمانہ میں فرائض و واجبات کی مقدار یا عدد پہلے سے کم ہو جائیگا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس کیفیت کا مدار درجہ عالیہ پر فرائض کے ادا کرنے کا بندہ سے شریعت نے مطالبہ کیا ہے اس کیفیت کا دسواں حصہ بھی اخیر زمانہ میں ادا ہو جائے تو نجات کے لئے کافی ہوگا کیونکہ اخیر زمانہ میں قلوب میں نور بھی کم ہوگا مشاغل دنیہ سے بیفکری بھی کم ہوگی پریشانی اور منتہ کی کثرت بھی ہوگی ایسی حالت میں ہر عمل کو اعلیٰ کیفیات پر ادا کرنا دشوار ہوگا وہ اگر دسواں حصہ بھی بجالائیں تو قبول عمل کے لئے کافی ہوگا۔

(۱۱۴) اللہ تک پہنچنے کا راستہ ہر شخص کے لئے جدا ہے حدیث سے اہل قول کے اس قول

کی بھی تائید ہو گئی عدد الطرق الى الله عز وجل على عدد الانفاس كما ان الله تعالى يلك پنہنے کے راستوں کی شمار غنوق کے سانسوں کی شمار کیونکہ ہر شخص کے لئے وصول کا راستہ جدا ہے، کیونکہ ہر شخص کی حالت ہر جہت سے دوسرے کی حالت جیسی نہیں ہوتی اگرچہ دونوں کی حالتوں میں بظاہر کچھ مشابہت ہو پھر بھی کچھ نہ کچھ فرق ضرور

ہوگا چنانچہ حیاء امر مشاہدہ کر دو بھائی بھی ہر جہت سے متوافق الحال نہیں ہوتے پس آدمیوں کی شکل و صورت تو پسند آتی اور وضع میں یکساں ہے مگر حقیقی مشابہت اور موافقت میں یکسانیت نہیں بلکہ باہم تفاوت ہے کیونکہ ہر شخص کسی خاص صفت کیساتھ موصوف ہوتا ہے جس میں دوسروں سے ممتاز ضرور ہوتا ہے اگرچہ اکثر صفات میں ان کے موافق ہی ہوا و ایک انسان ہی کیا تمام حیوانات کا یہی حال ہے کہ ہر نوع کے افراد وضع خلقت میں تو یکساں ہوتے ہیں مگر حقیقی مشابہت و موافقت میں یکساں نہیں ہوتے، پاک ہے وہ جس نے اپنی عظیم الشان قدرت کے آثار عجیب غریب حکمت کیساتھ تمام مخلوقات میں ظاہر فرمائے ہیں اور اس خفیت ہی کی وجہ سے جس پر ہم نے اشارہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس مضمون میں تامل اور خود کمرے کا حوالہ دیا ہے کہ اس سے اللہ کی وحدانیت پر استمال کرنا چاہیے، چنانچہ اللہ عز و جل کا ارشاد ہے

سُبْحَانَكَ يَا مَنْ فِي الْأَفْئَاتِ وَفِي الْغُفْرِ حَقٌّ يَتَّبِعِينَ  
لَهُمُ الرِّبَاطُ الْحَقُّ

”ہم ان کو اپنی قدرت کی نشانیاں دکھلا دیں گے آفاق عالم میں بھی اور خود ان کی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان پر یہ بات واضح ہو جائے کہ قرآن حق ہے“

قولہ فی الوجہ السابع بعد بیان الحکمتہ فی نقص العلم ولذلک قال اهل التحقيق عدد الطريق الى الله الى قوله حتى تبين لهم انه الحق

فی حدیث سے اس مضمون کی تائید اس طرح ہوئی کہ حضور نے صحابہ سے فرمایا کہ تم ایسے زمانہ میں ہو جس میں مامور بہ کا دسواں حصہ چھوڑنا باعث ہلاکت ہے اور ایک زمانہ آسیر کا جہم میں دسواں حصہ لیجانا موجب نجات ہوگا اس سے صاف ظاہر ہے کہ سب کے لئے دھول کا ایک طریقہ نہیں ورنہ ہر زمانہ میں وہی حکم ہوتا ہے جو صحابہ کے لئے تھا حالانکہ ایسا نہیں ہے ۔

فی شیخ محقق وہی ہے جو ہر شخص کو اس راستے سے لیجائے جو اسکے لئے مناسب ہے، یہ نہیں کہ سب کو ایک ہی ذلیفہ بتلایا کرے اور ایک ہی سبق پڑھایا کرے۔

## (۱۱۵) جب تک دنیا میں ایک بھی صاحبِ حق رہیگا خطرناک گمراہی

سے امن رہیگا حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب تک جماعت مذکور میں سے جو ہر زمانہ میں حق پر رہیگی، ایک شخص بھی زندہ رہیگا اس وقت تک خطرناک گمراہی کا وقوع نہ ہوگا، کیونکہ اس جماعت کی شان یہ ہے کہ وہ علم سے متمسک اور عمل سے متصف ہوگی تو جب تک ایک عالم بھی حق پر رہیگا گمراہی سے ضرر نہ پہنچے گا گو اس کا کتنا ہی غلبہ ہو کیونکہ اس ایک عالم کی وجہ سے جو حق پر قائم ہے، گمراہی پر امت کا اتفاق نہ ہو سکے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

لن تجتمع اھق علی ضلالتہ

”میری امت گمراہی پر ہرگز اتفاق نہ کر سکے گی“

اور گمراہی کے غلام ہیں اور گمراہی پر اجتماع میں بڑا فرق ہے، کیونکہ اجتماع علی الضلال تو بڑھکٹنے والی چیز ہے، اللہ اپنے فضل سے ہم کو اس سے بچائے رکھے، اس مضمون کی توضیح و تفصیل اس روایت سے ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص کسی بستی پر گذر جائے اللہ تعالیٰ نے تباہ و برباد کر دیا تھا اس نے عرض کیا اے رب! آپ نے ان لوگوں کو کیوں ہلاک کر دیا حالانکہ ان میں ایک نیک آدمی بھی تھا جس کو میں پہچانتا تھا اور آپ کا قانون ہے کہ جب تک بستی میں ایک بھی اللہ والا ہوگا بستی ہلاک نہ ہو سکے گی، اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف دھی بھیجی (اگر وہ پیغمبر تھے یا الہا کیا اگر دلی تھے) کہ اس نے میرے واسطے کبھی ایک دن بھی غیبت ایمان کا اظہار نہ کیا تھا اس لئے وہ ظاہر ہی میں نیک تھا واقعہ میں نیک نہ تھا کیونکہ جو شخص واقعی نیک ہوتا ہے وہ اللہ کی نافرمانیوں کو دیکھ کر خاموش نہیں رہ سکتا بلکہ یا اسرا المعروف کرتا ہے اور اس کی قدرت نہیں ہوتی تو بستی کو چھوڑ دیتا ہے اور اس کی بھی قدرت نہیں ہوتی تو اہل باطل کی موافقت اور مخالفت تو وہ سرگرم نہیں کر سکتا بلکہ اہل باطل سے اپنی بیزاری اور نفرت کا اظہار کر کے الگ ہو جاتا ہے ۱۲

پس حدیث نے بتا دیا کہ اس شخص کا اہل باطل کے ساتھ موافقت کرنا بستی کی

ہلاکت کا سبب ہوا، اگرچہ وہ حق سے واقف تھا، اور اگر وہ ان کی مخالفت کرتا تو نہ خود ہلاک ہوتا نہ دوسرے ہلاک ہتے۔

قوله الوجوب الشا من قوله عليه السلام حتى اذا لم يبق عالم اتخذ  
الناس رؤساجها لا فسئلوا فافتوا بغير علم فضلوا واضلوا فيه دليل على  
ان الضلال الخوف لا يقيم مهمما يقي من الطائفة المذكورة واحد الى  
قوله ولو خافهم ما هلك وما هلكوا

ف پس علم عمل کا استہما کر دو اور اظہار حق سے اہل باطل کے سامنے باز نہ رہو باطل  
کی موافقت کبھی نہ کرو مگر تمکیر سے بچو تواضع اور خلوص سے کام کرو ۱۲

اس مضمون میں حکمت اور

(۱۱۶) دنیا میں راحت سے زیادہ مصیبت ہے،

و بیشتر کا بھی ایک پہلو ہے  
وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ اس دنیا کو تغیر و تناسل کے واسطے بنایا ہے تو مقتضائے حکمت  
کی وجہ سے ہر چیز کو اسی نسبت سے محل زوال و نقص پذیر بنادیا، چنانچہ دنیا میں  
علم اور ایمان ہی سب چیزوں سے زیادہ قیمتی ہیں مگر ان کو بھی نقص لاقی ہوتا  
ہے یہاں تک کہ ایک دن بالکل ہی زائل ہو جائیں گے، فرض اس دار کی علت اس کے  
باشندوں کو بھی لگی اور اسکی ہر چیز کو لگتی ہی ہے۔

اس مضمون میں دنیا سے بے رغبتی اور اس سے قطع تعلق کی بھی ترغیب ہے، کہ جب

دنیا و مافیہا نقصان اور زوال ہی کے لئے ہے تو اسکی کس چیز میں رغبت کی جائے اور  
کس چیز کے واسطے تقب برداشت کیا جائے۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس دار  
فانی کی مصیبت یہاں کی خیر اور راحت سے زیادہ ہے کیونکہ جب علم اور ایمان ہی میں کمی  
آنے لگی اور یہی دو چیزیں خیر و برکت کا سرچشمہ ہیں تو ان کی ضد یعنی کفر و جہل کا  
غلبہ ہوگا اور یہی تمام شرور کا سبب بلکہ سچ یہ ہے کہ یہی دونوں عین شر ہیں یہاں  
سے ایک علی مسئلہ مستنبط ہوا کہ غافل کو دنیا و مافیہا کی طرف توجہ اور التفات سے  
کنارہ کش ہو جانا چاہیے کیونکہ جب اسکی خیر کم ہوتی جاتی ہے اور شر بڑھتی جاتی ہے تو خیر کا

وجود نادر ہوگا اور شرک و جود بہت ہوگا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ اگر آخرت اپنے بقا کیساتھ کچی مٹی سے بنی ہوئی ہوتی اور دنیا اپنے فنا کے ساتھ چاندی سونے سے بنی ہوتی تو وہ رغبت کے قابل ہوتی اگرچہ ٹھیکرا مٹی کیونکہ باقی رہنے والی ہے اور یہ بے رغبتی کی مستحق ہوتی اگرچہ چاندی مٹی کیونکہ فنا ہونیوالی ہے اور جب معاملہ برعکس ہے کہ دنیا فنا کیساتھ ٹھیکرا مٹی ہے اور آخرت بقا کے ساتھ چاندی سے بھی اعلیٰ ہے تو اب کیا ہونا چاہیے؟ (اس کو خود ہی سوچ لو)

الحجۃ التاسع والعاشر والحادی عشر والثانی عشر من قولہ فی هذا المعنی وجہ من الحکمة والاعتبار الی قولہ فکیف والد مر یصد ذلک

ف حدیث سے یہ علوم اخذ کرنا صوفیہ کے ساتھ مخصوص ہے اور زہد عن الدنیا کا بھی جس قدر اہتمام ان کو ہے کسی جماعت کو نہیں بشرطیکہ صوفی صوفی ہو فقال بعض نہ ہو

حدیث سے یہ بھی  
(۱۱۷) سچی ریاست علم حقیقی سے حاصل ہوتی ہے معلوم ہوا کہ حقیقی

ریاست علم ہی سے حاصل ہوتی ہے بشرطیکہ علم حقیقی ہو یعنی اللہ کے لئے خالص اور کتاب سنت کے موافق ہو اور جاہل کی ریاست حقیقی ریاست نہیں بلکہ اس معرکہ کے مصداق ہے کہ  
ست ریاست سے کیا صف ریاست باقی ہے

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرمایا ہے کہ جب تک عالم لوگوں کے درمیان رہیگا اسکی وجہ خیر راقی رہے گی اور جب اسکی جگہ جاہل لیلیگا تو گمراہی اور ملاکت واقع ہوگی اور اس کا سبب ظاہر ہے کچھ مخفی بات نہیں کیونکہ تمام لوگ ہر وقت اور ہر حالت میں عالم کے محتاج ہیں تاکہ ان کو خدا کا راستہ بتلائے اللہ کے دامن و دوا ہی ان کے سامنے بیان کرے تو جیسا خدا سے بندہ کو کسی وقت استغنا نہیں اسی طرح اس کے احکام بتائیاؤں سے بھی استغنا نہیں ہو سکتا (۱۲) بخلاف جاہل کے کہ اسکی طرف لوگوں کو ایسی احتیاج نہیں اسکی طبع بعض لوگوں کو کسی وقت اس کام کی بناء پر احتیاج ہوتا ہے جسکی وجہ سے وہ سردار بنا ہوا ہے اور بعضوں کو ذرا بھی احتیاج نہیں ہوتی اور اہل

احتیاج کو بھی، بعض اوقات ایسی حاجت نہیں ہوتی اور ایسے حالات اور ایسے ہی افراد زیادہ ہیں کیونکہ جاہل نوکمی ذہنی فزیت کی وجہ سے سردار بخت ہے تو اس کی طرف دنیا والوں یعنی مالداروں کو ہی احتیاج ہوگی اور مالدار خصوصاً مسلمان دنیا میں کم ہوتے ہیں غریب زیادہ ہیں تو زیادہ کو جاہل سے استغنا ہوگا اور عالم دین کی وجہ سے سردار بننا ہے اور دین غریبوں میں زیادہ ہوتا ہے اور ان کی تعداد بھی زیادہ ہے پس غریب تو طلب دین کی وجہ سے سب کے عالم کے محتاج ہیں اور اہل دنیا بھی جب ان کے دل میں دین کی طلب پیدا ہوتی ہے اسکی طرف محتاج ہوتے ہیں پس عالم سے کوئی مستغنی نہ ہوا اور جاہل سے زیادہ لوگ مستغنی ہیں اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

نعم الرجل العالم ان احتج اليه نفع وان استغنى عنه

۱ غنی نفسہ

وہ عالم بھی کیسا اچھا آدمی ہے کہ اگر اسکی طرف لوگ حاجت لیکر آئیں تو نفع پہنچائے اور اس سے مستغنی ہوں تو یہ بھی اپنے کو ان سے مستغنی کر دے۔

غنا سے مراد اللہ عزوجل کی ساتھ غنا ہے (یعنی اللہ پر نظر کر کے سب سے مستغنی اور بقیہ ہو جائے) یہی ہے اصل اور حقیقی ریاست، مگر آج کل علم حقیقی حاصل کرنے والے کہاں جو کسی کو حقیقی ریاست نصیب ہو الہ نادرا والنا داس کا معدوم اب تو اس بات کا ظہور ہونے لگا ہے جو رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی کہ لوگ بدون علم کے سردار بن گئے پھر ان سے فتویٰ لیا جاتا ہے اور وہ بدون علم کے فتویٰ دیکر خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں تو اس بیچارے مسکین کو غفلت سے بیدار اور مدد دہشی سے ہوشیار ہو جانا اور اس سخت مصیبت سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہیے جو اس کے سر پر آگئی ہے۔

الوجه الثالث عشر فيه دليل على ان حقيقة الرياست لا تكون  
الديالعلم الى قولہ وليجذب من هذا الامر العظيم الذي حله

فے یہ حقیقی بیست ٹمن علم کتابی اور دینی سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ علم حقیقی سے حاصل ہوتی ہے اور علم حقیقی ایک نور کا نام ہے جو دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈالا جاتا ہے اور وہ ملائکہ بدن صحبت اہل اللہ کے حاصل نہیں ہوتا پس اس سے طریق مونیہ کی تائید ظاہر ہے

(۱۱۸) معیار شیخی کی مختلف جو حالت ہوگی کبھی نافع نہ ہوگی یہ بھی معلوم حدیث سے ہوا کہ لوگوں کو بدن سردار کے چارہ نہیں حکمت اسی کو مقتضی ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا ہے کہ دنیا سے عالم کے ناپید ہونے پر لوگ اپنے کو دسیا ہی بے سرانہ رکھیں گے بلکہ جماعت اہل علم کے علاوہ دوسری جماعتوں میں سے جو ظاہر میں ان کے مشابہ ہونگی کسی کو سردار بنالیں گے اور گمراہی میں مبتلا ہوں گے کیونکہ

اذا كان الغراب دليل قوم      سيهدى هم طريق الهاكلينا  
 گرہ میرنگ و زیروموش را دیواں کنند      این چپیں ایسا دولت ملک را ببر آئند

جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے :

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی چیمیز کو قانون شریعت اور معیار شرعی کے خلاف حاصل کرنا مفید نہیں ہوتا بلکہ اس سے بجائے نفع کے نقصان ہوتا ہے کیونکہ عوام تو ان جاہلوں کو اسی فائدہ ارشاد و ہدایت کے لئے اپنا امام اور سردار بنائیں گے جو ان علما سے حاصل ہوتا تھا جن کی صورت اور نقل انہوں نے اتاری ہے مگر چونکہ ان میں وہ شرطیں موجود نہ تھیں جن کو شریعت نے پختگی کے ساتھ بیان کیا ہے تو اب بجائے مفقود کے اسکی ضد کا ظہور ہوا یعنی گمراہی ہوگا۔

الوجه الرابع عشر والخامس عشر من قولنا فيه دليل على انه لا بد للناس من دؤس الى قولنا جاهدوا ذلك ضد ما ارادوا وهو المضلل

حدیث سے ان لوگوں کے قول

(۱۱۹) علم پیدا ہو کہ نہیں چل سکتا

کی بھی تائید ہو رہی ہے جو یوں



کہتے ہیں کہ عالم کے ذمہ قبل سوال و طلب کے تعلیم واجب نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں فاسئلوا فانتما کو ان سے سوال کیا گیا تو انہوں نے فتویٰ دیا تو فتویٰ اس وقت تک نہیں ہوا جب تک کہ سوال واقع نہیں ہوا۔

نیز حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دہوکہ عالم پر نہیں چل سکتا اور جاہلوں ہی پر چلتا ہے کیونکہ عوام نے ان جاہلوں کو اسی واسطے سردار بنالیا کہ وہ کتابوں کے پڑھنے اور دیکھنے میں اہل علم کے مشابہ تھے جب لوگوں نے ان کے پاس وہ چیز دیکھی جو علما علم حقیقی کی جو ایک نو ہے علامت تھی انہوں نے ان کو بھی حقیقی سردار سمجھ لیا اور ان پر دہوکہ چل گیا (علما کے اوپر اس قسم کی بناوٹ سے دہوکہ نہیں چل سکتا کیونکہ عالم تو باتوں ہی سے پہچان لیتا ہے کہ مخاطب واقعی عالم ہے یا معض شکل و صورت بنا کر نقال ہے) اسی واسطے ابن رزق رحمہ اللہ نے فرمایا ہے

قلقلة العقلاء لم يعرف المحقق

”عقل مندوں کی قلت کیونکہ جو یہ تو فہم نہیں پہچانے گئے“

اور یہ حقیقت اس وقت بہت نمایاں ہو گئی ہے چنانچہ بعض لوگ نحو اصول، منطق، علم کلام، فلسفہ، طبیعت وغیرہ پڑھ کر سرداری کا دعویٰ کرنے لگے اور ان علوم کو حاصل کر کے ہی وہ اللہ کے دین میں فتویٰ دینا چاہتے ہیں، ان کی مسخ شدہ عقول میں یہ سودا اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ ان میں سے بعضے بزم خود اجتہاد کے داعی ہیں اور پہلے بزرگوں اور اماموں کو خطا پر مبتلا تھے، جس کا منشا یہ ہے کہ ان لوگوں نے فلسفہ کے کلام کو نہیں سمجھا اور ان سے بدگمانی رکھتے ہیں اگر ان کے ساتھ اچھا گمان ہوتا تو ان کی برکت سے وہ بات حاصل ہو جاتی جس سے ان کا کلام سمجھ لیتے پس اس یہودہ جماعت اور روپی گروہ سے بہت بچی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جماعت کو امت کو بہت

ڈرایا ہے اور اس کی حالت کو بھی پوری طرح بیان فرما دیا ہے چنانچہ ارشاد ہے  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَرِّجُوا عَفْوَ الْعَالَمِ تَعْرِضُوا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ

اور كما قال عليه السلام

”آخر زمانہ میں کچھ لوگ پیدا ہوں گے جو تمہارے سامنے ایسی باتیں بیان کریں گے جن کو نہ تم نے کبھی دینی جانتا تھا نہ تمہارے باپ دادوں نے یا جس طرح بھی حضور نے فرمایا ہو (مغفل یہ ہے) پس جس بات کو تم جانتے ہو اسی پر رہو اور جو نئی بات معلوم ہو اسکو چھوڑ دو اور اپنی ذات غائبی کا فکر کرو (دوسروں کی فکر میں نہ پڑو) کیونکہ آج کل نصیحت کے سننے والے کم ہیں تم کسی کو نصیحت کرو گے تو وہ تمکو ہی بدنام کرنے کے درپے ہو جائیگا

الوجه السادس عشر والسابع عشر من قولہ فیہ دلیل لمن یقول بان الکلام لایلزمہ التعلیم قبل السؤال الی قولہ وعلیک بخواصۃ نفسک

ف علامہ ابن ابی جریر کے زمانہ میں تو لوگ نحو و اصول اور منطق و فلسفہ و علم کلام ہی پڑھ کر مدعی ریاست علم اور طالب منصب اجتہاد بنتے تھے مگر اس زمانہ کی حالت دیکھو کہ انگریزی کالجوں اور انگریزوں کے دفاتروں اور بے دین ماسٹروں کی صحبت میں رہ کر بیلے ایم لے یا ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کر کے یا کسی ماہواری رسالہ یا روزنامہ اخبار کی ایڈیٹری کر کے ہی ہر شخص پھولا نہیں سماتا اور جامہ اجتہاد سے باہر ہو جاتا ہے، ان کا جادو عوام پر اور زیادہ تر انگریزی طلبہ اور انگریزی خواں طبقہ پر خوب چلتا ہے، کیونکہ ان کے پاس کھرے کھوٹے کے انتخاب کا کوئی معیار نہیں ہے یہ تو کتاب کی دیدہ زیبی اور پچھنے کاغذ اور لچھے دار مزہ دار باتوں اور نفروں ہی سے مصنف کی قابلیت کا اندازہ کرتے ہیں، اگر یہ باتیں کسی کافر میں جمع ہو جائیں تو یہ لوگ اسکو بھی امام بنانے کو تیار ہو جائیں گے، آخر قادیانی کذاب کے ماننے والے کون ہیں؟ اور گاندھی کی تعریف کرنے والے مسلمان کہاں سے آئے تھے اور گاندھی کے بعد جو ہر لال کو امام بنانے والے اسٹیشنوں پر اس کا استقبال کرینے والے مسلمان تو اب بھی آپ کو منظر آتے ہوں گے، جب غلبہ جبل کی یہ فٹو ہے تو سوچو ان کے سامنے اگر دجال بھی آجائے تو اس کے ساتھ یہ کیا برتاؤ کریں گے؟ غالباً وہی جو قادیانی اور گاندھی اور جو ہر لال کے ساتھ ہوا اور اس وقت ہو رہا ہے شاید کوئی کہہ کہ ان کو علماء کی طرح سزا دے کر سنبھال دیا، مگر تم مسلمانوں کی حالت دیکھو گے تو خود کہو گے کہ علماء سے بھی زیادہ درجہ ان کو دیدیا گیا تھا اور دیا گیا ہے، سادہ لوح مسلمان ان

کو مسلمانوں کا سیاسی خیر خواہ اور غیر خواہی کے ماستوں کو علماء سے زیادہ جاننے والا سمجھتے ہیں اور اس دھوکہ میں عوام کو اُن علماء نے ڈالا ہے جو ان ہندوؤں کی تعظیم بجالانے ان کو جلسوں کا مدبنا تے اور اسٹیشنوں پر ان کا استقبال کرتے اور ان کی تعظیم میں قصید خوانی کرتے اور یہی وہ علماء ہیں جو مسلمانوں کے سامنے ان باتوں کو دین بتلاتے ہیں جن کو آج تک مسلمانوں نے دین نہ سمجھا تھا کوئی سچ کو حلال کرنا چاہتا ہے، کوئی میموں کو سر بازار نیم عیال دیکھ کر مسلمانوں کی شریف عورتوں کو بھی پردہ سے نکالنا اور کلب گھر میں ساتھ لیجا نا چاہتا ہے کوئی تصویر کشی کو جائز کہتا اور قرآن تک میں تصویریں بٹھوننا چاہتا ہے، کوئی ایکشن میں گوشت کرنے اور دوڑوں کے پاس مادا مارا پھرنے کو دین میں داخل کرنا چاہتا ہے، کوئی کھد پینے کو واجب اور ولایتی کپڑوں کو حرام بتاتا ہے، مگر ولایتی عینک اور ولایتی دوا اور ولایتی موٹر جو کہ حرام نہیں کہتا اور نہ ولایتی ریل اور تاک سے انقاع کو حرام بتلاتا ہے، کوئی ہندو لیڈروں کے استقبال اور پیشوائی کو یہ کہہ کر دین کا کام بتلاتا ہے کہ انگریزوں کا دشمن کتا اور سورجی ہوگا تو ہم اس کی عزت کریں گے، گو وہ خدا اور رسول کا بھی سمجھنے والے کیوں نہ ہو؟ ہندوؤں کے جلسوں اور جلسوں میں شرکت کی ترغیب دیتے ہیں گو نیم بریاں عورتوں کی تقریبی سننا پڑے اور ان سے نظر بچانا بھی دشوار ہو، مسلمان ان باتوں کو دیکھ کر خود ہی سمجھ سکتے ہیں کہ یہ باتیں دین اور ثواب کدھر سے ہو گئیں جن کو آج تک گناہ اور گناہ سمجھے ہوئے تھے۔ فاعتبروا یا اہل الابصار

(۱۲۰) غلط فہمی پر عمل کرنا والا بھی مفتی کی طرح گمراہ ہے

حدیث سے یہی معلوم ہوا کہ جو

شخص غلط فتوے پر عمل کرتا ہے اس کو بھی ویسا ہی گناہ ہوتا ہے جیسا مفتی کو ہوتا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عوام کو بھی اسی طرح گمراہ بتلایا ہے جس طرح ان کے مفتیوں کو گمراہ اور گمراہ کن بتلایا ہے دونوں اس باب میں برابر ہیں اسکی تائید اہل وضاحت اس سے ہوتی ہے کہ حضور نے اسکی مذکر بابت ارشاد فرمایا ہے کہ عالم اور متعلم دونوں ثواب میں شریک ہیں

الوجه التاسع عشر فیہ دلیل علی ان من عمل بفتویٰ علی غیر وجهہا یا بحقدہ بن

۱۰ لا ثم الى قوله العالم والتعلم شريكان في الجور

ف یہاں سے یہی معلوم ہوا کہ پر سکے گمراہ ہونے سے مرید بھی گمراہ اور گناہگار ہو گا یہ جو مشہور ہے کہ پر کی پری سے کام اٹکے عمل سے کیا کا یہ پیر جیوں کی گھڑت ہے جب مرید کو اپنے پر کا گمراہ بدعتی اور بے اصل ہونا ثابت ہو جائے اس کے ذمہ لازم ہے کہ اس کی بیعت کو توڑ کر کسی محقق شیخ کو تلاش کرے۔

## ۱۲۱ جاہل کسی گمراہی میں مبتلا ہو جائے کی وقت اپنے جاہل کی وجہ سے

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جاہل کسی معذور یا گمراہ میں مبتلا ہو جانے کے وقت اپنے جاہل کی وجہ سے معذور نہ قرار دیا جائے گا

نہیں قرار دیا جائے گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عوام کو بھی گمراہ بتلایا ہے جنہوں نے فتوے حاصل کرنے کے لئے اہل کو نہیں پایا بلکہ نااہلوں سے فتویٰ لیکر کیا، جیسا ان فتویٰ دینے والوں کو گمراہ بتلایا جائے حالانکہ یہ عوام بچائے معاملہ سے ناواقف اور جاہل تھے ان کو اتنا علم ہی نہ تھا جس سے صحیح اور غلط فتوے میں امتیاز کر سکتے پس آ پویشان پھر نر والے ہدایت کے راستہ کی طرف چلا آ پہلے اس سے کہ دروازہ بند ہو جائے اور تو محروم رہ جائے، الوجه العشرون فیہ دلیل علی ان الجاہل لا یعد س مجملہ الی قوله قبل سبقنا الحرمان بعلق الباب

و عوام کو غلط فتویٰ پر عمل کرنے سے گناہ اس وقت ہو گا جبکہ وہ دین کی باتیں دریافت کرنے کے واسطے عالم محقق کی تلاش میں کوتاہی کریں کہ جس سے جی چاہا فتویٰ لے لیا خواہ وہ عالم محقق ہو یا نہ ہو، رہا یہ کہ عوام کو کسی کا عالم محقق ہونا کیسے معلوم ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جیسے طبیب کا حاذق ہونا اور وکیل کا لائق ہونا ان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ جب کوئی عزیز بیمار ہوتا ہے تو لوگوں سے دریافت کرتے اور مشورہ کرتے ہیں کہ علاج کس کا کرنا چاہیے اور جب کوئی مقدمہ درپیش ہوتا ہے تو دوستوں سے مقدمہ بازوں سے مشورہ کر کے لائق سے لائق و کمیل اور برسر تلاش کیا جاتا ہے اسطیلے اگر

مسلمانوں کو دین کا نکر اور تلاش ہو تو تحقیق اور دریافت حال سے عالم محقق ان کو ضرور دستیاب ہو جائیگا اور جب تک مسلمانوں کو دین کا نکر ہو گا علماء محققین کا وجود دنیا میں ضرور رہیگا اور جب دین سے عالم طوط پر بھگری ہو جائیگی اس وقت علمائے محققین کا وجود دنیا میں نہ رہیگا جہلا ہی مفتی اور سردار ہوں گے اس وقت مفتیوں کو تو غلط فتوے دینے کا گناہ ہو گا اور عوام کو دین سے بھگری کا جسکی بدولت جہلا کو مفتی بننے کا موقع ملا، پس سبکے سب گمراہی کے وبال میں مبتلا ہوں گے، خوب سمجھ لو، واللہ اعلم بالصواب، یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو علم دین کی تحصیل کو ضروری نہیں سمجھتے مفسر دنیوی علوم ہی کے درپے اور اسی کی ضرورت پر زور دیتے ہیں یہ کھلی دلیل ہے دین سے بھگری کی۔



## حِثِّ

## الحساب العرض

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہیں روایت ہے کہ جبریل کوئی ایسی بات سنیں جو ان کی سمجھ میں نہ آتی تو اس کو دوبارہ دریافت کرتیں یہاں تک کہ سمجھ میں آجائے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فرمایا کہ جس سے حساب لیا جائیگا وہ عذاب میں مبتلا ہوگا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا (یا رسول اللہ) کیا اللہ تعالیٰ یوں نہیں فرماتے فسوف يحاسب حسابا يسيرا (کہ جسکو نامہ اعمال ہاتھ میں دیا جائیگا اس سے حساب آسانی کیساتھ لیا جائیگا جس سے معلوم ہوا کہ بعض ایسے بھی ہیں جن سے حساب لیا جائے گا مگر عذاب نہ ہوگا، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تو سن کر ہنسی ہوگی (جسکو برائے نام حساب کہہ دیا گیا) لیکن جس سے نکتہ چینی کے ساتھ حساب لیا جائے گا کہ عرفاً اسی کو محاسب کہتے ہیں، وہ ہلاک ہو جائے گا۔

شرح ظاہر حدیث بتلوار ہے کہ ہلاکت مناقشہ کے ساتھ ہوگی اور اس کے متعلق چند باتیں بیان کرنے کی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ

جس سے حساب لیا جائیگا وہ مبتلائے

۱۲۲ حساب کتاب کی تفصیل

عذاب ہوگا عام ہے یا خاص؟ ظاہر یہ ہے کہ خاص ہے کیونکہ بعد میں آپ نے اس کو مناقشہ کے ساتھ مخصوص فرما دیا ہے، اور مختلف احادیث کے ملانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حساب کی چند قسمیں ہیں جن میں سے ایک تو عرض ہے جیسا اسی حدیث میں مذکور ہے اور اسکی مفصل کیفیت دوسری حدیث میں اس طرح وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے سے مخفی طور پر حساب لیں گے اپنا دامن رحمت اس پر ڈال دیں گے اور فرمائیں گے میرے بندے! تو نے فلاں دن ایسا کیا، فلاں وقت ایسا کیا، بندہ کو اقرار کے سوا کچھ چاہو نہ ہوگا یہاں تک کہ وہ سمجھ لیگا کہ میں ہلاک ہوا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میرے بندے! میں نے تیرے گناہوں کو دنیا میں تو چھپایا اور آج بخشنا ہوں (پھر ملائکہ کو حکم ہوگا کہ میرے بندے کو جنت میں لے جاؤ، اس کو دیکھ کر اہل عشر کہیں گے کہ یہ بندہ کیسا اچھا ہے جس نے کبھی اللہ کی نافرمانی نہیں کی، یہ تفصیل ہے اس پیشی کی جس کو یہاں مجمل بیان کیا گیا ہے کیونکہ یہ (واقعی برائے نام) پیشی ہے جس میں عذاب کچھ نہیں، دوسری قسم کا حساب ان لوگوں کا ہے جنہوں نے کچھ اچھے کام کئے کچھ بُرے، تو ان کی نیکیاں بُرے کاموں کے مقابلہ میں کردی جائیں گی جس سے نیکیاں اور گناہ برابر ہو جائیں گے اور ایمان باقی رہ جائے گا جسکی بدلت جنت میں پہنچ جائیں گے یہ بھی پیشی ہی کی ایک قسم ہے۔ ایک قسم حساب کی یہ ہے کہ (نیکیاں گناہوں سے کم رہ جائیں اور) کچھ گناہ ان کے ذمہ رہ جائیں تو اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت کے لئے کسی کو کھڑا کر دیں گے، یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کے ساتھ لطف کا معاملہ ہوگا۔

اور اس قسم میں سے وہ لوگ بھی ہیں جن کے اوپر گناہ صغیرہ تھے ان کے ساتھ بھی لطف کا معاملہ ہوگا اور مغفرت معاف کر دیئے جائیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ جمیل اس کو شامل ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

اِنَّ تَجْتَنِبُواْ كُفْرًا تَنْتَهُوْاْ عَنْهُ نَكْفُرْ عَنْكُمْ سِيِّئَاتِكُمْ  
اَگر تم اُن بڑے گناہوں سے بچتے رہو جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے تو ہم ہمارے  
چھوٹے گناہ معاف کر دیں گے دوسرے کچھ اور ہیں جن کے اوپر کبیرہ اور صغیرہ دونوں

فہم کے گناہوں کے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیں گے کہ ان کے صفا کو نیکیوں سے بدل دو جب وہ یہ معاملہ دیکھیں گے تو اس امید پر کہ کبائر بھی نیکیوں سے بدل دیئے جائیں عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار! ہمارے تو کچھ بڑے بڑے گناہ بھی تھے جن کو ہم یہاں لکھا ہوا نہیں دیکھتے (اس پر کبائر بھی نیکیوں سے بدل دیئے جائیں گے) ان کے ساتھ دہی معاملہ ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے **فَاذْلُكْ يَسْجِدُ لِلّٰهِ سُبُكًا تَحَرُّ حَسَنَاتٍ** کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے گناہ نیکیوں سے بدل دیئے جائیں گے، یہ بھی اُن لوگوں میں سے ہیں جن پر فضل کیا جائیگا۔

دوسرا درجہ جن کی نیکیاں گناہوں پر طح ہوں گی یہ لوگ نلاج پانے والے ہیں دوسرے اور ہیں جن سے قبر سے لیکر جنت کے مخلوق میں پہنچنے تک اصلاح حاصل ہوگا جیسا آثار میں وارد ہوا ہے مثل شہداء وغیرہ کے اور بعضے وہ ہیں جن سے باقاعدہ منافقہ کیساتھ حساب لیا جائیگا یہ لوگ ہلاک ہوں گے یعنی مبتلائے عذاب ہوں گے کیونکہ ہلاکت بمعنی عدم کا دل میں تحقق نہ ہوگا اور یہ ایسا ہی ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **وَيَأْتِيَهُمُ الْهَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ** و ما ہو بہمت اس کے پاس ہر طرف سے موت آئیگی مگر وہ مرے گا نہیں یعنی اس کو ایسی مصیبت پیش آئیگی کہ دنیا میں ایسی مصیبت آئی تو مرجاتا لیکن وہ وہاں ہر طرف سے وہ موت کی برابر مصیبت بھیلے گا اور مرے گا نہیں اسی طرح ہلاکت کو سمجھو۔

اور جو لوگ وہاں ہلاک یعنی مبتلائے عذاب ہوں گے ان کے بھی مختلف درجے ہیں ہر شخص کو اپنی حالت کے موافق ہلاکت کا سامنا ہوگا۔

**الْوَجْهَ الْاَوَّلِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ حُوسِبَ عَذَابُ هَلْ هُوَ عَلَى عَهْدِهِ**  
**اَوْ عَلَى الْخُصُوصِ اِلَى قَوْلِهِ كُلِّ شَخْصٍ بِقَدَرِ حَالِهِ**

ف ہر چند کہ اس مضمون میں کوئی مسئلہ تصوف کا مذکور نہیں مگر چونکہ سائین کو مراقبہ حساب عموماً نافع ہوتا ہے اس لئے اس کا ترجمہ کر دیا گیا اور حدیث صحیح میں وارد ہے انا عند ظن عبدی بی میں اپنے بندے کے گمان کیساتھ ہوں یعنی جیسا گمان



بندہ اللہ کے ساتھ قائم کر لے گا ویسا ہی معاملہ اس کے ساتھ ہوگا، علامہ شعلانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اگر تم اللہ کے ساتھ یہ گما ان کو گئے کرتے ہو بلا حیا۔ جنت میں داخل ہو کر یہ گئے تو انشاء اللہ تمہارے ساتھ یہی معاملہ ہوگا، اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ ہم کو بدوں حیا سے جنت میں پہنچا دیں گے۔  
 اللہ عزوجل اعلم بالصواب، علیہ السلام رحمۃ اللہ علیہ

(۱۲۳) سنت یہ ہے کہ جو بات سمجھ میں نہ آئے اس کو دوبارہ

پوچھا جائے۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ سنت یہ ہے کہ جو شخص کوئی ایسی بات سے جو اس کی سمجھ میں نہ آئے تو اس کو دوبارہ پوچھنا چاہیے یہاں تک کہ سمجھ میں آجائے، یہ بات حدیث کے اس لفظ سے معلوم ہوئی۔

کانت لا تسمع شیئاً لا تعرفہ الا راجعت فیہ حق تعالیٰ کہ حضرت عائشہ کسی بات کو سنیں اور سمجھ میں نہ آتی تو اس کو دوبارہ دریافت فرماتیں یہاں تک کہ سمجھ جاتی تو اگر یہ طریقہ سنت اسلام سے نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اس پر بقرار نہ رکھتے اور حضرت عائشہؓ وہ میں جن کی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

خذوا عني ما شئتم من ديني ولا من عاداتي  
 (اسی حضرت عائشہؓ خلاف دین کوئی کام نہیں کر سکتیں) مگر یہ سنت سب کے لئے نہیں ہے بلکہ ان کے لئے ہے جن میں مراجعت کی اہلیت ہو ورنہ عوام کا منصب تو صرف سوال کرنے کا ہے جیسا بعض احادیث کے متن میں پہلے گزر چکا جواب کے بعد مراجعت کا ان کو حق نہیں)

الوجه الثاني فيه دليل على ان من السنة ان من سمع شيئاً الى قوله  
 انها العوام وظيفتهما السؤال كما تقدم في الاحاديث قبل  
 ف یہاں سے ان جاہلوں کی غلطی واضح ہو گئی جو علماء کے ذمہ اپنی ہدایت کا جواب لازم سمجھتے ہیں، ان کو جان لینا چاہیے کہ عوام کا منصب اس سے زیادہ نہیں کہ جو بات نہ

معلوم ہو اس کو محقق عالم سے دریافت کریں اگر سوال ضرورت کا ہو گا اس کا جواب دیا جائیگا اور فضول ہو گا تو کہہ دیا جائیگا کہ یہ سوال بیکار ہے اور جواب دینے کی عیبت میں عوام کو اس پر اعتراض اور شبہ کرنے کا حق نہیں یہ حق اہل علم کو ہے البتہ اگر کسی عالم کے جواب سے حقیقی برکت ہو تو وہ ضرور مسلم سلسلہ نبھانا ہے اور شیخ کے ساتھ بھی مرید کو مراجعت کا حق اسی وقت ہے جبکہ مرید اہل اور صاحب علم ہو اور شیخ نے ان کو مراجعت کی اجازت نہ رکھی ہو ورنہ اسکی ساتھ بحث و مباحثہ نہ کرے کسی دیگر محقق سے دریافت کر کے اپنا اطمینان کریں۔

(۱۲۴) مراجعت حسن ادب کے ساتھ ہونا چاہیے حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مراجعت

حسن ادب کے ساتھ ہونا چاہیے کیونکہ حضرت عائشہؓ نے یوں عرض کیا اویس یقول اللہ تعالیٰ فسوف یحاسب حسابا یسیرا کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ بعض کا حساب آسان لیا جائیگا انہوں نے انکار اور اعتراض کی صورت ظاہر نہیں کی بلکہ آیت کو پیش کر دیا جس سے بظاہر حدیث کو تعارض تھا مگر اس طرح ان کو فقہ کی بہت سی باتیں معلوم ہو جائیں جن میں سے ایک تو یہی بات تھی کہ اہمیت کی تاثیر حضورؐ سے معلوم ہو جائے جو سب سے زیادہ انکے مطلب کو بخوبی جاننے والے ہیں دوسرے آیت میں اور حضورؐ کے ارشاد میں تطبیق کی صورت معلوم ہو جائے گی چنانچہ ادب کی مراد پوری ہو گئی کہ رسول اللہ علیہ السلام نے آیت کا مطلب بھی بتلا دیا اور آیت و حدیث میں تطبیق کی صورت بھی بیان فرمادی۔

الوجه الثالث ان تصون المراجعة بحسن الادب الى قوله و كيفية الجمع بين الی والحديث

ف مراجعت کا حسن ادب کیساتھ ہونا ہی شرط اولین ہے اور انہی کے فوت ہونے سے انسان مراجعت کا اہل نہیں ہوتا، بعض لوگ اعتراض اور استخفاف کے ساتھ مراجعت کرتے ہیں جس سے بعض دفعہ عالم یا شیخ کی تکفیر ہوتی ہے اور بعض دفعہ

احکام الہیہ کی توہین ہو جاتی ہے جسکی وجہ سے ان کو جو منصب ہیں دیارِ آداب یہ لوگ اپنی خطا کو تو دیکھتے نہیں علماء اور مشائخ کو بدنام کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ ان کو جواب دینا نہیں آتا یہ کسی سے نہ کہیں گے کہ ہم کو سوال کرنا نہیں آتا۔

## (۱۲۵) استاد اور شیخ کے سامنے خود مستقل بن جانا ممنوع ہے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معلم اور شیخ کے سامنے خود مستقل بن جانا اور کسی نئے مسئلہ میں طے قائم کر لینا ممنوع ہے، تاویل اور اجتہاد میں استقلال کا حق معلم کی غیبت میں ہے، یہ مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن کر آپ کے سامنے آیت کو پیش کیا اور حضور کے جوتے ہٹے خود کوئی رائے قائم نہیں کی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شائع بھی ہیں اور معلم بھی، پھر تشریع کا منصب تو آپ ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور تعلیم کی میراث دو ہزاروں کو بھی پہنچتی ہے پس جو حقوق تشریع کی بنا پر حضور کو حاصل ہیں وہ تو دوسروں کو حاصل نہیں اور جو حقوق معلم ہونے کی وجہ سے آپ کے لئے ہیں وہ آپ کے خلفاء کے بھی حقوق ہیں جو منصب تعلیم کی وجہ سے ان کو حاصل ہیں۔

الوجه الخامس یؤخذ منه ان المستبداد مع حضور المعلم ممنوع  
الى قوله والتعليم مودث عند

ف اسی ادب کی ایک فرع یہ بھی ہے کہ ہمارے اکابر نے اپنے مشائخ کی حیثیت میں کسی کو اپنا مرید نہیں بنایا بلکہ جس کو بیعت کیا وہ کالہ شیعہ کی طرف سے بیعت کیا اسی طرے مشائخ کی حیات میں کسی کو خود خلافت نہیں دی بلکہ جس کو اجازت نہ اہل سمجھا شیخ کی خدمت میں بھیج دیا کہ اسکو دیکھ لیا جائے اگر اہل ہو تو خلافت دیدی جائے نیز اسناد اور شیخ کے جوتے ہونے کسی سائل کو مسئلہ بتلانا یا سالک کو ذکر و شغل بتلانا بھی خلاف ادب ہے یہ کام غیبت میں ہونے چاہئیں شیخ یا استاد کے سامنے بدون حکم کے خود پیش قدمی نہیں کرنی چاہیے ۱۲

## ۱۲۹ تحقیق ہی سے انسان سرور بنتا ہے جہل سے نہیں بنتا

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ جب کوئی ایسی بات سنتیں جو ان کی سمجھ میں نہ آتی تو اس کے متعلق دوبارہ مراجعت اور تحقیق کرتیں یہ حکم عمل امور کو عام ہے خواہ دنیوی ہو یا اخروی ؟ یا صرف امور آخرت ہی کے ساتھ خاص ہے، جواب یہ ہے کہ یہ حکم عام ہے کیونکہ تحقیق کا شوق خصال حمیدہ اور اخلاق عالیہ میں سے ہے جس سے انسان کو سرداری اور بلندی حاصل ہوتی ہے چنانچہ حضرت سیدہ صدیقہ انہی لوگوں میں سے ہیں جن کو مرتبہ عالیہ اور سرداری کا بلند درجہ حاصل تھا اور مثل مشہور ہے قیسمۃ المہر اما یحسن آدمی کی قیمت یہی ہے کہ جو کم آ کرے اچھی طرح کرے حضرت علیؓ کم اللہ وجہہ کی ملاقات ایک ایرانی سے ہوئی تو آپ کو اسکی حالت پر تعجب ہوا، اس سے دریافت فرمایا کہ یہ حالت تجھ کو کس بات سے حاصل ہوئی اس نے کہا کہ میں جب کوئی ایسی بات سنتا جس کا مجھے علم نہ ہوتا تو اسکی تحقیق کرتا تھا یہاں تک کہ اچھی طرح سمجھ جاتا اور جس چیز کا مجھے علم ہوتا اسے ایسے شخصی کو نہیں بتلاتا تھا جو اس کے سمجھنے کا اہل نہیں، حضرت علیؓ نے فرمایا کہ واقعی تو ان بات سے سرداری کے درجہ کو پہنچ گیا ہے۔ علمائے

من در ص رأس و من عرف ارتفع

جو پڑھتا ہے وہ سرور بن جاتا ہے اور جو معرفت حاصل کر لیتا ہے بلند ہوتا ہے یہاں ایک بات سمجھنے کی یہ بھی ہے کہ حدیث میں مراجعت کا ذکر ہے انکار اور منی کا لفظ نہیں ہے کیونکہ مراجعت کا حاصل تو یہ ہے کہ اس بات میں تردد اور شبہ کا اظہار کیا جائے تاکہ دوسرے حق اور باطل کو اچھی طرح واضح کر دے اور انکار یہ ہے کہ اس کو ایک دم سے رد کر دیا جائے اور جس کو عقل ہوگی وہ ایسی بات کو جو اسکی سمجھ میں بھی نہیں آئی ہے مطلقاً رد نہ کرے گا جب تک اس کی تحقیق نہ کر لے اور حق و باطل کو اچھی طرح نہ سمجھ جائے کیونکہ ممکن ہے اس میں کوئی جزوقتی ہو یا کوئی منفعت ہو اگر اس میں

کوئی جزدقی ہوا یا کوئی منفعت ہوئی تو اس کو مان لیا جائیگا اور نہ سمجھنے کے بعد رد کر دیگا، جہل کی حالت میں کسی بات کو رد کرنا بھی جہل و نادانی کی علامت ہے کیونکہ بعض دفعہ اس میں کوئی مصلحت ہوتی ہے جس کو اس کی خبر نہیں تو اس کا رد کرنا اور حقیقت سے جاہل رہنا اس منفعت سے محرومی کا سبب ہوگا اس لئے محضرا علمائے فرمایا ہے۔

من جہل شيئا عاداك (والناس اعداء ما جهلوا)  
جو جس بات سے جاہل ہوتا ہے اس کا دشمن ہوتا ہے یہ تو اس وقت ہے جبکہ وہ بات کلام نبوت سے نہ ہو کہ اس کو بدوں سمجھ لو مجھے رد کر نے میں مصلحت اور منفعت سے محرومی اور اپنی نادانی کا اظہار ہے) اور اگر کلام نبوت سے ہو تو اس میں مراجعت اور تحقیق اس لئے ضروری ہے کہ اس کے اندر جو فوائد اور حکمتیں ادوار ہیں ان کا علم ہو جائے کیونکہ وہ تو سرسری ہی خیبر (اس لئے اس کا سنتے ہی رد کرنا ہرگز جائز نہیں بلکہ سمجھنے کے بعد ہی اس کی وجہ تا نہیں ہاں تحقیق کے بعد یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور دوسری حدیث کے خلاف صحیح ہے یا یہ منسوخ ہے۔ اگر نسخ ثابت ہو یا اس کا عمل یہ ہے اور دوسری حدیث کا عمل یہ ہے خوب سمجھ لی

قوله في الوجه، الشا من ويرد هنا سؤال الى قوله لا نه خير كله

(۱۲۶) آج کل کا بحث و مناظرہ بہت بڑا ہے حدیث میں اس بحث

و مناظرہ کی ممانعت پر بھی دلیل ہے جو آج کل بعض لوگوں میں رائج ہے کیونکہ ان لوگوں کا قصد سوا اس کے کچھ نہیں ہوتا کہ خصم کو جواب اور خاموش کر دیا جائے چنانچہ ان کا جواب خصم کے مقابلہ میں اکثر یہ ہوتا ہے کہ ہم اس بات کو نہیں مانتے یا دلیل کا فلاں مقدمہ ممنوع ہے، سالانہ وہ خصم کے قول کی تحقیق کو بھی نہیں سمجھتا اور آداب مناظرہ سے جاہل ہونے کی وجہ سے فائدہ سے محروم رہ جاتے ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ اور دیگر حضرات علماء کا ارشاد ہے کہ ہم کسی سے مناظرہ کرتے ہوئے یہ نہیں چاہتے تھے کہ حق ہماری ہی زبان سے نکلے بلکہ ہمارا قصدیہ ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ سچی کو ظاہر کر دیں خواہ ہماری زبان سے ظاہر ہو یا دوسری زبان سے کیونکہ حکمت مسلمان کا مکشہ مال ہے وہ جس کے ہاتھ سے بھی مل جائے خوشی کی بات ہے اور جو شخص اپنے مقابل کی بات کو بدون سمجھ رد کرتا ہے اس پر نقد کی رو سے دو مفید مرتب ہوئے ہیں کیونکہ دو حال سے خالی نہیں یا تو مقابل کی بات حق تھی جسکو لانا مسلم اور ممنوع کہہ کر رد کر دیا گیا ہے یہ تو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے تحت میں ہے

یُرِیدُونَ اَنْ یَّطْفُضُوا النَّاسَ بِاللّٰهِ بَا فَا وَاھھم

کہ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں اور یہ حرام و ممنوع ہے یا اسکی بات غلط اور منکر تھی جس کو بدون سمجھ رد کر دیا گیا اور منکر کا بدلنا یا رد کرنا معرفت کے بعد ہی جائز ہے یہ مسئلہ ابھائی ہے کہ منکر کی تعمیر اور تغلیط اسی وقت جائز ہے جبکہ اس کا منکر ہونا معلوم ہو جائے تو یہ انکار کرنے والا ان دو صورتوں پر کیونکر جرات کرتا ہے حالانکہ ان میں جو کچھ خطرہ ہے ظاہر ہے خصوصاً جبکہ اس کے ساتھ حفظ نفس اور غلبہ اور فزکی طلب بھی شامل ہو، اس وقت تو یہ شقاوت و رشتقاوت کے سوا کچھ نہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم کو اس سے بچائیں

اسی کے قریب ایک اور عتوڑ ہے جس کو ہم لوگ آج کل عقلمندی اور ہشیاری سمجھتے ہیں حالانکہ وہ بہت بری حالت ہے وہ یہ کہ کسی محقق کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے علم کا کوئی خاص حصہ عطا فرمایا ہو جس کو دوسرے نہیں جانتے ان کیساتھ بعض لوگ اس علم میں اس غرض سے بحث کرتے ہیں تاکہ ان کو یہ بتا دیں کہ ہم بھی اس فن کو جانتے ہیں اور یہ ارادہ نہیں تھا کہ ان کے سامنے اپنے کو پست کر دیں اور یوں کہیں کہ حضرت ہم کو یہ مسئلہ بتلا دیجئے تو اس میں چند وجوہ سے خطرہ ہے ایک تو عموماً بولنے کا کیونکہ یہ بحث کریں والا زبان حال سے یہ بتلا تلہ کہ

میں اس علم کو جانتا ہوں حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اس کو اس طرح کی ہوا بھی نہیں لگی دوسرے اپنے سے زیادہ علم والے کی تحقیقیں تیسرے اس علم اور اس مسئلہ کی تحقیر حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے کوئی علم عطا فرمایا ہے اسکی تحقیق نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب یہ علم دیلے تو اس کو تحقیر نہیں بنایا بلکہ معظم و محرم بنایا ہے اور جس کو خدا نے غفلت دی اسکو حقیر کرنا پڑا سنگین جرم ہے نیز آئمہ دین کا ارشاد ہے کہ جس کو تم تعلیم دو اسکے ساتھ بھی تواضع کرو اور جس سے علم حاصل کرو اس کے سامنے بھی تواضع کرو کیونکہ تواضع علم کا ادب ہے اور جو شخص علم کے ادب کو چھوڑتا ہے وہ بہت کم کامیاب ہوتا ہے یا علم کو علم کے طریقہ پر حاصل نہیں کر سکتا بلکہ اس سے محروم رہ جاتا ہے تو دیکھو حدیث کا یہ جملہ کیسا عمدہ ہے کہ جس بات کو حضرت عائشہؓ نے سمجھیں اس میں دوبارہ مراجعت کرتیں جس سے معلوم ہوا کہ مراجعت انکار کو بھی شامل ہے مگر مقصود انکار نہیں بلکہ معرفت مقصود تھی پھر جب وہ مراجعت کے بعد تحقیقت کو سمجھ جاتی تو خاموش ہو جاتی غرض ان کا مقصود یہ تھا جو کہ سرسبز فائدہ ہی فائدہ ہے مگر جن لوگوں کا اوپر ذکر ہوا ان کے نزدیک تو بس فائدہ ہی ہے کہ لا اسلم اور ممنوع کہہ کر خصم کو بند کر دیا جائے تاکہ لوگ یہ یوں کہیں کہ فلاں نے فلاں کو بند کر دیا یا اسے خاموش اور لا جواب کر دیا فانا للہ وانا الیہ راجعون کیسا قلب تحقیقت ہوا ہے کہ معروف نہ منکر ہو گیا اور منکر معروف نہ رہا اچھی بات بری اور بری بات اچھی ہو گئی زمانہ ہی بدل گیا حقائق میں انقلاب ہو گیا ۔

قالی للہ المشتکی - الوجه التاسع فیہ دلیل علی منع بعض الجوش  
الی قولہ وردا المعروف منکر او المنکر معروف

## (۱۲۸) زبان کی احتیاط کرو، وہ بات کرو جس سے قیامت

میں معذرت نہ کرنا پڑے۔ اس حدیث میں صوفیاء کی ایک حالت پر بھی اشارہ ہے کیونکہ مناقشہ ہی وہ چیز ہے جس نے ان کو متاعِ دنیا سے بے رغبتی پر ابھارا ہے (یعنی سختی حساب قیامت ہی کے خوف سے وہ دنیا کے تعلقات اور ساز سامان سے الگ فطرت سے ہیں کیونکہ جتنا کوئی دنیا میں پھنسے گا اتنا ہی حساب طویل ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری حدیث میں اس طرف صاف طور سے اشارہ فرمایا ہے جب ایک شخص نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے کچھ نصیحت کیجئے مگر لمبی چوڑی نہ ہو آپ نے فرمایا ”ایسی بات نہ کہو جس سے قیامت میں تم کو معذرت کرنا پڑے تو حضرات صوفیہ نے بات کرنے میں اس وسیت پر عمل کیا تا کہ انکی ہر بات سچی ہو اور ان کا حساب درگزر اور پیشی کے طور پر ہو (مناقشہ اور نکتہ چینی کی صورت سے نہ ہو) اللہ تعالیٰ ہم کو بھی ان لوگوں میں سے کرے جن سے درگزر ہوا اور انہی کے کامیاب راتے اور سید طریقہ پر چلے (آمین)

الوحد المحادی عشر فی الحدیث اشارۃ صوفیۃ الی قولہ و  
سلک بنا مسلكهم الرشید ومنتقوا السدید

ف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو زبان کی حفاظت کا حکم فرمایا کیونکہ عام طور پر لوگ زبان کے گناہ کو گناہ نہیں سمجھتے تو جیسے زبان کی حفاظت کا اس نذر اہتمام ہے تو دوسرے احوال کی حفاظت کو اسی پر قیاس کر لیا جائے، مطلب یہ کہ ہر کوئی کام ایسا نہ کر جس سے قیامت کے دن معذرت



کتاب پطرس سبحان اللہ! حضور کو اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں بلا غیب اور جوامع اعلم  
عطا فرماتے ہیں کہ دو لغتوں میں، وہ بہت پرشاد و فرمان جہن کی شریعت کے لئے دفتر  
بھانپائی ہے۔

فہ حضرات موفیہ نے مجملہ اعظم کی حفاظت کے لئے تین چیزوں کی حفاظت  
پر زیادہ زور دیا ہے یعنی آنکھ، کان، اور زبان کی حفاظت "تجربہ شاہد ہے کہ  
جو شخص ان تین کو خلاف شرعی امور سے بچا لے گا وہ تمام اعراض کی حفاظت ہو جائے  
کے گا اور بھائی کہ حفاظت نہیں کرتا اس کو ذکر و شغل اور بجاہل و مراقبہ  
بھی کچھ نفع نہیں دیتے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

چشم بند و گوش بند و لب بہ بند  
گرد بینی لورق برہا بخت بند

## حدیث

### الْقِتَالُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! جہاد فی سبیل اللہ کسے کہتے ہیں؟ کیونکہ ہمارے میں سے بعض تو (کفار کے ظلم و ستم پر) غصہ کہ وجہ سے لڑائی میں جھپکتے ہیں اور بعض حمیت قومی کی وجہ سے لڑتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف سر ہٹا کر فرمایا رادی کہتے ہیں کہ اپنے سر اس لئے اٹھایا کہ وہ شخص کھڑا ہوا تھا کہ جو شخص اس غرض سے جہاد کرے کہ اللہ کا بول بالا ہو اسی کا جہاد اللہ کے راستہ میں ہے۔

تشریح ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ اللہ کے راستہ میں جہاد اسی نیت سے ہو سکتا ہے کہ اللہ کا بول بالا ہو اور کسی نیت یا غرض سے نہیں ہو سکتا، اور اس کے متعلق چند جوہر سے کلام ہے۔

(۱۲۹) ضرورت کے وقت چھوٹے کا بڑے کو پکارنا جائز ہے

حدیث میں اس روایت کی دلیل ہے کہ چھوٹے کا بڑے کو پکارنا کسی ضرورت کے یا مشکل کے وقت جائز ہے کیونکہ اس اعرابی نے صحابہ کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کو یاد رسول اللہ کہہ کر پکارا اور آپؐ سے سوال کیا اور صحابہ کرام اس وقت حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب افضل تھے پھر میری نے بھی اس اعراب کے سبکے درمیان آواز بلند کرنے پر انکار نہیں کیا، نہ اس بات پر انکار کیا کہ اس نے سب کو چھوڑ کر خود اپنی حالت کے متعلق کیوں سوال کیا کسی مقرب بارگاہ کو واسطہ کیوں نہ بنایا، اگر یہ تصور جائز نہ ہوتی تو تعلق علیہ السلام اس کی کسی بات پر سکوت نہ فرماتے (بلکہ جواب دینے سے پہلے غلطیوں پر متنبہ فرماتے کہ بات کرنے کا یہ طریقہ نہیں جو تو نے اختیار کیا)

۲ الوجه الثالث فیہ دلیل علی جواز مناداتہ المفضول للفاضل الی قوله لہما اقررا الشارح علیہ السلام علی شئ من ذلك

ف حضرات صوفیہ کا یہ طریقہ ہے کہ وہ شہرخص کو اپنے سے بات کرنے کا موقع دیتے ہیں کسی واسطہ کے ذریعے بات کرنے پر مجبور نہیں کرتے، نیز وہ اس سے بھی ناراض نہیں ہوتے کہ کوئی ان کا نام لیکر پکارتے یا بلند آواز سے خطاب کرے بشرطیکہ محبت و ادب کو ملحوظ سے نہ دے۔

(۱۳) اپنے اعمال میں جو علتیں اور خرابیاں معلوم ہوں ان کو ظاہر

کرنا چاہیے۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے اعمال میں جو علتیں اور نفسانی اغراض واقع ہوتی ہوں جاننے والے کو ان کو ظاہر کرنا چاہیے تاکہ عیب ان میں سے غرض فاسد اور غرض صالح کو الگ الگ بتلا دے چنانچہ اس اعرابی نے اول تو یہ کہا کہ اللہ کے راستہ میں جہاد کسے کہتے ہیں؟ اس کے بعد لڑائی کی ان تمام صورتوں کو ظاہر کر دیا جن کی بنا پر لڑائی کرنے کی عسکر کو عادت تھی۔

الوجه الثالث قوله ما القتال فی سبیل اللہ فیہ دلیل علی ابداء العلل الی قوله کلنت عادة العرب یقاتلون علیہا

ف عرب کے ان پڑھ دیہاتی بھی حضور کے زمانہ میں سوال کرنے کا ادب جانتے تھے

اور آج کل پڑھے لکھے تعلیم یافتہ بھی بات کرنے کا سلیقہ نہیں رکھتے چنانچہ عموماً ان کا سوال یہ ہوتا ہے جس سے دو مردوں کو بھی معلوم نہیں ہوتا کہ سوال کی وجہ کیا ہے اور ان سوال کی ضرورت کیوں ہوئی؟ اور بہت لوگ اس جہل میں گرفتار ہیں کہ شیخ کے سامنے امراض نفسانی کے اظہار کی ضرورت ہی نہیں وہ خود ہی نور بصیرت سے سب کچھ معلوم کر لیں گے۔ حضرات سراج نورسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عالم غیب سے سمجھتے تھے بلکہ اپنے اعمال کی خرابیاں صاف صاف عرض کر کے احکام معلوم کرتے تھے، یہ لوگ مشائخ کو عالم الغیب سمجھ کر بھیج کر بنے بیٹھے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون یاد رکھو کہ شیخ کے نور بصیرت کا یہ کام نہیں کہ وہ لوگوں کے غیوب امراض پر مطلع ہوا کرے بلکہ اس کا کام یہ ہے کہ امراض کا علم ہونے کے بعد ان کی اصلاح کا صحیح طریق اور بہترین علاج تجویز کرے ۱۲ ظ

۱۳۱) اعمال ظاہرہ کی خصوصیت کا مدار نیت پر ہے یہ بھی معلوم

ہو کہ اعمال ظاہرہ کی خصوصیت نیت ہی پر مبنی ہے (یعنی اگر نیت درست ہے تو اعمال ظاہرہ درست ہیں ورنہ ظاہرہ کا اعتبار نہیں، یہ بات اس سے معلوم ہوئی کہ جب سائل نے ان صورتوں کو جن پر لوگ لڑائی میں حصہ لیتے تھے شمار کیا تو حضور نے فرمایا کہ اعتبار نیت کا ہے ظاہرہ ہی ہوتا کا نہیں۔

یہاں ایک بات قابل تحقیق ہے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے کہ جو شخص اس غرض سے لڑتا ہے کہ اللہ کا بول بالا ہو کسی اور غرض سے نہیں لڑتا بن کا حدیث میں ذکر ہے وہی اللہ کے راستہ میں ہے۔

تو کیا اللہ کے راستہ میں جہاد و اسبقوت ہو گا جبکہ ماسوا کا بالکل قصد نہ ہو مقصود

درجہ خلوص کی تحقیق

اللہ کے سوا کچھ نہ ہو، یا یہ کہ جب اہل کا مقصد اللہ کا بول بالا کرنا ہو تو دوسرے مقاصد کی پروا نہ کی جائیگی، (گو کسی درجہ میں ان کا بھی قصد ہو) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا

کیا گیا کہ ایک شخص یہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کو مسجد کی طرف نہ آئے، ہوا دیکھیں اور یہ نہیں چاہتا  
 کہ اس کو بازار کی طرف نہ آئے، ہوا دیکھیں تو فرمایا یہ خواہش مفر نہ ہوگی بچے عمل خالص اللہ کے  
 واسطے شروع کیا جائے پس جواب کا حاصل یہ ہے کہ عمل میں چند صورتوں کا احتمال ہے جن میں سے  
 ہر صورت کا حکم جدا ہے، ایک صورت تو جو کہ بالاتفاق سب اعلیٰ ہے یہ ہے کہ عمل خالص اللہ کے  
 واسطے ہو اور اللہ کے سوا کسی چیز کا..... اس میں شمول نہ ہو، دوسری یہ کہ جہاد کا  
 دلولہ پیدا کر نیوالی تو اللہ کے سوا کوئی دوسری چیز تھی جن کا حدیث میں ذکر ہے یا  
 ان کے علاوہ کوئی اور بات ہو مثلاً طبعی عادت نے جہاد پر بنا لیگھتے کیا ہو پھر جہاد  
 شروع کرتے وقت یہ شخص نیت کو تمام خیالات سے خالی کر کے اللہ تعالیٰ کا بول بالا  
 کرنے کے لئے خالص کر لے تو یہ بھی حدیث کی تصریح کے موافق اللہ ہی کے واسطے ہے  
 کیونکہ ارادہ کو برا لگھتے کر نیوالی چیز پر اسی وقت التفات کیا جاتا ہے جبکہ وہ عمل  
 کے وقت تک موجود ہے یہاں تک کہ عمل اسی کی وجہ سے اداسی کے واسطے ہو اے  
 اگر عمل کی وقت تک موجود نہ ہے تو اس پر التفات نہ کیا جائیگا۔ کیونکہ اعتباراً قریب  
 فالاقرب کا ہے تو جو نیت عمل سے متصل ہوگی عمل کو اسی کے تابع کیا جائیگا بعد کے تابع  
 نہ کیا جائیگا) تیسرے یہ کہ جہاد دوسری اغراض کے لئے بھی جہاد اللہ کے لئے ہی ہو (دونوں  
 نیتیں عمل کے ساتھ موجود ہوں) تو یہ اللہ کے واسطے کسی وجہ میں بھی نہیں کیونکہ حدیث میں  
 آیا ہے کہ جب عمل میں غیر اللہ کی شرکت ہو تو قیامت کے دن اللہ جل جلالہ اس کے  
 عامل سے فرمائیں گے کہ میں سب سے زیادہ شرکت سے غنی ہوں جاؤ میرے غنی سے ثواب  
 مانگو (جس کو میرے ساتھ عمل میں تم نے شریک کیا تھا) چوتھی صورت یہ ہے کہ جہاد ہی اغراض  
 میں سے کسی غرض کے لئے ہو جن کا وہ پرہیز کر ہوا ان کے سوا کوئی غرض نہ ہو تو اس شخص کو اس  
 فعل اور نیت کی موافقی مگناہ ہو گا یا اگر قواعد شرع کے موافق نیت مباح تھی تو فعل مباح ہو گا  
 باقی نو اکیس صورتوں میں نہ ہو گا جبکہ اللہ کا بول بالا کرنے کی نیت نہ تھی،  
 الوجه الشاہد فیہ دلیل علی ان تخصیص النظر اھراً لا یسکن الا بالنیات

الى قوله بحسب قواعد الشرع في كل قضية

و ہمارے حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ کا ارشاد ہے یہاں ہمیشہ یہاں نہیں رہتی  
 ادل یا ہوتی ہے پھر عبادت ہو جاتی ہے پھر عبادت ہو جاتی ہے اور حضرت سیدی حکیم الامت  
 دلم جدیم کا ارشاد ہے کہ عمل کے ساتھ نیت کے تین درجے ہیں بشرط ثلثہ، بشرط لاشئہ،  
 لا بشرط ثلثہ، تیسرا درجہ بھی خلوص میں شامل ہے مگر ادنیٰ درجہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عمل  
 کے وقت کوئی نیت حائل نہ ہو اللہ کے لئے عمل کی ماسوا کے لئے بلکہ خالی الذہن ہو کر  
 بطور عبادت کے عمل کیا جائے اور پہلا درجہ منہر ہے اگر ماسوا اللہ بشرط ثلثہ کے درجہ  
 میں ہو یعنی ماسوا اللہ کا قصد کیا جائے اور اگر اللہ کے لئے عمل کا قصد کیا جائے اور وہی  
 بشرط ثلثہ کے درجہ میں ہو اور ماسوا اللہ شروع ہی سے بشرط لاشئہ کے درجہ میں  
 ہو یعنی اسکی نفی کر دی جائے تو یہ خلوص کا اعلیٰ درجہ ہے اور اگر ماسوا اللہ اولاً بشرط ثلثہ  
 کے درجہ میں تھا پھر اس کی نفی کر دی گئی اور بشرط لاشئہ کے درجہ میں ہو گیا تو یہ  
 بھی خلوص میں داخل ہے مگر یہ درجہ متوسط ہے۔ امید ہے کہ اہل علم اس کو سمجھ  
 جائیں گے۔ بہر حال خلوص کے منافی منہر ایک طور ہے کہ ماسوا اللہ مقصود ہو اور عمل  
 کے وقت تک مقصود ہے اور دوسرے قصد میں داخل نہیں، اگر قصد اللہ کے لئے ہو اور ماسوا  
 اللہ دوسرے کے درجہ میں ہو وہ اسلام میں نہیں کیونکہ دوسرے غیر اختیاری ہے و  
 لا یكلف اللہ نفساً الا وسعہا، پھر فرمایا کہ یہاں خود کسی کو نہیں لپٹی بلکہ لپٹانے  
 سے لپٹی ہے، اگر کوئی خود ماسوا اللہ کا قصد نہ کرے لیکن دوسرے ماسوا اللہ کا آتا ہو  
 تو یہ یہاں نہیں خوب سمجھ لو۔

وهذا مما تقرر في تحقيقه في هذا العصر فلله درج من حكيم والله تعالى اعلم  
 ويؤيد ذلك ما بين ابی جمرۃ ايضا كما لا يخفى على الفطن العارف

## ۱۳۲) جواب کے وقت سائل کی طرف متوجہ ہو کر بتا کرنا سنت ہے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ سنت یہ ہے کہ جس سے کچھ سوال کیا جائے وہ جواب کے وقت سائل کی طرف منہ کر کے بات کرے کیونکہ صحابی نے کہا ہے کہ حضور نے سائل کی طرف سرٹھا کر دیکھا، پھر صحابی نے اسکی وجہ بتلائی کہ آپ نے سرس لے اٹھایا کہ سائل کھڑا ہوا تھا۔

الوجه التاسع فيه دليل على ان من السنة ان يواجه المسئول السائل بوجه الى قوله انما رفع اليه رأسه لانه كان قائماً

## ۱۳۳) وقار سے رہنا سنت ہے کہ کسی عضو سے فائدہ بے ضرورت

حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقار پر بھی دلالت ہے **کام نہ لیجئے** اویہ کہ حضرات صحابہ کو حضور کے وقار کا علم تھا کہ آپ بے فائدہ بدن ضرورت کے کسی طرف التفات نہ فرماتے تھے اگر یہ بات نہ ہوتی تو راوی کو اس علت کے بیان کی ضرورت نہ ہوتی جسکی وجہ سے حضور نے سرٹھایا تھا کہ سائل کھڑا ہوا تھا اور اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو اپنے اعضا کی حفاظت کرنا چاہیے کہ بیفائدہ بدن ضرورت کے ان سے کام نہ لیا جائے۔

الوجه الحادي عشر والثاني عشر فيه دليل على وقار النبي صلى الله عليه وسلم الى قوله لما تقدّر في تعليقه رفع رأسه عليه السلام  
ف حضرات صوفیہ کو اس کا بہت اہتمام ہے جیسا مشاہد ہے۔

## ۱۳۴) جب کوئی ایسی بات کہی جائے جو مفسر کے خلاف ہو

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب خبر دیئے والا کوئی ایسی بات بیان کرے جو

لوگوں کے نزدیک معروف نہ ہوتا اس کو اپنی بات پر دلیل قائم کرنا چاہیے جس کے بعد لوگ اس کی تصدیق کر سکیں چنانچہ صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اٹھانے کی وجہ بیان کر دی کہ سائل کھڑا تھا اگر وہ ایسا نہ کرتے تو شاید صحابہ ان کی بات کو قبول نہ کرتے یا ماننے میں توقف کرتے کیونکہ ان کا علم ان کی مخالفت تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلا ضرورت کے ایسا نہیں کرتے تھے تو رادی نے علت کو اس لئے بیان کیا کہ ان کی حدیث کی تصدیق سے ایک قاعدہ شرعیہ کی بنیاد قائم ہوئی تھی کہ اگر سائل نے کھڑے ہو کر سوال کیا ہو تو جواب میں سر اٹھا کر اس کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ پس انہوں نے اس شرعی مصلحت کی وجہ سے احتیاط پر عمل کیا تھا اپنے نفس کی وجہ سے ایسا نہیں کیا

الوجد الثالث عشر فیہ دلیل علی ان المخبر اذا اخبر بشئ لا یعرف الی قوله لا من اجل نفس

(۱۳۵) کھڑے ہو کر سوال کرنا مسئلہ پوچھنا جائز ہے حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ

سوال (یعنی دریافت کرنا) ہر حالت میں جائز ہے، بیٹھ کر بھی کھڑے ہو کر بھی کیونکہ صحابی کا اس جگہ یہ کہنا کہ سائل نے کھڑے ہو کر سوال کیا تھا یا حضوف کے سر اٹھانے کی علت میں اس کو ظاہر کرنا بتلا رہا ہے کہ کھڑے ہو کر دریافت کرنا بھی جائز ہے مگر اسی کیساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ عام دستور بیٹھ کر سوال کرنا تھا، بہر حال جب اس موقع پر صحابی نے قیام کا ذکر کیا ہے تو اس سے ہر حالت میں سوال کی اجازت معلوم ہو گئی اور اگر عام دستور کھڑے ہو کر دریافت کرنے کا ہوتا تو اس جگہ قیام کا ذکر بیجا نہ ہوتا اور صحابہ رضی اللہ عنہم اس سے منزہ ہیں (وہ فضول باتیں نہیں کیا کرتے تھے)

الوجد الرابع عشر فیہ دلیل علی جواز السؤال علی کل الاحوال الی قوله والصحابۃ رضی اللہ عنہم منہون عن ذلك

جہاں لیکن اگر قرآن سے یہ معلوم ہو جائے کہ کھڑے ہو کر بات کرنے سے مخاطب پر



گرائی ہوگی تو بیٹھ کر یہی بات کرنا چاہیے کیونکہ بلا وجہ کسی کے دل پر بوجھ ڈالنا ممنوع ہے

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرات عجا  
فضول باتیں نہ کرنا چاہئیں

کرتے ضرورت اور حاجت کی موافق کرتے تھے، حضرات صوفیہ کو بھی حفظ لسان کا بہت اہتمام  
ہے بعض اکابر طریق نے اپنی اسی فضول بات پر برسوں تاملت واستغفار کیا ہے قال العارف  
چشم بند و گوش بند و لب بہ بند گرنہ بینی نود حق بر ما بخند  
آنکھ کان اور زبان کی حفاظت مٹھراؤ و برکات ہے اومان میں بے احتیاطی سالب

انوار و موجب ظلمات ہے۔ اللہم احفظنا

۱۳۶) صوفیہ کو مجاہدہ میں علاؤ کلمۃ اللہ کا قصد کرنا چاہیے اس جگہ ایک  
صوفیانہ

اشاؤ بھی ہے کیونکہ صوفیہ بھی جہاد میں مشغول ہیں یعنی جہاد نفس میں اور یہی بڑا جہاد  
ہے جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے جب آپ  
ایک غزوہ سے واپس ہوئے تو صحابہ سے فرمایا ہبطتم من الجہاد الا صغریٰ الجہاد  
الاکبر کہ تم اب جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف اتر آئے ہو، غرض جہاد اکبر نفس سے جہاد

عہ عن جابر قال قدم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قمر غزاة فقال قد متم خیر مقدم  
من الجہاد الا صغریٰ الجہاد الاکبر مجاہدة العبد هو اذ رواه الدیلمی وعن ابی ذرۃ قال  
قلت یا رسول اللہ اھی الجہاد افضل قال ان یجہد الرجل نفسه و هو اذ رواه  
ابن الجبہا کذا فی کنز العمال ۲ ج ۳۲ قلت و هذا وان لم نعرف صحته من  
حیث الاسناد فله مؤید من قوله صلی اللہ علیہ وسلم والمجاہد من  
جہاد نفسه فی طاعة اللہ رواه الحاکم وصححه کما فی شرح  
الاحیاء للعراقی ۲ ج ۱۰

کرنا ہے، پس ان کا یہ جہاد بھی اسی واسطے ہونا چاہیے کہ اللہ کا بول بالا ہو اور اس کی صفات غالب ہوں، جیسا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی بیان فرمایا ہے

لَا يَزَالُ الْعَبْدُ يَتَقَرَّبُ إِلَىٰ بَابِ الْوَأَدَلٍ حَتَّىٰ أَحِبَّهُ فَإِذَا أَحَبَّهُ نَبِيُّ  
كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي يَبْصُرُ بِهِ  
وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا

”بندہ نوافل کے ذریعہ میل و مقدر پر ابھل کر تاجاتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، اور جب اس کو محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سُناتا ہے، اور آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ لیتا دیتا ہے“

یعنی جب بندہ مراد و محبوب بن جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام اعضاء کو مخالفت و معصیت سے محفوظ کر دیتے ہیں اب اس کے اعضاء سے وہی کام ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے پس یہ مقام حاصل کرنے کے لئے مجاہدہ کرنا چاہیے اور اسی کو مقصود بنانا چاہیے۔ حضرات فضلا اور محققین صوفیہ کا یہی طریق ہے، اور بعض جہلا جو یہ کہتے ہیں کہ ہم پے درپے روزے اور عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ کچھ خرق عادات اور کرامات حاصل ہو جائیں۔ یہ لوگ محققین کے نزدیک نئے جاہل ہیں اور بعض نے تو یہ فرمایا ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مصداق ہیں

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَعْبُدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ

کہ بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کی عبادت ایک کنارہ پر کھڑے ہو کر کرتے ہیں یعنی اُن کا مقصود اللہ کی عبادت نہیں بلکہ دنیوی غرض ہے اگر وہ حاصل ہو گئی تو خوش ہوتے ہیں اور وہ نہ ملی یا کسی معصیت کا سامنا ہو گیا تو لکڑی ہی لوٹ جاتے ہیں پھر نہ منہ دیتی ہے نہ روزہ بھلا اس صورت میں مجاہدہ اور عبادت سے کیا فائدہ؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں

فَايْجُزِ اللَّهُ بِكَ مَآءُكُمْ شُكْرًا وَآمْنًا

”اللہ تعالیٰ تم کو عذاب کر کے کیا لیں گے اگر تم شکر کرتے رہو اور ایمان پر رہو“  
 جس سے معلوم ہوا کہ عذاب سے بچانے والی دو چیزیں ہیں ایمان اور شکر، کشف و  
 کرامات کو اس میں کچھ بھی دخل نہیں، اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو  
 بھی پیش نظر رکھو

والذین جاهدوا فینا لنھدینھم سبیلنا  
 (جو لوگ ہم کے واسطے مجاہدہ کرتے ہیں ہم ان کے لئے اپنے راستے کھول دیتے ہیں)  
 تو تم پر اس بات کی حقیقت واضح ہو جائیگی جو میں نے تم کو بتائی ہے۔ جس کا  
 حاصل یہ ہے کہ مقصود تحصیل شکر و ایمان ہے، اسی کا قصد کرنا چاہیے اور جو شخص  
 خالص اللہ کے واسطے مجاہدہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسی پر اپنا راستہ کھول دیتے ہیں یعنی  
 مقامات قرب میں ترقی عطا فرماتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کے واسطے مجاہدہ نہ کرے  
 کسی اور غرض سے مجاہدہ نہ کرے اس کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے قریب کے راستے نہیں کھولتے  
 پس طالب خدا کو صرف اسی کے لئے مجاہدہ کرنا چاہیے، کسی غرض سے نہ کرنا چاہیے۔  
 وفقنا للذالک بمنہ اھ الوحۃ السابۃ عشرھنا اشارۃ صوفیۃ  
 لان الجہاد عندھم ہو جہاد النفس

## ۷ دنیائے جہاد ممنوع ہے صرف دین کیلئے جہاد ہو

سکاتہ  
 حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دنیا کے لئے جہاد ممنوع ہے۔ جہاد  
 شرعی وہ ہے جو غرض دین کے لئے ہو اور ظاہر ہے کہ ایسا جہاد صرف  
 مسلمان اور ان میں بھی صرف مخلصین کر سکتے ہیں۔ پس جس جہاد میں کافر و مسلم  
 دونوں شریک ہوں وہ جہاد شرعی نہیں بلکہ دنیوی جہاد ہے۔ کیونکہ کفار  
 اعلا رکھتے اللہ اور دین اسلام کے لئے جہاد نہیں کر سکتے، البتہ اگر غلبہ مسلمانوں  
 کو حاصل ہو کفار ان کے تابع اور ماتحت ہوں تو اس صورت میں اسلامی جہاد دونوں

سے مل کر بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اعتبار غالب کا ہے مغلوب کا عدم ہے اور جہاں غلبہ کفار کو ہو وہاں دونوں کی شرکت سے اسلامی جہاد نہیں ہو سکتا، پس جو شخص اس صورت کو بھی اسلامی جہاد بتلائے وہ مسلمانوں کو دھوکہ دیتا ہے خوب سمجھ لو۔

**از کشف کرامات کو ولایت میں کچھ دخل نہیں** یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کشف کرامات و خرق عادات کو ولایت و قرب میں کچھ دخل نہیں۔ نہ یہ امور مقاصد شریعت سے ہیں پس جو لوگ انکار و اشغال و مراقبات میں ان چیزوں کے قصد سے مشغول ہو جاتے ہیں وہ طالبِ حق نہیں بلکہ طالبِ دنیا ہیں، اور سلوک میں زیادہ پریشانی سائیکین کو انہی چیزوں کے حاصل نہ ہونے سے ہوتی ہے حالانکہ ان کا طالب منتظر ہونا ہی خود سلوک کے منافی ہے خوب سمجھ لو۔

## حدیث

## الرَّجُلُ يَخِيلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ يَجِدُ مَرِيحًا

## وهو في الصلوة

عباد بن تیمی رحمہ اللہ اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے شخص کا حکم دریافت کیا جس کو نماز میں یہ خیال بار بار آتا ہے کہ وہ کچھ ہوا یا دیر کا اثر پانا ہے۔ آپؐ فرمایا کہ جب تک آواز نہ سنے یا بدو نہ پائے نماز پڑھنے سے نہ ہٹے بلکہ برابر نماز میں مشغول رہے۔

**شرح** ظاہر حدیث اس پر دل ہے کہ جس شخص کو کسی شے کا خیال دو سو سوہ آتا ہو وہ نماز کو قطع نہ کرے جب تک آواز یا بدو نہ پائے۔ اس کے متعلق چند باتیں بیان کرنے کی ہیں۔

## (۱۳۷) حضور کے وقت عوارض بشریت پر التفات نہ کرنا چاہیے

حدیث میں طیفناشلہ اس طرف بھی ہے کہ جب بندہ دوبار عالی کی طرف متوجہ ہو تو اسکو بشریت اور عوارض بشریت پر التفات نہ کرنا چاہیے کیونکہ یہ نقصان حال کی بیل

ہے، اہل اگر کوئی ایسی بات پیش آئے جس پر یقین ہو جائے تو وہ حکم ربانی ہوگا جس پر عمل کرنا واجب ہوگا۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب یا خانہ کے تقاضے کے وقت نماز سے منع فرمایا ہے تاکہ بارگاہ خداوندی کی طرف متوجہ ہونے کے وقت عوارض بشریت پر التفات نہ ہو۔

قولہ الموجبہ الرابع هذا اشارة لتلخيص ما في قوله مع ما ذكره الا خبثين

## (۱۳۸) خطرہ قلیلہ معاف، اور نماز میں اصلاح نماز کے متعلق

حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ قحط یا اس خطرہ جس سے نماز میں تشویش ہو جائے معاف ہے دوسری یہ کہ نماز کے وقت دل میں ایسے امور کے متعلق باتیں کرنا جو اصلاح نماز سے تعلق رکھتی ہیں جائز ہے، یہ بات حضور کے اس ارشاد سے معلوم ہوئی، یجئیل الیہ انہ یجد السنئی کہ اس کو خیال ہوتا ہے کہ وہ کچھ ہلایا ریح کا اثر پاتا ہے کیونکہ جب اس کو اس قسم کا خیال آئیگا تو اس سے شرعاً کہا جائے گا کہ اس معاملہ میں غور کر کہ تجھے اس کے متعلق کیا حکم ہے اور کیا حکم دیا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حکم معلوم کرنے کے لئے یہ سب کچھ سوچنا حدیث النفس ہی تو ہے اور مناسب ہے کہ اس حکم کو دوسرے عوارض میں بھی جاری کیا جائے جو نماز میں اس کو پیش آئیں کہ وہ ان میں بھی غور کرے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ان سے متعلق کیا ہے تاکہ حکم کے موافق نماز سے فارغ ہو، اسی لئے اہل علم نے فرمایا ہے کہ سہو کے ساتھ ایک نماز بڑن سہو کے ستر نمازوں سے افضل ہے سوال کیا گیا یہ کیوں کر؟ فرمایا اس لئے کہ نماز بغیر سہو کے ہو تو احتمال ہے کہ قبول ہو یا نہ ہو اور سہو کے ساتھ ہو جسکی تلافی سجدہ سہو سے کی گئی ہو، تو لسان شریعت سے فیصلہ ہو چکا ہے کہ اس نے شیطان کی ناک رگڑ دی جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پس یہ نماز ترغیم شیطان ہوگی

اور جو چیز شیطان کی ناک گر کرنے والی ہو اس کے ساتھ رمضان کی امید کی جاتی ہے پس اس حیثیت سے یہ نماز دوسری نمازوں سے بڑھ گئی و مہترم کہتا ہے کہ یہ فضیلت جزئی ہے اور فضیلت جزئی مفضل میں ہی ہو سکتی ہے پس یہ لازم نہیں کہ سہو کی نماز پر حیثیت سے بدون سہو کی نماز سے افضل ہو کیونکہ حضور تام کے لحاظ سے بدون سہو کی نماز افضل ہے خوب سمجھ لو، اور اگر کبھی سہو نماز میں ہو جائے تو دیگر نہ ہو کیونکہ اس کی فضیلت کے لئے بھی ایک قیاس موجود ہے ۱۲

الوجه الخامس في هذا من الفقهاء جهان الى قوله فضلت غيرهما بذلك الصفة

حدیث میں علم شرعی کی فضیلت پر بھی دلالت ہے کیونکہ یہ باتیں علم ہی سے (۱۳۹) حاصل ہو سکتی ہیں اسی طرح یہ حکم تمام احکام میں جاری کیا جائے گا کہ بندہ تمام کاموں میں اولاً شریعت کے موافق اخلاص کا موہ ہے، پھر اگر کوئی عارض پیش آجائے جس سے اخلاص میں خلل کا شبہ ہو جائے تو شریعت کے لحاظ سے اس میں غور کرے اور جس بات کا شرعاً مامور ہو اس پر عمل کرے اور یہ بحسب عبادت ہی عبادت ہے، الوجه السادس - في هذا إشارة الى فضل العلم الشرعي الى قوله وذلك كله عبادة -

(۱۴۰) شکوک و سوساوس پر اصلاً التفات نہ کرے حدیث میں اہل

صاحب باطن ہیں اس پر بھی اشارہ ہے کہ شکوک اور عوارض و وسوساوس پر اصلاً التفات نہ کریں خواہ زیادہ ہوں یا کم اسی لئے فرماتے ہیں کہ ان الملتفت هالک التفات کر والاتباء ہو جاتا ہے۔

الوجه الحادي عشرون من الإشارة لاهل القلوب الى قوله ان الملتفت هالک

## ۱۴۱) وساوس حالت خاص میں تنزل نہیں ہوتا

حدیث میں ان لوگوں کے لئے اس امر کی بشارت بھی ہے کہ عوارض و وساوس کا دفع کرنا خاص حالت سے نہیں نکالتا بلکہ وساوس کے بعد بھی وہی قسٹر حاصل رہتا ہے جو پہلے حاصل تھا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی ان لوگوں میں سے کریں جن کو اللہ تعالیٰ نے خیر کے ساتھ غصہوں فرمایا اور خاص اپنا بنالیا کہ اللہ کے سوا کوئی پورہ کار نہیں

قوله الوجه الرابع عشر فیہ ایضا بشارۃ لہم علی قوله لا رب سواہ  
 و اخیر کے دونوں نمبروں میں دفع وساوس کا عجیب علاج بتلایا گیا ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ  
 نہ کرے۔ حضرت حکیم الامت دام مجدم کی بھی یہی تحقیق ہے، اور تجربہ شاہ ہے کہ اس سے  
 بہتر کوئی علاج نہیں دفع وساوس کے لئے جتنی تدبیریں اسکے سوا کی جاتی ہیں سب اس  
 شعر کا مصداق ہیں۔

تمڑ پو گئے جتنا جال کے اندر جال گھسے گا کھال کے اندر  
 پس ذاکرین و شاغلین کو وساوس کی بالکل پرواہ نہ کرنی چاہیے نہ ان کے دفع کا  
 اہتمام کریں نہ از خود لائیں، اپنی طرف سے ذکر کی طرف متوجہ رہنے کا اہتمام کریں اسکے  
 بعد بلا قصد و اختیار سے جو وساوس آئیں ان کی طرف اصلاً التفات نہ کریں اور اس  
 بشارت سے دل کو مطمئن کریں کہ وساوس کی وجہ سے خاص حالت میں نقصان یا تنزل  
 نہیں ہونا کیونکہ یہ امر اختیار سے باہر ہے اور امر غیر اختیار سے مضر نہیں ہوا کرتا  
 ۱۲ مترجم۔



بَابُ الثَّانِي

## حدیث

# البول الاستنجاء والشرب

ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کھنچ پشیا ب کرے تو اپنے عضو کو دائیں ہاتھ سے نہ پکڑے نہ دائیں ہاتھ سے استنجا کرے اور جب پانی پئے تو برتن میں سانس نہ لے۔

شرح حدیث میں بظاہر تین احکام ہیں

۱۔ یہ کہ عضو مخصوص کو دائیں ہاتھ سے نہ پکڑے۔

۲۔ دائیں ہاتھ سے استنجا نہ کرے۔

۳۔ برتن میں سانس نہ لے۔

اس کے متعلق چند فوائد ہیں۔

(۱۲۲) دایاں ہاتھ اچھے کاموں کیلئے ہے اور بایاں اسکی ضد

چونکہ دایاں ہاتھ کھالے پیئے اور اس کے مناسب (اچھے) کاموں کے لئے

موضوع کیا گیا ہے تو بایاں ہاتھ اسکی ضد یعنی فضیلت اور اس کے مناسب

کیلئے ہے

چیزوں کے لئے مقرر کر دیا گیا، چنانچہ عضو مخصوص کو چھونا اور استنجا کرنا اس کی طبیعت سے ہے۔ اس لئے اس کو بایں ہاتھ سے عضو صیغ کیا گیا اور دائیں ہاتھ سے منع کر دیا گیا، نیز چونکہ آخر میں اہل یمین جنتی ہوں گے تو دنیا میں بھی اس نوع کے لئے دائیں جانب موضوع کی گئی اور آخر میں اہل شمال گناہگار اور دوزخی ہوں گے تو یہاں بھی بایں جانب انسان چیزوں کیلئے کی گئی ہو گناہوں سے پیدا ہوتی ہیں اور جوان کے مشابہ ہوں کیونکہ انسان سے جب پہلے پہل خطا کا مدور ہوا تو اس سے پیشاب پاخانہ پیدا ہوا اور اسی وقت سے انسان کو یہ تقاضہ لاحق ہوا اس سے پہلے نہ اس کو پیشاب آتا تھا نہ پاخانہ صفر پیدہ خوشبودار آتا تھا جس سے غذا تحلیل ہو جاتی تھی اور جنت میں جانے کے بعد پھر یہی اصل حالت عود کر آئے گی چنانچہ خواب کی تعبیر دینے والے اس شخص کو جو خواب میں پیشاب پاخانہ وغیرہ دیکھے یہی تعبیر دیتے ہیں کہ یہ خواب معاصی کے مدور پر دلالت کرتا ہے۔

قوله لا ت الیمن لہما جعل للکل والشرب الحی قوله انہما دالۃ علی المعاصی

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مجاورشی کو اسی کا حکم دیا جاتا ہے یعنی جو (۱۴۳) چیز دوسری چیز کے قریب ہو اس کا حکم وہی ہوگا جو دوسری شے کا ہے۔ یہ مسئلہ حقوق کے استناد شاد سے ماخوذ ہے۔

اذ ابال احدکم فلا یأخذن ذکراً بیمنہ

جب کوئی پیشاب کرے تو اپنے عضو کو دائیں ہاتھ سے نہ پکڑے، چونکہ اس وقت عضو کو پیشاب کے قریب تھا تو دائیں ہاتھ سے اس کا چھونا ممنوع ہوا، اس کے سوا دوسرے اوقات میں اس سے منع نہیں کیا گیا چنانچہ کسی نے اس ذکر کی بابت حضور سے سوال کیا کہ اس عضو کے چھونے سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں، تو آپ نے فرمایا ہل ہوا لا بضعتہ منذ کہ وہ بھی تو تیسرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے، اس سے معلوم ہوا

کراس کا چھونا ایسا ہی ہے جیسا بقیہ اجزاء بدن کا چھونا، اور انہی اشارات کی پہچان ہے کہ خبیث چیزیں بائیں طرف سے متعلق ہیں اہل معرفت نے فرمایا ہے کہ خاطر شیطان بائیں طرف سے آتا ہے یعنی دل کی بائیں جانب سے، تو اب اسکی ضرورت ہے کہ دل کی بائیں جانب معلوم کی جائے کہ وہ کس طرف ہے تو عارفین کے نزدیک شمال قلب شمال جسم کی مخالف جانب میں ہے کیونکہ یہ حضرات وجہ قلب سے دل کا وہ دروازہ ملوا لیتے ہیں جو غیبی چیزوں کے لئے دل کے اندر کھلا ہوا ہے۔ اسی دروازہ سے یومین قلب سے ان کو مکاشفات و کرامات کا مشاہدہ ہوتا ہے اور اس کے سوا ان سب چیزوں کا بھی جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو مقتضائے حکمت کے موافق مخصوص فرمایا ہے جیسا دلائل شرعیہ سے معلوم ہو چکا ہے۔ (بہر حال دل کی دائیں جانب بدن کی بائیں سمت میں ہے اور بائیں جانب بدن کی دائیں طرف ہے) بعض نادانوں نے جن کو اس حقیقت کی خبر نہیں یہ لفظ سن کر کہ خاطر شیطان بائیں جانب سے آتا ہے اور فرشتہ دائیں طرف سے آتا ہے اسکو جسم کی بناوٹ پر محمول کر لیا (یعنی دل کی دائیں بائیں جانب کو بدن کی سمتوں پر قیاس کیا) تو ان پر معاملہ منعکس ہو گیا، کیونکہ عارفین کے نزدیک خواطر کو چار قسمیں ہیں، ملکی و شیطانی یہ دونوں تو ان جو جانب سے آتی ہیں جن کا ابھی ذکر ہوا اور نفسانی خواطر دل سے سامنے سے آتے ہیں اور خاطر ربانی دل کے اندر سے آتا ہے۔

قوله فیہ دلیل علی ان ہجاور الشئ یعطی حکمہ الی قولہ ویرانی  
وہو من داخل القلب

## حدیث

## الرافۃ بالحوان

ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک کتے کو دیکھا کہ پیاس کی شدت میں ترمٹی کھا رہا ہے تو اس شخص نے اپنا ہنہ نکالا اور اس میں پانی بھر بھر کر اسکو پلانے لگا یہاں تک کہ اس کو سیراب کر دیا اللہ تعالیٰ نے اس فعل کی قدر کی اور اسکو اتنی ہی بات پر جنت میں داخل کر دیا۔

ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ اس شخص کو ایک کتے کے سیراب کرنے پر جنت میں پہنچا دیا گیا۔ اس کے متعلق چند باتیں بیان کرنے کی ہیں۔

## ۱۴۴) حاجت اور ضرورت ہر ایک کو خلاف عادت پر مجبور کر

اس سے معلوم ہوا کہ حاجت اور ضرورت ہر جائز کو خواہ عاقل ہو یا دیت ہے غیر عقل عادت مالاوفہ سے باہر کر دیتی ہے اور خلاف عادت فعل پر مجبور کر دیتی ہے یہ اس سے معلوم ہوا کہ کتا ترمٹی چاٹ رہا تھا کیونکہ اس میں بھی کچھ

اثر پانی کا موجود تھا، اور اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی شے دور سے قریب ہو تو اس سے مفقود ہونے کی حالت میں عقلاً و طبعاً قریب کو اسی کا حکم دیا جائیگا عقلاً تو یہ بات علم عقل اور شرع میں بہت جگہ آپچی ہے اور طبعاً کاشعوت اس عقلاً پر موجود ہے۔ کیونکہ کئے اور متام حیوانات انسان و جن کے سوا عقل سے کوئے ہیں لیکن اپنے منافع کی معرفت طبعاً ان کو حاصل ہے۔ جس چیز میں نفع اپنا دیکھتے ہیں اس سے مانوس ہوتے ہیں اگر وہ نہ ملے اور اس کے قریب قریب کوئی دوسری شے مل جائے تو اسی کو کام میں لاتے ہیں، جیسا یہاں مذکور ہے کہ کتا تر مٹی چاٹ رہا تھا کیونکہ اس کو پانی سے ٹھنڈک ملتی تھی جب پانی نہ ملا اور تر مٹی میں اس کے قریب قریب نزاد ملے اسی کو استعمال کرنے لگا اور مٹی کے ثقل کی پرواہ نہ کی،

## ضرورت کے وقت ثقیل شیئ خفیف اور استغنا کے وقت

خفیف گراں ہو جاتی ہے

اس سے علم نجات کا یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت ثقیل شے ہی خفیف ہو جاتی ہے اس کے لئے یہ عکس لازم ہے کہ استغنا کے وقت خفیف شے ہی گراں ہوتی ہے اسی لئے اہل حقیقت پر مجاہد گراں نہیں بلکہ (پھولوں) ہلکا ہے کیونکہ وہ اپنے مولا کے محتاج ہیں اور اس احتیاج سے پوری طرح رنگے ہوئے ہیں، اہل دنیا پر مجاہد گراں ہے کیونکہ ان کو دنیا سے محبت ہے اور اسی کی احتیاج ان کے نزدیک زیادہ ہے، عبادت ان کو دشوار ہے جس سے اہل معرفت راحت و لذت پاتے ہیں اور ان کو عبادت آسان ہے کیونکہ ان کو اس دولت کی خبر ہے جو عبادت کے اندر ہے اسی لئے حق تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں۔ **وَانْهَالِ كَبِيرَةَ الْاَعْلٰی الْخَشَعِیْنَ** نماز واقعی بڑی گراں ہے مگر ان پر جو خشوع والے ہیں۔

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ اپنی تمام مخلوق کے ساتھ لطف کا معاملہ

فرماتے ہیں، دیکھو کتنے دلی ہیں ڈال دیا کہ ترمٹی چلنے لگے تاکہ اس کی حالت کو دیکھ کر کسی کو اس پہلے آجئے اور پانی پلائے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ مخلوق کو راحت پہنچانا بہترین صفات میں سے ہے یہ اس سے اخذ کیا گیا کہ اس معمولی کام پر بہت بڑا ثواب دیا گیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کو استقامت کے ساتھ بیان فرمایا کہ مسلمان اس صفت کو اختیار کریں جس سے قرب بڑھتا ہے۔

قولہ فیہ دلیل علی ان الحاجة تخرج الحيوان الى قوله لئلا يحس المؤمنون بجملة الصفة المقربة

ف راحت رسائی خلق جس کا نام ایثار ہے حضرات موفیہ کا خاص شعار ہے مگر افسوس آج کل چند وظائف و معمولات کا نام تصوف رہ گیا ہے اصلی صفات کا استہمال نہیں رہا جس معاشرت جو راحت رسائی کی بنیاد ہے ایسی متروک ہوئی ہے گویا کسی مسلمان کے گھر میں تھی ہی نہیں حالانکہ قرآن و حدیث کے اوراق اس کی تاکید سے بھرے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق عطا فرمائیں کہ غیروں کی تقلید چھوڑ کر احکام خدا و رسول کا اتباع کریں کہ سجداساری فلاح دنیا و آخرت کی اسی میں ہے۔ مسلمانوں کو بھون اس کے ہرگز کامیابی نہیں ہو سکتی۔

(۱۴۵) تعرض و کنایہ تصریح کے برابر ہے یہی معنی ہمیشہ

ہوا کہ کسی بابت کو تعظیفاً اور کنایتاً بیان کرنا تصنیف کے برابر ہے جیسا امام مالک نے فرمایا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کی جو خبر دی ہے دو حال سے خالی نہیں باتولیوں ہی بلا فائدہ خبر دیدی نعوذ باللہ اس کا تو خطو بھی کسی کے دل پر نہیں گذر سکتا اور جس کے دل میں ایسا وسوسہ گزرتا ہے اور وہ اس کو مان لے وہ تو مسلمان بھی نہیں کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں وما یبذلک عن الہوی اید رسول خواہش نفس سے آت نہیں کرتے) اور یہ کلمہ تمام اقوال کو عام ہے یا یہ خبر کسی ایک فائدہ یا بہت سے فائدے کے

لئے بیان کی گئی ہے اور یہ حق ہے تو اب ان فوائد کا ہم نے اوپر بیان کئے اور جو آئمہ بیان کریں گے اسی حدیث سے ظہور ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن عزیز میں ہمارے سامنے بہت سے قصے بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے لَقَدْ كَانَتْ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ان کے قصوں میں عبرت ہے عقلمندوں کے لئے و كَلَّا نَقْصُصُ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نَشِئْتُ بِهِ أَفْوَادًا اور یہ رسولوں کے سب کچھ واقعات ہم آپ کے سامنے اس لئے بیان کر رہے ہیں تاکہ آپ کے دل کو مضبوط کر دیں، اور فرمایا ہے وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ أُولَٰئِكَ كَانُوا لَكُمْ يَوْمَئِذٍ هَبْلًا جہنوں نے اللہ کو بھلا دیا تو خدا نے ان کو اپنی جانوں سے ہی غافل بنا دیا نیز فرمایا ہے أُولَٰئِكَ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ

مَنْ قَبْلَهُمْ

کیا ان لوگوں نے زمین کی سیر نہیں کی تاکہ ان کو نظر آجاتا کہ ان سے پہلے کافروں کا کیسا انجام ہوا۔

اسی لئے فقہانے فرمایا ہے کہ قصص قرآنی میں ضمناً اسکے مقتضا کا ہم سے مطالبہ کیا گیا ہے اس بطور مثال کو سمجھ لو اسی لئے حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالَمُونَ ان مثالوں کو عالموں کے سوا کوئی نہیں سمجھتا

فِيهِ دَلِيلٌ لِّمَالِكٍ الَّذِي يَقُولُ الْحَقُّ قَوْلُهُ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالَمُونَ ف کنایہ اور تعریف کا مراحت کی برابر یا اس سے بھی بلیغ تر ہونا اہل بلاغت کے نزدیک مسلم ہے مگر اسمیں شک نہیں کہ اس کو سمجھنے والے ہی سمجھتے ہیں، سب لوگ نہیں سمجھ سکتے اس لئے حدود و قصاص میں جہاں سخت احتیاط لازم ہے تعریف و کنایہ کا اعتبار نہیں کیا گیا اسی طرح باب طلاق میں الفاظ کنایہ سے بدون نیت حکم یا دلالت حال سے منع طلاق کا حکم نہ کیا جائیگا۔ باقی استنباط احکام میں تعریف و کنایہ اور منطوق و صریح سب برابر ہیں جس طرح منطوق کلام سے مسائل کا استنباط ہوتا ہے اسی طرح

تعریف و شانہ سے بھی استنباط احکام ہوتا ہے یہ ادب بات ہے کہ تعارض کے وقت صریح کو کنا یہ پر ترجیح ہوگی۔

ف حضرت حکیم الامت فرمایا کرتے ہیں کہ جملہ خبریہ سے ہمیشہ انشاء نفی ہو جاتا ہے اور جس خبر سے انشاء مطلوب ہو وہ مہمل ہے۔ پس کلام شارح میں تو کوئی خبر انشاء سے خالی نہیں ہو سکتی ہاں عام لوگوں کے کلام میں خالی ہو سکتی ہے جو مہمل کلام سے احتراز کو ضروری نہیں سمجھتے۔

ف جب یہ بات سمجھ میں آگئی کہ قصص و امثال قرآن میں ان کے مقتضا کا ہم سے مطالبہ کیا گیا ہے تو اب سمجھو کہ تصوف کے مسائل زیادہ تو قصص و امثال ہی کے ضمن میں مذکور ہیں تو جو لوگ علم تصوف کو قرآن و حدیث سے غیر ثابت کرتے ہیں وہ اپنے ہی نفس کو ملامت کریں کہ انہوں نے قرآن کے بہت بڑے حصہ کو چھوڑ دکھا ہے کیونکہ احکام فقہ کی آیات تو پانچ سو کے قریب ہیں۔ بقیہ ساٹھ پانچ ہزار آیات میں تصوف اور علم عقائد ہی کا نو بیان ہے جس کو اس کا نمونہ دیکھنا ہو وہ حضرت حکیم الامت دام مجدہم کا سلا مسائل السلوک عن کلام ملک الملوک مطالعہ کریں۔

حدیث سے یہ بھی معلوم

(۱۴۶) خیر متعدی بہت بڑی قرینت ہے ہوا کہ خیر متعدی جس کا

نفع دوسروں کو بھی پہنچے بہت بڑی قرینت ہے کیونکہ ایک معنی احسان پر جو ایسے جانور کے ساتھ کیا گیا تھا جس کے قتل کا شریعت نے ہم کو حکم دیا ہے اتنی عمدہ جزا دی گئی کہ اس پانی پانے والے کو اتنی سی بات پر جنت میں بھیج دیا گیا تو کسی غافل مکلف انسان کے ساتھ احسان کرنے کا متبہ کیا ہوگا اور کسی نیک آدمی کے ساتھ سلوک کرنا تو کیسا کچھ ہوگا اگر اس کا نتیجہ کروگے تو اس میں بہت سے درجے نکل سکتے ہیں اسی طرح قیاس کرتے چلو مثلاً اجنبی کے ساتھ احسان کرنے کا یہ ثواب ہے تو قرابت داروں کے ساتھ کیسا ہوگا یا قرابت داروں کے ساتھ یہ درجہ ہے تو خاص قرابت داروں کے ساتھ کیا کچھ ہوگا



فیه دلیل علی ان من اکبر القرب الخیر المتعدی الی قولہ علی هذا فتسن

نفع متعدی نفع لازم سے اس وقت افضل ہے جبکہ ضرر لازم کو

یہ قول مشہور ہے کہ نفع متعدی نفع لازم سے افضل ہے مگر یہ جب

مستلزم نہ ہو کہ نفع متعدی ضرر لازم کو مستلزم نہ ہو، یعنی اپنے دین کو نقصان

پہنچا کر دوسروں کو نفع پہنچانا مستحسن نہیں بلکہ مذموم ہے۔ مثلاً بعض لوگ مدت خلق

میں اپنے اوقات کو برباد کر لیتے ہیں اور بعض دفعہ وجبات ذرا نقص میں قتل ڈال دیتے ہیں

بعض لوگ دوسروں کی دلجوئی میں اپنی محنت کو برباد کر لیتے ہیں کہ جب تک دو کچرے

سے بناٹیں یہ بھی ان کی خاطر سے متنبہ دیتے ہیں خواہ مخواہ کاموں کو فوت ہو یا نہ ہو

معمول برباد ہو یا تہجد اور صبح کی نماز فوت ہو وغیرہ وغیرہ تو یہ صورت نفع متعدی کی

محمود نہیں، خوب سمجھ لو۔

(۱۴۷) اعمال خیر میں سے کوئی عمل بیکار نہیں

اس حدیث میں تمام اعمال خیر کی ترغیب ہے کہ ہر نیک کام کا اہتمام کرو

کسی کام کو معمولی سمجھ کر نہ چھوڑ دو کیونکہ کیا خبر ہے کہ کس عمل سے سعادت اور نجات نصیب

ہو جائے دیکھو اس واقعہ میں ایک معمولی عمل سے کتنی بڑی سعادت مل گئی کہ جنت میں

چنچ گیا تو اعمال خیر میں سے کوئی عمل ضائع اور بیکار نہیں۔

فیه دلیل علی التخصیف علی جمیع اعمال الخیر الی قولہ فلا یضیع

منها شیء۔

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا

(۱۴۸) اخلاص ہی سے ثواب بڑھتا ہے کہ اخلاص ہی سے اجر کے بڑھنے

کاسبیت، یہ بات اس حدیث کے واقعہ کی تفصیل سے معلوم ہوگی کہ یہ شخص جگہ میں تھا وہاں اس نے کتے کو پانی پلایا جہاں اس کو دیکھنے والا کوئی نہ تھا حقیقت میں اس کا فعل خالص اللہ کے لئے تھا اسکی زیادہ توضیح رسول اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے جو صدقۃ السر کے بارہ میں وارد ہوا ہے **حقولہ تعلم شمالہ ماتفق بیمنہ بہترین صدقہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی بھی خبر ہو کہ دائیں نے کیا خرچ کیا۔** فیہ دلیل علی ان الاخلاص الی قولہ حقولہ تعلم شمالہ ماتفق بیمنہ

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ **۱۴۹ کمال عمل ہی سے اجر کامل ہوتا ہے** کمال اجر کمال عمل سے ہوتا ہے کیونکہ حضور نے فرمایا ہے کہ اس نے اس کتے کو پانی پلایا یہاں تک کہ سیراب کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس عمل کی قدر کی یعنی جب اس نے اس کو سیراب کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس پر اپنا انعام کامل کر دیا کہ جنت میں پہنچا دیا اور کمال اجر یہی ہے کہ بندہ جنت میں پہنچ جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے **الخیر کلمہ بحذا فیہ الرحمۃ کہ غیر تو کامل مکمل پوری طرح جنت ہی میں ہے (اس سے بڑھ کر اور کیا انعام ہوگا) فیہ دلیل علی ان کمال الاجر یكون بحکمال العمل الی قولہ الخیر کلمہ بحذا فیہ الرحمۃ۔**

**صلاح آخرت سے دنیا کے بگڑنے کی پرواہ نہ کرنا چاہیے** حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دار آخرت کے سنبھالنے میں دنیا بگڑتی ہو تو بگڑے دو، دیکھو اس شخص نے اپنے موزہ میں پانی بھر رکھا پلایا حالانکہ موزہ پانی سے خراب ہو جاتا ہے مگر چونکہ اس میں آخرت کی درستگی تھی تو یہ خرابی عین صلاح تھی۔

**بڑوں کو چھوٹوں کیلئے مشقت برداشت کرنا چاہیے** نیز حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ

بڑوں کو چھوٹوں کے لئے مشقت برداشت کرنا چاہیے جب وہ ان کے محتاج ہیں، کچھ اس شخص نے کتے کو پانی پلانے کے لئے مشقت برداشت کی جب کہ اس کو خدمت کا محتاج دیکھا۔ مولیٰ تعالیٰ شانہ نے اس تعجب کو قبول کر کے اس پر احسان فرمایا اور ظاہر ہے کہ انسان تمام جانداروں سے افضل ہے بجز فرشتوں کے کہ ان کے متعلق اختلاف ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ خواص بشر خواص ملائکہ سے افضل ہیں اور عامہ مومنین عامہ ملائکہ سے افضل ہیں واللہ اعلم

وَلْيُحَذِّرْهُمْ تَغْلِيْبُ فُضَادِ هَذَا الدَّاسِ، اِلَى قَوْلِهِ مَا عَدَا الْمَلَائِكَةَ  
فَفِيهِمْ خِلَافٌ۔

ف۔ امام احمد اور حاکم نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے  
مَنْ أَحَبَّ دُنْيَاهُ أَضْرَبَ آخِرَتَهُ، وَمَنْ أَحَبَّ آخِرَتَهُ أَضْرَبَ دُنْيَاهُ فَاتَّزَوَا مَا  
يَبْقَى عَلَى مَا يَعْنِي قَالَ الشَّيْخُ حَدِيثٌ صَحِيحٌ ص ۲۹۱ ج ۳ العزیزی۔ جو اپنی دنیا سے محبت  
کرے گا وہ اپنی آخرت کو نقصان پہنچائے گا اور جو اپنی آخرت سے محبت کرے گا وہ  
اپنی دنیا کو نقصان پہنچائے گا۔ پس باقی کو فانی پر ترجیح دو۔ حضرات صوفیہ کا عمل  
اس حدیث پر سب سے زیادہ ہے اور یہی زہد کا پہلا قدم ہے، ہاں اتنا سمجھ لینا چاہیے  
کہ محبت دنیا کی ممانعت ہے کسب دنیا کی ممانعت نہیں اور کسب دنیا بدوین محبت کے  
بھی ہو سکتی ہے جسکی علامت یہ ہے کہ خلاف شریعت کسی موتر سے دنیا ملتی ہو تو  
اس موتر سے ہرگز دنیا نہ کمائے اور جائز طریقہ سے دنیا کم کر زکوٰۃ و حج وغیرہ سے  
غفلت نہ کرے اور ضرورت دینی میں بھی حسب موقع مال خرچ کرتا ہے۔

وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ

## حدیث

## النَّعَاسُ فِي الصَّلَاةِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی نماز پڑھتے ہوئے اونگھنے لگے تو اسکو چاہیے کہ سو جائے یہاں تک کہ نیند جاتی رہے کیونکہ ممکن ہے اگر وہ اونگھتے ہوئے نماز پڑھتا رہے تو شاید استغفار کی جگہ اپنے آپ کو بڑا جلا کرے اور بخیر بھی نہ ہو۔

شرح ظاہر حدیث کا حاصل نیند کی حالت میں نماز پڑھنے سے ممانعت ہے اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

۱۵۰) عالم کو از خود تعلیم دینے کا بھی حق ہے گو اس سے سوال

بھی نہ کیا گیا ہو اس میں ان لوگوں کے لئے دلیل ہے جو یوں کہتے ہیں کہ عالم کو یہ حق ہے کہ از خود دوسروں کو تعلیم دے گو اس سے

سوال بھی نہ کیا گیا ہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اِذَا لَفَسَ اَحَدُكُمْ ابْتَدَأْ بِكَلَامِ مَنْ يَسْأَلُ عَنْ شَيْءٍ مِنْ شَيْءٍ

تَوَلَّهِ فِيهِ دَلِيلٌ لِمَنْ يَقُولُ اِنْ لِّلْعَالِمِ اِلَى تَوَلَّهِ دُونَ اِنْ يَسْأَلُ

ف اس سے ان مشائخ کے طرز عمل کی تائید ہوگی جو انہوں نے خود طالبین کو تعلیم و تنبیہ کرتے رہتے ہیں خواہ وہ اپنے حالات کے اطلاع کریں نہ کریں۔

(۱۵۱) نماز میں دعا قبول ہوتی ہے بھلا کہنے سے مراد (دشنام عرفی نہ ہو)

اپنے کو بد دعا دینا، ہو تو اس کا ضرر پہلے سے بھی زیادہ ہو گا کیونکہ کالی دینے سے تو نماز ہی فاسد ہوتی اور اب اسکی ساتھ ایک اور وجہ بھی شامل ہو جائیگی کہ نماز کی سماعت میں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے تو یہ بد دعا اسکی ہلاکت کا سبب بن جائیگی۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل و مال کو کوسنے سے منع فرمایا ہے کہ مشائخ قبول کی گھڑی ہو اور اپنے ہی ہاتھوں ہلاکت کا سامان ہو جائے۔

قوله واحتمل واجبا اخوان یحکون استبھنا بغي الدعاء علی نفسنا  
الی قوله نہی علیہ السلام ان یدعوا حد علی اھلہ و مالہ

ف لوگ عموماً نماز کے بعد دعا کا استہتم کرتے ہیں حالانکہ نماز کے اندر دعا زیادہ قبول ہوتی ہے اس کا استہتم زیادہ کرنا چاہیے مگر نماز کے اندر دعا مانور ہونا چاہیے  
مختصر نہ ہونا چاہیے۔

(۱۵۲) اپنے کلام اور جملہ افعال کی نگہداشت لازم ہے حدیث سے بہت سے علمی فوائد حاصل

ہوتے ہیں مجملہ ان کے ایک یہ کہ انسان کو اپنے کلام کی اور تمام افعال کی نگہداشت کرنا چاہیے کہ کوئی بات اور کوئی کام غفلت کی حالت میں سرزد نہ ہو مبادا اسکی ہلاکت کا سبب ہو جائے اور اسے خبر بھی نہ ہو اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آدمی بعض دفعہ کوئی برا کلمہ زبان سے نکالتا ہے جسکی پروا بھی نہیں کرتا مگر اس کی وجہ سے جہنم میں ستر سال کی گہرائی تک پہنچ جاتا ہے۔

قوله یترتب علی ذلک من ذلک من الفقہ وجوز الی قوله یہودی بھائی النبا  
سبعین خریفاً۔

(۱۵۳) **عمل قرب میں ترکِ ادب بدتمیزی ہے** حدیث میں ایک صوفیانہ اشارہ ہے

کہ عمل قرب (و زمان قرب) میں آداب (قرب کا ترک کرنا بدتمیزی ہے بہ اشارہ حضور کے قول لعلی سب نفسہ سے مأخوذ ہے، کیونکہ نمازِ عمل قرب، اور عمل قرب میں گالی دینا اور بڑا جھلا کہنا بدتمیزی کی بات ہے یہاں ایک سوال وارد ہو گا وہ یہ کہ احادیث سے ثابت ہے کہ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم نماز سے پہلے بیٹھے بیٹھے سو جاتے تھے یہاں تک کہ ان کے سر نیند کی وجہ سے ادھر ادھر جھکنے لگتے تھے چہرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تو صحابہ نماز پڑھنے لگتے جس سے ظاہر یہ ہے کہ وہ نیند کی حالت میں نماز پڑھتے تھے حالانکہ ابھی کہا گیا ہے کہ عمل قرب میں غفلت کرنا بدتمیزی ہے۔ جواب یہ ہے کہ حضراتِ صحابہ نماز کے اندر نہیں آتے تھے تھے ان کی نیند اور غفلت نماز کی اقامت سے بالکل جاتی رہتی تھی کیونکہ اقامت کے فائدہ میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے نیند اور غفلت دور ہو جاتی اور قلب نماز کی طرف متوجہ اور حاضر ہو جاتا ہے کیونکہ مؤذن جب اللہ اکبر، اللہ اکبر کہتا ہے ایمان کا شکر جوش میں آ جاتا ہے اور غفلتوں سے بیدار ہو جاتا ہے جس کے مختلف درجے ہیں۔ جب اشہد ان لا الہ الا اللہ کہتا ہے قلب منور ہو جاتا ہے اور اللہ کی مدد پہنچ جاتی ہے۔ اشہد ان محمد الرسول اللہ کہتا ہے نوعیتین کی ٹھنڈک حاصل ہو جاتی اور رحمت پھیل جاتی ہے، حی علی الصلوۃ کہتا ہے تو عزم میں پختگی پیدا ہو جاتی ہے حی علی الصلاۃ سے کوشش اور حسنِ عبادت میں تازہ روح پڑ جاتی ہے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر سے دوبارہ عظمتِ آلہیہ کا استحضار ہو جاتا اور ہیبت طاری ہو جاتی ہے لو الہ الا اللہ سے جانِ اللہ کے حوالے ہو جاتی ہے اور تمام اولام دل سے نکل جاتے ہیں باطن کی ہمت تکرارِ ہیبت و اخلاص سے کامل ہو جاتی ہے اور ظاہر اذغان و تسلیم اور انقیاد سے وابستہ ہو جاتا ہے اگر انسان اس حالت سے پوری طرح آراستہ ہو گیا دیکھا ہم نے بیان کیا تو نیند دوبارہ اس کے پاس نہیں آ سکتی اور اگر پھر بھی غفلت کے

جھوٹے نے اس کو دیا تو نیند کی آفت طاری ہو جائیگی۔ احکام شریعت معاملہ قربت یعنی نماز کی بندش کو کھول دیں گے اور سوہنے کی اجازت دی جائیگی اور نیند کی معصیت سے خلا ہی پانے کے بعد پوری طرح وضو وغیرہ کر کے اس فرض کو ادا کرنے کی تاکید کی جائے گی جو اس کے ذمہ ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فی الصلوٰۃ فرمایا ہے (یعنی سونے کے لئے اس کو امر کیا گیا ہے جسے نماز کے اندہ نیند آئے) قبل الصلوٰۃ نہیں فرمایا (کہ اگر نماز سے پہلے نیند آکر ہی ہو نماز کے اندر نہ آتی ہو جب بھی سوہنے پس حضرات صحابہ کی حالت اس سے خارج ہے کیونکہ وہ نماز سے پہلے اذگتھے تھے نماز کے اندہ نہیں اذگتھے تھے۔

۱۵۴) قیام صلوٰۃ کے وقت ان باتوں پر توجہ کرنا چاہیے جو اس وقت اہم ہیں کہ ان کے استحضار سے نماز حضور قلب کے ساتھ ادا ہوگی۔ غفلت دور ہو جائے گی اور یہاں سے معلوم ہوا کہ قرآن میں جو بار بار اَقِمْ الصَّلَاةَ فرمایا گیا ہے اس سے یہی اقامت مراد ہے جس کے لئے اقامت صلوٰۃ موضوع ہے کہ توجہ اور حضور اور خشوع کے ساتھ نماز پڑھو غافل اور بے خبر ہو کر نماز نہ پڑھو۔

۱۵۴) طاعت میں کوئی ناگوار چیز نہ ملانی چاہیے حدیث سے یہ طاعت میں کوئی ناگوار چیز نہ ملانی چاہیے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب کوئی اذگتھے ہوئے نماز پڑھے گا تو شاید وہ استغفار کی جگہ اپنے آپ کو بُرا بھلا کہنے لگے تو اس وقت نماز چھوٹنے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ مبارک نیند کی حالت میں بلا ارادہ کوئی بات بیجا نکل جائے تو ارادہ کے ساتھ ایسا کرنا کیسا کچھ ہوگا؟ اور یہاں سے علیٰ مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ نماز میں حالاً و مقالاً حضور قلب کی بہت زیادہ تاکید ہے۔ اس کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبَلُ صَلٰوةَ اَمْرًا حَتّٰی یُحْضِرَ قَلْبُہٗ مَعَ جَوَارِحِہٖ اِنَّہٗ تَعَالٰی کَمٰی کَمٰی کی نماز اس وقت تک قبول نہیں فرماتے جب تک اس کا دل اعضا کے ساتھ نہ ہو (یعنی جو کچھ ظاہر میں کرتا ہے وہی

باطن میں ہوتی، اُن کی حالت میں دل پر یہ اثر ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے دست بستہ  
کھڑا ہوں رکوع میں یہ اثر ہو کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا تقاضہ ہے کہ ان کے سامنے جھک  
جاؤں سجدہ میں یہ حالت ہو کہ دل اللہ تعالیٰ کے سامنے پگھل جائے، اپنی ہستی کو ان کے سامنے  
ذرا بے کر دے۔

قوله الوجه الثامن فيه دليل على ان لا يخاطب الطاعة معصية الى قوله حتى  
يلكون قلبه مع جوارحه

ف نماز میں حضور قلب اور درجہ احسان حاصل کرنا حضرات صوفیہ کا خاص  
امتیاز ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ یہ دولت ان ہی اصحاب کی صحبت اور تعلیم سے  
حاصل ہوتی ہے تو کیا اب بھی علم تصوف سے انکار کیا جائیگا؟

ف اس مقام پر ایک فقہی بحث ہی ہے جس پر شائع نے متنبہ فرمایا ہے مگر چونکہ  
وہ تصوف کا مسئلہ نہیں اس لئے اس کو فوائد میں لکھا جاتا ہے وہ یہ کہ نماز سے پہلے سونا  
جائز ہے یا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ سونا دو حال سے خالی نہیں یا نودن کو ہو گا یا رات کو سو  
دن کو تو نرسا سے پہلے سونا جائز ہے۔ حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے عادت طبعی  
کا بھی نفی مقتضی ہے، حدیث تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد ہے جو قبولہ کے بارہ  
میں وارد ہوا ہے قیلوا فان الشياطين لا تقبل (قبولہ کیا کرو کیونکہ شیاطین دہر  
کو نہیں سمجھتے۔ نیز ایک حدیث میں ہے استعينوا بالقبول على قيام الليل کہ قبولہ  
سے رات کو اٹھنے کیلئے مدد لو) اور قبولہ وقت ظہر کے قریب ہی ہوتا ہے اور طبعی عادت  
بھی یہ ہے کہ دن کو آدمی زیادہ دیر تک نہیں سوتا کیونکہ دن کام کے لئے بنایا گیا ہے اسلئے  
دن میں گہری نیند عادتاً نہیں آتی، جیسا رات کو کوئی زیادہ دیر تک نہیں جاگتا کیونکہ  
رات کو نیند کیلئے بنائی گئی ہے اور حکم مطلق کی حکمت نے جس چیز کو ملبانے میں مستحکم کر دیا  
ہے وہ بدن کسی خاص سبب کے بغیر بلا کرتی الا نادى والنادر كالمعد وهما ادرسى وقت عادت  
کی مثال کسی امر کا ظہور بھی قدرت کا اثر ہے جیسا عادات و اطوار کا ارتباط واستقامت کھتا الہیہ  
کا اثر ہے اور اسی پر احکام مرتب ہوا کرتے ہیں۔ اور غرق عادت سے قدرت کے کمال پر



استدلال کیا جاتا ہے جو کہ ایمان کی بنیاد ہے جس پر جملہ احکام کا مدار ہے، رہا رات کو نماز سے پہلے سوا ثلث مغرب عشاء کے درمیان سونا سوا اس کے متعلق ان بڑے بڑے علماء جن سے میں ملا ہوں مجھے یہ پہنچا ہے اور ان کو بھی اپنے بڑوں سے یہی پہنچا ہے کہ جو شخص مغرب عشاء کے درمیان کسی ضرورت سے سونا چاہیے دو حال سے خالی نہیں یا تو عشاء کی نماز کے لئے کوئی جگہ نیوالا اسکو میسر ہے یا نہیں، اگر کوئی جگہ نہ والا موجود ہو تو اس کو سونا جائز ہے اور اگر جگہ نیوالا کوئی نہ ہو مگر اسکو اپنے متعلق تجربہ اور عادت کی وجہ سے یہ یقین ہو کہ وقت پر بیدار ہو جائیگا تب بھی سونا جائز ہے۔ اور اگر گناہ غالب یہ ہو کہ وقت پر بیدار نہ ہوگا بلکہ وقت کے بعد بیدار ہو گیا یا اسکو اپنی عادت کی خبر ہی نہیں اس حالت میں سونا جائز نہیں چونکہ یہ مفعول مفسد ہی تھا اس لئے بیان کر دیا گیا۔

گو اس حدیث میں اس مسئلہ سے تعرض نہیں کیا گیا۔  
**ف** حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں بھی مہمانوں کو مغرب عشاء کے درمیان سونے کی اجازت تھی کیونکہ وہاں عشاء کی نماز کے لئے جگہ نیوالا مقرر تھا، مصنف عبدالرزاق میں بسند صحیح نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بسا اوقات نماز عشاء سے پہلے سو رہتے تھے اور فرمادیتے تھے کہ نماز کے وقت مجھ کو جگہ دینا، پس حارح میں ابوہریرہ اسلمی وابن مسعود رضی اللہ عنہما سے جو یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کے پہلے سونے سے منع فرمایا اس کو ناپسند فرمایا ہے اس کا عمل وہ معتد ہے جبکہ جگہ نیوالا کوئی نہ ہو واللہ تعالیٰ اعلم۔

**۱۵۵، یتفظا وحسبہ کی تاکید**  
 حدیث میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یتفظا اور حرم سے کام لینا چاہیے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مبادی غفلت ہی میں جس کا نام اونٹ کا چلنے کی انتہا گہری نیند ہے کہ زبان سے نکلی ہوئی بات کی خبر بھی نہ ہو۔ عمل طاعت کے

چھوڑ دینے کا امر فرمایا ہے۔ مبادا اس میں خلل واقع ہو جائے تو اس سے زیادہ غفلت کا کیا حال ہوگا۔ اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ المؤمن کیسے حدس فطن، مومن ہشیار، چوکنا اور سچہ دار ہوتا ہے۔ اسی لئے بعض صوفیہ کی یہ حالت تھی کہ جب وہ اپنے اہل و عیال اور جانوروں کے اخلاق یا عادات میں ذرا بھی خرابی دیکھتے تو فوراً توبہ اور اطاعت کی طرف سبقت کرتے اور یہ سمجھتے تھے کہ ہماری کسی کوتاہی کی وجہ سے ان کی عادات و اخلاق میں یہ تغیر ہوا ہے اور اپنے نفس کی منفی حالتوں کو ٹھوٹے کہ شاید ہمارے نفس میں کوئی تغیر ہوا ہے۔ یہاں تک کہ اس غفلت پر متنبہ ہو جاتے جو ان سے تردد ہوتی تھی تو اسکی اصلاح کر لیتے اور اسکی اصلاح کے ساتھ ہی حالت درست ہو جاتی چنانچہ ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ وہ دنیا کی باتیں نہیں کیا کرتے تھے۔ ایک دن ان کے دل میں دنیا کا کوئی خطرہ آیا تو اس کے بعد ہی ایک سپاہی دروازہ پر آیا اور اندر آنے کی اجازت چاہی اجازت دیدی گئی اور وہ اندر آکر سامنے بیٹھ گیا اور دنیوی معاملات میں گفتگو کرنے لگا، شیخ کو اس پر تعجب ہوا کہ آج دنیا کے معاملات کا یہ جھگڑا میرے پیچھے کہاں سے لگا اور یہ شخص میرے پاس کیوں آیا تو انہوں نے اپنے نفس کو ٹھوٹا کہ یہ بلا کہاں سے آئی دفعۃً اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ فلاں خطرہ کیوں سے جو تمہاری دل میں دنیا کی متعلق آیا تھا ایسا ہوا انہوں نے فوراً اس خطرے سے توبہ استغفار کیا۔ اس کے بعد فوراً ہی سپاہی کھڑا ہو گیا اور چل دیا، اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے۔

ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یرغیروا ما بانفسہم  
 اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتے جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلیں  
 یہ تو اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کی نیند اور غفلت کا حکم تھا۔ رہی اہل دنیا کی نیند تو  
 اس سے بیداری تو موت ہی کے وقت ہوگی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے  
 الناس نيام فاذا ماتوا انتبهوا

لوگ سو رہے ہیں جب مریں گے اس وقت بیدار ہوں گے

کیونکہ وہ اس وقت حق کو دیکھ لیں گے اور حقائق کا مشاہدہ کریں گے، پس اہل دنیا کی نیند تو سراسر جہل اور غلبہٴ غیبت اور غفلت ہے مگر جبکہ اللہ تعالیٰ علم عطا فرمادیں اور بیدار کر دیں، تو یہ وہ لوگ ہیں جو کوشش میں لگے ہوتے اور مستعد ہیں اور صدق اور تصدیق سے سرفراز ہو چکے ہیں جیسا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ اگر پردہ اٹھا دیا جائے تو میرے یقین میں کچھ زیادتی نہ ہو اور یہی شان ان حضرات کی ہے جو اخلاص کیساتھ حضراتِ معاہد کا اتباعِ قیامت تک کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی ان حضرات کے طفیل بدون کسی مشقت کے ان میں سے کر دے۔ آمین

قوله فی اشارۃ الی التلیظ والحذر الی قولہ جعلنا اللہ فیہم ربلا محنة

بحر متبحر عندہ

ف تیقظ اور خیم طریق تصوف میں بہت فروزی ہے۔ حضراتِ موفیا سبھی بہت تاکید فرماتے ہیں کیونکہ غفلت اور بیفکری کیساتھ نہ دنیا کا کوئی کام ہو سکتا ہے نہ دین کا، نیز طالبِ حق کو جو اللہ تعالیٰ کا عجب ہے کسی وقت بھی محبوب سے غفلت کی گنجائش نہیں مبادا کوئی ایسی حرکت سرزد ہو جائے جو محبوب کی نافرمانی کا سبب بن جائے۔ پس اسکو ہر وقت اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے اور راضی رکھنے کی فکر فروری ہے۔ اگر اس فکر میں کمی ہے تو نصیحت اور طلب میں کمی ہوگی اور حقیقی طلب میں کمی ہوگی اسی قدر مقصود کے حصول میں دیر ہوگی۔

(۱۵۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد حتی یذهب عنہ النوم کہ نیند کا غلبہ زائل ہونے تک اسکو سو رہنا چاہیے حکمت پر عمل کرنے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ حکمتِ الہی یوں ہی جاری ہے کہ نیند بدون سکون حاصل کئے نہیں جاتی یہاں تک کہ وہ وقت آجائے جو اس کے جانے کے لئے مقدر ہے۔ اس وقت یہ خود بخود جاتی رہتی ہے جیسے خود ہی بدون بلائے آئی تھی، اور نیند کے آنے جاے میں بڑی قدرت کا انکشاف ہے کہ انسان ابھی اس حالت میں تھا کہ اس کا دماغ اور تمام قویٰ (فکر، سمع و عمل) مجتمع تھے، کام کے لئے مستعد تھے، دفعتاً نیند آگئی اور سب قویٰ معطل ہو گئے اس کو خبر

بھی نہیں ہوتی کہ نیند کب اور کہاں سے آگئی۔ بعض اوقات اس کو نیند کا آنا پسند بھی نہیں ہوتا بلکہ ناگوار ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی کسی منفعت یا حاجت کو حاصل کرنا چاہتا تھا جس سے نیند مانع ہوگئی اور اس میں مخلوق کے سوا یا عاجز و محتاج ہونے کی دلیل بھی ہے کہ انسان اپنے حرص اور دعویٰ کی بناء پر بعض مقاصد کی تکمیل میں لگا ہوا ہوتا ہے کہ دفعۃً ایسی چیز اس پر مسلط ہو جاتی ہے جس کو وہ دفع نہیں کر سکتا بلکہ اپنی ساری حرص اور احتیاط اور تحفظ کو چھوڑ کر مجبوراً اس کے سامنے سر جھکا دیتا ہے

قَدْ مِنْ يَحْلُوكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمَنِ

فرما دیجئے کہ رات اور دن میں تم کو رحمن سے کون سچا سکتا ہے

(کوئی نہیں کیونکہ اس کے سامنے سب عاجز و محتاج ہیں) الغرض نیند اور بھول دونوں مخلوق کے نقص اور احتیاج پر شاہد ہیں جس پر نیند مسلط ہوتی ہے اور یاد کی ہوتی چیزوں کو بھول جاتا ہو اس کو قدرت اور کمال کا دعویٰ کسی طرح زیب نہیں دیتا۔ اسی لئے علماء نے لہذا خلقنا الانسان في احسن تقويم ثم رددناه اسفل سافلين کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو خوبصورت بنایا پھر اس پر نیند اور بھول کو مسلط فرما دیا اس وقت اس کے سارے کمالات سلب ہو جاتے ہیں پھر جب بیدار ہوتا ہے تو بدستور حرص میں لگ جاتا ہے گویا کچھ ہوا ہی نہیں تھا، اسی طرح شب و روزی مغلط ہوتا رہتا ہے اور انسان اپنے دعویٰ پر قائم رہتا ہے گویا وہ بیٹھا یا سویا ہی نہیں تھا۔ وفي انفسكم اذ لا تدبرون تمہاری ذات میں بھی قدرت الہیہ کی نشانیاں موجود ہیں کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔ دلوں پر غفلت کا زنگ لگ گیا ہے۔ یہاں تک کہ بصیرت کی نگاہ خفا شد بن گئی کہ ان نشانیوں کے آفتاب کو نہیں دیکھ سکتی۔

اور یہیں سے اہل تصوف کی فیصلیت و دسروں پر ظاہر ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے جب ان حالات کا مطالعہ کیا یعنی نیند کی حالت کا موت کے مشابہ ہونا مشاہد ہو گیا اگرچہ یہ حضرات دوسروں سے کم سمجھتے ہیں تو اب وہ اپنی ذات کے لئے کسی نفع یا ضرر کا اپنے کھانک نہیں سمجھتے بلکہ اپنے کو مردہ بدست زندہ سمجھتے ہیں۔ پس انہوں نے بیداری میں بھی اپنے اوپر

تفویض و انقیاد کو لازم کر لیا یعنی نیند کی وقت جوان کا حال ہوتا ہے وہی بیداری میں بھی ان کا حال رہتا ہے کیونکہ انہوں نے استصحاب حال پر حکم رکھا یا اور یہی اہل علم کا بھی قول ہے وہ بھی استصحاب حال کو حجت کہتے ہیں تو وہ اس حالت کے زیادہ مستحق تھے کہ بیداری میں ان کا وہی حال ہوتا ہے جو نیند میں ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ علما منظرِ ہر کے اوپر اسبابِ شہوات کا زیادہ غلبہ ہے اس لئے وہ باتوں ہی کے فقیہ بن گئے حقیقت کے فقیہ نہ بنے کیونکہ ان کو باتوں کی حالات نے فقہ حال سے رد کر دیا اس لئے وہ فقیہِ الحال نہ بنے اور بہلاقتباحتِ حال کے ساتھ محض باتیں بنانا بھی کچھ قیمت رکھتا ہے، ہرگز نہیں یہ تو نرا کھوٹ ہے جسے کسوٹ پر پکھنے کے وقت ندامت کے سوا کچھ حاصل نہ ہو گا۔

الوجه الحادی عشر فیہ دلیل علی عجز المخلوق الی قولہ صاحبہا یندر عند محک الانقباد

ف استصحاب حال فقہا کی خاص اصطلاح ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مری کو اسکی پہلی حالت پر باقی رکھنا چاہیے جب تک کسی دلیل سے حالت سابقہ کا بدل جانا ثابت نہ ہو، مثلاً کسی شے کا ابتداءِ اسلام میں حلال ہونا ثابت ہو تو اس کو بعد میں بھی حلال کہا جائیگا جب تک کسی دلیل سے بعد میں حرام ہونا ثابت نہ ہو اس قاعدہ کا مقصد تضایع تھا کہ جیسا انسان نیند کے اندر مثل مردہ ہو جاتا ہے تو اسکو بیداری کے بعد بھی اپنے کو مردہ ہی سمجھنا چاہیے جب تک کسی دلیل سے یہ ثابت نہ ہو کہ بیداری کے بعد وہ مردہ نہیں رہا بلکہ زندہ ہو گیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ وہ بیداری کے بعد بھی دراصل مردہ ہی ہے کیونکہ وہ اپنے لئے کسی نفع یا ضرر کا مالک نہیں بلکہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی مدد کا محتاج ہے بدن اللہ کی مدد کے نہ وہ اپنے کو کوئی نفع دے سکتا ہے نہ ضرر سے بچ سکتا ہے۔ پس حقیقت میں انسان بیداری کی حالت میں بھی تقریباً ویسا ہی مردہ ہے جیسا نیند کی حالت میں ہوتا ہے پس جو لوگ استصحاب حال کو زبان سے حجت کہتے ہیں اگر یہ ان کا حال نہ بن جاتا تو وہ بیداری میں بھی اسی طرح تفویض و انقیاد سے کام لیتے جیسا نیند میں اپنے کو اللہ کے حوالہ کر کے خود کو عاجز و بیچارہ سمجھ لیتے ہیں مگر ان کا فہم اور علم محض زبانی ہے فقہ باطنی ان

کو حاصل نہیں اسلئے ان کی حالت نیند اور بیداری میں یکساں نہیں رہتی یہاں شاید  
 کبھی کو یہ شبہ ہو کہ شریعت مقدسہ نے خود نیند اور بیداری میں فرق کیا ہے چنانچہ  
 نیند کی حالت میں انسان مکلف نہیں رہتا اگر نہ قضا ہو جائے گناہ نہیں ہوتا نیند  
 میں طلاق کا لفظ زبان سے نکل جائے تو اس سے بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوتی اور بیداری  
 کے احکام اس کے برعکس ہیں۔ پھر علماء ظاہر نے اگر دونوں میں فرق کیا تو کیا گناہ کیا؟ بلکہ دونوں  
 کو یکساں سمجھنا شریعت کے ان مسائل سے غلط معلوم ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرات  
 صوفیہ کا یہ مطلب نہیں کہ نیند اور بیداری تمام وجوہ سے یکساں ہے اور دونوں کے احکام  
 میں اصلاً فرق نہیں، بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی طرف احتیاج میں دونوں حالتیں  
 یکساں ہیں کیونکہ اگر انسان خدا کا محتاج نہ ہوتا اور خود اپنے لئے نفع و ضرر کا مالک ہوتا  
 تو نیند کی حالت میں ایسا عاجز و مجبور نہ ہوتا بلکہ نیند کو اپنے اوپر سے دفع کرنے  
 کی اسکو قدرت ہوتی مگر جب وہ نیند کو اپنے سے دفع نہیں کر سکتا اور نیند میں  
 اسکی ساری طاقتیں سلب اور تمام قوتیں معطل ہو جاتی ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ بیداری  
 کی حالت میں ہوا سکو اپنے اندر کچھ اختیار اور قدرت اور طاقت نظر آتی ہے یہ اس کے  
 قبضہ کی چیز نہیں بلکہ یہ تمام چیزیں اللہ کی دی ہوئی ہیں اور اسی کے قبضہ قدرت  
 میں ہیں وہ جب تک چاہیں اس کو طاقت اور اختیارات دیں اور جب چاہیں چھین لیں  
 چنانچہ روزانہ گردش لیل و نہار اور بیداری اور نیند کے تکرار سے اسکو یہ سبق دیا جاتا  
 ہے۔ پس عاقل وہ ہے کہ نیند کی حالت کو بیداری میں نہ بھولے اور یاد رکھے کہ جس نے  
 نیند میں تمام طاقتیں مجھ سے چھین لی ہیں اسی بیداری میں یہ طاقتیں مجھے واپس دی  
 ہیں یہ میسر گھر کی دولت نہیں بلکہ اللہ کے خزانہ رحمت سے مجھے عطا ہوئی ہیں اور میں  
 بیداری کی حالت میں بھی اسکے قبضہ قدرت سے باہر نہیں ہوا بلکہ اسی طرح اس کے  
 قبضہ میں ہوں جس طرح نیند کی حالت میں تھا۔ یہ مطلب، بیداری اور نیند کی  
 حالت کے یکساں ہونے کا پوشخص اسکو سمجھ لیگا وہ بیداری کی حالت میں اپنی قدرت و  
 اختیار کو اللہ کی نعمت سمجھ کر اس کا شکر کریگا اپنے کسی کمال پر ناز نہ کریگا اور خواست

غافل ہو گا وہ نیند کی حالت میں تو جہاد کی طرح مردہ ہو گا اور بیدار ہو کر اپنے کمالات کو ذاتی کمالات سمجھے گا ان پر ناز کرے گا تکبر کرے گا اور اس کو بھول جائیگا کہ رات کو پھر نیند آنے کا کلی ہے جو میکہ تمام کمالات کو سلب کر کے لے جائے۔ اسی طرح مردہ بنا دیگی، نیز جو شخص اس حقیقت کو بیض نظر دے گا وہ بیداری میں اپنی قوت اختیار و عقل وغیرہ کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں حشر نہ کرے گا کیونکہ وہ سمجھ چکا ہے کہ یہ جو کچھ قدرت و اختیار میکہ اندر بحالت بیداری نظر آ رہا ہے یہ خدا تعالیٰ کی عطا ہے اور خدا تعالیٰ کی عطا سے اسی کی نافرمانی میں کام لینا بڑی بے حیائی اور بے غیرتی کی بات ہے خوب سمجھ لو ۱۲ مترجم

اس میں اللہ تعالیٰ کے لطف عظیم  
(۱۵۸) نیند بھی اللہ کی بڑی رحمت ہے  
پر بھی دلالت ہے کہ اس کا لطف

کرم تمام بندوں کے شامل حال ہے نیک ہوں یا بد مکلف ہوں یا غیب مکلف کیونکہ نیند تو سب کے بدن کے لئے راحت ہے، اگر ان کی کسی ضرورت کی وجہ سے نیند کو روک دیا جائے گا تو نافرمانی دنیائے حریفوں تو عمر بھر بھی نیند کو نہ بلاتے اور اس میں ان کی ہلاکت و بربادی تھی کہ رات دن بدن سے اور دماغ سے کام لیتے کسی وقت ان کو آرام نہ دیتے تو پچاس برس میں مرنے والا پچاس ہفتوں یا پچاس دنوں میں ہی ختم ہو جاتا، اس لئے اللہ تعالیٰ سچا ہے خود ہی نیند کو بھیجتے ہیں کسی مقتدر فرشتے وغیرہ کو بھی اس میں دخل نہیں بنتے چنانچہ ارشاد ہے **وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ** وہی تو ہے جو تم کو رات کے وقت نیند کے ذریعہ وفات دے دیتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نیند کو بندوں کے اختیار پر چھوڑ دیتے تو یہ صورت بندوں کے لئے رحمت نہ ہوتی بلکہ عذاب ہو جاتی جیسا اوپر مفصل معلوم ہوا۔ پس اللہ تعالیٰ کا خود ہی نیند کو بھیجنا اس امر نفعت اور رحمت ہی رحمت ہے جس سے کوئی مخلوق محروم نہیں مطیع و عاصی سب ہی اس رحمت سے حصہ لے رہے ہیں۔

الوجد الثانی عشر فیہ دلیل علی عظم لطف المولیٰ الی قرلہ وھوالذی  
یتوفّاکم باللیل۔

ف جو لوگ دوپہر کو یا رات کو یہ سمجھ کر سوتے ہیں کہ نیند بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے جیسا روٹی اور پانی اسکی نعمت ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت سے فائدہ اٹھانا چاہیے اسکی بے قدری اور ناشکری نہ کرنا چاہیے ان کو نیند کی حالت میں بھی ثواب ملتا ہے ان کی نیند دوسروں کی بیداری سے افضل ہے۔ پس اگر تم کسی عارف کو نیند کا اہتمام کرتے دیکھو تو اس سے بدگمان نہ ہو کہ یہ نیند کا کیوں اہتمام کرتا ہے بیداری کا اہتمام کیوں نہیں کرتا تم کو کیا معلوم ہے کہ وہ نیند کا اہتمام کیا سمجھ کر کر رہا ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ عارف نیند کا اہتمام اسی حد تک کریگا جس حد تک صحت کے لئے اسکی ضرورت ہے اس سے زیادہ نہ کریگا جو اس سے زیادہ اہتمام کرے وہ عارف نہیں بلکہ بندہ نفس ہے اور یہاں سے ان سائیکین کی غلطی واضح ہوگئی خوشبخت بیداری ہی کو نعمت سمجھتے ہیں۔ ۱۲ مترجم

(۱۵۹) اللہ تعالیٰ بندوں کی عبادت سے مستغنی ہیں اس میں

بھی دلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی عبادت سے مستغنی ہیں اور اس سے پاک ہیں کہ نافرمان کی نافرمانی ان کو کچھ نقصان پہنچا سکے گی کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ خود ہی بلا واسطہ اپنے نافرمان بندوں پر ان کی نافرمانی کو دیکھتے ہوئے یہ راحت کی نیند نہ بھیجتے اور کام کر نیوالوں کے کام میں نیند کی وجہ سے خلل نہ ڈالتے جبکہ ان کے عمل سے خدا ہی کا نفع تھا، خدا تعالیٰ اس سے بہت بلند و برتر ہے وہ اس سے پاک ہے کہ کسی کے عمل سے اسکو نفع ہو یا کسی کی نافرمانی سے نقصان ہو وہ اپنے بندوں پر کیسے مہربان ہیں کہ دشمنوں اور نافرمانوں کو بھی آرام پہنچاتے ہیں اور ان سے کس قدر مستغنی ہیں کہ کسی عمل اور عبادت سے ان کا کچھ نفع نہیں نفع جو کچھ ہے بندہ ہی کا ہے اسی لئے حق تعالیٰ جب یہ دیکھتے ہیں کہ بندہ کام کر کے تھک گیا ہے اس پر خود ہی نیند کو مسلط کر دیتے اور اسکے عمل کو کچھ دیر کے لئے معطل کر دیتے ہیں تاکہ صحت حاصل کر کے اپنی صحت کو بحال رکھ سکیں۔



قوله الوحيه الثالث عشر في دليل على استغناء الله تعالى عن عباده العباد  
الى قوله ما ارحمهم بعبيد كما واغناهم عنهم

ف ان الله تعالى کی صفت استغناؤہ صفت ہے جس کی وجہ سے مسلمان کو باوجود  
اپنی کوتاہی اور فروگزاشت کے رحمت و مغفرت کی امید دیتی ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ  
میری عبادت پر میرے مولیٰ کا کوئی نفع یا غرض موقوف نہیں اور میری معصیت سے ان کا  
کچھ نقصان نہیں ہوا نفع یا نقصان جو کچھ ہے وہ میل ہی ہے تو اللہ تعالیٰ میرا پران  
آقاؤں کی طرح غصہ نہ کریں گے جن کا نفع نقصان فوکر کی خدمت یا نافرمانی سے وابستہ  
ہوتا ہے۔ بلکہ ان کا غصہ ایسا ہوگا جیسا مہربان طبیب کا غصہ مریض پر ہوتا ہے جسکی اطاعت  
یا نافرمانی سے طبیب کا نفع و نقصان وابستہ نہیں ہوتا یا اس مہربان بادشاہ کی طرح جو  
اسکول کے طلبہ پر غصہ ہوتا ہے کہ وہ اسکول کے امتحان میں فیل کیوں ہوئے اور دلوں  
میں جو فرق ہے وہ کسی مائل پر مخفی نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کی صفت استغنا  
سے مسلمان کو رحمت کا امیدوار ہونا چاہیے مگر افسوس کہ بعض نادان اس صفت کو  
قہر کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً کسی کی جوان موت پر لوگ افسوس کرتے  
ہیں کہ ہائے کیسا جوان مر گیا بیوی بچوں کا کچھ لطف نہ پایا دنیا کی بہار نہ دیکھی تو بوجھے  
بوجھ بھکڑ اس موقع پر فرمایا کرتے ہیں کہ بھائی اللہ کی ذات بڑی بے پردا ہے، اس  
موقع پر اللہ کو بے پردا کہنے کے معنی یہ ہیں کہ ان کو کسی پر رحم نہیں نہ کسی  
کی مصلحت کا لحاظ ہے۔ استغفر اللہ نعوذ باللہ

اللہ تعالیٰ سے زیادہ رحیم کون ہوگا کہ سو سال کے گنہگار اور ہزار سال کے نافرمان  
کافر کو بھی ایک منٹ میں استغفر اللہ او لا الہ الا اللہ کہنے سے ایسا پاک کر دیتے ہیں  
کہ گویا اس نے کچھ کیا ہی نہ تھا اور ان سے زیادہ کون مہربان ہوگا جو دوست دشمن سب  
کو روزی دیتے اور میٹھی نیند سلاتے ہیں اور سوتے ہوئے اپنے بندوں کی اس طرح  
حفاظت فرماتے ہیں کہ ماں باپ بھی ایسی حفاظت نہیں کر سکتے اور ان سے  
زیادہ بندوں کی مصلحت کا کون لحاظ کرے گا۔ جس نے ہوا پانی کو جس پر جان دار

کا مدار ہے سب کے لئے مفت کر دیا اور نیند کو اپنے قبضہ میں رکھا ہے۔ بندے کے اختیار میں نہیں دیا۔ رہا کسی کا بچپن یا جوانی میں مرجانا تو اس کو نادان لوگ خلاف مصلحت سمجھتے ہوں تو سمجھا کریں اللہ تعالیٰ اسکی مصلحت کو تم سے زیادہ سمجھتے ہیں ایک مصلحت تو یہی ظاہر ہے کہ اگر جوانوں کو موت نہ آیا کرتی، بوڑھے ہی مرا کرتے تو جوان موت سے بے فکر ہو کر وہ حرکتیں کیا کرتے کہ تمام عالم فساد سے بھر جاتا۔ جوانوں کو نیک اعمال کی طرف رغبت بھی کم ہوتی کہ ابھی کیا جلدی پڑھی ہے بڑھاپے میں اللہ کو ڈھکی چھپی کر لیں گے۔

مگر اب ہر شخص کو موت کا ڈر لگا ہوا ہے تو جوان بھی بہت ایسے ہیں جن کو طاعات کا اہتمام اور معاصی سے انڈیشہ ہے۔ ہر روز توبہ اور استغفار کی ضرورت ان کے دل میں جی ہوئی ہے کہ شاید کل ہی موت آ جائے تو گناہ سے پاک ہو کر آئے اور اگر بچوں کو موت نہ آیا کرتی بلکہ جتنے بچے پیدا ہوتے سب ہی زندہ رہا کرتے تو آج دنیا میں بسنے کو جگہ بھی نہ ملتی کیونکہ پیدائش کا سلسلہ اس قدر وسیع ہے کہ باوجود شرع اموات زیادہ ہونے کے بھی لوگوں کو دنیا تنگ نظر آتی ہے اور نہ معلوم اس میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک کتنی مصلحتیں ہوں گی غرض اللہ تعالیٰ کے مستغنی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ان کو کسی کی عبادت کی ضرورت نہیں نہ ان کا اس سے کوئی نفع اور نہ کسی کی مصیبت سے ان کا کوئی نقصان

خوب سمجھ لو ۱۲ مترجم

حانمہ مشتمل بر نصیحت  
حضرت مصنف فرماتے ہیں کہ  
میں ہدایت کی طرف نا سمجھ  
لوگوں کو کتنا پکار رہا ہوں اور عقل کے بہروں کو کس قدر نصیحت کر  
رہا ہوں مگر وہ خواہش پر فریفتہ ہیں، حالانکہ خواہش پر جما رہنا

باوجود ضعف کے، جسم کے لئے بیماری ہی بیماری ہے۔ پس اپنے دین کے بیمار بدن کو خالص توبہ کا مکمل ٹائٹل سے تندرست بنا۔

کیونکہ کمزور بدن میں بیماریوں کا جمع ہونا سل اور دق ہے اور وہ سچے کو ہلاک کر دیگا۔ تیرا بھلا ہو تو بیدار ہے یا سو رہا ہے ؟

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں غفلت کی نیند سے بیدار کرے اور ہمارے دلوں کو نسیم محبت سے حیات بخشے اور ہمارے دین کے کمزور حواس کو طاعت کی تریاق سے قوت دے کہ وہی فضل فرمانے والا احسان کر نیوالا ہے



## حیث

## غسل المني من الثواب

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کو دھویا کرتی تھیں پھر فرماتی ہیں کہ میں کپڑے میں اس کا دھبہ یا چند دھبے دیکھتی تھی۔

شرح ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ منی کو دھونا چاہیے اور اس کا دھونا بتلا رہا ہے کہ منی ناپاک ہے اور یہی امام مالک رحمہ اللہ اور ان کے اتباع کا مذہب ہے، (حنفیہ کا بھی یہی مذہب ہے) اور اس حدیث پر چند وجوہ سے گفتگو ہے۔

(۱۶۰) ضرورت شرعیہ کے موقع پر شرمناک امور کا تذکرہ جائز ہے

حدیث سے معلوم ہوا کہ جس چیز کے تذکرہ سے شرم لاحق ہوتا ہو ضرورت کے وقت اس کا تذکرہ جائز ہے، چنانچہ حضرت عائشہ نے منی کا ذکر فرمایا ہے حالانکہ اس کا ذکر شرمناک ہے کیونکہ وہ اس بات کا پتہ دیتی ہے جس کو قرآن اور حدیث نے کنایتہ بیان کیا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے ہن لباس لکم و انتھم

لباس لہن عورتیں تمہارا لباس پہنیں، تم ان کا لباس ہو اور حدیث میں ہے۔ حتیٰ  
تذوق عسلیتہ و یذوق عسلیتک یہاں تک کہ تو اس کا مزہ لے لے اور وہ  
بیزامہ لے لے، لیکن حضرت عائشہؓ نے احکام کی توضیح کے لئے اس کا ذکر صاف  
صاف فرمادیا۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

نعم النساء نساء الانصار لم يمنعهن الحياء ان يتفقهن  
فی الدین .

کیسی اچھی عورتیں ہیں انصار کی عورتیں کہ ان کو حیاء (دشہرا) دین کی سمجھ  
مائل کرنے سے مانع نہیں ہوتی ۔

قوله الوجه الثالث دلیل علی جواز ذکر ما یجمل ذکرہ الی قوله ان  
یتفقن فی الدین

ف۔ بعض صوفیہ کے کلام میں فحش حکایات اور فحش امثال جو وارد ہیں ان کا یہ عمل  
ہے کہ ان حکایات و امثال سے جو نتیجہ اخذ کیا گیا ہے وہ بہت فرو کی بات تھی اور اس  
کے لئے اس سے بہتر صورت سمجھانے کی نہ تھی اور مسائل شرعیہ میں مئی یا جہتیری اور بیض  
نفاس کا ذکر تو جس ضرورت سے کیا جاتا ہے اس پر یہ حدیث پوری روشنی ڈالتی ہے اور  
اس قسم کی حدیثیں ایک دو نہیں سینکڑوں ہیں، پس اگر بہشتی زیور میں ایسے مسائل  
کا ذکر آگیا ہے جن کی غورتوں کو سخت ضرورت پڑتی ہے تو کیا جرم ہوا مگر جن کو دین  
کی ضرورت اور اس کا انتہام ہی نہ ہو وہ اس کے متعلق جو چاہیں کہیں مگردل میں یہ سوچ لیں کہ وہ  
ان احادیث اور کتب فقہ کے متعلق کیا کہیں گے جن سے بہشتی زیور میں یہ مسائل لئے

ع۔ یہ ایک عورت کے مقدمہ میں ہے جس کو پہلے شوہر نے تین طلاق دے دی تھی اور  
وہ دوسرے شخص سے نکاح کر کے اس سے طلاق لے کر پہلے شوہر کے نکاح میں جانا  
چاہتی تھی حضورؐ نے فرمایا کہ دوسرے شوہر سے علیحدگی اس وقت تک مغنہ نہ ہوگی جب تک وہ  
جہتیری کے بعد طلاق نہ دے اگر اس سے پہلے طلاق ہوئی تو دوسرے شوہر سے نکاح درست نہ ہوگا

گئے کیونکہ اگر ہندوستان کی عورتیں ان کو نہیں سمجھتی ہیں تو عرب اور مصر و شام کی عورتیں تو ان کو ویسا ہی سمجھتی ہیں جیسا ہندوستان کی عورتیں بہشتی زلیو کو۔ اللہ تعالیٰ ان معتزمین کو ہدایت دے کہ ہنر بھی ان کی نظر میں عیب ہی معلوم ہوتا ہے۔ چشم بد اندیش کہ برکنہ باد عیب نماید منشیں در نظر

(۱۶۱) پائی ناپاکی کے معاملہ میں شریعت نے سہولت رکھی ہے

کاوش کو پسند نہیں کیا حدیث میں نجاسات کے معاملہ میں سہولت اور تیسیر پر بھی دلالت ہے اور یہ کہ ہم اسی بات کے مکلف ہیں جو ہم کو نظر آجائے اور نفس کو احتمالات کے درپے نہ ہونا چاہیے کیونکہ حفت و عاشقہ کپڑے کا وہی حصہ دھوئی مقبہ جہاں منی نظر آتی حالانکہ یہ احتمال ہو سکتا تھا کہ شاید کپڑے میں کسی اور جگہ بھی لگ گئی ہو اور نظر نہ آئی ہو اس احتمال پر سارا کپڑا دھونا چاہیے تھا مگر ایسا نہیں کیا اسکی زیادہ توضیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر ہوتی ہے

الظنح ظہور کا شک نہ

(شک کی جگہ پر پانی کا چھڑک دینا بھی پاک کر دیتا ہے اس میں کچھ شبہ نہیں کیونکہ اس جگہ پانی چھڑکنے کا اس کے سوا کیا فائدہ ہے کہ دل کی کھٹک جاتی ہے اور جس ناپاکی کا یقین نہیں ہے وہ معاف ہو جائے کیونکہ ناپاکی اگر کپڑے کے اس حصہ کو لگ چکی ہے تو محض پانی چھڑکنے سے وہ نازل نہیں ہو سکتی جب تک اچھی طرح دھو کر نہ چھوڑا جائے اور اگر شبہ نہیں لگی تھی تو پانی چھڑکنے سے پاکی میں کچھ زیادتی نہیں ہوتی :-

قوله الوجه الرابع قیہ دلیل علی التیسیر فی الامرا لنجاسات الی قوله

فليس المار يذير في طهارة شيئاً

ف حاصل یہ ہوا کہ جس جگہ ناپاکی لگے کا یقین ہو جائے اس کو اچھی طرح دھو دینا چاہیے

جہاں شبہ ہو وہاں معمولی طور پر پانی چھڑک دینا چاہیے تاکہ دل کی کھٹک دور ہو جائے

یہاں سے ان صوفیوں کی غلطی واضح ہو گئی جو پاکی ناپاکی کے معاملہ میں بہت کاوش کرتے ہیں ذرے شے میں سائے پکڑے کو دھوئے اویٹام بدن کو گھڑوں پانی سے پاک کرتے ہیں اس کاوش کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دوسرا دروہم بڑھ جاتا ہے تو بعض دفعہ بلکہ اکثر اوقات ان دہمیوں کو محبت کی نماز بھی نہیں ملتی اور بعض کی تو ماریں تشعل ہو جاتی ہیں۔

خدا اس جہل سے بچائے اور وسوسہ اور وہم کسی پر مسلط نہ کرے کہ ایسا شخص ہمیشہ پریشان رہتا ہے۔ کبھی حلاوت کے ساتھ نہ لے نہیں پڑھ سکتا شیطان نے ان کا دلہ مار رکھا ہے مگر وہ سمجھتے ہیں کہ ہم بڑا کام کر رہے ہیں ہم سے زیادہ کسی کو طہارت کا اہتمام نہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ اس غلو نے ان کو نماز کی حلاوت ہی سے محروم کر دیا ہے جس کے لئے وضو اور غسل وغیرہ شرط کے درجہ میں ہیں۔ پس شرط کا اتنا اہتمام جس سے اصل مقصود ہی جاتا ہے کہاں کی بندرگی ہے ۱۲ مترجم

### کوٹ کو شوھر کی خدمت کرنا جائز ہے

(۱۶۲) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شوھر کو بیوی سے خدمت لینا یا خوراک کو شوھر کی خدمت کرنا جائز ہے جب کہ وہ خوشی سے کرے گو وہ کسی ہی معزز خاندان کی ہو، یہ مسئلہ حدیث کے اس لفظ سے ماخوذ ہے **کنت اغسل** یعنی حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں حضور کا کپڑا دھویا کرتی تھی اور ظاہر ہے کہ کپڑا دھونا خدمت ہی میں داخل ہے اور حضرت عائشہ کو جیسی رفعت حاصل تھی وہ ظاہر ہے۔

قوله الوجه السابع فيه دليل على خدمت المرأة زوجها الى قوله واي رفعة مثل رفعة هذه السيدة .

ف صوفیہ کا مذاق اس باب میں مختلف ہے بعض اپنی بیویوں سے خدمت لینا گوارا کرتے ہیں کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ وہ خوشی سے خدمت کرتی ہیں۔

بعض اس کو گوارا نہیں کرتے گو وہ جانتے ہیں کہ بیوی خوشی سے خدمت کرتی ہے مگر احتیاطاً اس سے پرہیز کرتے ہیں کہ شاید کسی وقت گرالی ہو اور شرما شرمی خدمت کرے۔ یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو اپنی خدمت کو بیوی کے ذمہ واجب سمجھتے ہیں حالانکہ بیوی خدمت کے لئے نہیں بلکہ محض انس حاصل کرنے اور استمتاع کے لئے ہے۔

فَالْتَعَالَى هَذَا لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسِ لَهْنِ  
 وَقَوْلُهُ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ زَوَاجًا لَتَسْكُنُوا  
 إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً ۚ ۱۲ مترجم

**نہ**



## باب بست ۲۲

### حیض

### غسل الحيض

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ ہم میں سے کسی کو حیض آتا تو حیض ختم ہونے کے بعد پاکی کے وقت وہ خون کو اپنے کپڑے سے کھرچ دیتی پھر اس کو دھو ڈالتی اور باقی کپڑے پر پانی چھڑک دیتی پھر اس میں نماز پڑھتی۔

**شرح** ظاہر حدیث خون حیض کے دھونے کو بتلا رہا ہے جس سے اس کا ناپاک ہونا معلوم ہوا اور یہ کہ جس کپڑے میں عورت کو حیض ہوا ہو اس میں دھونے کے نماز پڑھ سکتی ہے۔ اس حدیث پر چند وجوہ سے گفتگو ہے :

یہ ارشاد کہ خون کو کپڑے سے کھرچ دیتی، اس لئے ہوا کہ خون کو کپڑے سے چھڑانے کا یہ طریقہ آسان ہے۔ چنانچہ مشاہد ہے۔ کیونکہ دلائل رجاست کا ادل (۱۶۳) کھرچ دینا پیرو ہونا زیادہ مفید ہے۔ اگر کھرچنے سے پہلے اس پر پانی بہایا جائے گا تو کپڑے میں ناپاکی زیادہ پھیل جائے گی اور اس پر چند فقہی مسائل مرتب ہوتے ہیں

محمد ان کے ایک یہ ہے کہ دلدار ناپاکی کے دھونے کا بہترین طریقہ بلکہ سنت یہ ہے کہ دھونے سے پہلے اس کو کھرج دیا جائے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تمام امویس سنت یہ ہے کہ آسان طریقہ اختیار کیا جائے چونکہ یہ عورت نجاست و در کرنے کی آسان عورت تھی اس لئے حضرت عائشہ نے اس کو اختیار فرمایا اور دوسروں کو بھی بتلایا دیا تاکہ اس میں انکی اقتدار کی جائے، اسکی تائید ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے جس میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔

ما خیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین امرین الا اختار  
الیرحمنا فالیرحمنا انما فان کان اشملکما ان ابعدا الناس منه

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کبھی دو صورتوں میں اختیار دیا گیا تو آپ نے دونوں میں سے آسان کو پسند فرمایا بشرطیکہ گناہ نہ ہو اور اگر گناہ ہوتی تو آپ سب زیادہ اس سے دور رہتے تھے۔

الوجه الرابع قولهما ثم تفرض الدم والوجه الخامس  
يؤخذ مندات السنة في الامور ان يؤخذ باليسر الى  
قولها كانت ابعدا الناس منه

ف یہاں ایک شبہ ہو سکتا ہے وہ یہ کہ جب حضور کو دو صورتوں کا منجاب اللہ اختیار دیدیا گیا تو ان میں سے کسی کا گناہ ہونا کیونکر ممکن ہے ورنہ لازم آئے گا کہ حق تعالیٰ نے گناہ کا بھی اختیار دیا۔ جواب یہ ہے کہ بعض دفعہ کوئی عورت خود تو گناہ نہیں ہوتی مگر گناہ کی طہر مفتی ہو جاتی ہے حضور اس سے بھی دور رہتے تھے۔ دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ کسی وقت حضور کا امتحان لیا گیا ہو اور امتحان کے وقت دونوں صورتیں جائز ہوں مگر اسندہ ان میں سے ایک عورت نہ ہوں میں داخل ہوئے تعالیٰ ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بھی دور رہتے تھے جیسا حدیث میں

ہے کہ شب معراج میں آپ کے سامنے دو پیالے پیش کئے گئے ایک میں دودھ  
 تھا ایک میں شراب تھی اور اس وقت تک شراب حرام نہ تھی مگر حضور نے دودھ  
 کو اختیار فرمایا شراب کو واپس فرمادیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم  
 و یہاں یہ شبہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک حدیث میں آیا ہے

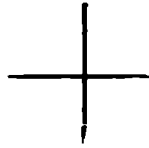
افضل العباد احمدھا وفي النعایة لا بن الاثیر عن ابن عباس  
 بلفظ سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای الاعمال افضل  
 قال احسنھا ای اتواھا واستدھا کذا فی المقامد

الحسنۃ عدد ۳۳

یعنی اعمال میں افضل وہ ہے جو زیادہ دشوار اور سخت ہو، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 آسان کو کیوں اختیار فرماتے۔

اگر یہ حدیث ثابت ہو تو جواب یہ ہے کہ آسان کام بھی ہر وقت آسان نہیں ہوتا  
 بعض وقت دشوار ہوتا ہے۔ اسی طرح جماعت سے نماز پڑھنا فی نفسہ آسان ہے  
 مگر بعض دفعہ سردی وغیرہ کی وجہ سے دشوار ہو جاتا ہے۔ پس سردی کا وٹو گرمی کے  
 وضو سے افضل ہے۔ اسی طرح سردی کے موسم میں عشاء و صبح کی جماعت گرمی کی  
 جماعت سے افضل ہے۔ خلاصہ یہ کہ آسان کام بھی پابندی کی وجہ سے بعض اوقات  
 دشوار ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس عمل کو اختیار فرما لیتے تھے اس کی  
 پوری پابندی فرماتے تھے خواہ نفس کو راحت ہو یا تکلیف، پس تکلیف کی حالت میں  
 معمولات کی پابندی کرنا راحت کی پابندی سے افضل ہے۔ پس اعمال میں دشوار  
 اور سخت کا افضل ہونا یا اس معنی ہے کہ عمل کی پابندی کرنا افضل ہے کیونکہ پابندی  
 نفس کو گراں ہے گو عمل آسان ہی ہو۔ دوسرے یہ بھی جواب ہو سکتا ہے کہ مقامہ میں

تو افضل وہ ہے جو دشوار اور شاق ہو اور وساکیں میں افضل وہ ہے جو آسان ہو۔  
 کیونکہ وسائل خود مقتود نہیں ہوتے مثلاً سردی کے موسم میں حما کے اندر گرم پانی بھی  
 موجود ہے اور حوض میں ٹھنڈا پانی بھی موجود ہے تو اس وقت گرم پانی سے وضو کرنا  
 افضل ہے خواہ ٹواہ ٹھنڈے پانی سے وضو کرنے کی ضرورت نہیں پھر سردی میں کھڑا  
 ہو کر تہجد پڑھنا دشوار ہے اور بیٹھ کر پڑھنا آسان ہے تو یہاں کھڑا ہو کر پڑھنا افضل  
 ہے کیونکہ نماز مقاصد میں سے ہے واللہ تعالیٰ اعلم والحواب الثانی من افاضات حضرت  
 سیدی حکیم الامتہ دام مجدہ وغلاہ۔



## باب بست و سوم

## حیض

## کیفۃ الاغتسال من الحيض

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک انصاری عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ حیض کے بعد میں کیونکر غسل کروں فرمایا نہانے کے بعد کپڑے کے ٹکڑے کو مشک سے آلودہ کر کے اس سے صفائی کر لیا کرو، تین بار فرمایا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شرمائے اور اپنا منہ منہ پھیر لیا یا منہ پھیر کر فرمایا کہ اس سے صفائی کر لیا کرو۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں پھر میں نے اس عورت کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب اسکو سمجھا دیا۔

شرح ظاہر حدیث بتلوار ہے کہ خون حیض میں خاص قسم کی بدبو ہوتی ہے جو تنہا پانی سے زائل نہیں ہوتی بلکہ اسے لئے مشک وغیرہ کے استعمال کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور مشک خصوصیت کیساتھ رجم کے لئے مفوی بھی ہے اس حدیث میں چند جوء سے کلام ہے۔

## (۱۶۴) جہاں توضیح کی ضرورت ہو وہاں صفاتی حکم شرعی

بیان کیا جائے شرم نہ کی جائے حدیث سے معلوم ہوا کہ جن چیزوں کا حکم بدون دغاحت کے معلوم نہ ہو سکتا ہو ضرورت کی وجہ سے اس کو مجبوراً بیان کیا جائے گا اگرچہ اس کے ذکر سے شرم آتی ہو یا اس کا ذکر ناگوار ہو۔

قوله الوجه الثالث فيه دليل على ان الامور التي لا يدرك معرفة الحكم فيها الى قوله فلا بد من اجل الضرورة

ف حضرات صوفیاس سنت پر عامل ہیں وہ ضرورت کے مقام پر عرفی شرم کی رعایت نہیں فرماتے بلکہ احکام کو ساتھ ساتھ بیان فرماتے ہیں۔ سنت مولانا عبدالحی بڑا نوری رحمۃ اللہ علیہ سفر میں پہلی پر سوار تھے۔ آپ کی اہلیہ بھی ہمراہ تھیں نماز کا وقت آیا تو بیوی کو پہلی سے اتارا اور برقعہ پہنا کر نماز پڑھائی پھر بارواں بلند فرمایا کہ صاحبو! یہ عبدالحی کی بیوی ہے دیکھ لو نماز کے واسطے اتر رہی ہے یہ کہنا تھا کہ سائے قائلہ کی عورتیں بہلیوں سے اترا کر زمین پر نماز پڑھنے لگیں وہ نہ سب گاڑی ہی میں نماز پڑھ لیتیں زمین پر نہ اترتیں۔ پس گو مولانا کا یہ فرمانا کہ یہ عبدالحی کی بیوی ہے دیکھو عرفاً شرمناک تھا مگر ضرورت تبیلغ احکام کے لئے آپ نے اس کو گوارا فرمایا۔

(۱۶۵) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ بڑوں کے سامنے چھوٹوں کا کسی کو تعلیم دے دینا (۱۶۵) تعلق کرنا جائز ہے لیکن یہ اس وقت ہونا چاہیے جبکہ بڑے نے حکم بتلادیا ہو مگر مخالف سمجھا ہو تو چھوٹا اس کو سمجھا دے تو یہ دراصل ان کی خدمت کی قسم ہے ہوگا خصوصاً ایسی بات میں جس کی تفصیل سے بڑے کو شرم آتی ہو اور چھوٹے کو شرم نہ آتی ہو کیونکہ عورتیں آپس میں باتیں کرتے ہوئے نہیں شرماتیں جیسا مردوں سے بعض باتوں میں شرماتی ہیں۔

قوله الوجه السابع يؤخذ منه تعليم المفضول بين يدي الفاضل الى  
قوله كما يقع من حديث ابن عباس

(۱۶۵) انسان کو اپنے عیوب چھپانے چاہئیں

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کو اپنے عیوب چھپانے چاہئیں اگر وہ فطری ہی کیوں نہ ہوں یہ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ پوچھنے والی کو یہ ارشاد فرمایا کہ خونِ حقیق کی بدبو کو مشک کے ذریعہ سے دود کرنا چاہیے حالانکہ یہ بدبو فطری اور غیر انتہائی ہے اس کو بھی خوشبو چھپانے کا حکم ہوا مگر اس میں شرعاً یہ قید بھی ہے کہ عیب کا چھپانا اسی طریقے سے ہو جس کی شریعت اجازت دے مکرو فریب یا جھوٹ اور ناجائز طریقہ سے نہ ہو کہ اسکی اجازت نہیں۔ ہمارے اس قول کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے جو آپ نے ایک شخص کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا تھا

اذا غضبت فاسكت  
کہ جب تم کو غصہ آیا کرے خاموش  
ہو جایا کر دو۔

کیونکہ غصہ عیب ہے اور خاموشی اس کے لئے پردہ ہے یہ نہیں فرمایا کہ جب تم کو غصہ آیا کرے تو غصہ کا اقرار نہ کر دو بلکہ انکار کر دیا کرو یا اپنی بات کو بنایا کر دیکونکہ یہ طریقہ ناجائز ہے اور اگر تلاش کر دو گے تو شریعت میں تم کو اس کی بہت سی مثالیں ملی گی جن میں جائز طریقہ سے عیب کو چھپانے کا حکم ہے۔ اسی لئے حضرات عوفیہ نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ اپنے نفس کی طرف داری نہیں کرتے اسکی خواہش کو پورا نہیں کرتے کیونکہ غفلت کے نزدیک نفس کی خواہشیں عیب میں داخل ہیں تو اس عیب کو اس طرح چھپایا کہ نفس کی حمایت نہ کی اور اس کی خواہش پوری نہ کی یہاں تک کہ بعض بزرگوں کی نسبت نقل کیا گیا ہے کہ کسی نے ان کو گالی دی تو بات کو مائل گئے۔ اس نے کہا میں آپ ہی کو تو کہہ رہا ہوں بزرگ

نے فرمایا کہ میں بھی سنجیدہ کی مثال رہا ہوں اس قسم کی باتیں بزرگوں سے بہت منقول ہیں  
 قوله الوجه الثامن فيه دليل على ان السر مطلوب منه ستر عيوبه  
 الى قوله وهذا عنهم كثير۔

ف یہاں سے ان لوگوں کی غلطی معلوم ہو گئی جو لوگوں کے سامنے اپنے گناہوں  
 کا تذکرہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب خدا سے پردہ نہیں تو مخلوق سے کیا پردہ اور  
 یہ نہیں سمجھتے کہ خدا ہی نے پردہ کا بھی حکم دیا ہے۔ اگر پہلے تم نے ایک گناہ کیا تھا  
 تو اس کو ظاہر کر کے دوسرا گناہ کیا اس لئے مخلوق سے پردہ کی ضرورت ہے۔

حدیث معجم میں آیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے گناہ اس کے  
 سامنے گنائیں گے اور وہ اقرار کریگا اور سمجھے گا کہ میں ہلاک ہو گیا پھر اللہ تعالیٰ  
 فرمائیں گے کہ جاؤ میں نے دنیا میں تمہاری پردہ پوشی کی دسوا نہیں کیا یہاں  
 بھی پردہ پوشی کرتا ہوں اور سب گناہوں کو معاف کرتا ہوں۔

پھر حکم ہو گا کہ اس کو جنت میں لیجاؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ گناہوں پر پردہ  
 پڑا رہنا ہی بڑی نعمت ہے تو یہ کتنی بے حیائی ہے کہ انسان خود ہی اپنا پردہ کھینچ لے  
 پھرے۔ جب شریعت نے فطری عیوب کو چھپانے کا بھی حکم دیا ہے تو اختیاری  
 گناہ کا ظاہر کرنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟

ف عیوب کو چھپانے کا مطلب یہ ہے کہ بلا ضرورت ان کو ظاہر نہ کیا جائے  
 ضرورت کے موقع پر ظاہر کرنے کی اجازت ہے۔ مثلاً کسی کے پردہ کی جگہ پر زخم ہو  
 یا دمل ہو تو جراح یا ڈاکٹر کے سامنے اس کو کھولنا جائز ہے اسی طرح کسی کے  
 دل میں دنیا کی محبت یا گناہوں کی رغبت ہے یا حرص و حسد و کبر و بیا کا  
 مرض ہے تو شیخ مصلح کے سامنے اظہار کی اجازت ہے بلکہ ضرورت ہے لیکن اس  
 کے سامنے مختصر مرض کو ظاہر کرنا چاہیے۔ واقعات کو ظاہر نہ کیا جائے مثلاً یوں نہ کہے  
 کہ میرے دل میں گناہوں کی رغبت ہے اس لئے میں نے ایسے ایسے کام کئے اور فلاں  
 سے یوں کیا فلاں کے ساتھ اس طرح تعلق رکھا کیونکہ امراض کے بتلانے میں واقعات



کی تفصیل کو کچھ غفل نہیں ہشتہ اجمالی بیان کافی ہے۔ البتہ اگر شیخ اس مرض کا درجہ معلوم کرنے کے لئے تفصیل دریا منت کرے اور اسکی فردست سے بھی تو اسوقت تفصیل کی بھی اجازت ہے جیسا جراح کے سامنے پردہ کی جگہ کا زخم کھولنا جائز ہے۔  
خوب سمجھ لو ۱۲ مترجم

ف اپنے نفس کی طرفاری کرنا سخت مرض ہے ایسا شخص کبھی اصلاح نفس سے کامیاب نہیں ہوتا کیونکہ وہ شیخ کے سامنے بھی اپنے غیوب کی تاویل کرتا ہے اور غلطی کا اعتراف نہیں کرتا۔ مردودہ ہے جو ہمیشہ اپنے نفس سے بدگمان ہے اسکی طرفاری نہ کرے اور غلطی کا اعتراف کرنے میں ذرا تاامل نہ کرے۔ علماء، ظاہر اور طلبہ میں اپنی بات کی پیچ اور نفس کی طرفاری کا مرض زیادہ ہوتا ہے الا من عصمہ اللہ تم دیکھو گے کہ بہت سے علماء اس وقت ہندوستان میں اپنی سیاسی غلطی کو سبھہ چکے ہیں، ان کا ضمیر جانتا ہے کہ جس راہ وہ چل رہے ہیں اسلام اور مسلمانوں کے لئے سخت مضر ہے وہ مسلمانوں سے کٹ کر مشرکوں میں جا ملے ہیں اپنی اسلامی جماعت کو بدنام کرتے ہیں اور کافروں کی جماعت کو قوت پہنچاتے ہیں اور جس آزادی کا راگ وہ گاتے ہیں اسکی حقیقت اس سے زیادہ نہیں کہ اکثریت آزد ہوگی اور اقلیت غلام۔ یعنی مشرکین آنداد ہوں گے اور مسلمان محکوم و غلام ہوں گے مگر بات کی پیچ اور نفس کی طرف داری ان کو حق کی طرف آنے سے ممانعت

فالی اللہ المشتکی



## حیث

## خلق الجنین فی بطن امہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کے رحم پر ایک فرشتہ مقرر فرمایا ہے جب اس میں مرد کا نطفہ پہنچتا ہے، وہ کہتا ہے اے رب نطفہ ہے، اے رب علقہ بن گیا ہے، اے رب مضغہ بن گیا ہے پھر جب اللہ تعالیٰ اسکی خلقت کو پورا کرنا چاہتے ہیں تو فرشتہ عرض کرتا ہے اے رب لڑکا ہے یا لڑکی، بدبخت ہے یا نیک بخت پھر لو چھتا ہے رزق کی مقدار کیا ہے، پھر لو چھتا ہے عمر کتنی ہے، پس یہ سب اسکی ماں کے پیٹ ہی میں کھدیا جاتا ہے۔

**شرح** ظاہر حدیث بتلادہ ہے کہ اللہ عزوجل نے رحم پر ایک فرشتہ مقرر فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ کو جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے سچہ کی ہر حالت کی اطلاع کرتا ہے جب وہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم اسکی کمال پیدائش تک پورا ہو جائے اس پر

چند وجہ سے گنگوہے ۔

(۱۶۶) اللہ تعالیٰ کا لطف اس وقت ہمارے شامل تھا جب

ہمیں اپنی خبر بھی نہ تھی اس حدیث میں دلائل ایمان اگر غور کر دے  
بہت ہیں۔ رہا اس سوال کا جواب کہ ان امور

کی ہمیں خبر دینے میں کیا حکمت ہے اور اس پر کیا احکام شرعی مرتب ہوئے ہیں؟ تو  
من جسد اور حکمتوں کے ایک یہ ہے کہ اس میں ہماری ابتداء پیدائش کو اور ہمارے  
ضعف کو بتلایا گیا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ہمارے اوپر کیسا لطف و کرم ہے اور اس  
کے اطاعت کس طرح ہم کو گدیگر ہوئے ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کرام کو تمام  
احوال میں ہمارے لئے مسخر فرمادیا ہے (یعنی ان کو ہمارے کام میں لگا رکھا ہے) ہمارے  
عقل و شعور کی حالت میں بھی اور بے عقلی و عدم شعور کی حالت میں بھی چنانچہ اللہ  
عزوجل کا ارشاد ہے ۔

و سخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعاً منہ  
اللہ نے تمہارے لئے ان چیزوں کو مسخر فرمادیا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور  
زمینوں میں (یعنی سب کو) اپنے احسان و فضل سے (تمہارے کام میں لگا رکھا ہے)  
اس میں لطیف پیرایہ سے بندہ کو عبادت کی طرف بلایا گیا ہے اور اس کے لئے  
دلوں کو کھول دیا گیا ہے کیونکہ جب بندہ دیکھتا ہے کہ اس جلیل الشان آقا کا جو  
غنی اور مستغنی ہے مجھ پر اس قدر لطیف و کرم ہے تو عبادت اس پر آسان ہو جاتی  
اور اس بادشاہ کے دربار میں پہنچنے کی طلب اور رغبت پیدا ہوتی ہے جس نے ایسے  
وقت میں اس کو معزز فرمایا ہے جب یہ اپنے آقا کو جانتا بھی نہ تھا نہ اس کی  
عبادت کرتا تھا پھر اب کیا کچھ لطف ہو گا جب یہ اس کی عبادت کرتا ہے اور اس کے  
بعد جب حق تعالیٰ کا یہ ارشاد سنتا ہے

ان الذین امنوا و عملوا الصالحات اولئک ہم خیر البریۃ

کہ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے یہی تمام مخلوق سے بہترین  
توحیا اور محبت اور اشتیاق و رغبت و محبت سے گچھل جاتا ہے۔  
قولہ الوجه الثالث نہ من الأدلة الایمانیة اذا تاملت جمل کثیر  
الی قولہ ذاب حیاء وحباً و اشتیاقاً و رغبۃ و هیبة

ف مولانا دمی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا ہے ۵

ما بودیم و تقاضا ما بود لطف او ناگفتہ ما می شنود  
اللہ تعالیٰ کی عنایات و انطاف ہمکے او پر اس وقت سے ہیں جب کہ ہم  
کو اپنی خبر ہی نہ تھی اور حقیقت تو یہ ہے کہ ہم کو اپنی پوری خبر اب بھی نہیں،  
کیونکہ انسان جسم کا نام نہیں بلکہ روح کا نام ہے اور روح کی حقیقت کسی کو آج تک  
معلوم نہیں یہ ایک سر بستہ ماذ ہے جسکی خبر انبیاء علیہ السلام کو ہو تو ہو پس  
اللہ ہی کو ہماری حقیقت کی خبر ہے اور وہی اپنی ہر بات سے ہماری تمام ضروریات کا  
انتظام فرماتے ہیں مگر انسان کس قدر غافل ہے کہ دنیا بھر کو راضی کرنے کی فکر میں  
ہے اپنے مولا کو راضی کرنے کی فکر نہیں کرتا جس نے اس کو پیدا کیا۔ اور اس کے اندر  
روح ڈالی جسکی وجہ سے تمام عالم پر اسکی حکومت ہے مگر یہ نادان سمجھتا ہے کہ میں اپنی  
عقل اور تدبیر سے سب کچھ کرتا ہوں حالانکہ اس کو اب تک یہ بھی خبر نہیں کہ عقل  
ہے کیا چیز اور وہ کیونکر اسکی رہنمائی کرتی ہے ۵

انت کالدریج و خن کا لغبا عینھا تخفی و غبراھا جہار  
ما ہم شیراں ولے شیر علم حملہ شان از باد باشد و مبہم  
حملہ شان پیدا و ناپیدا است باد حرکت ناپیدا است یارب کم مہا  
اے از دلِ ما۔ یہ مضمون تصوف اور سلوک کی جڑ ہے ساکین کو ہر وقت اسے  
پیش نظر رکھنا چاہیے۔

۱۶۷) انسان کی پیدائش جن طبقات سے گذر کر ہوتی ہے اس میں

ان تغیرات و ادوار میں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہماری

پیدائش کو شروع کیا اللہ تعالیٰ کی قدرت ہمارے اندر اور تمام مخلوقات کے اندر ظاہر ہوتی ہے اور عقل کی رسائی کو اس قدرت کے ادراک سے روکنے یا گیلے سے اس حصے کے جس تک رسائی اپنے فضل سے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی اور جس کی یہ قدرت ہے اس نے اپنی ذات و صفات کے احاطہ سے مخلوق کی امید کو قلعہ کر دیا ہے

تعالیٰ عما یقول الظالمون علواً کبیراً

اللہ تعالیٰ اس بات سے پاک اور بلند ہے جو ظالم لوگ کہتے ہیں

کہ بعض لوگ اس کے لئے جہت و مکان وغیرہ صفات اجسام ثابت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس بات کو ظاہر کر دیا کہ ان مخفی تغیرات میں جو بحالت نطفہ انسان پر طاری ہوتے ہیں اور اس حالت میں جو عقل و بلوغ اور حد تکلیف کو پہنچنے کے بعد ہوتی ہے کیا نسبت ہے؟ اس وقت یہ صور حیوانیہ انسانہ بڑی اور مغز اور گوشت پوست اور رگوں بالوں اور جگر اور قوت اور عقل و فکر و شہوت اور ہر قسم کے تصرف اور پکڑنے کے طاقت پر اور ان تمام چیزوں پر جو حسن صنعت کو ظاہر کرتی ہیں مشتمل ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

لقد خلقنا الانسان من احسن تقویم

ہم نے انسان کو سب سے اچھے شکل و صورت میں پیدا کیا ہے۔ پھر اس

پہلی حالت کو دوسری حالت سے اور پہلی پیدائش کو اس دوسری صورت سے کیا نسبت ہے۔ اللہ تعالیٰ چلوں کی بابت فرماتے ہیں جب کہ وہ اچھی طرح پک جائے

انظروا الی ثمرہ اذا اکثمر و ینعه

’دیکھو درخت کے پھل کو جب وہ پھل دیتا ہے اور اس کے پچنے کو دیکھو‘  
 مطلب یہ کہ ہے پھل کو اس حالت میں دیکھو جب وہ درخت سے نکلنا ہے  
 پھر اس وقت بھی دیکھو جب وہ اچھی طرح پک جاتا ہے تاکہ اس حالت کو پہلی  
 حالت سے اور درخت سے اگنے کی حالت سے کیا نسبت ہے۔ ہمارے مشاہدہ  
 میں تو یہ دونوں حالتیں متباہن ہیں ایک کو دوسری سے کچھ بھی نسبت نہیں۔  
 پس گویا اللہ تعالیٰ اپنے زور و ارکلام کے مدلول سے یوں فرماتا ہے ہیں کہ کیا تم  
 کو اتنی بھی خبر نہیں کہ یہ سب کچھ غرض قدرت حق سے ہوا ہے نہ درخت کی جڑ سے  
 ہوا نہ پانی سے۔ پس اس کو دیکھو جسکی قدرت سے سب کچھ ہوا اسی کی طرف جھکو،  
 اسی کی اطاعت کرو (اسی کے حوالہ اپنے آپ کو کرو) پھر اس کے بعد بڑھاپے کی  
 حالت آتی ہے تو سارا معاملہ اُلٹ جاتا ہے، قوت ضعف سے بدل جاتی اور  
 تمام احوال میں کمال کی جگہ نقصان آجاتا ہے۔ باوجودیکہ جسم اپنی بناوٹ پر  
 ہی رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس حالت کی خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے

ثم جعل من بعد قوۃ ضعفاً و شیبۃ

پھر اللہ نے قوت کے بعد ضعف اور بڑھاپا (انسان پر) مسلط کر دیا  
 عبرت لینے والوں نے اس سے عبرت لی نصیحت قبول کرنے والوں نے نصیحت حاصل  
 کی اور غفلت والے جہالت کی تاریکیوں ہی میں رہ گئے ان کو بجز خواہش نفس  
 کے کچھ نظر نہیں آتا علوم و معارف کے بارہ میں وہ ایسے ہیں جیسے گدھا کتابیں کمر  
 پر لٹا ہے، اور بعضوں کی تو یہ حالت ہے جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے۔

ان هم اولا کمال نعم بل هم

کہ وہ بالکل جانوروں جیسے ہیں بکدان سے بھی زیادہ بیوقوف اسی لئے اللہ جل جلالہ  
 فرماتے ہیں

وکان من اية فی السموات والارض یہود علیہا

وہم عنہا معرضون

”آسمانوں اور زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں جن پر یہ لوگ گزرتے  
ہیں منہ پھرتے ہوئے (بہنجی کرتے ہوئے) یعنی غافل ہو کر گزرتے ہیں  
(ان نشانوں سے عبرت حاصل نہیں کرتے)

قوله في الوجه الثامن و يترتب على هذا الاخبار بهذه التطويرات  
الى قوله اى غافلون

و انسان کا ابتدائے خلقت ایسی غیبی ہے کہ اگر روزمرہ مشاہد میں نہ آیا کرتی  
تو لوگ دور دور سے سچم کو دیکھنے آیا کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلی وحی میں اسی  
کی طرف ہم کو متوجہ کیا ہے

اقراء باسم ربك الذي خلق  
الانسان من علق  
اپنے رب کا نام لیکر پڑھو جس نے تمہیں مخلوق کو پیدا کیا، انسان کو  
خون بستہ سے پیدا کیا۔

ہر مسلمان کو عموماً اور سادگان کو خصوصاً ان حالات و تغیرات و تطورات میں غور  
کرنا اور ان سے عبرت حاصل کر کے معرفت کو ترقی دینا چاہیے۔ اللہ انسان  
ابتداء میں کیا ہوتا ہے اور جوانی میں کیا سے کیا بن جاتا ہے؟ پھر اس غفلت کو  
بھی دیکھو کہ انسان کتنی جلدی اپنی ابتداء کو بھول جاتا ہے اور جوانی کے غرور و تکبر میں  
مبتلا ہو کر خدا سے ایسا بے رُخ بن جاتا ہے گویا ان تلوں میں تیل ہی نہیں !  
اے انسان سوچ کہ تو اللہ کے ہاتھوں پیدا ہو کر پرورش پا کر کس پر جان نذا  
کرتا ہے اور کس کو بھولتا ہے؟ زمین و آسمان تیری اس غفلت کو دیکھ کر  
یوں کہتے ہیں :

و كنت اظن ان جبال ضوى      تنزل وان حبال لا يزل

ولكن القلوب لها انقلاب      وحالات ابن آدم تستحيل

ہمارا تو یہ خیال تھا کہ پہاڑ ٹل جائیں گے مگر خدا کے ساتھ جو تجھے محبت ہے وہ  
اپنی جگہ سے نہ ہٹے گی مگر تجربہ نے بتا دیا کہ قلوب سبھی بھی انقلاب ہوتا ہے اور

انسان کی حالتیں بدل جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اور سب مسلمانوں کو اس انقلاب اور تغیر سے محفوظ رکھے آمین

اللہم ادرنی اعدو ذلک من الحور بعد الحور ومن المعی بعد  
الهدی بعد رمتہ نبیلہ بنی الرحمتہ سید الوری علی اللہ علیہ  
علیٰ الہ واصحابہ مصابیح السجی و مفاتیح الہدی و سلم  
تسلیم اکثر اکثر ۱۲ مترجم

(۶۸) رزق اور عمر مقدم ہو چکی ہے اس لئے رزق کے بارے میں

اجمالی گوشتش کافی ہے کاوش نہ کرے حدیث میں رزق اور  
عمر کا ذکر علی الترتیب

سب سے آخر میں آیا ہے اس میں حکمت واللہ اعلم یہ ہے کہ فرشتہ اول تو سچہ  
کی صورت بنانے میں مشغول ہوتا ہے اور جیسا حکیم مطلق کو منظور ہوتا ہے اسی  
کے موافق شقاوت یا سعادت کے ساتھ اس کو بناتا ہے اس کے بعد رزق اور عمر کا  
ذکر آخر میں آیا ہے، یہ ترتیب عجیب ہے جو مقتضائے حکمت کے موافق ہے کیونکہ  
ارادہ حق میں اہم اور مقدم انسان کی پیدائش اور بناوٹ ہے تو اول اس کا  
ذکر کیا گیا اسی پر سچ کا لڑکا یا لڑکی ہونا متفرع ہے اور دوسری صفت بھی مثلاً  
حسین ہونا بد شکل ہونا وغیرہ اور اسی پر شقاوت و سعادت طاری ہوتی ہے پھر  
رزق کا درجہ ہے جو موت سے مقدم ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و  
سلم نے فرمایا ہے

لن تموت نفس حتى تستكمل رزقها فاتقوا الله واجملوا

فی الطلب

مگر نہ کسی کو موت نہ آئے گی جب تک کہ وہ اپنا رزق پورا نہ کر لے پس  
اللہ سے ڈرو اور طلب رزق میں اجمال سے کام لو (زیادہ کاوش نہ کرو)



اس کے بعد موت کا درجہ ہے تو اس کو سب سے آخر میں بیان کیا گیا، پس جب معاملہ نمٹ چکا ہے تو طلبِ رزق میں حرص کیسی؟ کام تمام ہو چکا ہے نہ گھٹ سکتا ہے نہ بڑھ سکتا ہے، رزق اور عمارتِ سعادت وغیرہ کا وہی حال ہے جو تذکیر و تائید یعنی لڑکا اور لڑکی بچنے کا کہ اس میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا اس حقیقت کے سمجھ جانے ہی سے حضراتِ صوفیہ کو دوسروں پر فضیلت حاصل ہے وہ کسی چیز پر اہتمام نہیں کرتے اسی پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں جو ان کے اندر تصرف کر رہا اور ان پر لطف و کرم فرما رہا ہے جیسا دوسروں کو ذکر و ریت کے مبدل بہ انوثت بچنے کی طمع نہیں ہوتی نہ یہ تمنا ہوتی ہے کہ ذکر و ریت و انوثت باہم مل جائیں اسی طرح صوفیہ کو رزق اور عمر کے بارہ میں کوئی تمنا نہیں ہوتی نہ سعادت و شقاوت میں تبدیلی کی طمع ہوتی ہے وہ تو بس اس کام میں مشغول رہتے ہیں جس کا ان کو حکم دیا گیا ہے۔ وہ اللہ کی عبادت و طاعت میں لگے رہتے ہیں قبول و ناقبول، سعادت یا شقاوت اور جنت و دوزخ سے ان کو کچھ بحث نہیں یہاں تک کہ بعض صوفیہ نے فرمایا ہے کہ اگر میں نے اللہ کی عبادت جہنم کے خوف یا جنت کی رغبت سے کی ہو تو اللہ تعالیٰ میرا حشر فرعون و ہامان کے ساتھ کرے بلکہ میں تو ان کی عبادتِ محض اس لیے کرتا ہوں کہ وہی عبادت کے لائق ہیں، سمجھا رکھے لے یہی بات سچی بھی ہے اس کے متعلق بنی اسرائیل کے ایک عابد کا قصہ کافی ہے جس کو اس زمانہ کے نبی نے وحی الہی سے اطلاع دی تھی کہ وہ جہنم والوں میں سے ہے تو اس نے پہلے سے زیادہ عبادت بڑھا دی اس پر اللہ تعالیٰ نے اس نبی پر دوبارہ وحی نازل فرمائی کہ اس عابد سے کہہ دو کہ جو اسکے جی میں آئے کرے وہ جنت میں شامل کر دیا گیا۔ اس نے پہلی وحی پر اپنے آپ کو ذلیل سمجھا اور عبادت سے نظر اٹھا کے اللہ کے فضل و کرم کا امیدوار بن گیا تھا اور رزق کے معاملہ میں بعض بندگان کا ارشاد ہے کہ جب درویش اپنی معاش ہی پر نظر کرتا ہے کہ آج کتنے پوے پاس ہیں کل کو کہاں سے آنے کی امید ہے تو ایسی طریقت کا اللہ ہی حافظ ہے یعنی

اس کو طریق باطن کا حاصل ہونا دشوار ہے اس کے متعلق وہ حالت کافی ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا ہے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن ہوکار ہوں تو عاجزی ظاہر کروں ایک دن سیر تو کرے کھاؤں تو شکر کروں (یعنی حضور نے دنیا کے نزالوں کو پسند نہیں فرمایا بلکہ شان توکل کو اختیار فرمایا) یمن بن زرق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جب ماعنی لوٹ نہیں سکتا اور مقدر بدل نہیں سکتا تو کھڑے ہو جھک کر گردن سے پھینک دینا ہی سعادت عاجلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل سے ان لوگوں میں شامل کر دیں جو سعادت اور حمایت و حفاظت اور فہم و عمل و تبذل سے سرفراز ہوئے اللہ کے سوا کوئی پورہ دگار نہیں وہی یہ دولستیں عطا فرمائیں تو کام بن جائیگا اور دوسرا کون ہے یہ دولستیں عطا کر سکے۔

قرلہ الوجہ العاشر فما الرزق فی الاجل الی قولہ لا رب سواہ

## فے مسئلہ قدر کی توضیح اور اہل حال و اہل مقام کے اقوال کی تشریح

یہ جو کہا گیا ہے کہ صوفیہ کو شقاوت و سعادت میں تبدیلی کی طمع نہیں ہوتی نہ ان کو جنت و دوزخ سے بحث ہوتی ہے یہ اہل حال کی باتیں ہیں ہم جیسوں کو ایسی باتیں نہ کرنی چاہئیں ہم کو تو اللہ تعالیٰ سے ہر وقت یہ دعا کرنا چاہیے کہ اگر خدا نہ کر دے ہماری تقدیر میں شقاوت ہو تو اپنے فضل و کرم سے اسکو بدل بہ سعادت کر دیجئے اور اللہ تعالیٰ کو یہ کچھ دشوار نہیں دیکھو عابد بنی اسرائیل کے قصہ میں ہی اس کا ظہور ہو چکا ہے کہ اول اس کے متعلق یہ وحی آئی ہے کہ وہ جہنمی ہے کتنی ہی غیبت کرے اس کے لئے جہنم مقدس ہے پھر اللہ تعالیٰ نے شقاوت کو سعادت سے بدل دیا اور دوبارہ وحی نازل ہوئی کہ اسکو جنتی کر دیا گیا، یہ غور ہے کہ ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے جیسا کہ لڑکی کا لڑکا بن جانا اور لڑکے کا لڑکی بن جانا شاذ و نادر ہے مگر محال نہیں چنانچہ نابینا سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض دفعہ مڑ

عورت اور عورت مرد بن گئی اس لئے نا امید نہ ہونا چاہیے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے دولتِ ایمان سے مشرف فرمایا اور مسلمان گھرانے میں پیدا فرمایا ہے اس کے لئے تو بظاہر سعادت ہی مقدسہ ہے شقاوت مقدسہ ہوتی تو کسی کافر کے گھر پیدا ہونا امید کے لئے یہ بات کافی ہے البتہ بے فکری کی کسی کو اجازت نہیں ایمان خوف ورجا کے درمیان ہے اس لئے نہ خدا کی رحمت سے مایوس ہونہ اس کی پکڑ سے بے فکر ہو

۵ غافل مروجہ مرکب مرد را در سنگلاخ باد یہ پہا بریدہ اند

نومید ہم مباشرت کہ زنداں بادہ نوش  
ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ ارشاد فرمایا جف القلم بما ہو سے اٹن جو کچھ ہو نیوالا ہے قلم اس کو لکھ کر خشک ہو چکا ہے تو صحابہ نے عرض کیا ففیم العمل یا رسول اللہ میرا ب عمل کی کیا ضرورت رہی جو مقدم ہو چکا وہی ہو کر رہے گا حضور نے فرمایا اعملوا فکل ميسر لما خلق له کام ضرور کرتے رہو کیونکہ جس کو جس کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس کے لئے وہی کام آسان کر دیا جاتا ہے پس جس کے لئے طلاعات آسان کر دی گئیں اس کو خوش ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو سعادت کے لئے پیدا کیا ہے اور جس کے لئے گناہ آسان کر دیئے گئے کہ معاصی سے اس کو نفرت و انقباض نہیں ہوتا اس کو ڈرنا چاہیے کہیں شقاوت کے لئے پیدا نہ کیا گیا ہو اور ڈر کر گناہوں سے توبہ کرنا اور طاعات کا اہتمام کرنا چاہیے کیونکہ اعتبار خاتمہ کا ہے جس کی اخیر حالت اچھی ہے وہ کامیاب ہے جس کی اخیر حالت بُری ہے اس پر ناکامی کا اندیشہ ہے۔

جعلنا اللہ ممن سعد فی بطن امہ ما وختہم لنا باحسفی

۱۲ مترجم

یہاں یہ سوال ہو گا کہ جب  
تقدیر کے بعد بھی عمل کی

فہ مسئلہ قدر پر اشکال و جواب

ضرورت ہے تو تقدیر کا مسئلہ بیان کرنے سے کیا فائدہ؟ جواب یہ ہے کہ اس کا فائدہ یہ ہے کہ انسان دنیوی معاملات میں ناکامی کے وقت زیادہ غمزدہ اور رنجیدہ نہ ہو بلکہ دل کو تسلی دے لے کہ مقدریوں ہی تھا، تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ جو طالب علم انتہائی محنت اور مشقت برداشت کرنے کے بعد بھی امتحان میں ناکام ہوتا ہے یا جو شخص اپنے کسی بیمار عزیز کی دوا دارو میں پوری کوشش ختم کر کے ناکام ہو جاتا ہے اس کی تسلی مسئلہ تقدیر ہی سے ہوتی ہے جو شخص اس مسئلہ کا معتقد نہ ہوگا وہ اکثر ایسے مواقع میں خودکشی کر لیتا ہے، نیز یہ فائدہ بھی ہے کہ انسان کامیابی کے بعد اپنے اوپر نظر نہ کرے بلکہ خدا پر نظر کرے کہ اللہ نے میرے مقدر میں کامیابی رکھی تھی اس لیے کامیاب ہوا خود کچھ نہیں کر سکتا تھا اگر مسئلہ تقدیر سامنے نہ ہو تو کامیابی کے بعد انسان فرعون بے سامان اور پورا شیطان بن جائے اور بھی نہ معلوم اسمیں کتنی حکمتیں ہیں جن کو اللہ ہی جانتا ہے بندہ اس کے اسرار کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

## فہ مسئلہ قدر ہمت کو پست نہیں کرتا بلکہ بلند کرتا ہے

یہاں سے ان لوگوں کی حماقت بھی واضح ہو گئی جو یہ کہا کرتے ہیں کہ مسئلہ تقدیر نے مسلمانوں کی ہمتیں پست کر دی ہیں یہ خود کچھ نہیں کرتے بس تقدیر کے جھرو پر بیٹھے رہتے ہیں کہ مقدر میں ہوگا تو کام خود ہی ہو جائے گا جو اتنا ہے کہ اس مسئلہ نے ہمتیں پست نہیں کیں بلکہ جہالت و ضعف ایمان نے ہمتیں پست کی ہیں اگر اس مسئلہ میں ہمتیں پست کرنے کی خاصیت ہوتی تو حضرت اصحابہ و تابعین و تبع تابعین سب زیادہ پست ہمت ہوتے کیونکہ ان کا ایمان تقدیر پر سب سے زیادہ مضبوط تھا مگر تاریخ شاہد ہے کہ ان کی برابر بلند ہمت زمانہ کی آنکھوں نے آج تک دیکھا ہی نہیں پس یوں کہنا چاہیے کہ مسئلہ تقدیر تو ہمت بلند کرتا ہے مگر جہل اور غفلت اور ضعف ایمان اس کو پست کر دیتا ہے کیونکہ اوپر معلوم

ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ تقدیر بیان فرمانے کے بعد عمل کی تاکید فرمائی ہے اور یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ جس شخص کا تقدیر پر ایمان ہوگا اس کی نظر اسباب تدبیر پر نہ ہوگی بلکہ اللہ پر اور اللہ کی قدرت پر نظر ہوگی تو وہ معمولی سامان اور تدبیر کو بھی کامیابی کے لئے کافی سمجھے کہ اللہ کے نام پر کھڑا ہو جائیگا نہ وہ اپنی قلت سے گھبرائے گا نہ سامان کی کمی سے اندیشہ لائے گا چنانچہ صحابہ کے واقعات اس پر شاہد عدل ہیں کہ بعض دفعہ تین ہزار نے دو لاکھ کا مقابلہ کیا اور ساٹھ آدمیوں نے ساٹھ ہزار کا منہ پھیر دیا اور جسکی نظر تقدیر پر نہ ہوگی محض تدبیر پر ہوگی وہ اس وقت تک ہمت بلند نہیں کر سکتا جب تک سامان پوری طرح کامل و مکمل نہ ہو۔

## حدیث

## جواز الصَّلَاةِ فِي السَّفِينَةِ

حضرت بابہ بن عبد اللہ وابو سعید خدری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ دونوں نے کشتی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور جن بصری نے کہا تو کہ ہے کہ جب تک ساتھیوں کو مشقت و تکلیف نہ ہو کھڑے ہو کر نماز پڑھنا چاہیے اور کشتی کے ساتھ قبلہ کی طرف گھومتا رہنا چاہیے ورنہ بیٹھ کر نماز پڑھو۔

## شرح افعال صحابہ حجت ہیں

ظاہر حدیث بتا رہا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا فعل حجت ہے کیونکہ وہ کوئی عمل بدون شائع علیہ السلام کے بتائے نہیں کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کا علم تھا چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے حضور کو ان فتون کی اطلاع دی جو صحابہ کے زمانہ میں ہونے والے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے رنج ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی بھیجی کہ آپ کے اصحاب میں سے نزدیک ستاروں کی مانند ہیں اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔  
اَصْحَابِي مِثْلُ الْخُبُرِ فَإِيَهُمْ اَقْتَدِ يَتِمُّ اهْتَدِ يَتِمُّ

سے عباد کی مثال ستاروں جیسی ہے تم جسکی اقتدار کو گے پہنچاؤ گے  
مطلب یہ ہے کہ ان میں سے ایک کی اقتدار میں کیا اقتدار ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی امام الہدی ہیں۔ غرض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہو تو ان کے جسد افعال بمنزلہ روایت کے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی ان کے اقوال بھی۔ اسی لئے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کشتی میں نماز کھڑے ہو کر پڑھو جب تک تمہارے ساتھیوں پر مشقت نہ ہو۔

مگر مشقت سے مراد مطلق مشقت نہیں جس سے کچھ ننگی  
**مشقت کی تفسیر** یا تفسیر خاطر یہاں ہو کیونکہ اگر یہ معنی لئے گئے تو اس کا یہ

مطلب ہو گا کہ سمندر میں سوار ہوتے ہی نماز بالکل چھوڑ دی جائے جیسا آج کل بہت سے جاہل کرتے ہیں کیونکہ کشتی میں سوار ہونے سے بعد کچھ مشقت تو نماز میں ضرور ہوتی ہے۔ حالانکہ ایسا کرنا اتفاقی حرام ہے بلکہ مشقت کا مطلب یہ ہے کہ طوفان اور تہوج برادر ہو یا کی تیزی کی وجہ سے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے کشتی کے غرق ہونے کا اندیشہ ہو یا سبب ہلاکت میں زیادت کا احتمال غالب ہو یا اسی کے قریب اور کوئی اندیشہ ہو یا اس وجہ سے کھڑا ہونا دشوار ہو کہ اسکی وجہ سے عورتوں پر اس طرح نظر پڑیگی

جو شرعاً جائز نہیں دریاں حالیکہ سوار ہونے سے پہلے تم کو اس کا علم نہ تھا کہ ایسا واقعہ پیش آئیگا کیونکہ اگر کسی کو پہلے سے یہ بات معلوم ہو کہ سمندر میں سفر کرنے سے وہ پورا طرح احکام شرعیہ کو بجا نہ لاسکے گا تو اسکو سمندر کا سفر جائز نہیں، چنانچہ علمائے فرمایا ہے کہ جس شخص کو اپنی عادت معلوم ہو کہ اس کو جہاز میں چکر آتا ہے جس سے نماز چھوٹ جاتی یا اس میں غفلت واقع ہوتا ہے

اس کو سمندر کا سفر جائز نہیں۔ امام مالک کا یہی مذہب ہے۔ غرض یہ دو صورتیں یا ان کے مشابہ کوئی عورت کشتی میں پیش آئے اور سوار ہوتے ہوئے ان کا احتمال نہ تھا تو بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے جبکہ کھڑے ہونے کی قدرت نہ ہو۔

مطلب ہے مشقت کا کیونکہ علماء تشویش کا اطلاق اسی حالت پر کرتے ہیں جو شرعاً تشویش ہو جس پر کوئی خاص حکم مرتب ہونا ہو مطلق پریشانی کو تشویش یا مشقت نہیں کہتے۔ بخلاف صوفیہ کے کہ وہ ہر اس پریشانی کو جس سے قلب میں تغیر آجائے تشویش کہہ دیتے ہیں چھوٹی ہو یا بڑی (مگر)

ان کی اصطلاح پر احکام شرعیہ مرتب نہیں ہوتے احکام شرعیہ اسی تشویش پر مرتب ہوتے ہیں جس سے ناقابلِ برداشت مشقت لاحق ہو)

قوله الحدیث یدل علی ان فعل الصحابة رضی اللہ عنہم  
حجة الی قولہ فانہم یطلقون التشویش علی کل شی  
یتغیر بہ الخا طر قل او جل

ف حضرات صوفیہ افعال و اقوال صحابہ سے بہت احتجاج کرتے ہیں اسلئے اس مسئلہ کو تصوف کے مسائل میں داخل کیا گیا ہے اور اس باب میں فقہاء، حنفیہ و مالکیہ و حنابلہ کا بھی وہی مسلک ہے جو حضرات صوفیہ کا ہے۔ امام شافعیؒ کا بھی قدیم مسلک یہی ہے جدید میں اختلاف ہے۔

ف یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو مع فعل کا بہت شوق رکھتے ہیں مگر جہاز میں نمازیں برباد کرتے ہیں جس شخص کو اپنی عادت معلوم ہوں کہ جہاز میں مجھے چکر آتا ہے جس سے نمازیں برباد یا قضا ہوتی ہیں اس کو جو فرض پر اکتفا کرنا چاہیے جو نقل کے لئے فرض نمازوں کو تباہ نہ کرنا چاہیے۔

۱۶۹، سمندر کا سفر جائز ہے اور ظاہری اور باطنی سمندروں کو

طے کرنے کی شرط حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سمندر کا سفر جائز ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ سمندر کا سفر



مطلقاً جائز ہے یا صرف حاجی اور غازی کے لئے جائز ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ حاجی اور غازی کے سوا سب کو سمندر کے سفر سے منع فرماتے اور یوں کہتے تھے کہ سمندر بڑی مخلوق ہے جس پر کمزور مخلوق سوار ہوتی ہے اور سفر کرتی ہے اگر کتاب اللہ کی ایک آیت نہ ہوتی تو میں سمندر کا سفر کرنے والوں کو درہ سے مارتا غالباً وہ آیت

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَخَلَقْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ رِزْقًا  
هُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا  
تَفْضِيلًا ۝۱۵

ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے سمندر کے سفر کو اپنی نعمتوں میں شمار فرمایا ہے اور اس آیت کی وجہ سے حضرت عمر کا سمندر میں سفر کر نیوالوں کو سزا دینے سے رُک جانا اسکی دلیل ہے کہ یہ سفر مطلقاً حرام و ممنوع نہیں ہے ورنہ منزل سے رکنے کی کوئی وجہ نہ بنتی کیونکہ ہر ممنوع و حرام کے ارتکاب پر خلیفہ کو تعزیر کا حق حاصل ہے، ہاں ضرورت شرعیہ کے اس سفر کا خلاف اولیٰ ہونا ظاہر ہے۔ غرض سمندر کا سفر بحر اس وقت کے جائز نہیں جو حالت کے اعتبار سے بھی مشروع ہو اور زمانہ کے اعتبار سے بھی۔ زمانہ کے اعتبار سے مشروع ہونا قیہ ہے کہ طوفان کا زمانہ نہ ہو کہ اسی حالت میں سمندر کا سفر جائز نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

مَنْ رَكِبَ الْبَحْرَ فِي أَرْتَجُلِهِ فَقَدْ بُرِيَ مِنَ الذَّمَّةِ  
جو تلاطم کے زمانہ میں سمندر کا سفر کرے وہ ذمہ سے باہر ہے

(یعنی خدا اسکی مخالفت کا ذمہ دار نہیں)

اور حالت کے اعتبار سے مشروع ہونا یہ ہے کہ کشتی اور جہاز کی حالت اور کیفیت وغیرہ کو دیکھا جائے اور اس قسم کی کشتی اور جہاز پر سوار ہو جس پر

عادت کے موافق سب سوار ہوتے ہیں جو عموماً سمندروں میں چلنے کے قابل ہیں  
 چھوٹے اور بہت ہلکے جہاز پر سوار نہ ہو اگر جہاز ایسا نہ ہو جو عادتاً سمندر میں چلنے کے  
 لائق ہو تو اس میں رہنے والے اور سوار ہو نیوالے اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنے والے  
 ہوں گے اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے پر جو وعید آئی ہے معلوم ہے، یہ تو ظاہر  
 سمندر کے سفر کا حکم تھا جس کو عالم طو پر سمندر کہا جاتا ہے، اب ہم باطنی سمندر جن  
 کو بزرگ لوگوں نے بیان فرمایا ہے تو ان میں سے جس سمندر کا سفر جائز ہے اس  
 میں سنت کے موافق سفر کرنا چاہیے چنانچہ باطنی سمندرات ہیں۔

۱۔ بحر دنیا

۲۔ بحر ہوی

۳۔ بحر شہوات

۴۔ بحر نفس

۵۔ بحر علم

۶۔ بحر معرفت

۷۔ بحر توحید

پس دنیا کا ساحل تو آخرت ہے اس کو امر و نہی کی کشتی پر سوار ہو کر طے کیا  
 جاتا ہے اور اس کا سامان مختلف قسم کی عبادات ہیں اس میں سفر کرنے کا وقت  
 وہ ہے جبکہ تلاطم نہ ہو اور دنیا کا تلاطم یہ ہے کہ فتنوں کا ظہور ہو اس وقت کے لئے  
 شریعت نے یہ حکم دیا ہے کہ تم اپنے گھر کا ٹاٹ بن جاؤ یا کسی درخت کی کھو میں  
 جا بسو لوگوں سے الگ ہو جاؤ یہاں تک کہ اسی حالت میں تم کو موت بجائے اور ناپاک  
 ہے کہ جو شخص سب الگ ہو کر گوشہ نشین ہو جائے گا وہ دنیا کے سمندر کو طے نہیں  
 کر رہا کیونکہ وہ تو دنیا سے الگ ہو چکا ہے اس سمندر کی ہوائیں عزائم اور ہمتیں  
 ہیں ہمت کی قوت ہی کے موافق اس سمندر میں تمہاری کشتی چلے گی اور اس کشتی

کا سر عقل ہے۔ پس عقل ہی کے اندازہ پر کشتی کی رفتار میں پختگی ہوگی اور اس کے ملاح تمدی خاطر ہی یعنی دل میں آئیں الی باتیں پس ان کی خوبی ہی کے موافق کشتی کی سلامتی ہوگی اور اس کا بادبان علم ہے پس تمہارے علم ہی کے اندازہ پر کشتی کا رخ اچھی طرح بھرتے گا اور اس کا سامان تمہارے علم کی پونجی ہے پس اس سمندر کو پار کرنا کشتی اور اس کے میازموں کی عمدگی کے اندازہ پر ہوگا۔ اگر کشتی عمدہ اور ملاح بھی اچھے ہوئے تو خوبی کے ساتھ یار ہو جاؤ گے ورنہ دشواری کا سامنا ہوگا۔ اور نفع یا خسارہ پونجی کے موافق ہوگا (اگر اعمال اچھے ہوئے نفع ہوگا ورنہ خسارہ ہوگا) رہا بحر ہوی تو وہ خطرناک سمندر ہے اور اس میں سوار ہونا سفر کرنا ممنوع ہے بلکہ مسلک ہے اس لئے اس کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

بکثرت شہادت تو اس سمندر میں تداطم بہت ہے اس کے جتنے حصہ کے طے کرنے کی تربیت نے اجازت دی ہے اس میں بھی دنیا و آخرت کی اس قدر پریشانیاں ہیں جن کا ادنیٰ حصہ ہی بیان میں نہیں آسکتا، اگرچہ وہ مستحبات میں داخل ہے اور وہ ہوی سے جماع کرنا ہے، اس کے اندر وہ پریشانیاں ہیں جو بل بچوں کے لئے روزی حاصل کرنے میں ہر شخص کو پیش آسکتی ہیں جو بعض اوقات بعض لوگوں کے لئے محرمات میں مبتلا ہونے کا سبب بن جاتی ہیں اور وہ بہانہ یہ کرتے ہیں کہ ہماری پیچھے ہال بچے لگے ہوئے ہیں جو کھانے کو مانگتے ہیں حلال روزی ان کو کافی نہیں ہوتی اب حرام طریقہ سے روزی حاصل نہ کریں تو کیا کریں ہم کو اس سے چارہ ہی نہیں۔ پھر آخرت میں اہل وعدیہ کے حقوق کی بابت اس سے باز پرس ہوگی (وہ الگ) کیونکہ یہ اس کی حفاظت میں ہیں۔

وکلکم راع وکلکم مسئول عن رعیت

تم میں سے ہر شخص کسی نہ کسی کا ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اسکی ذمہ داری کے متعلق سوال ہوگا

پھر اسکے ذمہ لڑکوں کا نان و نفقہ لازم ہوتا ہے جب تک کہ وہ بالغ ہوں اور لڑکیوں کا نفقہ اس وقت تک لازم ہے جب تک ان کی شادی ہو، اور یہ سب کچھ ایک شہوت (جماع) کا نتیجہ ہے اس کے علاوہ اور بھی بہت سی پریشائیاں ہیں اگر غور کیا جائے اس شہوت ہی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

نفس عبد الدینار، نفس عبد الدرہم، نفس عبد الخمیصۃ  
نفس عبد بطنہ، نفس عبد مزجہ  
ہلاک ہو گیا دینار کا بندہ، درہم کا بندہ، شال کا بندہ، پیٹ کا بندہ،

اور شرمگاہ کا بندہ

جس کو ان ہی چیزوں کی رات دن فکر ہے اگر یہ اسکی مرضی موافق ملتی ہیں تو خدا سے خوش رہتا ہے ورنہ خدا کی شکایتیں کرتا پھرتا ہے۔ اگر یہ شہوت نہ ہوتی جس نے ان تمام پریشانیوں کے لئے انسان کو آمادہ کیا ہے تو وہ آزادی سے نکل کر شہوتوں کی غلامی میں نہ پھنستا۔ پھر یہ تمام مل کر خاص مقام قرب تک پہنچنے سے روک دیتی ہیں کیونکہ بزرگوں نے فرمایا ہے

مترک الشہوات قرع الباب  
شہوتوں کے چھوڑنے ہی سے یہ دروازہ کھٹکھٹایا جاتا ہے  
فیز علمائے اللہ جل جلالہ کے اس ارشاد

اولئک الذین امتحن اللہ فتوبہم للتقویٰ  
یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے  
خالص کر دیا ہے

کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ ان سے شہوتوں کو نکال دیا ہے (بیوی بچوں کے تعلقاً  
اسی وقت مقام قرب سے مانع ہوتے ہیں جب انسان مرد و شریعت سے متجاوز

مکرم نے لگے اور اتباع سنت سے ویکہ ورنہ خیال داری دو رکعتیں مجرد کی  
 ستر رکعتوں سے افضل ہیں کیونکہ نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت  
 ہے اور دہا بنیت بدعت ہے اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ  
 میں اپنی بیویوں سے مشغول ہوتا ہوں حالانکہ مجھے ان کی طرف شہوت نہیں ہوتی  
 لوگوں نے عرض کیا یا امیر المؤمنین پھر آپ کیوں مشغول ہوتے ہیں ؟ فرمایا  
 (مخفی) اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ میری پشت سے کوئی اولاد پیدا فرمادیں جس  
 سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن دوسری امتوں پر اپنی امت  
 کی کثرت ظاہر فرمائیں تو دیکھو حضرت عمر کی یہ شہوت جو انسانی شہوتوں  
 میں سب سے بڑی شہوت ہے کس طرح خاص عبادت بن گئی ہے پھر اور شہوتوں  
 کا تو کیا پوچھنا ؟ اسکی تائید اللہ جل جلالہ کا یہ ارشاد کرنا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ۔

لا يزال العبد يتقرب الى بالنواخل حتى احبته فاذا احبته  
 كنت سمعه الذي يسمع به وبصره الذي يبصر به وبيده  
 التي يبطش بها

بندہ نوافل کے ذریعے سے برابر میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک  
 کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب اس سے محبت کرتا ہوں  
 تو اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے سنت ہے اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس  
 سے دیکھتا ہے ۔ اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے پکڑتا ہے ۔

علماء طریق نے اسکی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس کا ہر عضو اللہ کی ساتھ اور اللہ کے لئے  
 ہی کام کرتا ہے ۔ شہوات نفس جاتی رہتی ہیں یعنی اس کا ہر کام رضا الہی کے موافق  
 ہونے لگتا ہے خواہش نفس سے کوئی کام نہیں کرتا ۔

ف شہوت نفس کے لئے حاجات کا پورا کرنا نیت عبادت کیساتھ

پورا کرنے سے افضل ہے شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جو عارف شہوت نفس کے ساتھ بیوی سے مشغول

ہوتا ہے وہ اس سے افضل ہے جو بدون شہوت کے محض اولاد حاصل کرنے کے لئے مشغول ہوتا ہے کیونکہ پہلا شخص اپنی عجز و احتیاج کا مشاہدہ کرتا ہے اس میں عبدیت زیادہ ہے اور دوسرے شخص میں شان استغناء ہے اس میں عبدیت زیادہ نہیں اسی طرح جو شخص کھانا اس لئے کھاتا ہے کہ بھوک کی تکلیف کو دور کرے اور پانی اس لئے پیتا ہے کہ پیاس کو بجھا دے وہ اس سے افضل ہے جو کھانے پینے میں یہ نیت کرتا ہے کہ اس سے طامعات کے لئے قوت حاصل

ہوگی۔ سمعتہ من سیدی حکیم الامتہ میں کہتا ہوں کہ یہ انضلیت اسی طور میں ہے جبکہ دوسرا شخص مشاہدہ

عجز و احتیاج سے محروم ہو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بابت یہ وہم نہیں ہو سکتا اس لئے ان سے وہ عارف افضل نہیں جو بیوی سے شہوت پوری کرنے کو مشغول ہوتا ہے اور میکہ خیال میں حضرت عمر کے قول مذکور کا وہ مطلب نہیں جو حضرت مصنف نے سمجھا ہے کہ ان کو شہوت بالکل نہ ہوتی تھی محض تحصیل اولاد کے لئے جماع کیا کرتے تھے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو بعض دغدغہ بیوی کا طرف میلان نہ ہوتا خواہش نہ ہوتی پھر بھی وہ اس سے مشغول ہوتے تاکہ اللہ تعالیٰ کوئی اولاد عطا فرمادیں جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوں یعنی اس خیال سے وہ اپنے اندر شہوت پیدا کرتے تاکہ بیوی کا حق ادا ہو جائے اس میں ان لوگوں کو تنبیہ ہے جن کو اسلامی اور قومی خدمتوں میں زیادہ مشغولی کی وجہ سے یا ذکر اللہ میں زیادہ مشغول رہنے کی وجہ سے یا غلبہ خوف و خشیت سے بیوی کا طرف التفات نہ ہوتا ہو کہ ان کو بیوی کے حق سے غافل نہ ہونا چاہیے اگر ان کو

خود شہوت کا تقاضا نہ ہو تو بیوی کے حق کا تقاضا ہونا چاہیے یہ بھی نہ ہو تو یہ تقاضا ہونا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی کثرت سے نبی کے دن خوش ہوں گے پس جو لوگ محض اپنی شہوت کے منتظر رہتے ہیں اور جب تک ان کو شہوت نہ ہو بیوی کے پاس نہیں جاتے گو اس کو کتنی ہی خواہش ہو وہ غلطی پر ہیں کیونکہ بیوی کا خواہش کا پورا کرنا بھی مرد کے ذمہ واجب ہے اگرچہ رہا بھرنے تو یہ سمندر بے پایاں ہے جسکی انتہا کی ہم کو خبر نہیں مگر اس پر سوار ہونا امت سوار یوں سے بڑھ کر ہے بشرطیکہ کثرت شریعت کے موافق ہے کہ اخلاص کی کھڑکیوں سے بنائی گئی ہو اور اس کے ملنے اور خدام تواضع و احتیاج سے آراستہ ہوں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ۔

ادھی الی ان تتواضعوا ولا یفخر بعضکم علی بعض

میری طرف اللہ نے دئی بھی ہے کہ تم سب باہم تواضع اختیار کرو ایک دوسرے پر فخر نہ کرے۔

بھرنے میں سفر کرنے اور اس کو طے کرنے کی پہلی شرط یہ ہے کہ اپنے آپ کو سب سے کمتر جانے اور اس کے پیچھے سچی التجا سے بنے ہوں کیونکہ یہی کامیابی کی علامت ہے اور اس میں سوار ہونیوالوں کی پونجی تقویٰ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

واتقوا اللہ ویطعمکم اللہ

اللہ سے ڈرو اللہ تعالیٰ تم کو خود کامیابی کے واسطے پتلا دینگے اگر اس طرح بھرنے پر کوئی سوار ہو تو اس میں اس قدر نفع اور فائدہ پائے گا جس کو بجز کریم و پاک کوئی نہیں جانتا۔

رہا بھرنے کا بھی وہی حال ہے جو بھرنے میں گزرنے کا مگر اس سمندر کے طے کرنے والے کو اس میں زیادہ مدت تک قیام کی ضرورت ہے یہاں تک کہ اسکی بعیرت کی نگاہ خوی ہو جائے اور نفس کی خواہش کو دیکھنے لگے کہ کس عمل میں خواہش

نفس کی آمیزش ہوئی اور کون سا کام خالص اللہ کے لئے ہوا تو علم اور نفس کی ترکیب سے اس کو خاص قوت حاصل ہوگی وہ انوار و عجائب اور حکمتیں نظر آجیں گی جن کو دوسرا نہیں دیکھ سکتا مگر ان حقائق کو دیکھنے کے بعد اس سمندر میں دیر تک قیام کی ضرورت ہے تاکہ تہذیب نفس حاصل ہو جائے اور لہتین میں ترقی ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ۔

تعلّموا الیقین فانّی اتّعلمہ

یقین حاصل کرتے رہو کیونکہ میں بھی اسکو حاصل کرتا رہتا ہوں

(یعنی اس میں برابر ترقی کرتے رہو ایک حد پر نہ ٹھہرو)

دبا بحر معرفت تو یہ بہت بڑا اور عظیم الشان سمندر ہے اس میں پہلے سمندر سے بھی زیادہ فائدہ ہیں اس میں بھی اسیطرح سوار ہوتے ہیں جس طرح اس سے پہلے سمندر میں سوار ہونے کا طریقہ بتلایا ہے مگر اس میں سفر کرنے کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ بحر علم کا پانی ساتھ لے لیا جائے مبادا اس سمندر کی سخت گرم ہواؤں سے جان ہلاک ہو جائے کیونکہ اس سمندر کو طے کرنے والے اکثر اسی وجہ سے ہلاک ہوتے ہیں کہ ان کی ساتھ دریلے علم کا پانی نہیں تھا۔ اس سمندر میں اچھی اچھی چیزیں اور موتی ادب و جواهرات اور اسرار و اس قدر ہیں جو بحر علم میں نہیں پائے جاتے مگر جو شخص دریائے علم کا پانی ساتھ نہ لے اس کے لئے خطرات بھی اس قدر ہیں جو بیان سے باہر ہیں۔ بعض دفعہ اس سمندر کو طے کرنے والا بیتلپڑ میں خاص درجہ پر ہوتا ہے پھر بدترین حالات کی طرف لوٹ جاتا ہے۔

دبا بحر توحید تو اس کو بھی اس طریق پر طے کیا جاتا ہے جو پہلے دو سمندر کے لئے بیان کیا گیا ہے ہاں اس میں ایک بات یہ زیادہ ہے کہ اس کو طے کرنے والا شریعت کے مضبوط پہاڑوں کی چوٹیوں کو اپنی نگاہ سے اوجھل نہ ہونے لے جب کبھی اس پر کوئی نامعلوم ہوا چلے جس کی حقیقت اور کنہ معلوم نہ ہو اور اس سے بچنے کی کوئی تدبیر پاس نہ ہو فوراً شریعت کے پہاڑ کی چوٹی پر آجائے ورنہ فرق



ہو جائیگا، اسی وجہ سے بہت لوگ اس سمندر میں غرق ہو گئے ہیں کہ انہوں نے  
 بحر توحید کی نامعلوم تندہاؤں سے بچنے کے لئے جبل شریعت کی پناہ نہیں  
 لی اور برابر آگے بڑھتے رہے جن کا انجام یہ ہوا کہ ایمان کو ہاتھ سے دے بیٹھے  
 ہلاک ہو گئے اور وہ یہی سمجھتے رہے کہ غم اچھا کام کر رہے ہیں اور اگر علم شریعت  
 کے پہاڑ کی طرف لوٹ آتے اور ان کی عقل ٹھکانے آجاتی اس وقت ان ہواؤں  
 کے فائدے معلوم ہو جاتے جو بحر توحید میں دیکھے تھے اور دونوں ہواؤں کے ملنے سے  
 جو عہد مزاج دین کی حقیقت اور تصور سے ترکیب پانا اس سے وہ فائدہ حاصل  
 ہوتا جس کو بیان کریں تو لے بیان نہیں کر سکتے پس جس شخص کو اللہ تعالیٰ ان تمام  
 مبادک سمندروں کو بوجہ احسن طے کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے وہ سنت  
 کے پہاڑوں پر بھی جملہ ہے یعنی اتباع سنت کو کسی حال میں ہاتھ سے نہ دے وہ  
 ایسا بزرگ ہو گا کہ اس جیسا ایک شخص بھی کسی اقلیم میں ہو تو ساری مخلوق پر  
 اس کی برکت سے اللہ کی رحمت ہو گی اور جو شخص ان میں سے ایک ہی سمندر کو  
 عمدگی کے ساتھ طے کر لے اس کو بھی جو کوئی دیکھ لے گا اللہ تعالیٰ اس کی آنکھیں کھول دے  
 کر دے گا خود اس کا لو کیا پوچھنا کیونکہ اس کی زیارت کرنے والوں کو بعض زیارت  
 ہی سے بہت کچھ خیر و برکت عطا ہو گی بشرطیکہ زیارت قاعدہ کے موافق ہو امتحان  
 یا عناد کیساتف نہ ہو کیونکہ بقاء قاعدہ زیارت تو اگر نبی اور رسول کی بھی کی جائے تو خاک  
 نفع نہ ہو گا دیکھو ابو جہل نے بھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے مگر کیا  
 اس کو کچھ نفع ہوا؟ خاک بھی نہیں کیونکہ وہ حضور کے پاس عناد اور بغض کے ساتھ  
 آتا تھا خوب سمجھ لو اور جو شخص ان سمندروں میں سے کسی کو بے طریقہ سے طے  
 کرے گا اس کے لئے غالب ہلاکت ہی ہے اور جو اس کو دیکھے گا یا اس کے پاس رہے گا

عہ یہ وہ لوگ ہیں جن پر وحدت الوجود کا انکشاف ہوا اور جبل کی وجہ سے اتحاد یا حلول

کے قابل ہو گئے تعالیٰ اللہ عن ذلک علوا کبیر ۲۱ ط

اس پر فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس باب کی تفصیل بہت طویل ہے مگر انشاء اللہ میں اس کے متعلق ایک مختصر کتاب لکھوں گا جس میں اس سے زیادہ مبسوط کلام ہو گا اور ہم ہر سمندر کے خطرات بھی اللہ کی مدد سے اس میں بیان کر دیں گے اللہ تعالیٰ ہم کو ان لوگوں میں سے کرے جن کو اللہ نے محفوظ رکھا اور علم عطا فرمایا اور اپنے فضل سے اس دولت کے ساتھ کامیاب بنایا

قوله الوحيد الثالث فيد من الفقد حوا ازركوب البحرائى قوله جعلنا الله  
ممن حماه وعلمه واسعد به بعدہ

ف ان مقامات کی جن کو حضرت مصنف نے سمندروں سے تعبیر فرمایا ہے تفصیل کرنا تو اس کا کام ہے جس نے ان کو طے کیا ہو گو تفصیل سے کچھ فائدہ بھی نہیں کیونکہ یہ مقامات عمل سے حاصل ہوتے ہیں اور مشاہدہ ہی سے سمجھ میں آتے ہیں بدون عمل اور مشاہدہ کے محض باتوں سے نہ حاصل ہوتے ہیں نہ سمجھ میں آتے ہیں ہاں ڈرتے ڈرتے ایک بات کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ حضرت مصنف نے دو سمندروں کا ذکر چھوڑ دیا ہے یعنی بحرِ ذکر و بحرِ فکر کا۔ بحرِ دنیا کے متعلق تو معلوم ہو چکا ہے کہ اس کو سب ہی طے کرتے ہیں اور بحری ہوی کا طے کرنا ممنوع ہے اور بحرِ شہوات کو ہی تقریباً سب طے کرتے ہیں مگر بہت کم ایسے ہیں جو اس تلاطم سے محفوظ رہتے ہوں الا من عصمہ اللہ اور بحرِ نفس لطیفہ نفس کی لولہ سے طے ہوتا ہے اور بحرِ علم لطیفہ قلب سے متعلق ہے بحرِ ذکر لطیفہ روح سے وابستہ ہے اور بحرِ فکر لطیفہ سر کے ذریعہ طے ہوتا ہے اور بحرِ معرفت لطیفہ حق سے ہے اور بحرِ توحید لطیفہ اخفی سے متعلق ہے یہ ایک اجمالی اشارہ ہے۔ تفصیل اس شخص کو خود معلوم ہو جائیگی جس نے لطائفِ سنی کی تفصیلی سیر کی ہے اور سلامتی کا طریقہ یہ ہے کہ انسان عقائد و علوم و اعمال میں سنت کا اتباع کا ہے کہ ان سمندروں کو طے کرنے کے ساتھ اور اسکے بعد بھی اتباع کی ہر وقت ضرورت ہے پس جو

شخص اتباع سنت میں لاکھ ہے وہ تمام دولتوں سے مالا مال ہے ۔  
 اتباع سنت میں پختہ ہو جانے سے وہ تمام انوار و برکات و درجات حاصل  
 ہو جاتے ہیں جو تفصیل وار ہر سمندر کو طے کر کے سے حاصل ہوتے گو اس  
 شخص کو خبر بھی نہ ہو کہ یہ انوار و برکات اور یہ ہر کس مقام اور کس سمندر کی  
 موج سے آئے ہیں ۔

رَزَقَنَا اللّٰهُ وَاَيُّكُمْ اَتَّبَعَ هَذَا النَّبِيَّ الْكَرِيمِ  
 عَلَيْهِ اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ وَالتَّسْلِيمِ وَخَتَمَ لَنَا وَلَكُمْ  
 بِالْحَسَنِي اِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ۝ ۲ مترجم

## حدیث

## جل زالتحریر من حر الحصاب فی الجود

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو ہم میں سے بعض لوگ سجدہ کی جگہ شدت گرمی کی وجہ سے کپڑے کا کچھ جھک کر لیتے تھے

نظارہ حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں تقوڑا سا کام کر لینا

شرح ایسی تکلیف کو دفع کرنے کے لئے جس سے پریشانی لاحق ہوتی ہو جائز ہے۔

## (۷۰) مشائخ کے افعال و اقوال کا اتباع اور اسکی اصل

حدیث کا یہ لفظ کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اس میں حضور نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کا بھی بیان ہے کیونکہ صحابہ حضور کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے یہ فعل کرتے تھے اور حضور کا ارشاد ہے

انی اراکم من وراء ظہری کما اراکم زناحی

میں تم کو اپنے پیچھے بھی اسی طرح دیکھتا ہوں جیسا سامنے سے دیکھتا ہوں

تو حضور کا ان کے اس فعل کو برقرار رکھنا اس پر انکار نہ فرمانا حضور کی طرف سے اس بات کا حکم ہے کہ یہ فعل جائز نہیں بلکہ جائز ہے اور کسی حکم کی تقریر فعلی تقریر قولی سے بھی بڑھ کر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار افعال و اقوال دونوں میں یکساں حکم رکھتی۔

اور کیا حضور کے سوا دوسروں کا بھی یہی حکم ہے یا دوسروں کے افعال کی اقتدار اس وقت تک نہ کی جائے گی جب تک زبان شریعت سے اس کا قابل اعتبار ہونا معلوم نہ ہو جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنی ذات سے قطعاً معصم ہیں اور دوسروں کی عصمت معلوم نہیں ہو سکتی لسان شریعت کا تو یہی فیصلہ ہے کہ دوسرا اس باب میں حضور جیسے نہیں ہیں لیکن بعض اہل طریق کی رائے ہے کہ اپنے مشائخ کا بھی افعال و اقوال میں اتباع کرنا چاہیے کیوں کہ ان کو اپنے مشائخ کے ساتھ حسن ظن ہوتا ہے کہ ان کا کوئی فعل و قول شریعت کے خلاف نہیں ہوتا۔

اسی طرح مبتدی اور عامی کو عالم کے ساتھ یہی برتاؤ کرنا چاہیے کیونکہ ان لوگوں کو شریعت کی تو کچھ خبر نہیں پس ان کے لئے اپنی ہوائے نفس کے اتباع سے عالم کا اتباع ہی زیادہ مناسب اور بہتر ہے۔ نجم سے میکہ بعض مشائخ نے بیان فرمایا کہ وہ اپنے شیخ کی خدمت ان کے مرض موت میں کر رہے تھے ان کو جلدی جلدی پیشاب کی حاجت تھی اس لئے ایک دفعہ وہ پیشاب کے تقاضے سے گھبراتے ہوئے تیزی کے ساتھ بیت الخلا میں گئے اور قضاے حاجت کے بعد مجھے آواز دی کہ پانی لاؤ۔ پھر باہر آکر فرمایا عزیز من! بیت الخلا میں بات کرنا جائز نہیں ہے، مگر میں نے فروست کی وجہ سے ایسا کیا ہے کیونکہ میں شدت تقاضہ کی وجہ سے تم سے بات کرنے کی بھی فروست نہ پاتا تھا۔ ان بزرگ نے باہر آکر یہ بات اس لئے فرمائی کہ وہ جانتے تھے کہ شخص میری اقتدار کرتا ہے، میکہ ہر قول کو شریعت کی مطابقت

سمجھتا ہے ایسا نہ ہو کہ بیت الحلاء میں بات کرنے کو بھی مطلقاً جائز سمجھ لے۔  
یہ مسئلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل سے بھی ماخوذ ہوتا ہے جبکہ  
انہوں نے اہل بیت میں سے کسی کو حالت احرام میں رنگین کپڑا پہنے مجھے دیکھا  
تو اس کپڑے کے اتار دینے کا حکم دیا حالانکہ اس کا حالت احرام میں پہننا جائز  
تھا کیونکہ وہ زرد مٹی سے رنگا ہوا تھا جیسا حدیث میں اسکی تصریح ہے  
مگر اس کا رنگ زعفرانی رنگ سے ملتا جلتا تھا اور زعفران میں رنگا ہوا کپڑا  
احرام میں پہننا جائز نہیں۔

اسی لئے حضرت عمر نے اسے الگ کرنے کا حکم دیا اور فرمایا  
اے جماعت اہل بیت تم امت کے پیشوا ہو لوگ تمہاری اقتداء کرتے ہیں  
اس لئے تم کوئی ایسا کام نہ کرو جس سے عوام غلطی میں پڑیں تو حضرت عمر نے  
اس حکم کی یہ علت بیان فرمائی کہ ان حضرات کے افعال کا بھی ویسا ہی اتباع  
کیا جاتا ہے جیسا ان کے اقوال کا اتباع کیا جاتا ہے۔

اس سے صوفیہ کے اس معمول کی اصل نکل آئی کہ وہ اپنے مشائخ کے افعال  
اقوال کا اتباع کرتے ہیں۔ اسی لئے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ عالم اگر باہل  
ہوتا ہے تو لوگ اس کے علم کا اتباع کرتے ہیں اور بے عمل ہوتا ہے تو صرف  
اس کے عمل کا اتباع کرتے ہیں علم کا اتباع نہیں کرتے وہ اپنی تقریر اور  
وعظ میں جو چاہے حدیث قرآن سے بیان کرے لوگ اس پر کان نہ دھریں  
گے بلکہ اس کے اعمال کو دیکھ کر اعمال ہی کا اتباع کریں گے تو اس کے علم سے  
نہ اسکو نفع ہو نہ دوسروں کو فائدہ ہو، یوں ہی برباد گیا

اعاذنا اللہ من علم بلا عمل

اور چونکہ آج کل بعض علماء میں بد عملی اور اتباع شہوات نے  
راہ پالیا ہے تو عوام کی حالت بھی بگڑ گئی ہے کیونکہ وہ ان ہی علماء کے افعال  
کا اتباع کرتے ہیں اور اگر کوئی عالم اپنے علم پر بھی عمل کرتا ہے اور ایسے بہت

کم ہیں تو عوام ان کا اتباع نہیں کرتے بلکہ ان کو زہد خشک اور تشدید یعنی سخت روی سے بدنام کرتے۔ ریویں کہتے ہیں کہ دین تو آسان ہے ان ملاؤں نے خواہ مخواہ اس کو دشوار کر دیا ہے۔ بہر حال عالم بے عمل خود تو بگڑتا ہی ہے اس کی وجہ سے عوام بھی بگڑ جاتے ہیں۔

اور اس حالت میں یہ عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے تحت میں داخل ہو جاتا ہے۔

موت العالم ترثلمة في الاسلام

عالم کی موت اسلام میں ایک رخنہ ہے

اس سے مراد بد عملی کی موت ہے کیونکہ اسکی ظاہری موت تو باطنی موت سے اچھی ہے۔ ظاہری موت تنہا اتنی مضہیبی کیونکہ وہ اس کے فضائل و آثار چھوڑ جاتی ہے جن کا لوگ اتباع کرتے ہیں اور باطنی موت واقعی بڑا رخنہ ہے کیونکہ اس حالت میں یہ شخص دوسروں کو اللہ تعالیٰ کے دروازے سے ہٹا دیتا ہے جس سے اس پر سخت ہلاکت کا اندیشہ ہے۔ کیونکہ اللہ جل جلالہ فرماتے ہیں

انا للہ لا الہ الا انما خلقت الشر و خلقت لہ اھلہ فالویل

عہ سگریہ نہیں سمجھتے کہ دین کے آسان ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ منہ کا نوالہ ہے کہ رکھا اور نگل لیا دین کا آسان ہونا ایسا ہی ہے جیسا روٹی کھانا اور پانی پینا تو کیا روٹی کھانے کے لئے کچھ کرنا نہیں پڑتا پانی پینے کے لئے پانی لانے اور کنویں پر جانے کی ضرورت نہیں ہوتی ؟ دین کا آسان ہونا ایسا ہی ہے جیسا کھانا آسان ہے مگر کیا آدمی ایک دن میں خوشنویس بن سکتا ہے ؟ کیا اس کے لئے ارادہ محنت اور مشقت کی ضرورت نہیں ہوتی ؟

یقیناً ہوتی ہے۔ اسی طرح دین بھی ارادہ اور ہمت اور چند روزہ محنت

کے بعد آسان ہو جاتا ہے خوب سمجھ لو ۱۲ منہ

لمن خلقتہ للشر واجریت الشر علی سیدیہ  
 ”میں ہی معبود ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے شر  
 کو پیدا کیا ہے اور کچھ لوگوں کو اس کے واسطے پیدا کیا ہے پس  
 ہلاکت ہے اس کے لئے جس کو میں نے شر کے لئے پیدا کیا  
 اور شر کو اس کے ہاتھوں جاری کیا تو اس عالم بے عمل نے اپنے ساتھ بھی  
 برائی کی اور دوسروں کو بھی اپنی اقتدار کی وجہ سے شر کی طرف کھینچا اور یہاں  
 سے معلوم ہوا کہ جن شخص کو یہ معلوم ہو کہ لوگ اس کا تبلیغ کرتے ہیں یا اثر  
 مانتے ہیں یا اس کی وجہ سے نیک کاموں کی اشاعت ہوتی ہے اسے اپنے نیک  
 اعمال کا بیان کرنا جائز ہے تاکہ دوسرے بھی ویسے ہی کام کریں۔

## بزرگوں کے حالات ہم جنسوں میں بیان کرنے چاہئیں عوام کے سامنے بلا ضرورت بیان نہ کرنے چاہئیں

اسی لئے حضرات صوفیہ نے فرمایا ہے کہ بزرگوں پر جو حالات طاری  
 ہوتے ہیں ان کو اپنے ہم جنسوں میں بیان کرنا جائز ہے جن میں ترقی کی  
 اہلیت ہو (جو بزرگوں کو مانتے اور ان کا اتباع کرتے ہیں۔ عوام کے سامنے  
 بیان کرنا جائز نہیں مگر یہ کہ کوئی مجبوری آن پڑے جس کی وجہ سے بیان کرنا  
 ضروری ہو جائے تو اور بات ہے۔

جیسا ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ وہ دریا کے کنارے کنائے چل رہے  
 تھے دفعۃً ایک کشتی پر نظر پڑی جس میں وہاں کے حاکم کے لئے شراب لادی  
 ہوئی تھی اور وہ حاکم ایسا ظالم تھا جس کے مقابلہ کی کسی کو تائے تھی، جس وقت  
 کشتی نے منگ ڈالا یہ بزرگ اس پر ایک لالچھی ہاتھ میں لے کر چڑھ گئے اور



جتنے مٹکے شراب سے بھرے ہوئے تھے ایک ایک کمرے کے سب کو توڑنا شروع کر دیا  
کشتی والوں میں کسی کو اتنی ہمت نہ ہوئی کہ ان کے سامنے آتا اور ان کو روک  
سکتا یا ان تک کہ تمام مٹکے چھوڑ دینے صرف ایک مٹکا چھوڑ دیا اور واپس  
آگئے۔ کشتی والے حاکم کے پاس پہنچے اور اس کو واقعہ کی اطلاع دی حاکم کو بڑی  
حیرت ہوئی کہ یہ کون شخص تھا جس نے میری چیز پر ہتھ ڈالا اور یوں بیساختہ  
اپنا کام کر گزرا پھر اس نے ایک مٹکا کیوں چھوڑ دیا۔

اگر اس نے اللہ کے واسطے یہ کام کیا تھا تو ایک مٹکا چھوڑنے کی کیا وجہ تھی  
اس میں بھی تو شراب ہی تھی جس کا پینا حرام ہے غرض اس نے ان کے  
پیچھے آدمی ددڑایا اور بلا بھیجا اور جب وہ حاضر ہو گئے تو پوچھا یہ تم نے کیا کیا  
اور کیوں کیا؟

فرمایا جو میگزینی میں آیا میں نے کر دیا اب جو تیرے دل میں آئے کر  
ڈال، کہا اور تم نے ایک مٹکا کیوں چھوڑ دیا؟

فرمایا اب تیرے میں تو مجھے غیرت اسلام نے اس پر عبور کیا تھا تو میں  
نے کشتی میں گھس کر حکم الہی کی تعمیل کے لئے مٹکوں کو توڑنا شروع کیا  
جب ایک باقی رہ گیا تو میرا نفس بھولنے لگا اور کہنے لگا کہ تو نے بڑا بادی  
کام کیا کہ ایسے منکر کو بدل ڈالا (ایسے گناہ کو مٹایا جس کے مٹانے کی کسی کو  
جرات نہ تھی)

اس وقت مجھے اندیشہ ہوا کہ اس خیال کے آنے کے بعد اس مٹکے کو توڑنے  
میں حظ نفس شامل ہو گا اس لئے میں نے اس کو چھوڑ دیا اور اس تقریر کا جو  
خلوص سے بھری ہوئی تھی ایسا اثر ہوا کہ بیساختہ حاکم کی زبان سے نکلا کہ اس شخص  
سے کچھ تعرض نہ کیا جائے یہ جو چاہیں کریں ان کے درمیان اور ہمات درمیان  
کوئی معاملہ نہ ہو گا (گویا اس وقت سے وہ باقاعدہ محاسب بنائے گئے کہ

جو کلام شریعت کے خلاف دیکھیں اس کو مٹا دیں تو ان بزرگ نے جو کچھ اپنا راز ظاہر کیا اس ضرورت کی وجہ سے کیا جو ان کو پیش آتی تھی اس لئے یہ خود ستلی میں داخل نہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں ممانعت فرمائی ہے۔

وَلَا تَزْكُوا أَنْفُسَكُمْ

اپنے نفس کا تزکیہ نہ کیا کرو

اپنے منہ سے تعریف نہ کیا کرو۔ ان بزرگ نے اپنا تزکیہ نہیں کیا بلکہ مجبوری کی وجہ سے پورا واقعہ بیان کر دیا تو ایسی مجبوری کے موقع پر سائکین کو اپنے وارث اصفیقات بیان کر دینے کی اجازت ہے۔ بلا ضرورت ایسا نہ کرنا چاہیے ۱۲



## حدیث

## کراهة النخامة فی المسجد

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی دیوار میں بلغم لگا ہوا دیکھا تو اس کو اپنے ہاتھ سے (اور ایک روایت میں ہے چھڑی سے) کھرچ دیا اور اس سے آپؐ کی ناگواری ظاہر فرمائی یا اس سے آپؐ کی ناگواری اور گرانی لوگوں کو محسوس ہوئی اور فرمایا کہ جب کوئی شخص کھڑا ہو کر نماز پڑھتا ہے تو اپنے پروردگار سے باتیں کرتا ہے یا یہ فرمایا کہ اس کا پروردگار اس کے سامنے ہوتا ہے پس قبلہ کی جانب ہرگز نہ تھوکنا چاہیے بلکہ بائیں طرف یا پاؤں کے نیچے تھوک دے یا اس طرح کرے اور آپؐ نے اپنی چادر کا کنارہ پکڑ کر اس میں تھوکا اور چادر کے ایک حصہ کو دوسرے پر رگڑ دیا۔

شرح ظاہر حدیث یہ ہے کہ نماز کو قبلہ کی جانب میں تھوکنا (سکنا) مکروہ ہے اور قدم کے نیچے اور بائیں جانب اور چادر کے کنارہ میں رگڑ دینا جائز ہے اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱) استغراق و مراقبہ سے تعمیل احکام کی نگہداشت افضل ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد کی دیوار قبلہ میں بلغم کو دیکھنا بتلاتا ہے

کہ حضور مسجد میں داخل ہو کر دائیں بائیں اور سامنے ہر طرف نظر دوڑاتے تھے اگر ایسا نہ ہوتا بلکہ آپ اسی حالت حضور و ترقی و مراقبہ میں مشغول رہا کرتے تو آپ کی اصلی حالت تھی تو ان چیزوں کو نہ دیکھتے اس سے یہ علمی مسئلہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد کی حالت میں نظر کرنا تعظیم مسجد کے طریقہ پر تھا، کیونکہ مسجد کو مولائے جلیل (حق سبحانہ) کی طرف نسبت حاصل ہے کہ اسکی عبادت کیلئے دفع ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی کے تحت میں بھی تھی آپ اس کے متعلق سوال ہو گا اور جس چیز میں انسان متصف نہ ہو خواہ مال ہو یا اہل و عیال یا اولاد کوئی مقرر تشریفات کی قسم ہے ہو اگرچہ اسکی نگہداشت کا نفع اسی کی طرف عود کرتا ہو مگر اس میں ثواب بھی ملتا ہے یعنی جبکہ وہ اسکی نگہداشت اس وجہ سے کرتا ہو کہ وہ اس کا منجانب اللہ مکلف کیا گیا ہو اگرچہ اس شے کی منفعت عام ہی ہو مثلاً امام المسلمین کے ذمہ مساجد کی اور شاہراہ عام کی اور جوان جیسی چیزیں ہیں (اوقات دستہ پنجم و مداریں فقیر سب کی نگہداشت واجب ہے، اور نفع ان کا عام ہے) امام ہی کیساتھ مخصوص نہیں چنانچہ مساجد کی متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فی بیوت اذن اللہ ان ترفعہم (لوگ جمع شام تسبیح کرتے ہیں ایسے گھر میں جہی رفعت کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے) علمائے دین نے فرمایا ہے کہ مساجد کی رفعت یہ ہے کہ ان کی حفاظت اور نگہداشت کی جائے (یہ مطلب یہ کہ ان کی عمارات بلند کی جائیں اور حفاظت کے لئے ان کی دیکھ بھال ضرور ہے تاکہ اس میں کوئی خرابی واقع نہ ہو اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ان احکام کے شارع ہیں تو آپ سب سے زیادہ ان کی بجا آوری پر ذمہ داری تھی اب وہ تو بجا آوری ہو گئی جو ہم نے بیان کی ہے اور اسکی ترغیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے اور زیادہ ہو گئی عرضت علی اجور امنی حتی القذاۃ یخرجہا الرجل من المسجد میں سامنے میری امت کے اعمال کے ثواب پیش کئے گئے یہاں تک کہ اس کے کا (ثواب بھی) جسکو آدمی مسجد سے نکال دے۔

اس میں مسجد کی نگہداشت اور اس کے

مساجد کی حفاظت و احترام کی تاکید اہتمام کی ترغیب کیونکہ ایسی چیزیں

زینکا وغیرہ خود تامل ہی سے نفا آ سکتی ہیں، اس سے یہ فقہی مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ امام  
 کو مسجد میں داخل ہونے کے بعد سجدہ کم حالت پر اہتمام و تعظیم کی نیت سے اتنا نہ اور توجہ  
 کرنا چاہیے مبادا اس میں کوئی نئی بات ہمیشہ کے انزال کی ضرورت ہو تو اس پر اس کو ثواب ملے گا  
 یا کوئی گفہ ہنگام یا کلفت کی چیز ہو تو اس کو الگ کر دے یہ بھی اچھی نیت ہے اور جو شخص بھلائی کی  
 نیت کریگا اس کو اس نیت پر ثواب ملیگا بالخصوص جبکہ وہ نیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے  
 موافق ہو اور اس حالت میں تو اس کے ثواب کا کیا پوچھنا؟ اور کیا اس قسم کی نگہداشت اور دیکھ بھال گھر والے  
 کو اپنے گھر میں بھی کرنا چاہیے؟ کیونکہ وہ بھی اس کا نگران اور محافظ ہے تو جو علت ہم نے اولاً بیان کی ہے  
 اس کا مقتضا تو یہ ہے کہ اس کو بھی گھوڑی دیکھ بھال رکھنا چاہیے کیونکہ دونوں کا ایک باب ہے ایک علت کے تحت میں  
 دونوں داخل ہیں البتہ مسجد کی تعظیم کی حکم زیادہ مؤکد ہے بوجہ ان کی تعظیم کے کہ وہ شعائر اسلام میں داخل ہیں  
 اور شعائر کی تعظیم قرآن کی رو سے تقویٰ کا ایک فرد ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَمَنْ يَعْلَمْ  
 شعائر اللہ فانہا من تقویٰ القلوب اور جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے تو یہ  
 اس کے قلبی تقویٰ کی دلیل ہے مگر مسجدوں کی تعظیم ایسی نہ ہونی چاہیے جیسی اہل کتاب یہود  
 نصاریٰ اپنے گرجاؤں اور کلیساؤں کی تعظیم عمارت اور نقش آرائی سے کرتے ہیں کیوں کہ  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے اور اس کو علامات تیاہت میں شمار کیا  
 ہے اور ہمارے زمانہ میں اس کا ظہور ہو گیا ہے کہ مسجدوں کی عمارت کو نقش و نگار اور کپڑوں  
 (پتوں) سے آراستہ کرنے لگے ہیں پھر ان میں آمدنی وصول کرنے اور کھانے پینے شوروں  
 کرنے خرید و فروخت کرنے کے لئے آتے ہیں اور یہ اس طریقہ کے خلاف ہے، جو رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم اندر آپ کے خلفاء کا تھا اور اس زمانہ میں مسجدوں کو ان نزوات سے پاک رکھا  
 جاتا تھا اور نماز و ذکر و تلاوت قرآن و تبلیغ اسلام و فصل قضا کے لئے مخصوص کیا جاتا تھا  
 پس مسلمانوں کو چاہیے کہ مساجد کو خزانات دنیا سے پاک رکھیں اور ان کی تعظیم بجا آئی ہو  
 نہ کریں اگر مسلمان شعائر اللہ کی عظمت نہ کریں گے تو ان کی بھی دنیا میں کچھ عظمت باقی نہ رہے گی  
 جیسا آج کل مشاہدہ میں آ رہا ہے (۱۲) ایک بزرگ نے کسی شخص کو مسجد میں قنوت پڑھنے دیکھا فرمایا  
 گناہ کا کام نہ کر دے اس نے جواب دیا کہ اس کا کفار یہ ہے کہ اس کو دین کو دیکھ جائے بزرگ موصوف  
 نعم اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تو تم کو گناہ سے روکتا ہوں اور تم جواب میں کفار کا ذکر کرتے ہو کہ تم

کو تبرئیں کہ گناہ سنا مغفرت طلب کرنے اور توبہ کرنے سے افضل و مقدم ہے میں نے ایک عالم کو جو علم و فتویٰ میں مقتدا تھے دیکھا کہ وہ مسجد میں بیٹھے ہوئے اس باغیچہ میں بھی ٹھونا پسند کرتے تھے جو مسجد کے قریب تھا حالانکہ وہ مسجد کے ذنا میں بھی داخل نہ تھا اور وہ مسجد کے کنارہ پر بیٹھے ہوئے تھے پھر بھی مسجد میں بیٹھ کر باغیچہ میں نہ تھوکتے بلکہ مسجد سے باہر آ کر تھوکتے تھے تاکہ تھوکنے کی ابتدا بھی مسجد سے نہ ہو اگرچہ بلفم وغیرہ مسجد میں بیٹھ کر تھوکنے سے بھی مسجدیں نہ گرسکتا تھا مگر یہ اندیشہ ضرور تھا کہ کچھ حد مسجد میں گر جائے گو سولی کے ناکہ کے برابر ہی ہو اور کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ مسجد ہی میں گر جائے باہر نہ جائے اور جو حدیث ہے بیان کی ہے وہ اس سے مانعت پر شاہد ہے (مراد یہ حدیث ہے النخامة فی المسجد خطیئة و کفار تہاد فہا کہ مسجد میں بلفم وغیرہ ڈالنا گناہ ہے اور اس کا کنارہ ذن کر دینا ہے جس سے مطلقاً مسجد میں تھوکنے یا سکنے کی مانعت ہے) تو مجھ ان کا مسجد کے ساتھ یہ ادب احترام بہت پسند آیا

قولہ الوجه الاول رویہ علیہ السلام النخامة فی القبلة الی فاعجبنی ذلک الاختراعه فی اس تقریب سے معلوم ہوا کہ ہر وقت استغراق اور رات بے رہنا کمال نہیں بلکہ کمال ہے کہ ہر وقت کمیتوں جو احکام شریعت کی طرف سے واد ہوں ان کی نگہداشت رکھی جائے اور جن چیزوں کی نگرانی و خبر گیری انسان کے ذمہ ہے ان کی دیکھ بھال کرتا ہے مگر اس کا منشا حفظ نفس نہ ہو بلکہ تعمیل حکم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس کا مکلف کیا ہے عارف اور غیر عارف میں فرق یہی ہے غیر عارف اپنے نفس کی اہل خیال و مال کی نگہداشت محض حفظ نفس کے لئے کرتا ہے تعمیل حکم کا کو خیال ہی نہیں آتا اور عارف یہ سب کام تعمیل حکم کے لئے کرتا ہے نفس کے لئے غفلت کیساتھ کام نہیں کرتا قال القلندر رحمہ

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است      افتم بجای خود کہ بجویت رسیدہ است  
 ہر دم نرا دوسرے دم دست خویش را      کو دامت گرفتہ بسویم کشیدہ است  
 ہم نے اپنے اکابر کو اسی طریق پر پایا ہے کہ وہ ہر دم استغراق میں نہیں رہتے بلکہ تعمیل احکام میں مشغول رہتے ہیں

فت حدیث سے مساجد کے احترام کی بھی تاکید معلوم ہوتی افسوس آجکل ممالک پر  
اسی باب میں کوتاہی ہونے لگی ہے مساجد کے اندر دنیا بھر کے قسے اور فضول بھاس کی جاتی ہے  
بعض بے ادب تنوکنے میں بھی احتشام نہیں کرتے ہم نے اپنے اکابر کو اس باب میں بہت غماظ  
پایا ہے مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ حضرت اقدس <sup>رحمۃ اللہ علیہ</sup> ملا خلیل احمد صاحبہا قدس اللہ سرہ بریل  
ایک مدرسہ کے جلسہ میں تشریف لے گئے جلسہ کی جگہ ایسے مقام پر تھی جہاں مسجد میں کوہو کر  
جانا پڑتا تھا اور لوگ بے تکلف ہو کر جلسہ میں جا رہے تھے حضرت اقدس کو یہ خبر نہ تھی کہ جلسہ  
مقدس باہر ہوگا مسجد میں داخل ہونے کے بعد جب مجمع کو مسجد سے باہر دیکھا تو فرمایا اگر تم  
تو مسجد کو راستہ اور گزرو گاہ بنالیا۔ بھائی تقویٰ دیر مسجد میں ٹھہر جاؤ کچھ ذکر و تسبیح یا نماز یہاں پڑھو  
کچھ دیر بعد جلسہ میں چلیں گے چنانچہ حضرت نے اور حضرت کے خدام نے اسطرح کیا فہم کذا  
فلینک احترام المساجد بیوت اللہ

(۱۶۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی صفائی کا خود اپنے ہاتھ

سے اہتمام فرمایا ہے جس میں آپ کی تواضع کا ثبوت ہے حدیث کے اس  
لفظ میں کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے ہاتھ سے کسر چ دیا چند علمی مسائل ہیں ایک یہ کہ اس میں  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع کا ثبوت ہے کہ حضور نے مسجد کی صفائی کا خود اپنے ہاتھ  
سے اہتمام فرمایا کسی دوسرے کو حکم نہیں دیا حالانکہ ہزاروں خدام موجود تھے دوسرے یہ کہ لوگوں  
کو بڑی بات سے منع کرنے کا یہ طریقہ زیادہ مؤثر ہے اور اس میں مسجد کا اخلاص بھی کمال درجہ  
تھا کہ حضور نے اپنے دست مبارک سے قنوک اور بلغم کو اس مسجد کی دیوار سے صاف کیا ایک  
روایت میں ہے کہ اس کے بعد اپنے اس جگہ مشک بھی لگا دیا تھا۔ تیسری یہ کہ نیک کام کرنے والے  
کو یہ نہ چاہیے کہ کسی نیک کام کو معمولی سمجھ کر چھوڑ دے (بلکہ ہر کام کی طرف پیش قدمی کرنا چاہیے  
کیا خبر اللہ تعالیٰ کو کوئی نیک کام پسند آئے گا کیونکہ جب عبادت سے تنگ نکالنے پر بھی ثواب ملتا ہے  
تو اس کام کا کیا پوچھنا؟ جس کا حضور نے اس قدر اہتمام فرمایا اسی کی نظیر وہ ہے جو بعض صحابہ کے

کیستعلیٰ متحول ہے کہ ایک غزوہ میں دو باپ بیٹوں نے اس بات کیلئے قرعہ اندازی کی کہ دونوں میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کون جائے؟ تو بیٹے کا نام قرعہ میں نکلا۔ کہا بیٹا اس غزوہ میں تو اپنی جگہ بچے جانے دے بیٹے نے کہا اباجان یہ تو جنت لینے کا معاملہ ہے اس میں اپنے اور پر میں آپ کو ترجیح نہ دوں گا چنانچہ وہی گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شہید ہو گیا۔

نیز اس میں تمام نیکیوں کے انساب کی ترغیب، اگرچہ اس شخص کو ضرور بھی نہ ہو حق تعالیٰ شائد خطا ہے ولا تمنن تستكثر جسکی تفسیر میں بعض علمائے فرمایا ہے کہ نیکی کرنے سے کمزور نہ بنو اور یہ نہ کہو کہ میرے پاس تو بہت نیکیاں ہیں جو مجھے کافی ہیں اور اس میں خطاب تو

عہ ان حضرات کی شہادت کا کیا کہنا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اللہ کے لئے اپنی جان نثار کرتے تھے اور گویا مرنے ہوئے حضور سے بزبان حال عرض کرتے تھے۔

بجز عشق تو ام کی کشند و غوغا نیست تو نیز بہر را آ کہ خوش تماشا نیست

اکی شہادت کا کیا پوچھنا جن کے جذبہ شہادت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گواہ تھے۔ اللہ ان حضرات صحابہ کو اللہ و رسول سے کیسی سچی محبت تھی کہ ان کے اپنے بچے اور نوجوان بھی شوق شہادت میں بڑھ اٹھتے اور پختہ ماؤں سے پیش پیش تھے جنگ ید میں ابو بکر کے قاتل دونوں جوان بچے تھے حضرت عمر بن ابی وقاص کے چھوٹا بھائی عمر بن سعد و سالہ نوجوان جنگ ید کے موقع پر لشکر کی پیشی کی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں سے بچتے پھرتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ غصہ کی نظر پڑ جائے اور سچو سمجھ کر لشکر سے الگ کر دیں حضرت سعد نے حضورؐ ان کا حال عرض کیا تو آپ نے اجازت دیدی اس وقت ان کی خوشی کی کچھ انتہا نہ تھی خوشی خوشی بن پر ہمتیار سچے نوجوان زمین پر گھٹنے لگی اس کو با حضورؐ سے نبھال کر ادسپا کرتے جاتے تھے باہر اس خاسی شوق اور تیز رفتاری میں جنگ کے وقت بڑے بڑے بہادروں کی مقابلہ میں باڈے اور ایک دو کو مارنے پر بس نہ کیا براہمت بہکت چلے گئے اور شہید ہو گئے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں میں پھر یہ جذبہ شوق شہادت پیدا فرما دیں تو ہم اے دن پھر جائیں مگر یاد رکھو یہ جذبہ اسلامی جھنڈے کے نیچے پیدا ہو سکتا ہے کفر کے جھنڈے تلے نہیں پیدا ہو سکتا جس میں کفر کی اسلام پر حکومت ہے ۱۲ ظ



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہے مگر مروا امت کو تعلیم دینا ہے۔

قولہ وحکمها بیدلہ فیہ من الفتۃ وجوہ الی قولہ الخطاب فیہ لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والمراد امتہ۔

(۱۷۳) مخالفت شریعت سے مسلمان کو تغیر ہونا چاہیے حدیث کا

اس سے اپنے ناگواری ظاہر فرمائی یا آپ کی ناگواری لوگوں کو عکس ہوئی اس سے یہ مسئلہ متنبط ہوا کہ مومن جب کوئی ناگوار چیز دیکھتا ہے تو اس سے اسکو تغیر ہوتا ہے اور یہ تغیر اس کے ایمان کی مقدار کے موافق ہوتا ہے چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان سب سے زیادہ کامل تھا اس لئے اس ناگوار چیز آپ کو تغیر ہوا اور چونکہ وہ تغیر آپ کے چہرہ پر ظاہر ہوا اس مقام تک پہنچا کہ جو کہتے ہیں کہ حضور کو تغیر اس وجہ سے ہوا کہ قبلہ کی یحرمی کی گئی تھی یا اس وجہ سے ہوا کہ اس حرکت کر نیوالے کو گناہ ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنی طبیعت سے تمام عالم پر رحمت فرماتے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فلا تذهب نفسك عليهم حسرات کہ ان کافروں پر حسرت اور رنج کر کے آپ کی جان نہ جاتی ہے تو مومنین کے ساتھ آپ کی رحمت کا کیا حال ہوگا اور یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں باتوں کا مجموعہ سبب تغیر ہوا اور یہی زیادہ ظاہر ہے اسی طرح مسلمانوں کو بھی چاہیے کہ حرماً اللہ کی یحرمی سے موقع پر ان میں تغیر پیدا ہو جائے۔

جب کسی مسلمان کو کوئی مصیبت پیش آئے اس وقت بھی سننے

والے یا دیکھنے والے کی طبیعت میں تغیر پیدا ہونا چاہیے

اور جب کسی مسلمان کو کوئی مصیبت پیش آئے اس وقت بھی بالخصوص جبکہ وہ مصیبت دینی ہو کیونکہ یہ تو بہت بڑا خسارہ ہے اور اگر دین و دنیا دونوں میں مصیبت ہو تو اس کا کیا پوچھنا اس وقت تو زیادہ تغیر ہونا چاہیے اور ان ہی مبارک صفت کی وجہ سے حضرات صوفیہ دوسروں پر سبقت لے گئے ہیں چنانچہ اسی کے موافق ایک بزرگ کی حکایت ہے

کہ بعض معاملات میں ایک شخص ان کا شریک تھا ایک دن اس کو بلایا گیا تو لوگوں نے عرض کیا کہ وہ تو گناہ میں مبتلا ہے فرمایا میرا ساتھی اس حالت میں ہے اور میں زندہ ہوں چھوڑو! وضو کیا اور خلوت خانہ میں داخل ہو گئے اور یہ عہد کر لیا کہ جب تک اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں میری سفارش منظور نہ فرمائی گے باہر نہ آؤں گا۔ اس کے بعد وہ شریک گناہ سے فانی ہوا تو کسی نے اس کو اطلاع کی کہ تم کو تمہارے شریک نے بلایا ہے وہ آیا تو لوگوں نے اس سے کہا کہ وہ تو تیری ہی وجہ سے خلوت خانہ میں داخل ہو گئے ہیں یہ سن کر اس پر ماتر ہوا وہ کہنے لگا کہ ان سے کہہ دو اب باہر آجائیں میں قسم کھاتا ہوں کہ بچہ اب سے یہ حرکت نہ کرے گا پھر اس نے توبہ کی اور اس کی حالت اچھی ہو گئی۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ حدیث میں زچہ کامل کے لئے کراہت (ناگواری) کا اظہار فرمایا ہوتا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ دین کے فضائل احکام میں سے ہے، اس صورت میں اس قسم کی کمروہات دیکھنے پر ہم کو بھی کراہت ظاہر کرنا چاہیے یہی سنت ہے، ایک احتمال یہ بھی ہے کہ آپ کو طبع مبارک کی وجہ سے طبعی طور پر بلا اختیار ناگواری پیش آتی ہو اور آپ نے اس میں کچھ زیادت بالقصد فرمائی ہو تاکہ ہر شخص اس معاملہ میں آپ کی اقتداء کرے جس کو طبعاً ناگواری پیدا ہو وہ بھی اور جس کو طبعاً ناگواری نہ ہو وہ بھی متام احتمالات میں یہ احتمال زیادہ ظاہر ہے۔

**احکام الہی کی بے حرمتی کے موقع پر طبیعت میں ناگواری پیدا ہونا**

اور اس سے یہ مسئلہ ماخوذ ہو گا کہ ایسے مواقع پر علامات ایمان میں سے ہے طبیعت میں ناگواری کا پیدا ہونا ایمان کی علامت ہے چنانچہ ایک دوسری حدیث میں جو تغیر منکر کے متعلق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ جس کو امر منکر کے مٹانے کی طاقت نہ ہو وہ تلبے اس کو مٹائے (یعنی دل میں اس سے کراہت کرے اور اس کے زفال کی دعا کرے) وذلك اضعف الایمان محفوظ فرماتے ہیں اور یہ ایمان کا ادنیٰ درجہ ہے۔

مواقع مذکورہ میں ناگواری زیادہ ہونا سنت ہے اور اس ننگواری میں زیادتی ہونا سنت ہے

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار ہے۔

الوجه الثالث قوله ورثي منه كراهة الى قوله وتكون الزيادة فيه

سنة واقتداء به صلي الله عليه وسلم

فے غلام یہ کہ جب مسلمانوں پر کوئی دینی یا دنیوی مصیبت نازل ہونے کی خبر سنی جائے یا کوئی شخص بر ملا احکام الہی کی مخالفت کرے اس وقت دوسرے مسلمانوں کے دل میں کوئی حس نہ رہنا چاہیے بلکہ ان کی طبیعت میں تغیر پیدا ہونا چاہیے۔ پہلی صورت میں یہ تغیر شفقت کے رنگ میں ہوگا جیسا ایک حکایت کے ضمن میں گزر چکا ہے کیونکہ ان بزرگ کے سامنے اس شخص نے گناہ کا ارتکاب نہ کیا تھا بلکہ ان کو خبر پہنچی تھی جس کا یہ اثر ہوا کہ وہ چین ہو گئے اور اس کے لئے دعا میں مشغول ہو گئے دوسری صورت میں یہ تفسیر کراہت اور ناگواری اور غصہ کی صورت میں ہوگا جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی دیوار میں محفوک شک دیکھ کر کراہت اور غصہ کا اظہار فرمایا یہاں سے ان لوگوں کی غلطی دفع ہو گئی جو اولیاء اللہ سے ہر وقت شفقت اور نرمی ہی کے منتظر و متنی رہتے ہیں اور اگر وہ کسی بیجا حرکت پر ناگواری اور غصہ کا اظہار کریں تو اعتراض کرتے ہیں کہ یہ تو اخلاق محمدیہ کی خلاف ورسی ہے ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ احکام الہی کی مخالفت اور بیعتی کے موقع پر کراہت و ناگواری کا اظہار بھی اخلاق محمدیہ میں سے ہے۔ علماء اسلام نے اسکو سنت اور اقتدار نبوی میں داخل کیا ہے خصوصاً جب کوئی شخص اپنے کو اصلاح نفس کے لئے کسی کے سپرد کرنا چاہتا ہو اس کو تو شفقت و نرمی کی خواہش کا دوسرے بھی دل میں نہ لانا چاہیے کیونکہ اصلاح نفس آسان نہیں ہے اس کے لئے بڑے بڑے مجاہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب شیخ مصلح کا اختیار ہے خواہ اس سے عبادت شاقہ کر لے یا محض زبرد تو یہی سے ہی اصلاح کر دے، اگر غور کیا جائے تو اس صورت میں طالب اصلاح کا زیادہ نفع ہے کہ سہل مجاہد سے کام بن گیا مگر اس کی قدر وہی کرتا ہے جو واقع میں طالب

دینہ نام کے طالب اس کی قدر نہیں کرتے بلکہ گھجھراتے ہیں سوان کو مولانا دمی کا یہ  
ارشاد غویسے پڑھنا چاہیے

چوں بہر زخمے گریزانی ز عشق تو بجز زلے چہ می دانی عشق

حدیث کا یہ لفظ

(۴۱) نماز میں حق تعالیٰ سے مناجات کی حقیقت کہ جب کوئی نماز

پڑھتا ہے تو اپنے پورے دل سے مناجات کرتا ہے الخ اس میں یہ سوال ہوگا کہ اس مناجات  
کی حیثیت کیا ہے؟ کیونکہ لغت مناجات یہ ہے کہ دو آدمیوں یا دو سے زیادہ کے درمیان  
خفیہ بات چیت ہو اور یہاں تو بات کریں والا ایک ہی ہے یعنی ظاہر میں صرف نماز ہی  
تہا بات کریں والا ہے تو مناجات کیونکر ہوگی، اس حقیقت کو ایک بزرگ نے بیان فرمایا  
ہے جو علم اور اتباع سنت میں مقتدا تھے ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ کس حالت میں ہیں؟  
میں اچھی حالت میں ہوں۔ میں عبادت میں دو حالتوں کے درمیان ہوں کبھی اپنی تسبیح  
اور دعا سے میں اپنے مولا کے ساتھ باتیں کرتا ہوں کبھی وہ مجھ سے باتیں کرتے ہیں جبکہ میں  
کتاب اللہ کی تلاوت کرتا ہوں کہ اس وقت پڑھنے والا تو میں ہوتا ہوں اور مجھ سے خطاب  
کرنیوالے وہ ہوتے ہیں۔

الوجه الرابع قوله اذا قام يصلي فاستبأ بها حتى ربه الى قوله وهو مخاطب الى

فان ان بزرگ نے جو یہ فرمایا ہے کہ تلاوت کتاب اللہ کے وقت پڑھنے والا تو میں ہوتا

ہوں اور مجھ سے خطاب کرنیوالے وہ ہوتے ہیں اس کی ایسی مثال ہے جیسے بادشاہ اپنے کسی  
غلام یا کوکر کو کچھ باتیں لکھ کر دے کہ ان کو پڑھ لیا اور ان کے موافق عمل کرو تو یہ شخص جس  
وقت وہ باتیں پڑھے گا اس وقت پڑھنے والا تو وہ ہوگا مگر اس سے خطاب کرنے والا  
بادشاہ ہوگا کیونکہ اس میں اس قسم کی باتیں ہوں گی کہ تم کو یہ کرنا چاہیے اس طرح چلنا  
چاہیے فلاں بات سے بچنا چاہیے وغیرہ اور یہ خطاب تمام تر بادشاہ کی طرف سے  
ہے یہی حال نماز کا ہے جس وقت وہ نماز میں یا نماز کے علاوہ کسی وقت قرآن کی تلاوت  
کرتا ہے اس وقت پڑھنے والا تو وہ ہے مگر اس سے خطاب کرنیوالے حق تعالیٰ ہیں کیونکہ قرآن

میں جو کچھ بھی ہے بندوں کے لئے ہدایات ہی تو ہیں کہ تم کو یہ کرنا چاہیے وہ نہ کرنا چاہیے اللہ کے خاص بندوں کے طریقہ پر چلنا چاہیے مردودوں کے راستہ سے دور رہنا چاہیے۔ پہلی صورت میں تم کو یہ انعام و اجر ملے گا۔ دوسری صورت میں سخت عذاب مصیبت کا سامنا ہوگا وغیرہ وغیرہ فے بعض اہل حال کو تلاوت قرآن کے وقت یہ معلوم ہوتا ہے کہ پڑھنے والے بھی حق تعالیٰ ہیں اور خطاب کرنے والے بھی ہیں اور درمیان میں بندہ کی حالت وہ ہے جو شجرہ موسیٰ کی حالت تھی جیکمان کو درخت میں سے آواز آئی تھی اٰی، اِنَّ اللہَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ کہ میں ہوں اللہ تمام جہانوں کا پالنے والا۔ ظاہر ہے کہ اس وقت خطاب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا اور کہنے والے بھی وہی تھے غرض کہ اس میں کچھ بھی دخل اس کے سوانہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر آواز پیدا کر دی تھی اسی طرح بعض دفعہ عارف کی حالت تلاوت قرآن کے وقت ایسی ہو جاتی ہے کہ گویا اسکی ہستی درمیان سے غائب ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر آواز پیدا کر دی ہے جس سے یہ خود نہیں بول رہا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کلام فرما رہے ہیں وہی خطاب فرما رہے ہیں اس کا اس میں کچھ دخل نہیں، یہ حالت جب ترقی پاتی ہے تو ذکر میں بھی اس کو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود نہیں بول رہا بلکہ اس کے اندر آواز پیدا کر دی گئی ہے اللہ تعالیٰ خود ہی اپنا ذکر فرما رہے ہیں جس پر یہ حالت طاری ہو اس کو اس وقت شیخ کے پاس رہنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ اس کو حدود سے باہر نہ ہونے دے، اگر بندہ اس حالت میں حدود پر قائم رہا تو ایسے عالی مقام تک ترقی ہوگی جس کا اس کو دہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا اور جو اس حالت میں حدود سے نکل گیا اس کے لئے خطرہ ہے اگر اس کے ارادہ اور قصد کو کچھ بھی حد سے نکلنے میں دخل ہوا۔

حفظنا اللہ وایاکم من کل شر ورفعت الثبات علی السنۃ النبویۃ و الصراط المستقیم ۛ

درداء عشق و سوسہ اہرن بیست . ہشیار گوش را بہ پیام سرگوش دار

پیام سرگوش سے مراد وحی الہی ہے قالہ سیدی حکیم الامت دامن مجہد و علاہ ۱۲ ظ

فے اس مقام پر دل میں تعاضا ہے کہ نماز کی مناجات کو ذرا کھول کر بیان کر دیا جائے کیا عجیب ہے کہ کسی کو اس سے نفع ہو اور وہ اس ناکارہ رو سیاہ کھیلے دما کر دے اور مجھے اس پر عمل کی توفیق ہو پس سمجھنا چاہیے کہ نماز کی وقت عافین کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ یقین کیساتھ یہ سمجھ کر کھڑے ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہے ہیں اور جو کچھ ہم نماز میں کہتے ہیں اس کو سن رہے ہیں اور ہر بات کا اس کے مناسب جواب دے رہے ہیں چنانچہ جس وقت وہ نماز کے لئے دونوں ہاتھ اٹھا کر تکبیر تحریم کہتے ہیں تو ان کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ ملائکہ سے فرما رہے ہیں کہ عبدی و ذہل عما سواہ میکر بندے نے میری بڑائی کو پہچان لیا اور میکر ماسولے الگ ہو گیا۔ جب وہ شمار پڑھتا ہے تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں حمد فی عبدی میرے بندے نے میری حمد کی جب وہ کہتا ہے الرحمن الرحیم حق تعالیٰ فرماتے ہیں اثنیٰ علی عبدی میرے بندہ نے میری ثنا کی جب وہ کہتا ہے مالک یوم الدین حق تعالیٰ فرماتے ہیں مجد فی عبدی میکر بندہ نے میری بندگی بیان کی جب کہتا ہے ایاک نعبد و ایاک نستعین حق تعالیٰ فرماتے ہیں ہذا بیفی و بین عبدی یہ بات میکر درمیان اور میکر بندے کے درمیان مشترک ہے یعنی بندہ کی عبادت تو میکر لئے ہے اور میری مدد اس کے لئے ہے جب وہ کہتا ہے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین تو حق فرماتے ہیں ہذا العبدی و لعبدی ماسال یہ میکر بندے کی درخواست ہے اور جو وہ مانگتا ہے میں نے اس کو دیدیا۔ جب وہ اس کے بعد قرآن کی کوئی سورت پڑھتا ہے تو فرماتے ہیں فتحت لعبدی البواب معرفتی و ہدایتی میں نے اپنے بندے کے لئے معرفت و ہدایت کے دروازے کھول دیئے جب تکبیر کہتا ہوا رکوع کرتا ہے تو وہ فرماتے ہیں کہ عبدی و عرف عظمۃ صفاتیٰ فرکہ لی میکر بندے نے میری بڑائی کا اقرار کر لیا اور میری عظمت صفات کی معرفت حاصل کر کے میکر سامنے جھک گیا، حیث سمع اللہ من

حمدہ دینا دلک الحمد کہتا ہے تو فرماتے ہیں سمعت لعبدی وقبلت حمدہ میں نے اپنے بندے کی بات کو سن لیا اور اسکی حمد کو قبول کیا، جب وہ تکبیر کہتا ہوا سجدہ کرتا ہے تو فرماتے ہیں کبرنی عبدی و عرف علو ذاتی فجد لی میک بندے نے میری بڑائی کا اقرار کیا اور میری علو ذات کی معترفی حاصل کر کے سجدہ میں گر گیا جب تکبیر کہتا ہوا سجدہ سے سر اٹھاتا ہے فرماتے ہیں کبرنی عبدی و عرف عجزی ادراکی میک بندے نے میری بڑائی کا اقرار کیا اور میری عزت کے ادراک سے اپنی عجز و کمزوری کو جان لیا جب دوبارہ سجدہ کرتا ہے فرماتے ہیں کبرنی عبدی و سجد لی تقرب الی میرے بندے نے بڑائی کا اقرار کیا اور مجھ سے قرب حاصل کرنے کے لئے پھر سجدہ کیا۔ جب تکبیر کہتا ہوا دوسری رکعت میں کھڑا ہوتا ہے فرماتے ہیں کبرنی عبدی و تقرب الی میرے بندے نے میری بڑائی کا اقرار کیا اور مجھ سے قرب حاصل کر لیا پھر فاتحہ اور رکوع و قومہ و سجدہ میں وہی معاملہ ہوتا ہے جو رکعت اولیٰ میں ہوتا ہے جب وہ دوسری رکعت میں التہیات کے لئے بیٹھتا ہے تو فرماتے ہیں وصل عبدی الی مجلس قرآنی بتحقیق و حیا اہل مجلسی بتحقیق و شہد لی بشہادۃ الحق میرا بندہ میری مجلس قرب میں پہنچ گیا اور میری شان کے مناسب تحیہ اور تعظیم بجالایا اور میری مجلس والوں کا بھی ان کے درجہ کے مناسب ادب کیا اور میرے سامنے سچی شہادت پیش کی۔ قعدہ اخیرہ میں جب التہیات کے بعد جب درود شریف پڑھتا ہے تو فرماتے ہیں توسل الی عبدی بحبی و خلیلی میک بندہ نے میرے حبیب اور خلیل کو وسیلہ بنایا اس کے بعد جب وہ دعا کرتا ہے تو حق تعالیٰ ملائکہ سے فرماتے ہیں ما جزاء عبدی فی عملہ اس بندہ کی جزا کیا ہے جو اپنا کام پورا کر دے ملائکہ عرض کرتے ہیں ہرنا جزاءہ ان یوفی اجرہ اس کی جزا یہ ہے کہ اس کو پورا اجر دیا جائے تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں اشهد و افتد غفرت لعبدی واستجبت دعاءہ و ادخلتہ فی عملہ الصالحین گواہ رہو میں نے اپنے بندہ کو بخش دیا اس کی دعا و غبادت قبول کی

اور اس کو اپنے لائق بزد میں داخل کر لیا، اس کے بعد بندہ خوشی خوشی دایں بائیں فرشتوں کو اور دوکتوں کو سلام کرتا ہے گویا اپنی کامیابی کی بشارت سنا رہا ہے اس تفصیلی مناجات میں سورہ فاتحہ کے اندر جو کچھ لکھا گیا ہے کہ حق تعالیٰ یوں فرماتے ہیں وہ تو حدیث صحیح کا مضمون ہے اور بقیہ حالات کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے کہ حق تعالیٰ یوں فرماتے ہیں وہ قلبی واردات ہیں جو انشاء اللہ حدیث انا عند ظن عبدی کے تحت میں داخل ہیں۔

رَزَقْنَا اللّٰهَ وَاَيُّكُمْ رَتَمَ اَمَّا الصَّلٰوةُ وَتَمَامُ رَضْوَانِهِ وَخَتَمَ لَنَا بِالْحَسَنَةِ آمِينَ

(۵۱) قرآن کلام اللہ ہے، جب تیری قرآن پڑھتا ہے اللہ کا کلام

پڑھتا اگرچہ پڑھنا قاری کا فعل ہے حدیث کا یہ لفظ کہ نمازی اپنے پروردگار سے مناجات کرتا ہے، اہل سنت کی دلیل ہے جو یہ فرماتے ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور قرأت قاری کا فعل ہے اور جو کچھ وہ پڑھتا ہے وہ اللہ کا کلام ہے قاری کا کلام نہیں اور صفت موصوف سے جدا نہیں ہوتی (لوحسن وقت بندہ قرآن پڑھتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ کلام فرماتے ہیں) اس سورہ میں نماز حقیقت مناجات ہوگی کیونکہ وہ قرأت قرآن اور تسبیح دعا پر مشتمل ہے۔ جس میں تسبیح و دعا نو بندہ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض معروف ہے اور قرأت قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ کو خطاب ہے اسی لئے بعض اہل صفا اور مبارک حالات والوں نے کہا ہے کہ جب وہ حضور کامل کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں تو اس وقت قوت یتیم اور تصدیق کامل کی وجہ سے حروف کی حرکات کے دائرہ سے نکل جاتے اور بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کا کلام بلا صوت و حروف کے سنتے ہیں اور اس حالت کو اہل ذوق ہی سمجھ سکتے ہیں جو وہ وسنت کے موافق سلوک طے کرتے ہیں مگر ایسے بہت کم ہیں۔

الوجه الخامس قوله صلى الله عليه وسلم فانما يتبحر دليلا لاهل السنة



الی قولہ وقتلیل ماہم۔

فے اس مقام کی طرف اشارہ اور پگندہ چکا ہے ملاحظہ فرمایا جائے۔

(۱۷۶) اللہ تعالیٰ جسم اور حلول پاک ہیں اور اس جملہ کا فائدہ کہ اللہ تعالیٰ

نمازی کے اور قبلہ کے درمیان ہوتے ہیں <sup>حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ</sup> اشارہ کہ اس کا رب اس کے

اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے۔ اہل تحیم و اہل حلول کے بطلان دعویٰ کی دلیل ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ حلول اور تیز اللہ تعالیٰ شانہ کے حق میں محال ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ جل جلالہ ان کے قول کے موافق (معاذ اللہ) عرش پر حلول کے ساتھ تشریف فرما ہوتے

تو یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہاں بھی ہوتے اور نمازی کے اور اس کے قبلہ کے درمیان بھی ہوتے اور سوچو تو سہی کہ ایک ہی زمانہ میں زمین کے مختلف اقطار و جوانب میں مختلف جہات میں کتنے نمازی (نمازیں مشغول) ہوتے ہیں اگر حق تعالیٰ ہر جگہ حلول و تحیم کے ساتھ موجود

ہوں گے تو یا ذات خداوندی میں تعدد لازم آئیگا کہ خدا ایک نہیں بلکہ بہت سے ہیں یا اس کی ذات میں تقسیم جاری ہوگی (کہ خدا کا کچھ حصہ کسی جگہ ہے کچھ کسی جگہ ہے) اور یہ

ہماری نزدیک ہے اور ان کے نزدیک بھی بالاتفاق محال ہے۔ پس تاویل سے چارہ نہ ملے تو جیسے ہم تاویل یہاں کرتے ہیں اسی طرح دوسری حدیثوں اور آیتوں میں بھی تاویل

کریں گے۔ اس اجمالی اشارہ کے بعد اب ہم یہ بتلاتے ہیں کہ اس لفظ میں فائدہ کیلئے ہے کہ اس کا رب نمازی کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے تو اس میں بطور کنایہ کے بتلایا

گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خیر برکت نمازی کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو پوری طرح احاطہ کئے ہوئے ہیں کیونکہ جب وہ نمازی کے اور قبلہ کے درمیان ہیں تو اس کی حرکت و سکون

ان سے پوشیدہ نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی و غوث اقرب الیہ من حبل الوریب ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں اسی احاطہ سے لکھایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کو محیط ہیں جزئیات کو بھی کلیات کو بھی قریب

کو بھی بے عیب کو بھی مغنی کو بھی، غرض تمام جہانوں کو یکساں طور پر محیط ہیں  
اللہ سبحانہ سے ان کی کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں۔

فے بعض لوگوں کو بعض آیات و احادیث سے یہ شبہ ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر اسی  
طرح بیٹھے ہیں جس طرح انسان تخت پر بیٹھتا ہے۔ یہ اعتقاد باطل اور غلط ہے بہت  
سے جاہل صوفی اس غلطی میں مبتلا ہیں اور بعض کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان کی  
صور میں حلول کر لیتے ہیں جیسا عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق نصاریٰ کا عقیدہ ہے۔ یہ  
اعتقاد بھی توحید کے خلاف اور غلط ہے اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے پاک اور  
منزہ ہیں جس طرح ہم ان کی ذات کے اور اکتے عاجز ہیں ان کی صفات کی حقیقت  
سمجھنے سے بھی قاصر ہیں اور جتنا اپنی سمجھ کے موافق ہم سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے بھی  
وہاں اور ہیں صوفی کو اپنا اعتقاد اہل سنت کے موافق درست رکھنا چاہیے کہ اس  
کے مواضع اعتقادات میں باطل و غلط ہیں۔

## (۱۷۷) اللہ تعالیٰ جہت و مکان سے منزہ ہیں اور تعین قبل کی حکمت

اس ارشاد میں حکمت یہ ہے کہ عبادت کرنیوالا چونکہ حادث ہے مکان میں مقید  
ہے اور معبود برحق حدوث اور مکان سے منزہ ہے تو اس فانی محتاج کو ذات قدیم  
جلیل سے قرب ممکن نہ تھا خصوصاً جبکہ وہ عابدوں کی عبادت سے مستغنی بھی ہے  
اور یہی اس کی عبادت کے محتاج ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے عبادت کرنیوالوں کے لئے عبادت  
کی جہت اور کچھ علامات ان کے حدوث کے مناسبین کر دیں اور ان کو اپنی ذات  
جلیلہ کی طرف منسوب کر دیا جس سے ان علامات کو بھی شرف و رفعت عطا کی  
گئی اور بندوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس عبادت (تخیر و تاقصہ) کو ان سے قبول فرمایا  
اور اس کی وجہ سے ان سے ملائی ہو گئے اسی لئے حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

مَنَیْمَا تَوَلَّوْا فَنَّمْ وَحْدَ اللّٰہِ

کہ تم جس طرف بھی رخ کرو اللہ کی ذات ادھر ہے

شان نزول یہ ہے کہ جب قبلہ بیت المقدس سے کعبۃ اللہ کی طرف محول کیا گیا اور کچھ لوگ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے ہوئے انتقال کر گئے بیت اللہ الحرام کی طرف نماز پڑھنے کا ان کو موقع نہ ملا تو ان کے خاندان والوں پر ان کی یہ حالت گراں ہوئی کیونکہ ان کے خیال میں دیوار کعبہ مقصود تھی (جس کی طرف استقبال کا ان کو موقع نہ ملا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی

فَايْمَا تَوَلَّوْا فَثَمَّ وَجْهَ اللَّهِ  
تم جس طرف بھی منہ کرو اللہ کی ذات ادھر ہے

مطلب یہ کہ تم نے جس طرف رخ کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا قصد کیا اور اس کے حکم کی تابعداری کی ادھر ہی تم اس کو پاؤ گے یعنی ہر حالت میں وہ تم پر فضل و احسان فرمائیں گے تمہارے اعمال کو قبول فرمائیں گے اور ان کا اچھا بدلہ دیں گے کیونکہ مقصود کوئی خاص جہت یا خاص دیوار نہیں بلکہ مقصود اللہ تعالیٰ ہے حکم کا امثال اور تابعداری ہے تو جو لوگ بیت المقدس کی طرف استقبال کرتے ہوئے فوت ہو گئے ان کے ثواب میں کچھ کمی نہیں ہوئی کیونکہ اس وقت وہی حکم تھا جسکی انہوں نے تعمیل کی تو چونکہ اس جہت قبلہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کردی گئی ہے تو حکمت کا مقتضایہ ہے کہ اس کا کامل احترام واجب یا مستحب ہو (نہ اس کی ذات کی وجہ سے بلکہ اسکی وجہ سے جس کی طرف اسکی نسبت کی گئی ہے اسی کو بعض عشاق نے کہا ہے

وَمُصَاحِبُ الدِّيَارِ شَغْفَنُ قَتْلَبِي

وَلَحْنُ حُبِّ مَنْ سَكَنَ الدِّيَارِ

منازل کی محبت نے مجھ کو فریفتہ نہیں کیا بلکہ اس کی محبت نے جو ان منازل کے اندر ہے تو ایک مخلوق کی وجہ سے دوسری مخلوق محبوب ہو جاتی ہے اور محبوب کے نزول کے منازل بھی معظم ہو جاتے ہیں اسی لئے محققین اس اضافت شریفہ کی وجہ سے اس اضافت کے تمام نشانوں کی تعظیم کرتے ہیں اور اسی وجہ سے اہل معاملات کو (جن کا معاملہ اللہ سے دست ہے) ہر نوع کی عبادت سے ایسی لذت و راحت حاصل ہوتی ہے جیسی اہل دنیا

کو شہوت سے لذت حاصل ہوتی ہے چونکہ مسجد کو بھی اس نسبت شریفہ کی وجہ سے ایک خاص حرمت حاصل ہے اسلئے خلاف حرمت افعال سے کراہت اور ممانعت خارج ہے اور اگر اس کے علاوہ کوئی اور بات ہوتی (جیسے اہل حلول کا اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کعبہ میں یا مسجد میں حلول کئے ہوئے ہیں) تو اس کی سزا فسخ یا قتل ہوتی (محض کراہت اور ممانعت پر اکتفا نہ کیا جاتا) اس تحقیق سے بھی اس حجت کی تائید ہو گئی جو ہم نے اہل حلول والہل تخم کے مقابلہ میں بیان کی ہے۔

تعالی اللہ عن ذلك علواً كبيراً ، قوله الوجه السابع فيه من الحكمة ان العبادت لما كانت من محدث متخير الى قولہ تعالی اللہ عن ذلك علواً كبيراً۔

فے بعض معاذین نے اہل اسلام پر اعتراض کیا کہ وہ ہم کو بت پرستی سے منع کرتے ہیں اور خود کعبہ کی پرستش کرتے ہیں اس کا جواب مفصل دیکھنا ہو تو رسالہ قبلہ مؤلف قاسم العلوم والحیث راحفت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس اللہ سرہ میں ملاحظہ کیا جائے۔ نیز رسالہ اشرف الجواب حصہ اول کا بھی مطالعہ کیا جائے۔

مختلف حجاب یہ ہے کہ جو جسکی عبادت کرتا ہے وہ اس کی عبادت انکار نہیں کر سکتا اور مسلمان صاف کہتے ہیں کہ ہم کعبۃ اللہ کی پرستش نہیں کرتے نہ اس کو معبود سمجھتے ہیں نہ اس کی ساتھ وہ معاملہ کرتے ہیں جو مابدعبود سے کیا کرتا ہے پس مسلمانوں پر عبادت کعبہ کا الزام محض بہتان و اتہام ہے ، اسلام کا مسئلہ ہے کہ جو شخص کعبہ کو معبود سمجھ کر اسی کو معبود کا قصد کرے وہ مسلمان نہیں بلکہ مشرک ہے۔ اب مسلمانوں کا جو برتاؤ کعبہ کے ساتھ ہے وہ بھی ملاحظہ ہو مسلمان کعبہ میں داخل ہوتے ہیں ضرورت کے وقت اس کی چھت پر بھی چڑھتے ہیں جس میں اس کے اوپر پاؤں رکھ جاتے ہیں اور کوئی عابد اپنے معبود پر پاؤں نہیں رکھ سکتا نماز کے بعد مسلمان کعبہ کی طرف پشت کر لیتے ہیں بعض کعبہ سے کمر لگا کر اللہ کی یاد میں مشغول ہوتے ہیں اور کوئی عابد اپنے معبود سے کمر لگا کر نہیں بیٹھ سکتا ؟ بعض وفد کعبہ کی از سر نو تعمیر کئے منہدم بھی کیا گیا اس وقت کعبہ کا کچھ حصہ زمین پر نہ تھا مگر نماز اس

کعبہ بھی ہوتی رہی موقوفہ نہیں ہوتی جو اسکی صاف دلیل ہے کہ کعبہ معبود نہیں ورنہ کعبہ کی عدم موجودگی میں عبادت بھی موقوف ہو جاتی، بس مسلمانوں کو کعبہ صوفیانا تعلق ہے کہ نماز میں اسکی طرف منہ کرتے ہیں مگر کسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا اس کے معبود ہونے کو مستلزم نہیں دیکھو مسجد میں عام طور سے ایک دو نہیں چار پانچ مغربی نمازیوں کی ہوتی ہیں جن میں دوسری صف والوں کا منہ پہلی صف والوں کی طرف ہوتا ہے اور تیسری صف والوں کا دوسری صف والوں کی طرف تو کیا پہلی صف والے ان کے معبود ہو گئے ہرگز نہیں، آدمی جس طرف بھی منہ کرے گا اس کے سامنے کوئی نہ کوئی چیز ضرور ہوگی تو معلوم ہوا کہ نماز میں کسی چیز کا سامنے ہونا معبودیت کو مستلزم نہیں بلکہ معبودیت کے لئے قصد عبادت ضروری ہے سو اس کو مسلمانوں کی نماز دیکھ کر معلوم کر لیا جائے کہ اس کے جملہ اذکار و ادعیہ میں کہیں بھی کعبہ کی عبادت کا ذکر نہیں آتا بلکہ اول سے اخیر تک اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کا ذکر آتا ہے۔

### ایاک نعبد و ایاک نستعین

اے اللہ! ہم مستطاب ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد چاہتے ہیں  
 دیکھ کہ مسلمان کعبہ کی طرف منہ کیوں کرتے ہیں سو اس سوال کا کسی کو حق نہیں لیکن تبرعاً ہم اس کا بھی جواب دیتے ہیں کہ زمین میں سب سے پہلے عبادت گاہ کعبہ ہے اس لئے مسلمانوں کو نماز میں اس کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوا تاکہ ہر شخص اپنی رائے سے اپنا الگ قبلہ بخوینہ نہ کرے کہ اس میں نزاع کا بھی احتمال تھا اور زہد معبودین کا بھی اور قدیم عبادت گاہ کو قبلہ بنانے میں یہ تمام احتمالات مرتفع ہوتے نیز اس میں کسی خاص جہت کی تخصیص و ترجیح ہی باقی نہ رہتی تھی اگر کوئی شخص ہوائی جہاز پر سوار ہو کر تمام عالم کے مسلمانوں کو نماز کے وقت دیکھے تو کسی کو مغرب کی طرف نماز پڑھنا ہوا اپنے گا کسی کو مشرق کی طرف کسی کو جنوب کی طرف کسی کو شمال کی طرف جس سے صاف معلوم ہو جائیگا کہ مسلمانوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی خاص جہت مخصوص نہیں ایسا نہ تو لوگوں نے تم وجہ اللہ، تم جس طرف بھی منہ کر لو اللہ کی ذات ادھر بھی ہے پھر چونکہ نماز اللہ تعالیٰ

کی عظیم الشان عبادت ہے اور کعبہ قبلہ نماز ہے تو اس نسبت و اضافت کی وجہ سے کعبہ کا احترام لازم ہوا لہذا احترام سے معبودیت لازم نہیں احترام تو انبیاء علیہم السلام اور قرآن کریم کا بھی واجب ہے مگر ان میں سے کوئی بھی مسلمانوں کا معبود نہیں بلکہ سب جانتے ہیں کہ ان کا احترام محض اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کی وجہ سے ہے سو درحقیقت یہ ان کا احترام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کا احترام ہے، رہا حجرت کو چومنا سو یہ بھی عبادت نہیں بلکہ محبت کا بوسہ ہے جیسا اپنے بیوی بچوں کو چومنا کرتے ہیں۔ رہا یہ کہ اس سے محبت کیوں ہے؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ حجر اسود جنت کا پتھر ہے۔ عالم آخرت کی نشانی اور یادگار ہے اور مسلمانوں کو آخرت سے جو ان کا اصلی وطن ہے محبت ہے اور وطن کی چیز محبوب ہوتی ہے اس لئے حجر اسود ان کو محبوب ہے، خوب سمجھ لو۔



## حدیث

## حَبَّه صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّيَامُن

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیا من کو یعنی دائیں طرف سے شروع کرنے کو اپنے ہر کام میں پسند کرتے تھے جہاں تک ہو سکتا، پاکی میں بھی، کنگھی کرنے میں بھی اور جوتہ پہننے میں بھی۔

ظاہر حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر کام میں دائیں طرف سے شروع کرنا محبوب تھا اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۷۸) دین کا ہر جزو مطلوب ہے، فرض بھی، نفل بھی، مستحب بھی

حدیث سے معلوم ہوا کہ عدم استطاعت ترک مستحب کے لئے عذر ہے یعنی اگر استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے مستحب فوت ہو جائے تو یہ شخص معذور ہے (مثلاً کسی کے دائیں ہاتھ میں زخم ہو چوٹ ہو اس لئے پائیں ہاتھ سے کام کرتا ہو) اول جب فرائض میں بھی عدم استطاعت عذر ہے تو مستحب میں بدرجہ اولیٰ۔ رہا یہ سوال کہ پھر حضرت عائشہ نے مستحب میں اس کو کس لئے ذکر کیا جبکہ فرائض میں بھی اس کا عذر ہونا معلوم تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مستحب کی بجا آوری کی تاکید مقصود

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مستحب سے بھی شے مانع ہو سکتی تھی جو فرض سے مانع ہو سکتی ہے کیونکہ دین سب یکساں مطلوب ہے، فرض بھی نفل بھی مستحب بھی ہر ایک اپنے اپنے درجہ میں مقصود ہے کسی کو بلا وجہ نہیں چھوڑا جاسکتا اور یہ علم فقہ کا عظیم الشان قاعدہ ہے پہلے بھی اس کی نظیر گزر چکی ہے۔

قوله الوجه الثاني فيه دليل على ان عدم الاستطاعة عذر في ترك المستحب الى قوله وقد تقدم مثله

فہ یہاں سے صوفی کے اس مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ وہ مستحبات کا بھی استہنام فرماتے ہیں بلا عذر ان کو ترک نہیں کرتے لیکن اس کی ساتھ یہ قید ضروری ہے کہ ہر چیز اپنے درجہ پر ہے درجہ سے آگے نہ بڑھنے پائے جس کی طرف شائع نے اشارہ بھی کر دیا ہے پس اگر کسی وقت کسی مستحب کو اس کے درجہ سے بڑھا کر واجب سمجھ لیا جائے یعنی عوام اس کے ساتھ واجب کا معاملہ کرنے لگیں مثلاً تاک پر ملامت و طعن کر لیں لگیں اور اس کی سیما آوری کے لئے دیگر احکام کو فوت کرنے لگیں مثلاً قرع کر کے اس کو پورا کریں وغیرہ وغیرہ تو ایسی حالت میں اس مستحب کا اہتمام نہ کیا جائے بلکہ اس کے اہتمام سے روکا جائے گا اور یہ حقیقت میں مستحب سے روکنا نہ ہوگا بلکہ ابتداء سے روکنا ہوگا خوب سمجھ لو۔

## (۱۷۹) تسلیم اور بیان میں اولاً اجمال پتھنفسیل ہونا چاہیے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اول تو مجھایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر کام میں تیام کو پسند کرتے تھے پھر تین کاموں کو بطور مثال کے ذکر فرمایا اس میں اس اجمال کی تفصیل ہے کیونکہ انہوں نے پاکی کا ذکر فرمایا ہے جو مفروضات میں اعلیٰ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ پاکی آدھا ایمان ہے پھر کنگھی کا ذکر کیا جو سنن زوائد میں زیادہ ہو کہ ہے پھر جوتہ پہننے کا ذکر فرمایا جو مبہات میں سب سے بڑھ کر ہے تو بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام فرائض اور مستحبات اور مبہات میں



یہی حالت تھی کہ سب میں تیا من کو پسند فرماتے تھے۔ اس سے یہ علمی مسئلہ مستنبط ہوا کہ تعلیم اور بیان میں اولاً اجمال یہ کام لینا تاکہ یاد کرنا سہل ہو پھر تفصیل اور تقسیم سے کام لینا تاکہ اچھی طرح سمجھ میں آجائے بہترین طریقہ ہے۔

قوله الوجه الرابع فيه زوال الالباس الى قوله والتقسيم بعد من اجل التفهيم

فہ آداب کلام کی رعایت کرنا حضرات صوفیہ کا خاص مذاق ہے جسکی تائید حضرات صحابہ کے طرز کلام سے ہوتی ہے جو سب زیادہ متبع سنت تھے۔

(۱۸۰) جس چیز کو اللہ نے ترجیح دی ہے اس کو ترجیح دینا چاہیے

اس میں حکمت کیا تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں طرف سے شروع کرنے کو پسند فرماتے تھے؟ جواب یہ ہے کہ اس میں اس شے کی ترجیح کا اظہار تھا جس کو خدائے حکیم نے اپنی حکمت سے ترجیح دی ہے واللہ اعلم

تفصیل اس کی یہ ہے کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یمن کو دائیں جانب کو فضیلت دی ہے اور اہل یمن کو بھی فضیلت دی ہے ان کی تعریف فرمائی ہے چنانچہ اہل جنت کو بھی اہل یمن کہا گیا ہے اور جہنمیوں کو اعماب شمال تو حضور کو اس چیز سے محبت تھی جس کو علیم حکیم نے ترجیح دی ہے اور یہ محبت درحقیقت تعظیم شاعر کی انتہا پر پہنچنے کی دلیل ہے کہ قلب مبارک کو اس سے خاص شغف تھا اسی لئے

ہر کام میں ترجیح یمن کا استتمام فرماتے تھے اور یہ امر قوت ایمان پر دال ہے جو جس شخص کو اپنے دل میں اس محبت یمن کا احساس ہو۔ جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے محبت تھی

تھیں اس کو اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اگر کسی کو اپنے دل میں اس محبت کا احساس نہ ہو اسے حضور کا اتباع کرنا اور اس محبت کی تحصیل کے اسباب پر عمل کرنا اور یمن کے ساتھ تشریف لے کرنا چاہیے کہ اس سے بھی عمل صالح کی محبت دل میں پیدا ہو جاتی ہے اسی لئے بعض حکماء نے فرمایا،

ان التشبه بالصراط مستقیم

بزرگوں کے ساتھ تشبہ کرنا بھی کامیابی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے کھدیم (سورہ مریم) کا سجدہ تلاوت کر کے سجدہ کیا فرمایا یہ تو سجدہ ہے مگر دنا کہاں ہے یہ اس لئے فرمایا کہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ جب اللہ کے نیک بندوں کے سامنے اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں روتے ہوئے اس مقام پر امت محمدیہ کو ان حضرات کی تقلید و اتباع میں سجدہ کا حکم ہے کہ تم بھی ان کی طرح سجدہ میں اگر جاؤ۔ عبداللہ بن عباس نے متنبہ فرمایا کہ علماء کی تقلید کامل جب ہوگی کہ سجدہ کے ساتھ رونا بھی ہو کیونکہ وہ حضرات روتے ہوئے سجدہ میں گرنے لگے تھے اگر رونا نہ لگے تو روتے کی صورت ہی بنا لو کہ یہ تو اپنے اختیار میں ہے اگر رونا اختیار میں نہیں اور یہاں سے معلوم ہوا کہ اہل خیر کے ساتھ تشبہ کرنا صحابہ کی عظیم بنا خیر ہے جب کہ ان کی محبت اس تشبہ کا منشا ہوا اور محبت اللہ عزوجل کے واسطے ہو کسی اور غرض سے نہ ہوا اور اسی قیاس کے طور پر یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل شریکیت کے ساتھ تشبہ کرنا شر ہے اسکا تاہید اس سے ہوتی ہے کہ عمل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب کے تشبہ سے منع فرمایا ہے چنانچہ قیاس تو یہ بالحدیث ہو گیا نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

من تشبه بقوم فهو منهم

جو شخص جماعت سے تشبہ کرے گا وہ ان ہی میں شمار ہوگا

یہ حدیث اپنے عموم سے تشبہ باہل الخیر و تشبہ باہل الشر و دونوں کو شامل ہے اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے فضل سے صحابہ کی مشابہت عطا فرمائے حالاً بھی اور مقلاً بھی  
قوله السوجه الرابع واما بالاحکمة فی کونہ حبیب اللہ علیہ وسلم یحبہ و فی السوجه الخامس یترتب علی ذلک من الفقہ ان التشبه باهل الخیر من الخیر الی قوله من اللہ علیہنا باحوالہم حالاً و مقلاً

حضرات عہدِ نبویہ کو اہل خیر کے تشبہ کا جہد و اہتمام ظاہر ہے اسبطرہ  
مسئلہ تشبہ اہل شر کے تشبہ سے بھی وہ بہت احتراز کرتے ہیں انہوں نے کہ

آج کل بعض علماء اس میں بہت کوتاہی اختیار کر رکھی ہے انگریزوں سے نفرت کا دعویٰ

ہے مگر انگریزین سے محبت ہے۔ رد ولیوشن، الیکشن، ووٹ، کثرت رائے پر فیضان کے جلسوں کا شعاع ہے۔ تقریر کا رنگ بھی بدل گیا خال اللہ وقال الرسول کی جگہ جغرافیہ حساب اور آٹے وال کا بھاڑ رہ گیا اور بعض طلبہ کو دیکھ کر ان کی مجلسوں میں بیٹھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ یہ طالبان علوم دینیہ ہیں، لباس کی وضع، گفتگو کا طریقہ مجلس کی ہیئت یہ بتلاتی ہے کہ ان کو علم دین سے دور کا بھی واسطہ نہیں ان اللہ وانا لہ راجعون یہ ہے تشبہ کا اثر جو ظاہر سے باطن میں سرایت کرتا اور دل کو تباہ و برباد کر دینا ہے۔ تو تشبہ اہل شرک کا نتیجہ تھا۔ تشبہ اہل خیر کا یہ اثر ہے کہ بہت لوگ اولاً بزرگوں کی نقل و رسم سے متاثر ہو کر اسی جیسا لباس ان ہی جیسی وضع اور تسبیح و سجود اختیار کرتے تھے رفتہ رفتہ ریا عادت ہو گئی اور عادت عبادت ہو گئی پھر خلوص پیدا ہوا تو مس خام کو کندن بنا دیا ایک بندوق کا ارشاد ہے کہ ریا کا رصوفی کو بھی بڑا نہ کہو کیونکہ گودہ ریا میں مبتلا ہے مگر اس عیب کے ساتھ اس میں ایک ہنر بھی ہے کہ اہل اللہ کی عظمت اس کے دل میں ہے کیونکہ انسان اسی کیساتھ تشبہ کرتا ہے جس کی عظمت اس کے دل میں ہوتی ہے اگر اس سے دل میں اہل اللہ کی عظمت نہ ہوتی تو وہ ان کی وضع اختیار نہ کرتا بلکہ اہل دنیا کی وضع اختیار کرتا اھ اس سے ان علماء کو جو اہل شرک کی وضع اختیار کرتے ہیں متنبہ ہونا چاہیے کہ ان کے دل میں اہل دنیا کی عظمت ہے اہل دین کی عظمت نہیں جب ہی تو وہ اہل دین کی وضع چھوڑ کر اہل دنیا کی وضع اختیار کرتے ہیں اور اس کا مذموم ہونا بدیہی ہے

وقانا للہ وایاکم عذاب المومر

## حدیث

## المسافر اذا قدم من سفره يبدأ بالمسجد

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو مسجد سے ابتدا کرتے اس میں پہلے جاتے اور نماز پڑھتے۔

نظا ہر حدیث یہ ہے کہ مسافر جب سفر سے واپس آئے تو سنت یہ ہے کہ گھر میں جانے سے پہلے مسجد میں جائے۔ اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۸۱) سفر سے واپسی پر اول مسجد میں جانا چاہیے ہوا کہ مسافر کو شہر میں ایسے وقت داخل نہ ہونا چاہیے جس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ اس وقت نماز نہ ہو سکے گی جس کے لئے مسجد میں جایا جانا ہے اور اگر مسافر سنت کے موافق سفر کرے گا تو وہ اپنے شہر میں ایسے ہی وقت داخل ہوگا جس میں نماز جائز ہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے جب واپس تشریف لاتے تو مسجد میں چاشت کے وقت داخل ہوا کرتے تھے اور اس سے منع فرماتے تھے.....

فرات کے وقت اپنے گھر والوں کے پاس پہنچے نیز جب آپ سفر کیلئے

تشریف لیجاتے اس وقت بھی مسجد میں نماز پڑھ کر شہر سے نکلتے تھے اب اگر یہ فعل محض تبدیلی تھا جس کی کوئی عقلی علت نہیں جب تو کسی ہمیشہ کی ضرورت نہیں اور اگر معقول المعنی تھا جس کی کوئی عقلی علت بھی ہے تو اس میں حکمت واللہ اہم یہ تھی کہ عیسیٰ مسجد اور نماز سے برکت حاصل کرنے اور اپنی احتیاج ظاہر کرنے کے لئے تھا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کے لئے شہر سے نکلتے تو یوں فرمایا کرتے تھے ۔

(اللهم) انت الصاحب في السفر والخليفة في الازمان  
والسلام

اے اللہ! سفر میں آپ ہی میرا ساتھی ہیں اور میرے پیچھے گھبراہٹ کے بھی آپ ہی محافظ ہیں ۔

اور آپ کا سفر جہاد یا حج کے سوا کسی اور کام کے لئے نہ ہوتا تھا اور طاعات میں اللہ تعالیٰ کی معیت ضرور ہوتی ہے مگر پھر بھی آپ حصول معیت کے لئے دعا فرماتے تھے ۔ اور واپسی کے وقت شہر میں داخل ہو کر یہ فرماتے تھے ۔

الشون تائبون عابدون لربنا حامدون صدق اللہ

وعدہ و نصر عبدہ و ہزبر الاحزاب وحدہ

ہم گھر کو واپس آگئے ، ہم توبہ کرنے والے ہیں ، بندگی کریں والے ہیں

اپنے پروردگار کی حمد کرنے والے ہیں ۔ اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر لیا

اپنے بندہ کی مدد کی اور کفار کی جماعتوں کو تنہا شکست دیدی ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کلمات کو سفر میں جلتے ہوئے اور واپس آتے ہوئے

بلند آواز سے کہنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق اور التبا اور جملہ اقوان و افعان

میں مخلوق سے بیزاری اور اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ ظاہر کرنے کے لئے تھا اسی

طرح آپ عملاً بھی اللہ کے گھر کی فضیلت تمام مکانات پر ظاہر کرتے تھے کہ جاتے

ہوئے مسجد سے سفر شروع کرتے اور واپس ہوتے ہوئے اول مسجد میں داخل

ہوتے تھے تاکہ حال قول کے موافق ہو (عمل گفتار کے مطابق ہو)۔

مومن کا عمل قول کا مصدق ہونا چاہیے  
 یہاں سے یہ علمی مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ مومن کو ایسا ہونا چاہیے کہ اس کا عمل قول کی تصدیق کرے ایسا نہ ہونا چاہیے کہ عمل قول کے خلاف ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کی مذمت کی ہے جن کا عمل قول کی تصدیق نہیں کرتا۔ چنانچہ ارشاد ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا احْكُمُوا بَيْنَنَا وَبَيْنَ آلِ هَارُونَ مَا تَفْعَلُونَ (صبر مقتا عندنا أن تتفعلوا ما لا تفعلون)

اے ایمان دانو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو (اللہ کے نزدیک یہ حالت بہت بری ہے کہ ایسی بات کہو جو تم کرتے نہیں ہو) (س)  
 الوجہ الاول اذا كان في الدوقات المنهى عنها الى قوله في الوجہ الثاني سم تفعلون ما لا تفعلون

عالم بے عمل کو وعظ نہ ترک کرنا چاہیے بلکہ بد عملی کو ترک کرنا چاہیے

اس آیت سے بعض لوگوں کو شبہ ہوا ہے کہ بدن عمل کے عالم کو وعظ جائز نہیں ہے اور ختم مصنف کے کلام سے بھی یہ شبہ ہو سکتا ہے مگر حکم شرعی یہ نہیں ہے امر بالمعروف ونہی عن المنکر مستقل فرض ہے اور عمل دوسرا فرض ہے، ایک فرض کے ترک سے دوسرا فرض کا ترک لازم نہیں ہو سکتا پس عالم بے عمل پر وعظ کہنا ایک فرض ہے اور خود عمل کرنا بھی فرض ہے اگر وہ خود عمل نہ کرے تو اس سے ترک وعظ جائز نہ ہو گا بلکہ اس حالت میں وعظ تک کرے گا تو دوسری فرضوں کا تارک ہو گا اور وعظ کہنا ہے گا تو مشر ایک ہی فرض کا تارک ہو گا اور تجربہ ہے کہ اگر عالم بے عمل ونہی عن المنکر کی برکت سے کچھ دنوں میں اسے توفیق عمل بھی ہو جاتی ہے بعض دفعہ سامعین میں کوئی مقبول بندہ ہوتا ہے اس کی رغبت و توجہ سے واعظ بھی صاحب عمل

ہو کر اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہو جاتا ہے اور اس آیت میں قول سے مراد دعوت نہیں بلکہ دعویٰ ہے۔ مطلب یہ کہ ایسا دعویٰ نہ کرو جس پر عمل نہ کر سکو اور بدون ہم کے بیٹگی نہ مارو کہ ہم نے یوں کیا اور وہ کیا حالانکہ کچھ بھی نہیں کیا۔ یہ معنی نہیں کہ ایسی بات کی دعوت ہی نہ دو جس پر تم عمل نہیں کرتے۔

قول کا اطلاق جس طرح دعوت پر ہوتا ہے دعویٰ پر بھی ہوتا ہے اور یہاں دعویٰ ہی مراد ہے جس کی دلیل آیت کا شان نزول ہے۔

روى عن ابن عباس وجاء عن ابنه انزلت في قوم قالوا  
لو علمنا احب الاله الى الله تعالى لسارعنا اليه فلما انزل  
فرغ الجهاد تشاقلوا عنه وقال قتادة نزلت في قوم كانوا  
يقولون جاهدنا وابليننا ولحم يفعلا وقال الحسن نزلت  
في المنافقين وسماهم بالبيان لاظهارهم له

(احکام القرآن للخصاص) اور آیت اتأمرؤن الناس بالبر وتنسبون  
انفسكم میں عمل انکار تنسبون انفسکم ہے تاأمرؤن الناس بالبر۔  
عمل انکار نہیں مطلب یہ ہے کہ وادع کو بے عمل نہ ہونا چاہیے یہ مطلب نہیں کہ بے عمل  
کو وعظ نہ کہنا چاہیے اور دونوں میں جو فرق ہے ظاہر ہے۔

وهذا من افادات سيدى حكيم الامت دام

مجدد وعلاء۔

(۱۸۲) تبرک بالاشیاء المحترمة کی دلیل حدیث میں ان چیزوں

کی بھی دلیل ہے جن کی حرمت اور دفع شریعت میں ثابت ہے مگر برکت  
حاصل کرنے کا طریقہ شریعت کے موافق ہونا چاہیے برکت حاصل کرنے کی دلیل تو  
یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے واپسی کے وقت تبرک کے لئے مسجد سے  
ابتداء فرماتے تھے اسی کے حکم میں ہر وقت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے کوئی وجہ خیر

برکت کی رکھی ہو اور اس کی دلیل کہ تبرک کا طریقہ شریعت کے موافق ہونا چاہیے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں عشر نماز ہی پڑھتے تھے جس کی وجہ سے مسجد کو رخصت حاصل ہے اس کی دیواروں کو چومتے نہ تھے نہ اس کے سامنے کھڑے ہو کر سر جھکاتے نہ ہاتھ اٹھاتے تھے اسی طرح دوسری چیزوں میں لازم ہے کہ ان کی تعظیم کرنا اور برکت حاصل کرنا شریعت کے قائل پر ہونا چاہیے اسی لئے حضرات صوفیہ ان چیزوں کا بہت احتراز کرتے ہیں جن کی حرمت شریعت نے ظاہر کی ہے اور ان کا یا احترام شریعت کے موافق ہی ہوتا ہے حدود کے تجاوز کے ساتھ نہیں ہونا چنانچہ ایک بزرگ سے منقول ہے کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے تو بھول کر بایاں پیر پہلے مسجد میں رکھ دیا حالانکہ سنت ہے کہ دایاں پیر اول رکھا جائے تو وہ اپنی اس حرکت پر اللہ تعالیٰ سے شرمناک رہوش ہو کر گر پڑے کیونکہ ان سے مسجد میں داخل ہونے کی سنت فوت ہو گئی اور اس کی مخالفت ہو گئی تھی کہ سنت یہ ہے کہ مسجد میں جاتے ہوئے اول دایاں پیر رکھا جائے اور علما کا ارشاد ہے کہ جو شخص بھولے سے بایاں پیر پہلے رکھ دے اس کو چاہیے کہ بایاں پیر مسجد سے نکال کر دایاں کو آگے بڑھائے کیونکہ بھول کی جانب میں وہ معذور ہے تو دیکھو ان بزرگ کے دل میں مسجد کا احترام کیسا تھا کہ بایاں پیر کو آگے کرنے سے رہوش ہو گئے حالانکہ شریعت کے نزدیک وہ اس فعل میں معذور تھے کہ بھول سے ایسا ہو گیا تھا قصداً نہ ہوا تھا تو اور کاموں میں جو فرائض واجب بات کی قسم سے ہیں اور ان کا کیا حال ہو گا جب ایک سنت کے بھول جانے کا ان پر ایسا اثر ہوتا تھا اللہ تعالیٰ ہم کو ان چیزوں کی توفیق عطا فرمائیں جو اپنے فضل سے ان کو عطا فرمائی ہیں اور اس دولت سے ہم کو بھی کامیاب فرمائیں آمین۔

قولہ الوجہ الرابع فی الحدیث دلیل علی التبرک لکل ما جعلت لہ حرمت الی قولہ

واسعدنا بہ بند

خسے صوفیہ میں بزرگوں کے تبرکات کے احترام کا دستور ہے کسی بزرگ کا خرقہ کسی جگہ محفوظ ہے تو اس کی زیارت کرائی جاتی ہے کسی بزرگ کی تسبیح و سجادہ کی



زیارت کرائی جاتی ہے اور اس میں عام طور سے حدود سے تجاوز کیا جاتا ہے کہیں اس کے لئے عرس ہوتا ہے کہیں اس پر ندانہ لیا جاتا ہے۔ بعضے ان تبرکات کو سجدہ کرتے ہیں ایسا تبرک احترام شریعت کے خلاف ہے یہاں یہ مسئلہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ مشائخ سے جب ان کے معتقدین تبرک مانگتے ہیں تو ان مشائخ کا اپنی کسی چیز کو بابرکت سمجھنا اور تبرک کے طور پر مریدوں کا ریہا حرام ہے ان کو تو محض تطہیب قلب مسلم کی نیت کرنا چاہیے کہ ایک شخص نے سوال کیا ہے اس کا سوال پورا کر دینے سے اس کا دل خوش ہو گا وہ کرنے سے دل شکنی ہوگی اور اپنے کو بابرکت سمجھنا اور اپنی کسی چیز کو تبرک کے طور پر دینا تو صریح تکبر و عجب اور نرمی جہالت ہے۔



## حدیث

## صلوة الملئكة على المصلي ما دام في مصلاة

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے شخص کو دعا دیتے ہو تو یہ ہے کہ جب تک وہ اپنی نماز کی جگہ میں ہے جہاں اس نے نماز پڑھی تھی جب تک وضو کو نہ توڑے یوں کہتے ہوئے ہیں اے اللہ اس کی مغفرت فرما اے اللہ اس پر رحم فرما۔

نشرح ظاہر حدیث یہ ہے کہ فرشتے برابر نمازی کو دعا دیتے ہوئے ہیں جب تک اس جگہ میں ہے جہاں اس نے نماز پڑھی تھی اس کے لئے استغفار کرتے اور رحمت طلب کرتے ہیں اس پر چند وجوہ سے ملاحظہ ہے

۱۔ نماز شرعی اور لغوی کا فرق کیا یہ حکم ہر نمازی کے لئے عام ہے خواہ اس کی نماز مکمل ہو یا ناقص، اگر لذت پر نظر کی جائے تو یہ ہے کہ ہر مصلیٰ کو دعا ہے مگر یہ درست نہیں اور اگر شریعت کے لحاظ سے دیکھا جائے کہ نماز کس لئے مقرر کی گئی اور نماز کیا ہے جس کو شارع صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فرمایا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو جو نماز میں رکوع و سجود پوری طرح نہیں کیا تھا یا ارشاد فرمایا تھا رجع فصل فانك لم تفصل نماز دوبارہ لوٹاؤ کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی اس کو لغت تو اپنے مصلیٰ قرار دیا مگر مصلیٰ نہیں قرار دیا نیز آپ کا ارشاد ہے جب نماز مقبول نہیں ہوئی

تو پرائے کپڑے کی طرح لپیٹ کر پڑھنے والے کے منہ پر ماردی جاتی ہے نیز حضور کا ارشاد ہے من  
 لمر تنہم صلاتہم الفحشاء والمنکر لم یزد من اللہ الا بعدا جس کی نماز نے سکو  
 بے حیائی اور بزرگاموں سے مذہوکا وہ اللہ سے دور رہی ہوتا رہیگا تو شرعاً جس شخص نے نماز  
 شرعاً نہیں پڑھی (گو ظاہراً پڑھی ہو) اور جس کی نماز اس کے منہ پر ماردی ہو اور جس کو اللہ سے بددہی  
 بڑھتا گیا اس کے لئے ملائکہ کیونکر دمایا استغفار کر سکتے ہیں یہ تو شرعاً و عقلاً محال ہے۔  
 شرعاً محال ہونے کی دلیل تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے اولئک الذی یلعنہم اللہ ویلعنہم  
 اللہ عنون یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ بھی لعنت کرتا ہے اور لعنت کر نیوالے بھی لعنت  
 کرتے ہیں تو جس پر اللہ تعالیٰ اور سب لعنت کر نیوالے لعنت کریں اس کے لئے دعا و  
 استغفار کیسا ہے اور عقلاً محال ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جس کا عمل عذاب عقاب کو مقتضی ہو اس  
 کے لئے فرشتوں کی طرف سے دعایا استغفار کیسے ہو سکتا ہے؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 کا یہ ارشاد کہ جب تک وہ اپنی نماز کی جگہ میں ہے جہاں نماز پڑھی ہے، اس نماز کے  
 حق میں ہے جس نے شرعی نماز پڑھی ہو جس پر ثواب عطا ہوتا ہے۔ ایسی نماز نہ پڑھی جائے  
 جو اس پر لعنت کرنی ہوتی جائے (اللہ تعالیٰ ہم کو اور سب مسلمانوں کو اس وبال سے محفوظ  
 رکھے اور کامل نماز کی توفیق عطا فرمائے) (آمین) یہاں ایک سوال ہو گا وہ یہ کہ کسی  
 کچھ نماز قبول ہوگی ہو اور کچھ قبول نہ ہوئی ہو اسکو بھی یہ نیرو بکرت حاصل ہوگی یا نہیں  
 کیونکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کی نماز تو پوری قبول ہو جاتی ہے کسی کی ادھی قبول  
 ہوتی ہے۔ کسی کی تہائی کسی کی چوتھائی۔ علیٰ ہذا القیاس تو ایسے لوگ اگر نماز کے بعد کچھ دیر  
 اسی جگہ بیٹھے ہیں جہاں نماز پڑھی تھی ان کے لئے فرشتے دعایا استغفار کریں گے یا نہیں  
 تو اللہ اعلم ظاہر تو یہ ہے کہ ان کے لئے اس خیر کی امید ہے کیونکہ ان کی فرض نماز قیامت  
 کے دن نفل نمازوں سے پوری کی جائیگی جو نقصان فرض میں رہ گیا ہو گا تو نفل سے  
 اسکی تلافی کر دی جائیگی یہ اسی دما کا اثر ہے جو فرشتوں نے اس کے لئے کی تھی کیونکہ  
 اللہ تعالیٰ نے اس پر فضل فرمایا کہ فرض میں جو کوتاہی رہ گئی تھی اسی جگہ نفل کو قبول  
 فرمایا، یہ اس سے معلوم ہوا کہ فرشتے اسنے لئے مغفرت کی دعا کرتے اور یوں کہتے ہیں

اے اللہ اسکی مغفرت فرما اور مغفرت اسی وقت ہوتی ہے جب کچھ کوتاہی ہو گئی ہو اور  
اسکے ساتھ فرشتوں کا یہ کہنا کہ اے اللہ اسکی مغفرت فرما اس بات کو بتلاتا ہے کہ یہاں  
کوئی عمل ایسا بھی ہے جو رحمت کو مقتضی ہے۔ قوله الوجه الاول هل هذا على  
عمومه الى قوله دل ان هناك عملاً يوجب الرحمة

فے عرض فرشتوں کا اللهم اغفر له واللهم ارحمه کہنا اس پر دلالت کرتا ہے  
کہ جن لوگوں کی نماز میں سے کچھ حصہ مقبول کچھ نامقبول ہو وہ اس فضیلت کے مستحق ہیں  
کیونکہ مغفرت و رحمت کے مستحق ایسے ہی لوگ ہیں جنہوں نے کچھ کوتاہی کی ہو کچھ نیکی کی ہو  
اس میں دیگر اعمال سے نماز کی فضیلت پر بھی دلیل ہے یہ اس سے

(۸۴) دلیل فضیلت نماز بر اعمال دیگر  
معلوم ہوا کہ فرشتے نمازی کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں اگرچہ نماز سے فائدہ ہو کر بھی  
اور کام میں لگ بھی جائے جب تک وہ اسی جگہ میں ہے جہاں نماز پڑھی تھی اور یہ  
بات نماز کے سوا کسی اور عبادت کے لئے وارد نہیں ہوئی الوجه الثاني فيه  
دليل على فضيلة الصلوة الى قوله ولما رأيت مثل ذلك في غيرها من العبادات  
فے افسوس ہے کہ ایسی افضل عبادت کیسا تھما ہمارا معاملہ یہ ہے کہ اسکو اس طرح پڑائی  
سے ادا کرتے ہیں کہ یہی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ قابل قبول ادا ہوئی یا نہیں حضرات صوفیہ  
رضی اللہ عنہم کو تکمیل صلاۃ کا جس قدر اہتمام ہے شاید ہے ہم نے اپنے اکابر کو اسی  
قدم پر پایا ہے۔ حضرت مولانا گنگوہی قدس اللہ سرہ کی نماز کو جس نے دیکھا ہے وہ  
بیاختہ بول اٹھتا ہے کہ خدا کیلئے نماز ایسی ہی ہونی چاہیے یہی شان حضرت سیدی  
مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نماز کی تھی رزقنا اللہ وایاکم تمام الصلوة  
ونماہم الوضوء وتمام رضوانہ آمین

(۸۵) دلیل فضیلت صلوات بنی آدم بر ملائکہ بھی دلیل ہے جو صلوات  
بنی آدم کو ملائکہ پر فضیلت دیتے ہیں کیونکہ یہ نیک بندے اپنے کاموں میں لگے رہتے ہیں

ادب فرشتے ان کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں۔ یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ اس جگہ سے کیا مراد ہے جہاں نمازی نے نماز پڑھی آیا اس سے مراد وہی جگہ ہے جہاں قیام اور سجدہ کیا تھا یا وہ پورا مکان یا گھر جس میں نماز کی جگہ تجویز کی گئی

سو جمہور تو اسی طرف ہیں کہ قیام اور سجدہ کی جگہ مراد پورا نماز کی جگہ سے کیا مراد ہے بعض نے جو غالباً قاضی عیاض ہیں یہ فرمایا ہے کہ وہ پورا گھر مراد ہے جس کو نماز کے لئے تجویز کیا گیا ہے اگرچہ اس خاص جگہ میں نہ بیٹھے جہاں نماز ادا کی ہے (بلکہ جب تک اس مسجد یا گھر میں رہیگا جہاں نماز پڑھی تھی فرشتے اس کے لئے استغفار کرتے رہیں گے مثلاً کسی نے مسجد میں نماز پڑھی پھر اس جگہ سے جہاں نماز پڑھی تھی ہٹ گیا مگر مسجد کے اندر ہی رہا اس سے اور اس کے حدود و متعلقات سے باہر نہیں گیا مسجد کے حجرہ میں چلا گیا یا مسجد کے اندرونی یا بیرونی حصہ میں بیٹھ گیا تو فرشتے اس کے لئے دعا کرتے رہیں گے و هو قول کثیرین مجمع علیہ و قول واحد (ولم یشرح صدرہی بهذا الکلام فلم ادرجہ) حدیث سے مراد وہ شے ہے جو وضو کو توڑ دے یہاں ایک سوال اور ہے کہ آیا یہ حکم تمام نمازوں کو عابثہ خواہ فرض نماز ہوں یا نوافل ظاہر و مخفی ہی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو عموم ہی سے بیان فرمایا ہے۔ قوله الوجه الثالث فیہ دلیل لمن یفضل الصالحین من بنی آدم الخی قولہ لا ینالہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ یہ نکتہ

فہم نے اپنے اکابر کا اسی قول پر عامل پایا ہے جو قاضی عیاض سے منقول ہے حضرت مولانا گیسو گوی قدس سرہ نماز فجر وغیرہ کے بعد اپنے حجرہ میں تشریف لے آتے تھے تو مسجد سے ملحق تھاحضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی معمول تھا اور حضرت حکیم الامت دام جبریم کا بھی اسی پر عمل ہے یہ نظریات مصلیٰ کو اس مقام سے مخصوص نہیں کرتے جہاں نماز ادا کی ہے بلکہ مسجد اور متعلقات مسجد کو عام رکھتے ہیں واللہ تعالیٰ اعلم وفی الحدیث انما عند ظن عبدی بی فلیظن بی ما شام

## ۱۸۶) خوشخبری سنائے میں سنت سے پہلے کہ اول ادنیٰ کو بیان کرے پھر اعلیٰ کو

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بشارت دینے میں سنت یہ ہے کہ اول کمربات بیان کی جائے پھر اعلیٰ درجہ پر یا کو ختم کیا جائے کیونکہ دل خوش کرنے میں اس کا زیادہ اثر ہے، یہ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً بشارت کو اجمالاً بیان فرمایا کہ فرشتے اس کے لئے دعا کرتے ہیں، پھر بعد میں اسکی تفسیر فرمائی تو اجمال میں یہ احتمال تھا کہ وہ اعلیٰ درجہ کی دعا دیتے ہوں یا ادنیٰ درجہ کی مگر سننے والوں کو اس سے بھی خوشی حاصل ہوئی کیونکہ یہ بھی نیر میں ترقی اور زیادت ہے کہ فرشتے دعا کریں خواہ کسی ہی دعا کریں اسکے بعد دعا کی تشریح فرمائی کہ مغفرت اور رحمت کی دعا دیتے ہیں اور جسکی مغفرت ہو جائے اور جس پر رحمت ہو جائے تو یہ تو بڑا اعلیٰ درجہ کا انعام ہے۔ قوله الوجه الخامس فيه دليل على ان السنه في النبوي الله قوله ضمن غفرله ورحمه فهو اعلیٰ الجوائز

فے مغفرت اور رحمت کا اعلیٰ درجہ کا انعام ہونا ہمارے اکابر کا خاص مذاق ہے۔ یہ حضرات نما مقامات عالیہ کے طالب نہیں ہوتے مفسر مغفرت و رحمت کے طالب ہوتے ہیں کہ جس کو بخش دیا گیا جس پر رحمت ہو گئی اس کو سب کچھ مل گیا اگرچہ جنتیوں کی جونیوں میں ہی جگہ مل جائے قالہ سیدی حکیم الامت داور مجدہ و علاہ وقد تاید قوله بقول المصنف فذلہ الحمد

## ۱۸۷) جس طاعت کے بعد دوسری طاعت نہ ہو اس میں خلل ہے

اس میں صوفیہ کے اس قول کی بھی دلیل ہے کہ جس طاعت کے بعد دوسری طاعت نہ ہو اس میں خلل ہے یہ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ملائکہ تم میں سے ہر شخص کو دعا دیتے رہتے ہیں جب تک وہ اپنی نماز کی جگہ میں رہے تو پوچھو اس کی نماز یا اس کا کچھ حصہ مقبول ہو چکا تھا تو دوسرے کے بعد دوسری طاعت اس کے پیچھے پائی گئی یعنی نماز کی جگہ میں بیٹھا رہنا جسکی وجہ سے فرشتوں نے اس کے لئے استغفار کیا تو ایک خیر کے پیچھے دوسری

خیر پائی گئی جیسا بزرگوں نے فرمایا ہے،

یہاں یہ سوال ہوگا کہ اس واقعہ کی اطلاع دینے پر شرعی اور علمی فائدہ کون سا تہا ہوا؟ جواب یہ ہے کہ اس میں اس جگہ پر (کچھ دیر تک) جے سننے کی ترغیب ہے جہاں نماز پڑھی گئی ہے تاکہ نمازی کو یہ خیر زاد ہو کہ فرشتے اس کے لئے دعا کرتے رہیں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کی خبر نہ دیتے تو کسی کو بھی اس کا علم نہ ہوتا جو اس پر عمل کرے یہ خیر و برکت حاصل کرتا مگر دیکھو تو کہ آج اسکے جاننے کے بعد بھی کتنے ہیں جو اس پر عمل کرتے ہیں۔ شاذ و نادر ہی کوئی اس پر عمل کرتا ہے۔ تو بلنے کے بعد اس سے اعراض کرنا اس حقیقت کو بتلا رہا ہے جسکی طرف حضرت نوحیہ نے اشارہ فرمایا ہے کہ نماز کی جگہ سے جلدی ہٹ جانا اسکی دلیل ہے کہ نماز قبول نہیں ہوئی۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص موانع غیر سے محروم ہو گیا اس پر اندیشہ ہے کہ وہ اہل خیر سے نہیں بلکہ اہل شر سے ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قصہ سے روشنی پڑتی ہے کہ انہوں نے حق تعالیٰ سے عرض کیلئے کہ: کیا میں اس بات کو معلوم کر سکتا ہوں کہ آپ کے نزدیک میرا سطلے کیا ہے؟ (یعنی میں آپ کے نزدیک کیا ہوں؟) فرمایا: ہوسنی! جب تم دنیا حاصل کرنا چاہو اور میں تم کو اس سے روک دوں اور آخرت حاصل کرنا چاہو تو میں اسکو تمہارے لئے آسان کر دوں پس سمجھ جاؤ کہ تمہارے لئے میرا پاس کچھ حصہ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا کسی کے لئے سنیکی کو آسان کر دینا علامتِ نبی ہے قولہ الوحۃ السادۃ فیہ دلیل لاهل الفتوۃ الی قولہ فالتیسیر منہ عز وجل للخیر من علامۃ الخیر

فے حضرت ہاجی صاحب قدس اللہ سرہ کا ارشاد ہے کہ ایک مرتبہ اللہ کہہ کر جب دوبارہ اللہ کہنے کی توفیق ہوگئی تو سبھ لو پہلی دفعہ کا قبول ہو گیا ہے ورنہ دوبارہ توفیق نہ ہوتی۔ اسی طرح ایک نماز کے بعد جب دوسری نماز کی توفیق ہوگئی یہ اسکی علامت ہے کہ پہلی قبول ہوگئی ہے ورنہ دوسری کی توفیق نہ ہوتی۔ اس مقالے سے بھی حاجی صاحب کے اس ارشاد کا تائید ہوتی ہے وقال الرومی

گفت آں اللہ تو لبیک مست

دین نیاز و سوز و درد لبیک مست

اللہ کے ساتھ حسن ظن اور تقویتِ رجا کیلئے یہ منہمون بہت مفید ہے حدیث میں ہے  
 انا عند ظن عبدی بی فلیظن بی ماشاء میں اپنے بند کے گمان کے ساتھ ہوں ،  
 اب یہ جو پاپ میرے ساتھ گمان قائم کرے پس جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ گمان  
 رکھے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کا فائدہ بالخیر کریں گے اور بدنِ حساب عذاب کے اس کو  
 بخش دیں گے انشاء اللہ اس کے ساتھ یہی معاملہ ہوگا اور جو یہ گمان رکھے گا کہ اللہ تعالیٰ  
 نے میری عبادت کو قبول فرمایا ہے اس سے ایسا ہی معاملہ ہوگا پس اللہ سے نیک  
 گمان رکھو اور سادس و خطراتِ شیطانی و نفسانی کی پروا نہ کرو کہ وہ تم کو اللہ سے  
 بدگمان کرنا چاہتے ہیں ۔

اعاذنا اللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا



باب ۲۱

## حدیث

## سُجُّ السَّهْوِ

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں شام کی دو نمازوں میں سے ایک نماز پڑھائی (ظہر کی یا عصر کی) ابن سیرین کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ نے تو اس نماز کا نام لیا تھا مگر میں بھول گیا، ابو ہریرہ نے کہا پس آپ نے ہم کو دو رکعتیں پڑھا کر سلام پھیر دیا اسکے بعد ایک لکڑی سے جو مسجد کے عرض میں لگی ہوئی تھی سہارا لگا کر کھڑے ہو گئے (ایسا معلوم ہوتا تھا) گویا آپ غضبناک ہیں۔ حضور نے دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھ لیا اور انگلیوں میں انگلیاں کو چھنسا لیا اور دائیں رخسارہ کو بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ لیا جلدی جانے والے تو مسجد کے دروازوں سے نکل گئے جو وہ گئے انہوں نے آپس میں کہا کیا نماز کم کر دی گئی کہ چار رکعت کی جگہ دو ہی رکعتیں رہ گئی ہیں۔ جماعت میں حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے مگر بیٹھ کی وجہ سے حضور گفتگو نہ کر سکے۔ جماعت میں ایک شخص اور تھا جسکے ہاتھ لمبے تھے اور ان کو ذوالیدین کہا جاتا تھا۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ بھول گئے یا نماز کم ہو گئی؟ حضور نے فرمایا نہ میں بھولا نہ نماز کم ہوئی پھر آپ نے صفا سے دریافت فرمایا کیا ذوالیدین جیسا کہہ رہا ہے ویسا ہی ہوا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا ہاں تو حضور صلی پر آگے بڑھ گئے اور ختمی نماز پڑھ گئی تھی اس کو پوچھا کیا پھر انداکبر کہہ کر سجدہ کیا

نماز کے سجدہ کے برابر یا اس سے بھی لمبا پھر سر اٹھایا اور اللہ اکبر کہا پھر اللہ اکبر کہہ کر سجدہ کیا پہلے سجدہ کے برابر یا اس سے بھی لمبا پھر سر اٹھایا اور اللہ اکبر کہا (یہ سجدہ سہو تھا) یعنی دفعہ لوگ ان سے (یعنی حضرت ابن سیرین سے) دریافت کرتے کہ پھر سجدہ سہو کر کے حضور نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ بھی کہا تو فرماتے مجھے خبر ملی ہے کہ عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ پھر حضور نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا۔

**شرح** ظاہر حدیث یہ ہے کہ نماز میں عمل قلیل جائز ہے اور کلام قلیل نماز کے پورا کرنے کو مانع نہیں جبکہ بھول کر ہو یا قصداً اس شخص سے کلام کیا جائے جو بھول گیا ہے جبکہ اس کی نماز اس کی نماز سے مربوط ہو جیسے امام اور مقتدی باہم نماز کے اندر گفتگو کریں اور ایک دوسرے کو بھول چوک پر متنبہ کرے تو امام ماکت شافعی کے نزدیک اس صورت میں کلام قلیل سے نماز فاسد نہیں ہوتی حنفیہ کے نزدیک فاسد ہو جاتی ہے خواہ عمداً کلام کیا جائے یا سہواً اور یہ حدیث حنفیہ کے نزدیک منسوخ ہے تفصیل کے لئے اعلام السنن جلد پنجم ملاحظہ ہو) اس حدیث میں چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۸۸) جس کو علم نہ ہو اسے بزرگوں کے افعال پر انکار نہ کرنا چاہیے

حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ جس شخص کو یہ علم نہ ہو کہ بزرگان کا فلان عمل صواب اور درست ہے یا نہیں اسے بزرگوں کے افعال کو تسلیم کرنا چاہیے ان کو سلامتی پر محمول کرنا چاہیے یہ اس سے معلوم ہوا کہ جلدی جانے والے یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ نماز کم کر دی گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر کچھ عتاب نہیں فرمایا کیونکہ حضور کی زندگی میں نسخ ممکن تھا اور دوسروں کے متعلق یہ احتمال نہیں ہو سکتا تو ان کے افعال کو اسی حد تک تسلیم کیا جائیگا جب تک اجماع کی مخالفت لازم نہ آئے اس کے علاوہ جہاں تک تاویل احتمال کا امکان ہو ان کے افعال کو سلامتی پر محمول کیا جائیگا اگرچہ اس احتمال کا یقین نہ ہو سکے بلکہ احتمال بعید ہی ہو۔ قوله الوجه الثالث فيه دليل على التسليم لا هل

الفضل الى قوله وان كان غير مقطوع به

فہم یہ حکم ان لوگوں کے متعلق ہے جن کا اہل فضل و صاحب کمال ہونا پہلے سے معلوم ہو چکا ہو کہ ان کا کوئی فعل خلاف شرع معلوم ہو تو جب تک تاویل کا امکان ہو تاویل کرنا چاہیے اور بن لوگوں کا فضل و کمال ہی ثابت نہیں ان کے افعال و اقوال میں تاویل کی ضرورت نہیں ان کا جو عمل یا قول خلاف شرع معلوم ہو فوراً اسکی تردید کی جائیگی ورنہ ہر شخص کو مخالفت شروع کر کے تاویل کا حق ہو جائیگا اور اسمیں جس قدر مفسدہ ہے معنی نہیں۔

(۱۵۹) چھوٹے کو بڑے کیساتھ ادب گفتگو کرنا چاہیے حدیث سے یہ چھوٹے کو بڑے سے مراجعت اور گفتگو کرنا جائز ہے جبکہ اس سے ایسی بات صادر ہو جو بظاہر خلاف معروف ہے مگر یہ مراجعت ادب کیساتھ ہونی چاہیے یہ اس سے معلوم ہوا کہ ذوالیدین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مراجعت کی مگر ایسی ادب کیساتھ (جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے)

(۱۹۰) بزرگوں کی عظمت کرنا چاہیے اگرچہ ان خلاف قاعدہ فعل کا صدور ہو

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگوں کی عظمت کرنا چاہیے اگرچہ ان سے کوئی ایسا فعل بھی صادر ہوتا ہوا دیکھے جو اسکے نزدیک خلاف قاعدہ ہے مگر اس دیکھنے والے کو لازم ہے کہ انکے ساتھ برابر لگا ہے یہاں تک کہ اس فعل کی حقیقت معلوم ہو جائے کہ وہ بزرگ اسکو کس وجہ پر محمول کرتے ہیں یہ مسئلہ حضرت صدیق اکبر و عمر رضی اللہ عنہما کے فعل سے مستنبط ہوا کیونکہ جو کچھ ذوالیدین کو معلوم تھا ان حضرات کو بھی معلوم تھا مگر ہیبت نے ان کو گفتگو کرنے سے روک دیا مگر صورت حال کی نزاکت نے ان کو اس پر مجبور کیا کہ حضور سے اس وقت تک علیحدہ نہ ہوں جب تک حکم معلوم نہ ہو جائے اور ان سب صورتوں کے جواب میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو برقرار رکھا کسی پرانہ نہیں فرمایا نہ ان کو ملاست کی جو حضور کے فعل کو سلامتی پر محمول کر کے یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ نماز کم ہو گئی نہ ذوالیدین پر انکار فرمایا کہ تم نے مراجعت کیوں کی، نہ حضرات شیخین سے باز پرس کی کہ تم خاموش کیوں

اگر ان احوال میں کوئی حالت بھی ناجائز ہوتی تو حضور اس کے بارہ میں کچھ فرود فرماتے کیونکہ آپ صاحب تشریع ہیں اور شارع کو یہ جائز نہیں کہ فروق کے وقت حکم بیان نہ کرے بعد میں بیان کرے  
الوجه الخامس يؤخذ منه إكبار رضى الفضل الى قوله ولا يجوز له تلخير البيان عن وقت الحاجة

(۱۹۱) جب بزرگ چھوٹوں اپنی بابت کچھ دہرایا کریں تو صبح واقعہ بیان کرنا چاہیے

حیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب بزرگ چھوٹوں اپنی بات دریافت کئے کہ مجھ سے کچھ کوٹا ہی تو نہیں ہوئی تو ان کو چاہیے کہ جو کچھ ہوا ہو اس کو مجسبہ بیان کر دے دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر و عمر رضی اللہ عنہما سے اس واقعہ کے متعلق دریافت فرمایا تو انہوں نے جو کچھ ہوا تھا اسکو مجسبہ ہی بیان کر دیا۔ قوله فيه دليل على انه اذا سأل الفضل الفضل الى قوله فاخبراه بما وقع

(۱۹۲) حکمت کی حفاظت کے ساتھ ساتھ قدرت بھی اپنا کام کرتی ہے

حیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حکمت کی حفاظت کے ساتھ ساتھ قدرت بھی اپنا کام کرتی رہتی ہے  
یہ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس موقع میں نماز کے اندر نسیان ہو گیا حالانکہ آپ کی عادت مبارکہ تو یہ تھی کہ نیند کی حالت میں بھی مشر آپ کی آنکھیں سوتی تھیں دل نہیں سوتا تھا اور اس واقعہ میں حضور کی حالت میں (و کعات) نماز کی گنتی کو بھول گئے  
محض قدرت کی کاد فرمائی نہیں ٹوڑا دیا کیلئے؛ مگر اس واقعہ میں حضور کو نسیان ہونا دو عظیم الشان اسباب کی وجہ سے ہوا ایک سبب تو وہی جس کو خود حضور نے مراحۃ انشاء فرمایا ہے انما انسى اول انسى لرسول (رواہ مالک بلا غنا) میں بھٹکے بھولتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں تو اس کا سبب صرف یہ ہے کہ امت کیلئے عملاً نسیان و سہو کے احکام مقرر کر دوں چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صاحب تشریع ہیں آپ کی افتداری جاتی ہے اور ان تمام اعمال کا جو آپ کی اقتدار میں قیامت تک کئے جائیں گے ثواب آپ کو ملتا ہے اس لئے آپ کا یہ نسیان جو تشریع احکام کا سبب ہوا یا دے بھی بڑھ کر ہے اور وہ آپ کے حق میں

موجب کرامت و عظمت و ترقی ہے کسی درجہ میں بھی قابل نقص نہیں۔ بلکہ یہ سوال کہ آپ کے بھولنے میں حکمت کیا ہے؟ اور بھلائے جانے میں کیا حکمت ہے؟ جواب یہ ہے کہ آپ کے بھولنے میں تو حکمت یہ ہے کہ آپ کے اندر صفات بشریہ کا ظہور و صفات بشریہ کے ظہور سے یہ بات ثابت ہو جائیگی کہ انسانوں سے زیادہ تو کچھ آپ کے اندر کمالات ہیں وہ آپ کی خصوصیت و رفیع منزلت پر دلالت کرتے ہیں اور بھلائے جانے میں حکمت یہ ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ قدرت آپ کے ہاتھوں آپ کے اقوال و افعال کے ذریعہ سے خواہ اختیاری ہوں یا غیر اختیاری بھلائیوں کو جاری کرتی رہتی اور احکام مقرر کرتی رہتی ہے تاکہ اس سے یہ بات ظاہر ہو کہ حق تعالیٰ کو آپ پر کسی قدر توجہ ہے کہ آپ کی کوئی حالت حکمت سے خالی نہیں ہوتی اور تاکہ اس بات کی تصدیق ہو جو آپ نے فرمائی ہے اور اس مطالبہ اور دعویٰ کی تائید ہو جو دنیا کے سامنے آپ نے پیش کیا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں میں خود کچھ نہیں کہتا خود کچھ نہیں کرتا بلکہ وہی کرتا اور کہتا ہوں جو اللہ تعالیٰ مجھ سے ظاہر کرنا چاہتے ہیں اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین مواقع کے سوا کبھی نسیان کا صدور نہیں ہوا و دفعہ افعال میں سہو ہوا کہ (تشریح) حکم کے لئے اتنی ہی ضرورت تھی ایک تو یہی واقعہ ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے کہ دو رکعت پڑھ کر آپ کھڑے ہو گئے تھے دوسرا واقعہ یہ ہے کہ چار رکعت پڑھ کر پانچویں رکعت کے لئے کھڑے ہو گئے تھے اور اقوال میں مثلاً ایک دفعہ نسیان ہوا کہ اقوال میں (تشریح) حکم کے لئے اتنی ہی ضرورت تھی وہ یہ کہ ایک دفعہ سورۃ الملک پڑھتے ہوئے اسکی ایک آیت آپ چھوٹ گئی تھی (جو نماز کے اندر ہی آپ کو یاد آگئی اور سلام کے بعد آپ نے پوچھا ابی بن کعب جماعت میں بشریک تھے یا نہیں؟ انہوں نے عرض کیا حاضر ہوں فرمایا پھر تم نے مجھ کو وہ آیت کیوں یاد نہ دلائی جس میں چھوڑ گیا تھا انہوں نے عرض کیا ارادہ نہ ہوا تھا پھر یہ خیال ہوا کہ شاید منسوخ ہو گئی ہو فرمایا اگر منسوخ ہوتی تو میں اطلاع کر دیتا اس واقعہ سے اللہ تعالیٰ کو یہ حکم مقرر کرنا تھا کہ اگر کوئی بات بھول جائے تو مقتدی کو اسے لقمہ دیکر بتلا دینا چاہیے) ان مواقع کے سوا آپ کو کبھی نسیان نہیں ہوا۔ اور دوسرا سبب یہ بھی محتمل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضور حق اور غلبۂ ادب

میں ایسی استغراقی حالت کو پہنچ گئے تھے کہ رکعات نماز کی شمار سے ذہول ہو گیا۔ قولہ  
 الوجه السابع فيه دليل على ان القدس ته تفعل الى قوله من حالة استغراقه  
 عليه السلام في الحضور والادب حتى اذهل عن العدد

ف۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے کیونکہ عالم الغیب  
 سے سہو و نسیان نہیں ہو سکتا خدا اہل بیت پر رحم کرے اور انکی ہدایت دے کہ انہوں نے عزت رسول  
 کا مطلب سمجھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فدائی کے درجہ پر پہنچا دیا جائے۔ حضور کے سہو  
 دنیا میں یہ بھی مصلحت دھکت تھی کہ اگر کسی عابد زائد مجاہد متقی کو ایسا واقعہ پیش آجائے  
 تو وہ دگریزہ ہو اور یہ نہ سمجھ کہ میرا مجاہد بیکار گیا کہ نماز میں غفلت و سہو ہونے لگا اگر حضور کو سہو  
 کا واقعہ پیش نہ آتا تو اہل مجاہدہ تو ایسی تھوڑے پشیمان سے اپنے آپ کو غم میں ہلاک کر  
 دیتے اب ان کو یہ واقعات تسلی کے لئے کافی ہیں کہ جب بشریت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
 کو بھی ایسا اتفاق پیش آیا ہے تو ہماری کیا مجال ہے کہ سہو و نسیان سے اپنے کو معصوم سمجھ لیں  
 یعنی طرح مملد و مال دوام لا

اس حکمت کو حضرت شارح نے بھی وجہ تاسع میں بیان فرمایا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ  
 کے لطف اور مہربانی کی دلیل ہے جو وہ اپنے بندوں پر فرماتے ہیں کہ تعلیم امت کو حضور کے فعل  
 سے دی گئی اگر آپ قول سے تعلیم دیدیتے جب بھی کافی تھا مگر آپ کے بعد صحابہ کو اور امت کے  
 بابرکت لوگوں کو سہو ہونا تو وہ اس سے اپنے دل میں بہت ٹھگین تھے کہ ان سے نماز میں  
 ایسا فعل کیوں صادر ہوا جو ان کے بنی سے کبھی صادر نہیں ہوا۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
 کی اس عملی تعلیم سے ان کا حزن و غم زائل کر دیا گیا اور یہ عین رحمت و مہربانی ہے۔

(۱۹۳) جس امر کا علم نہ ہو اس پر گواہ طلب کرنے چاہئیں حدیث سے

ہوا کہ جس بات کا خود کو علم نہ ہو اس پر بیٹنہ (گواہ) طلب کرنے چاہئیں اگرچہ خبر دینے والا سچا  
 ہی ہو چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالیدین کی بات سن کر حضرت صدیق و عمر  
 رضی اللہ عنہما سے تصدیق چاہی حالانکہ ذوالیدین کو حضور نے ذوالشہادین کا لقب عطا فرمایا

تاکہ ان کی شہادت بمنزلہ دوشہادتوں کے مسمیٰ کیونکہ وہ صوفیہ میں (یعنی اصحاب صفہ میں) سب سے زیادہ سچے تھے اور یوں تو سب ہی سچے تھے بس کامل و اکمل کا فرق تھا، مگر جب انہوں نے ایسی بات کہی جس کا حضور کو علم نہ تھا تو آپ نے ان پر بلینہ طلب کیا الوجه العشرون ذیہ دلیل علی طلب البینۃ الی قوله طلب منه البینۃ علی قوله

فے ذوالبیدین کا لقب ذوالشہادتین ہونا میری نظر سے نہیں گذرا۔ حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری کا لقب ذوالشہادتین مشہور ہے۔ ذوالبیدین کو بعض روایات میں ذوالشمالین کہا گیا ہے کچھ تعجب نہیں کہ ذوالشمالین کو غلطی سے کاتب نے ذوالشہادتین لکھ دیا ہو جس سے حضرت شامح کو غلط ہو گیا و اللہ اعلم

(۱۹۴) جو شخص کام میں لگا ہوا ہو اس کے خلل کی تلافی کر دی جاتی ہے

حدیث میں ایک اشارہ صوفیہ بھی ہے کہ جو شخص اپنے کام میں لگا ہوا ہو اس کے خلل کی تلافی کر دی جاتی ہے اور اگر اس حالت میں دشمن اس سے مکرو فریب کرے اس کے مقابلہ میں اس کی مدد کی جاتی ہے اور جو شخص اپنی حالت کی نگہداشت چھوڑ دے اس میں اس کا دشمن شریک ہو جائے گا (یعنی شیطان اس کے کاموں میں حصہ لیگا) اے شخص تو دین کی درستی بھی چاہتا ہے اور نفس کی راحت بھی۔ بہات بہات بھلا آفتاب اور ظلمتیں کہاں جمع ہو سکتی ہیں؟ قوله الوجه السابع والعشرون هنا اشارة صوفیۃ الی قوله ھیئت کیف تجتمع الشمس والظلم۔

فے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص کے سہو کا منشا مراقبہ و استحضار حق ہو اس کی نماز میں بظاہر سہو وغیرہ سے جو خلل ہو جاتا ہے اس سے نماز ناقص نہیں ہوتی بلکہ مراقبہ کی برکت سے خلل کی تلافی ہو جاتی ہے اور شیطان جو اس خلل سے خوش ہوا تھا سب سہو سے اس کی خوشی خاک میں ملا دی جاتی ہے اور جو سہو مراقبہ کی وجہ سے نہ ہو بلکہ راحت نفس کی وجہ سے ہو کہ نماز توجہ سے نہیں پڑھی گئی کیونکہ توجہ سے نماز پڑھنا نفس پر گراں ہوتا ہے تو اس کے خلل کی تلافی سجدہ سہو سے نہیں ہوتی گو ظاہر میں نماز صحیح ہو جائے بلکہ اس خلل کی تلافی نماز کے اعادہ سے

ہوگی کہ دوبارہ توبہ کے ساتھ نماز پڑھی جائے۔

فس - دین کی درستی راحت نفس کیساتھ نہیں ہو سکتی بلکہ اسکے لئے مجاہدہ اور مراقبہ یعنی استقامت اور فکر و نگہداشت کی ضرورت ہے جو نفس پر گراں ہے، اور مجاہدہ بھی اپنی رائے سے کافی نہیں بلکہ شیخ عارف کی تجویز سے ہونا چاہیئے پھر بھی تو شیخ کوئی خاص مجاہدہ تجویز نہیں کرتا بلکہ محض دار و گیر اور ڈانٹ و ٹپٹ سے نفس کی اصلاح کر دیتا ہے بعض دفعہ خلوت اور چلہ کشی وغیرہ تجویز کرتا ہے مگر لوگوں کی بے حسی ملاحظہ ہو کہ صلاح دین کی طلب کا بھی دعویٰ ہے اور شیخ کی تنبیہ سے ناگوار بھی ہے۔ ان لوگوں کو عارف کا یہ قول یاد کر لینا چاہیئے

باز پروردہ شتم نہ بمدرائہ بد دست  
ما شقی شیوہ زندان بکاش باشد

۵



## حدیث

## السترۃ للمصلی والمروء بن یدیه

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب کوئی شخص کسی چیز کو سامنے رکھ کر نماز پڑھے جو لوگوں کے اور اس کے درمیان آدھو جائے۔ (مراوسترہ ہے) پھر کوئی اسکے سامنے سے (سترہ کے اندر) گزرنا چاہے تو اسکو ہٹا دے اگر وہ انکار کرے (اور سامنے گزرنے سے باز نہ آئے) تو اس سے قتال کرے یعنی سختی سے دفع کر دے کیونکہ وہ نرا شیطان ہے۔

شرح ظاہر حدیث یہ ہے کہ جو نمازی کے اور سترہ کے درمیان سے گزرتے اس سے قتال جائز ہے۔ اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

## (۱۹۵) نماز کے سامنے سے گزرنے والے کو کیوں کر ہٹایا جائے

اس قتال میں اور اسکی کیفیت میں لوگوں نے بہت اختلاف کیا ہے یہاں تک کہ بعض خالی علمائے نے تو یہ کہہ دیا ہے کہ اس کو جان سے بھی مار ڈالو تو اس کا خون معاف ہے مگر صحیح مطلب یہ ہے جو حدیث کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ارشاد فرمودہ علت سے معلوم ہوتا ہے اگرچہ یہ بات مقتدین میں کسی سے ہم نے نہیں سنی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ نرا شیطان ہے تو اس کے ساتھ قتال بھی ویسا ہی ہونا چاہیے جیسا شیطان کے ساتھ ہوا کرتا ہے اور شیطان سے مقابلہ و مقابلہ معلوم انما

سے ہوا کرتا ہے جیسے تعویذ یا جھاڑ پھونک وغیرہ اس کے ساتھ کشتی کون لڑتا ہے، اور نماز میں ضرورت کی وقت عمل قلیل جائز ہے، اور اگر اس شخص کیساتھ پوری طرح لڑائی کی گئی جو نمازی کو نماز کی حد سے باہر کر دے تو اس صورت میں خود یہ نمازی اس سے بھی پڑھ کر دوسرا شیطان ہو جائے گا اسی لئے ہمارے علمائے فرمایا ہے کہ اس کو نرمی سے ایسی طرح ہٹا دے جو نمازی کی نماز کو فاسد نہ کرے اگر وہ اس پر بھی باز نہ آئے تو جانے دے اور اپنی نماز میں مشغول رہے قولہ ف الوجه الاول واما المقابلة وکفیتها الى قوله واشغل بالصلوة

وقت ہر حید کہ یہ مسئلہ بظاہر تصوف کا نہیں مگر عجیب تحقیق ہے اس لئے اس کا ترجمہ کر دیا گیا۔ نیز بعض غالی صوفیوں کو نماز کے سامنے سے گزرنے والے پر بڑا غصہ آتا ہے اور بعض دفعہ ایسی حرکت سے اس کو روکتے ہیں جس سے نماز فاسد ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اس لئے صوفیوں کو اس تحقیق سے مطلع کرنے کی ضرورت بھی تھی، ۱۲

(۱۹۶) ظاہر سے باطن پر استدلال کیا جاتا ہے کی بھی دلیل ہے کہ

ظاہر سے باطن پر استدلال کیا جاتا ہے جبکہ باطن پر رسائی نہ ہو سکتی ہو کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پھر کوئی اس کے سامنے سے گزرنا چاہے اور اس کے ارادہ کا علم اس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم اس کو سترہ کے قریب آتا ہوا دیکھیں تو اس حالت سے ہی اس کی نیت پر دلالت ہوگی اور ہم اس وقت بات کرنے سے شرعاً مجبور ہیں اس کی نیت کو دریافت نہیں کر سکتے اس لئے دلالت حال کے مقتضی پر عمل کرنا پڑا۔ الوجه الرابع فیہ دلیل علی ان الظاہر یتدل بہ علی الباطن الى قوله فعلمنا بمقتضى ما دل علیہ حالہ

فہ ظاہر سے باطن پر استدلال کرنا صوفیہ کا خاص حصہ ہے، علماء مجتہدین بھی اس میں ان کے شریک ہیں مگر اجتہاد ظاہر تو آج کل مفقود ہو چکا ہے اجتہاد باطن کا دروازہ بند نہیں ہوا چنانچہ مشائخ طریق میں بحمد اللہ اب تک یہ شان موجود ہے اور جس صوفی کو

اجتہاد فی الباطن کا درجہ حاصل نہ ہو وہ مصلح اور مربی بننے کے قابل نہیں اگرچہ وہ مصلح  
و متقی و صاحب ولایت ہوئے ۔

(۱۹۷) کسی پر کوئی حکم قطعی بدن دلیل یقینی کے نہیں لگایا جاسکتا

کسی شے پر قطعی حکم بغیر دلیل (واضح) کے جو محتمل تاویل نہ ہو نہیں لگایا جاسکتا دیکھو  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو شیطان کا لقب اسی وقت دیا جب کہ اسکو ہٹایا  
گیا اور واپس نہ ہوا۔ اگر ہٹانے سے ہٹ گیا تو وہ شیطان نہیں کیونکہ ممکن ہے اس کا  
دل کسی طرف مشغول ہو جس کی وجہ سے نمازی کو اس نے دیکھا نہ ہو یا دیکھا ہو اور یہ نہ  
سمجھا ہو کہ نماز پڑھ رہا ہے یا اور کوئی عذر ہو اور جب اسکو ہٹایا گیا پھر بھی واپس نہ  
ہوا تو اب کوئی عذر باقی نہیں رہا اس وقت تحقیق اور یقین کے ساتھ اس پر شیطان  
ہونے کا حکم لگایا گیا ہے۔

یہاں سے ایک اور علمی مسئلہ  
احتمال کی رعایت بھی ضروری ہے

کا حکم قطعی کے برابر نہیں مگر محتمل کے حکم کو بھی ضائع نہ کیا جائیگا بلکہ احتمال کی رعایت  
بھی ضروری ہے کیونکہ اگر احتمال کے احکام کو ضائع کر دیا گیا تو اس پر بہت سے مفاد  
مرتب ہوں گے۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً یہ حکم دیا ہے کہ سامنے سے گزرنے  
والے کو ہٹاؤ کیونکہ احتمال ہے کہ وہ سہو یا نسیان کی بنا پر آگے سے گزر رہا ہو اب اگر  
یہ احتمال واقع کے موافق ہو اور وہ واپس ہو گیا تو مقصود حاصل ہو گیا ورنہ اسکو سختی سے  
رکھا جائے اور یہ حکم لگا دیا جائے کہ وہ شیطان ہے۔ الوجه الخامس فیہ دلیل  
علی ان لا یقطع بالشئ الی قوله وحکمنا بانہ شیطان۔

فہ خیر حکیم الامت دام مجید ہم کی یہ خاص تعلیم ہے کہ سالک کو تمام احتمالات  
کی رعایت کر کے کام کرنا چاہیئے فرمایا کرتے ہیں میسر نزدیک انسان کی تعریف  
حیوان ناطق نہیں بلکہ حیوان متفکر ہے جس کو تمام پہلوؤں کی فکر نہ ہو وہ انسان نہیں ہے

(۱۹۸) احترام اسی کا کیا جائیگا جو خود بھی احترام کرے یہ بھی معلوم

ہوا کہ احترام اسی کا کیا جائیگا جو خود بھی شریعت کا احترام کرے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فہمے کے سامنے سے گزرنے کو حرام اور اس کے ہٹانے اور سختی سے روکنے کا حکم اسی نمازی کیلئے دیا ہے جس نے اپنے سامنے سترہ کر لیا ہو اس کے سوا جس نے نماز کے وقت سترہ کے حکم کو ضائع کیا ہو اس کے لئے یہ احترامات نہیں ہیں اسکی زیادہ توفیع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے

من خاف الله خوف الله منه كل شيء ومن لم يخف الله  
خوفه الله من كل شيء جو اللہ سے ڈے گا

اللہ تعالیٰ ہر چیز میں اس کا خوف ڈال دے گا اور جو اللہ سے نہ ڈے گا اللہ تعالیٰ ہر چیز اسکو ڈرائے گا۔

پس احترام کے عوض احترام ہے برابر کا بدلہ ہے الوجه السادس فیہ دلیل علی  
انہ لا یحترم الا من یحترم الی قولہ جزاء وفاء

فے یہاں سے سالکین کو خصوصاً اور سب مسلمانوں کو عموماً سبق لینا چاہئے کہ آجکل جوان کی عزت و اہمیت سے اور ہیبت و خفت سے بدل گئی ہے اس کا سبب کیا ہے؟ سید الحکام صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ ہم نے خوف خدا اور احترام شریعت میں کمی کی ہے اسی کا یہ بدلہ ہے۔ پس اہل سیاست کی تذابیر کا تجربہ تو ہو چکا اب مسلمان اپنے رسول کی ارشاد فرمودہ تدبیر کا بھی تجربہ کر لیں دلوں میں خوف خدا اور احترام احکام شریعت پیدا کریں اور عمل سے اس کا ثبوت دیں اغراض نفسانی کو چھوڑ دیں پھر دیکھیں کہ ان کے دن کس طرح پھرتے ہیں یہ وہ تدبیر ہے جس کا تجربہ ہزار سال تک ہماری اسلام نے کیا ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ ان سے زیادہ باعزت و جلال و صاحبِ عجب و وقار دنیا میں کوئی قوم نہ تھی مگر انھوں نے کہ

مسلمان اپنے گہر کی دولت سے غافل ہیں اور کفار کی تقلید کے وہ اسباب عزت اختیار کرتے ہیں جو کفار ہی کے مناسب ہیں مسلمان کے شایان شان نہیں فاعتبروا  
یا اولی الابصار

(۱۹۹) ادب احترام عمل سے بھی افضل ہے اس میں تصوف کی بھی ایک  
دلیل ہے وہ یہ کہ موفی کے

نزدیک شریعت کا ادب احترام عمل سے بھی افضل ہے اسکی تائید اس سے ہوئی کہ  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو جو اپنی نماز کا احترام کرے اور  
اپنے آگے نماز کے وقت سترہ قائم کرے سنانے سے گزیرنے پر حکومت دیدی ہے  
اس کے ہٹانے اور دفع کرنے کا اختیار دیدیا ہے اور جو اس کا حکم نہ مانے اس کو  
فاسق قرار دیا حتیٰ کہ شیطان بھی فرما دیا ہے اور اگر شخص سترہ قائم نہ کرتا تو صرف  
نماز پڑھنے سے اسکو یہ حکومت اور عزت حاصل نہ ہوتی پس ثابت ہوا کہ نماز کا ادب و احترام  
نماز سے بھی افضل ہے۔ الوجه الشامن فیہ دلیل صوفی الحی قولہ حتی  
جعلہ شیطانا

فے اسکی توضیح فقہاء کے اس قول سے ہوتی ہے کہ مستحبات و سنن کا استخفاف  
کفر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ان کا احترام ایمان ہے حالانکہ مستحبات و سنن کا  
بجالاتا لازم نہیں شان کے ترک سے کوئی گناہ اس سے ثابت ہوا کہ احکام شرعیہ  
کا احترام ان کے بجالانے سے بھی زیادہ فروری ہے یہاں سے ان لوگوں کی حماقت ظاہر  
ہوگئی جو اسلام و کفر کا مدار صرف عمل پر رکھتے ہیں اعتقاد و احترام کو بیکار  
سمجھتے ہیں حالانکہ ایمان شرماء ولتہ اعتقاد ہی کا نا ہے عمل اس کا ثمرہ ہے خوب  
سمجھ لو۔

(۲۰۰) ہر شخص پر وقتی فعل کے موافق حکم لگایا جائے گا یہ سنی حدیث سے  
ہوا کہ ہر شخص پر اس کے وقتی فعل کے موافق حکم لگایا جائیگا گذشتہ عمل کو نہ دیکھا جائیگا

دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی الاطلاق فرمایا ہے کہ وہ نواسیطان ہے جو باوجود  
 روکنے کے نمازی کے آگے سے گزرتے اس فرق کا لحاظ نہیں فرمایا کہ اس سے پہلے وہ متقی  
 تھا یا غیر متقی الوجه التاسع فیه دلیل علی انه یحکم للشخص بمقتضی  
 فعله فی الوقت الحی قوله و لحد یفرق بین ما کانت قبل خلک علی تقویٰ او غیبا  
 فے یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو بعض رہنماؤں کے مضر اسلام افعال پر  
 یہ کہہ کر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں کہ انہوں نے گزشتہ زندگی میں قوم کے لئے ایسی قربانیاں  
 کی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ان کو یاد رکھنا چاہیے کہ اعمال سابقہ سے وقتی افعال پر پردہ نہیں  
 پڑ سکتا کسی عابد زائد کا وقتی گناہ اس کے پہلے اعمال کی وجہ سے جائز نہیں ہو سکتا  
 اس میں صوفیہ کی بڑی ذلیل ہے جو حال ہی پر حکم لگاتے ہیں اس کے ماسوا  
 (۲۰) ماضی یا مستقبل پر حکم نہیں لگاتے یہاں تک کہ ان کا ارشاد ہے کہ اپنے ہر  
 سانس میں اسی حال پر رہو جس پر تم مرنا چاہتے ہو کیونکہ اندیشہ ہے کہ تم کو اسی  
 سانس میں موت آجائے۔ پھر کس بھروسہ پر بعض اوقات ایسی حالت میں رہتے ہو جس  
 پر تم کو مرنا پسند نہیں اور جس نے اپنے حسن جمال کو ماضی کے حوالہ کر دیا وہ گویا کچھ بھٹا  
 ہی نہیں یعنی جو شخص اپنے حسن حال پر اسلئے مطمئن ہو گیا ہے کہ زمانہ ماضی میں اسکی  
 حالت اچھی تھی اور حالت موجودہ پر نظر نہیں کرتا کتاب کیا سے کیا ہو گیا ہے وہ  
 کسی درجہ میں بھی قابل اعتبار نہیں ہم سب کے سب اعتقاداً حق اور صواب کو  
 جانتے پہچانتے ہیں مگر ہم نے نفسانی خواہشوں کو اختیار کر رکھا ہے اس لئے اس  
 مضمون کا حال بنا اہم کو دشوار ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں میں سے  
 کرے جن پر فروع و اصول کی تحصیل سے وصول آسان کر دیا گیا ہے۔ قوله الوجه  
 العاشر فیه دلیل لاهل الصوفیۃ الذی یجعلون الحکم للحال لایغیرہ  
 الحی قوله جعلنا اللہ ممن سہل علیہ الوصول بتحصیل الفروع والاصول  
 فے یہاں سے ان لوگوں کو سبق لینا چاہیے جو بعض دفعہ کفار کے جلسوں میں کفار کی  
 صداقت میں مشرکانہ ترانوں میں شریک ہوتے ہیں ان کو سوچنا چاہیے کہ کیا اس حالت

میں مرنا ان کو پسند ہوگا۔ بحث و تکرار سے فیصلہ نہ کبھی ہوا نہ ہو سکتا ہے دل کو ٹٹولنے اور دل کی گہرائیوں تک پہنچنے کے بعد ہر مومن خود فیصلہ کر دیگا کہ اس حالت میں مرنا اس کو ہرگز پسند نہیں۔ پھر اپنی زندگی کا کوئی لمحہ بھی ایسی حالت میں کیوں گزارا جائے جس پر مرنا پسند نہیں۔

شاید ہمیں نفس نفس والپسین بود

فے سا کہین اس قاعدہ کو پیش نظر رکھیں کہ ہر سانس اور ہر لمحہ میں اسی حالت پر رہیں جس پر مرنا پسند ہو کسی وقت بھی اللہ کی مرضی کی خلاف کوئی حالت نہ ہونی چاہئے۔ اور اگر غلط ہو جائے فوراً توبہ کر لیں اور اس فقرہ کو آبِ زر سے لکھ لیں کہ ”جس نے اپنے حُسنِ حال کے کو ماضی کے حوالہ کر دیا وہ گویا کچھ مٹا

ہے نہیں۔“

حقیقت میں تمام منازل سلوک طے کرنے کے لئے یہ روشن ہدایت ہے جو اس پرستقیم ہو گیا وہ ہی صاحبِ استقامت ہے۔ جعلنا اللہ دایا کھر کھایعج دیرضی امین

## حدیث

## فتنة الہل والمال کفار تھا

حضرت مذیفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرد کو اپنے گھر والوں میں اور مال و اولاد اور ہمسایوں میں جو فتنہ پیش آتا ہے اس کا کفارہ تو نماز روزہ اور صدقہ اور امر و نہی سے ہو جاتا ہے۔

شرح ظاہر حدیث سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ یہ خاص فتنہ جس کا حدیث میں ذکر ہے اس کا کفارہ یہ چار چیزیں ہو جاتی ہیں جو مذکور ہیں یعنی نماز روزہ اور صدقہ اور امر و نہی، اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

فتنہ کیا چیز ہے؟ اس کی حد کیا ہے؟ اور یہ فتنہ مردوں کی لئے مخصوص ہے عورتوں کے لئے نہیں یا دونوں کو عام ہے اور

مردوں کی تخصیص میں اعلیٰ سے ادنیٰ پر تنبیہ کی گئی ہے۔ اور جس عبادات کا یہاں ذکر کیا گیا ہے ان سے فرض عبادات مراد ہیں یا فرض کے علاوہ (نفل نماز روزہ وغیرہ) اور کفارہ ان سب کا مجموعہ ہو گا یا ان میں سے ایک بھی کفارہ ہو جائیگا

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ لغت میں فتنہ کے معنی آزمائش کے ہیں اور آزمائش

کبھی خیر سے ہوتی ہے کبھی شر سے چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ونبلوکم بالشرا والخیر فتنۃ ہم تم کو بھلائی برائی میں آزمائش کے لئے مبتلا کریں گے (یعنی راحت و تکلیف سے تم کو آزمائیں گے) اور گھر والوں اور اولاد ہمسایوں سے



آزمائش کی چند صورتیں ہیں ایک یہ کہ آدمی ان سب کا وہ حق ادا کرتا ہے یا نہیں جو ان کے لئے اس پر واجب ہے کیونکہ وہ ان کا ذمہ طرہ ہے اور اس ذمہ داری سے آخرت میں سوال ہوگا پس اگر کسی نے حق واجب کو ادا نہ کیا ہو اس کا کفارہ ان طاعات کے بجالانے سے نہ ہوگا (جو حدیث میں بطور کفارہ کے مذکور ہیں) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے سوال کیا کہ اگر میں اللہ کے راستہ میں استقلال کے ساتھ محض اللہ کیلئے دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے بدون پیٹ پھیرے قتل کیا جاؤں تو اللہ تعالیٰ اس عمل کو میری تمام خطاؤں کا کفارہ بنا دیں گے ؟ حضور نے فرمایا ہاں سولے دین کے کہ وہ بدون ادا کئے یا معاف کئے معاف نہ ہوگا ؟ اور یہ حقوق بھی جو کہ اہل و عیال وغیرہ کے لئے شرعاً انسان کے ذمہ واجب ہیں (منجملہ دیون کے ہیں وہ بھی کسی طاعت کے بجالانے سے معاف نہ ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من كانت له مظلمة لآخره من عرض او شئ فليخلفه من اليوم حتى يرضى پہلے کے بجائے کا کوئی مطالبہ آج ہی کرے چیز کے متعلق ہو وہ آج ہی اس سے معاف کر لے کہ قیامت میں کوئی اپنا حق معاف نہ کرے گا اور یہ مسئلہ جماعی ہے کہ جب حقوق واجب ہو جاتے ہیں تو ان کو بحجراً یا معافی کے اور کوئی چیز ساقط نہیں کر سکتی اور اگر یہ حقوق جن کو تلف کیا ہے حقوق واجبہ نہ تھے بلکہ مستحبات کی قسم سے تھے تو مستحب کے ترک گناہ نہیں ہوتا جس کے لئے کفارہ کی حاجت ہو ؟

ہاں ایک صورت باقی رہ گئی وہ یہ کہ دل کو ان سے تعلق ہو جائے سو تعلق دو قسم ہے ایک یہ کہ تعلق مفروض ہو (یعنی مد سے بڑھا ہوا) حتیٰ کہ اس کو حقوق اللہ سے بھی مشغول کرنے (رکے) تو یہ اس باب سے نہیں جس کا کفارہ طاعات سے ہو جائے بلکہ یہ اسکے وسیع رحمت میں داخل ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے قتل ان کات اباہم و ابناءہم و اخوانہم و ازواجہم و عشیرتکم و اموالہم اقتروفتہم و ہا و تجارتہم و ثمنوتہم و عساکہم و مسلکہم و رضونہا و احب الیہم من اللہ و رسولہ و جہاد فی سبیلہ فترضوا حتی یأتی اللہ بامرک

فرما دیجئے اگر تمہارے باپ دادا اور بیٹے (پوتے) اور بھائی بند اور بیبیاں اور خاندان والے اور وہ اموال جن کو تم نے عنایت سے کما لیا ہے اور وہ تجارت جس کے مندا ہونے کا اندیشہ لگا رہتا ہے اور وہ مکانات جو تم کو بھلے گتے ہیں یہ سب تمہارے دل میں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے متعلق اپنا دوسرا حکم بھیجیں یعنی حکم ثانی کا انتظار نہ کرو اور شاہی عاودات میں یہ جملہ سخت و عسید اور دوسری قسم تعلق کی یہ ہے کہ اللہ کے حقوق میں سے کسی حق کی ادائیگی سے مشغول نہ کرے نہ روکے یہ نوع البتہ وہ ہے جس کا کفارہ اعمال طاعت سے ہو جاتا ہے واللہ اعلم۔

کیونکہ جب اس کے دل میں خواہش نفس کا لحاظ اور اللہ تعالیٰ کے حق کا خیال دونوں جمع ہو گئے اور اس نے اللہ کے حق کو مقدم کیا خواہش نفس کو مؤخر کیا تو یہ مراعات جسکی اسے توفیق ہو گئی ہے غیر اللہ کے ساتھ دل کی مشغولی کا کفارہ ہو جائیگی اسکی تاہم رسول اللہ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے انتم ف زمان کثیر فقہاءہ قليل قراءہ تحفظ فیہ حدود القرآن وتضیع حروفہ قليل من یسأل کثیر من یعطی یطیلون فیہ الصلوٰۃ ویقصر عن الخطبۃ یبدلون اعمالہم قبل اعمالہم وسیأتی علی الناس زمان قليل فقہاء کثیر قراءہ تحفظ فیہ حروف القرآن وتضیع حدودہ کثیر من یسأل قليل من یعطی یطیلون فیہ الخطبۃ ویقصر عن الصلوٰۃ یبدلون اعمالہم قبل اعمالہم، تم ایسے زمانہ میں ہو جہاں سمجھنے والے زیادہ ہیں پڑھنے والے کم ہیں، قرآن کے احکام کی حفاظت زیادہ کی جاتی ہے حروف و الفاظ کی خدمت زیادہ نہیں کی جاتی، مانگنے والے کم ہیں دینے والے زیادہ ہیں نماز لمبی لمبی پڑھتے ہیں تقریر مختصر کرتے ہیں، اپنی خواہشوں سے پہلے اعمال (شرعیہ) سجالا ہے اور عنقریب ایک زمانہ آئے گا جس میں شریعت کے سمجھنے والے کم ہوں گے پڑھنے والے بہت ہوں گے الفاظ قرآن کی بہت حفاظت کی جائیگی اور احکام و

مدد مضائقہ کئے جائیں گے مانگنے والے بہت ہوں گے دینے والے کم ہوں گے ۔  
 تقریریں لمبی کریں گے نماز کو مختصر کریں گے اعمال شرعیہ سے پہلے اپنی خواہشوں  
 کو پورا کریں گے ۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی تعریف  
 کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ وہ اپنی خواہشوں سے پہلے اعمال کو بجا لاتے  
 ہیں یہ نہیں فرمایا کہ وہ خواہش سے بالکل پاک ہیں ، اس سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ  
 کے ساتھ دل کو تعلق ہونا مطلقاً مذموم نہیں بلکہ اس کا اللہ کے تعلق پر غالب ہونا  
 مذموم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں کے درمیان عدل کیساتھ  
 برابری کیا کرتے تھے اگرچہ یہ آپ کے ذمہ فرض نہ تھا اور یہ آپ کی خاص خصوصیت  
 تھی کہ آپ کے ذمہ بیبیوں کے ساتھ برابری کرنا لازم نہ تھی مگر آپ نے پھر بھی کسی پر کسی  
 زیادتی نہیں کی اللہ تعالیٰ آپ پر اور آپ کے اہل و عیال پر درود و سلام نازل فرمائیں  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ان کے ساتھ عدل کا برتاؤ کیا کرتے اور اس کے  
 بعد فرماتے کہ اے اللہ یہ تو میری اپنی طاقت کے موافق گوشمالی ہے اور جس چیز پر  
 مجھے قدرت نہیں اس میں مجھ سے مواخذہ نہ فرمائیے ۔ اس سے مراد قلب کا کسی کی  
 طرف زیادہ مائل ہونا اور کسی کی طرف زیادہ مائل نہ ہونا ہے اور یہ بات حضور  
 نے ہماری تعلیم کے لئے ارشاد فرمائی ہے کیونکہ آپ کو خود ایسے میدان کسی سے  
 نہ تھا جیسے ہم لوگوں کو ہوا کرتا ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ جب آپ بعض بیبیوں  
 نے اس بات کی شکایت کی کہ آپ حضرت عائشہ کو دوسری بیبیوں پر ترجیح دیتے  
 ہیں جس سے ان لوگوں کو جو حضور کی حالت رفیعہ سے ناواقف ہیں یہ گمان ہوا  
 ہوگا کہ اس ترجیح کا سبب حضرت عائشہ کی نوجوانی اور ان کا حسن و جمال تھا تو  
 حضور نے اس شکایت کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ مجھے اس معاملہ میں ملتا  
 نہ کہ وہ چونکہ مجھ پر کسی بیوی کے بستر پر وحی نازل نہیں ہوتی ۔ بجز عائشہ کے بستر  
 کے کہ ان کے بستر میں ہونا مانع نہیں ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 صاف بتا دیا کہ دوسری بیویوں پر حضرت عائشہ کی ترجیح کا سبب یہ تھا کہ

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے یہاں خاص درجہ اور خاص مرتبہ سے ممتاز فرمایا ہے اور جس سے اللہ تعالیٰ کو خاص تعلق ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے خاص تعلق کیوں نہ ہوگا۔

دہی یہ بات کہ فتنہ ان چار چیزوں ہی کے ساتھ مخصوص ہے یا غالب کو بیان کر کے ادنیٰ پر تنبیہ کی گئی ہے سو احتمال دونوں ہیں مگر ظاہر یہ ہے کہ غالب کو بیان کر کے ادنیٰ پر تنبیہ کی گئی ہے جیسا بہت سی حدیثوں میں ہم نے بتلایا ہے کہ جب کسی علت پر حکم کو مرتب کیا جاتا ہے تو جہاں وہ علت پائی جائیگی حکم بھی پایا جائے گا اور اس قاعدہ پر اہل سنت کا اجماع ہے تو جو تعلق بھی اللہ تعالیٰ کے کسی حق سے مشغول کر دے وہ انسان کے لئے وبال ہے اور جس چیز سے نفس کو تعلق تو ہے مگر اللہ تعالیٰ کے کسی حق سے مشغول نہ کرے تو حقوق مامور بہا کا بجالانا اس تعلق کا کفارہ ہو جاتا ہے جیسا ان دلائل سے معلوم ہوا جو کتاب و سنت سے ہم نے بیان کی ہیں آیات اور احادیث اس باب میں مادی بھی بہت ہیں مگر سمجھنے والے وہی کافی ہیں جو ہم بتلا چکے ہیں۔

دلیہ سوال کہ یہ فتنہ مردوں ہی کے لئے مخصوص ہے عورتوں کے لئے نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہن شقائق الرجال عورتیں مردوں کی بہنیں ہیں یعنی لزوم احکام بھی وہ بھی مردوں جیسی ہیں اس کا مقتضی یہ ہے کہ حکم بھی مردوں کے ساتھ مخصوص نہ ہو بلکہ سب کو عام ہو اور یہاں مردوں کی تخصیص کا نقشہ وہی ہے جو ہم نے اوپر بتلایا ہے کہ اغلب کو بیان کر کے ادنیٰ پر تنبیہ کی گئی ہے اس کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے ۔ ما ترک بعدی فتنۃ ہی اضر علی الرجال من النساء میں اپنے زمانہ کے بعد کسی فتنہ کو مردوں کے حق میں عورتوں سے زیادہ مضر نہیں پاتا، عورتوں کے بارے میں اپنے یہ نہیں فرمایا کہ ان کے حق میں مردوں سے زیادہ مضر فتنہ کوئی نہیں، حالانکہ جیسا مرد عورتوں کی محبت میں حد سے تجاوز کرتے ہیں بعض دفعہ عورتیں بھی مردوں کی محبت میں حدود سے نکل جاتی ہیں کیونکہ مرد اس بلاد میں زیادہ مبتلا ہیں اور اولاد کے بارے میں بعض دفعہ عورت مرد سے بڑھ جاتی ہے یعنی

اس کو اولاد سے زیادہ تعلق ہوتا ہے مگر چونکہ باپ کی طرح اس کی حکومت اولاد پر نہیں۔ اس لئے آپ نے اعلیٰ کو بیان فرما دیا (حاکم کا محکوم کی محبت میں حدود سے تجاوز کرنا زیادہ برا ہے۔ مال و متاع وغیرہ کا تعلق سوا اس میں مرد و عورت سب برابر مگر پھر بھی غلبہ مردوں ہی کو ہے کیونکہ وہ صاحب حکومت ہیں ان پر کسی کی حکومت نہیں اور عورتیں اکثر محکوم ہوتی ہیں اگر ان کو مال و متاع سے تعلق بھی ہو تو مرد اپنی حکومت سے اس تعلق کو اعتدال پر لاسکتا ہے لیکن مرد کو مال و متاع سے محبت ہو تو عورت اس کو اعتدال پر نہیں لاسکتی تو واللہ اعلم اسی وجہ سے حضور نے یہاں مردوں کا ذکر فرمایا ہے عورتوں کا ذکر نہیں فرمایا۔ بلکہ یہ سوال کہ یہ چاروں عبادات ہی کفارہ ہو جائیں گی یا جملہ اعمال کا مجموعہ کفارہ ہوگا اس کا بھی وہی جواب ہے جو اوپر مذکور ہوا کہ یہاں بھی اعلیٰ کو بیان فرما کر بقیہ پر تنبیہ کی گئی ہے مقصود نہ ایک ہی نہ چار فقط بلکہ تمام اعمال صالحہ مراد ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں اعمال بدنیہ میں سے اعلیٰ کو بیان فرمایا ہے۔ یعنی نماز و روزہ کو اور نماز کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے و انہا لکبیرۃ الا علی الخشعین نماز بہت گراں ہے مگر اہل خشوع پر گراں نہیں اس سے نماز کا تمام اعمال بدنیہ میں اعلیٰ ہونا ظاہر ہے۔ نیز حقوق اموال یعنی طاعات مالیہ میں سے بھی اعلیٰ کو بیان فرمایا ہے یعنی صدقہ کو اور اقوال میں سے بھی اعلیٰ کو بیان فرمایا ہے یعنی امر و نہی کو تو جو شخص یہ چار اعمال بجالائے گا اس سے بقیہ اعمال فوت نہیں ہو سکتے وہ اس پر قادر ہی نہ ہوگا کیونکہ اعمال صالحہ میں ایسا ارتباط ہے کہ ایک کا سلسلہ دوسرے سے ملا ہوا ہے۔ ایک عمل دوسرے کو ہم تیسرے کو مسلسل اپنے ساتھ لے آتا ہے اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے انرا ایت الحسنۃ فاعلم ان لہا اخیات جب تم کسی میں کوئی بات اچھی دیکھو تو سمجھ لو کہ اسکی بہنیں اور بھی ہیں اور یہی حال سیئہ کا ہے کہ ایک گناہ کا سلسلہ دوسرے گناہ سے ملا ہوا ہے جس کو ایک گناہ کا مرکب دیکھو سمجھ لو کہ اس کے ساتھ اور گناہ بھی ہیں۔

دیا یہ سوال کہ ان اعمال میں سے ہر ایک الگ الگ کفارہ ہے یا ان کا مجموعہ کفارہ ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ سب کا مجموعہ کفارہ ہوگا جبکہ یقینہ واجبات و فرائض بھی بجالائے اور ان پر پابندی کرے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من لم تنہہ صلاتہ عن الفحشاء والمنکر لم یزدد من اللہ الا بعدا جس کی نماز نے اسے بے حیائی اور گناہ سے نہ روکا وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہی ہوتا جائے گا اور جس نے واجبات میں سے ایک کو بھی ترک کر دیا اس نے بے حیائی اور گناہ کا ارتکاب کیا اور جس نے ان دونوں کا ارتکاب کیا وہ اللہ سے دور ہو گیا اور جو اللہ سے دور ہو گیا اس کا کوئی عمل اس فتنہ کا کفارہ کیوں کر ہوگا جس میں گفتگو ہو رہی ہے جبکہ وہ اس فتنہ سے بھی سنگین تر فتنہ میں مبتلا ہے۔

اور یہاں سے تم کو سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کا اندازہ ہوا ہوگا کہ حضور نے اتنے فوائد ایک خوبصورت جملہ میں کس خوبی سے جمع فرمائیے ہیں۔ الوجه الاول ما هذه الفتنة وما حدها الى قوله فاولها

الشافی صیف جمع هذه الفوائد بهذه العبارة الرائعة

فے یہاں سے ان چار اعمال کی اہمیت واضح ہو گئی کہ ان کو بجالانے والا بقیہ اعمال کو مزبور بجالائے گا مگر افسوس ہے کہ ان اعمال میں بہت کوتاہی کی جا رہی ہے، عوام تو نماز روزہ میں بھی کوتاہی کرتے ہیں مگر خواص صدقہ اور امر و نہی میں بہت کوتاہی کرتے ہیں، یہ مسلم کہ اکثر خواص پر زکوٰۃ فرض نہیں مگر تہجد اشراق و اوابین و صوم عاشورہ اور صوم سرفہ وغیرہ ہی ان پر کسب فرض ہے؟ پس جیسا نماز روزہ میں وہ فرض پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ نوافل و مستحبات کا بھی اہتمام کرتے ہیں اسی طرح طاعات مالیہ میں بھی صدقہ نافلہ و مستحبہ کا اہتمام کرنا چاہیے۔

نیز تبلیغ احکام کا خاص طور سے اہتمام کرنا چاہیے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے یہی مراد ہے، کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ خواص نے فتنہ درس و تدریس پر

پر قناعت کر لی ہے عامۃ المسلمین کو امر و نہی کرنے سے پہلو تہی کی جاتی ہے ،  
 حالانکہ انما نبیاء علیہم السلام کا جن کے یہ حضرات وارث ہیں اصل و طیفہ امر و نہی  
 اور تبلیغ ہی تھا اصطلاحی درس و تدریس ان کا وظیفہ نہ تھا ، درس و تدریس دراصل  
 اسی مقصد کا وسیلہ اور ذریعہ ہے تاکہ مبلغ علم صحیح کے ساتھ تبلیغ کر سکے ، پھر یہ  
 کن قدر حیرت کا مقام ہے کہ وسیلہ اور ذریعہ کا تو اتنا اہتمام اور اصل مقصد سے  
 اتنی بے پروائی ، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ منصب تبلیغ کو جاہلوں نے اپنے ہاتھ میں  
 لے لیا ہے اور وہ مسلمانوں کو گمراہ کرتے پھرتے ہیں ۔ اگر علماء اس منصب سے  
 تغافل نہ کرتے تو جاہلوں کو یہ جرات نہ ہوتی اور عوام بھی حق و باطل میں تمیز نہ کر  
 سکتے ، مگر جب عوام کے سامنے صرف ایک ہی پہلو آتا ہے دوسرا پہلو نہیں آتا تو وہ  
 بھی جاہلوں کی پیروی کرنے لگتے ہیں ، ضرورت ہے کہ ہر اسلامی مدرسہ میں جہاں درس  
 تدریس کے لئے درس پندرہ مدرس مقرر کئے جاتے ہیں وہاں تبلیغ احکام کے لئے بھی  
 کم از کم تین چار مبلغ رکھے جائیں مگر ان سے چندہ کی تحصیل کا کام نہ لیا جائے کیونکہ محصل چندہ  
 مبلغ احکام نہیں ہو سکتا وہ اگر تبلیغ احکام کرتا بھی ہے تو اس کا سامعین پر اثر نہیں ہوتا  
 اور عامۃ المسلمین کو جان لینا چاہیے کہ تبلیغ احکام صرف علماء ہی کے ذمہ نہیں بلکہ  
 ہر مسلمان کے ذمہ ہے جس شخص کو جتنا علم احکام کا حاصل ہے اس کو دوسروں تک پہنچانا  
 اس کے ذمہ فرض ہے مثلاً سب کو معلوم ہے کہ نماز فرض ہے تو جو نماز نہیں پڑھتا  
 اس کو یہ حکم پہنچانا ہر شخص کے ذمہ فروری ہے اسی طرح جن کاموں کا گناہ ہونا معلوم ہے  
 ان کا گناہ ہونا اس شخص کو بتلایا جائے جو ان میں مبتلا ہے ۔ البتہ عام لوگوں کو  
 وعظ کی صورت سے تبلیغ نہ کرنا چاہیے کہ یہ منصب اہل علم کا ہے ۔ جاہل جب وعظ کہنا  
 شروع کرتا ہے تو غلطیاں صحیح جو زبان پر آتا ہے کہہ دیتا ہے جن سے گمراہی کا اندیشہ ہے اس لئے  
 عوام کو وعظ نہ کہنا چاہیے ، بلکہ گفت و شنید اور نصیحت کے طور پر ایک دوسرے کو  
 احکام سے مطلع کرنا چاہیے کیونکہ تبلیغ احکام فرض بھی ہے اور اس کو اصلاح حال  
 میں بھی بڑا دخل ہے ، جن لوگوں کو تبلیغ کی ضرورت اور اس کے نظام عمل سے

واقف ہونے کا شوق ہو۔ حضرت حکیم الامت دَامَ مَجْدُہِم کا رسالہ دعوت الداعی اور حیات المسلمین مطالعہ کریں۔

(۲۰۳) اعمال قلب کا اہتمام زیادہ ہونا چاہیے۔ اس میں صوفیہ کی بھی قلب کو اعمال بدنیہ پر ترجیح دیتے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امور مذکورہ مال و اولاد وغیرہ دل کی مشغولی کو کفارہ کا محتاج قرار دیا ہے اور کفارہ اسی چیز کا ہونا ہے جو ناپسند ہو پس معلوم ہوا کہ دل کا غیر حق سے مشغول ہونا ناپسندیدہ ہے۔ الوجه الثالث فیہ دلیل لاهل الصوفیۃ الی قوله ولا یحضر الا ما لا یرضی

فسے۔ اعمال قلب کو اعمال بدن پر ترجیح دینے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اعمال بدن کا اہتمام نہیں کرتے محض اعمال قلب پر اکتفا کرتے ہیں کیونکہ یہ تو مجاہدہ کے خلاف ہے اور مجاہدہ طریق صوفیہ کی اصل بنیاد ہے اور مجاہدہ بدن اعمال بدنیہ کے نہیں ہو سکتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کو اعمال بدنیہ کے ساتھ اعمال قلبیہ کا دومرؤں سے زیادہ اہتمام ہوتا ہے کیونکہ اعمال بدنیہ بھی اسی وقت قابل ہوتے ہیں جب قلب درست ہو اور قلب کی درستی یہ ہے کہ اخلاص سے معمور ہو۔

(۲۰۴) اس میں صوفیہ کے ترک شہوات اور مجاہدہ نفس کی بھی دلیل ہے کیونکہ ان فتنوں میں اور ان سے بھی بڑے فتنوں میں مبتلا ہونے کا سبب غلبہ شہوات ہی تو ہے اور غلبہ شہوات کا علاج بجز مجاہدہ اور ترک شہوات کے کچھ نہیں۔ الوجه الرابع فیہ دلیل لہم علی ترک الشہوات الی قوله انما هو غلبۃ الشہوات

(۲۰۵) جس کو جلوت کے حقوق کا تحمل نہ ہو وہ خلوت اختیار کرے

مدیش کے مضمون میں ایک لطیف اشارہ اس پر بھی ہے کہ گویا رسول اللہ



علی اللہ علیہ وسلم ان فتنوں سے ہم کو ڈرا ہے ہیں کہ ان سے الگ رہنا ہی بہتر ہے کیونکہ ان سے بھاگنے ہی میں سلامتی ہے اور سلامتی کے برابر کوئی چیز نہیں پس جو شخص ان فتنوں کے تحمل پر قادر ہو اور جو کچھ ان کے حقوق اس کے ذمہ شرعاً ہیں ان کو پوری طرح ادا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے خاص درجہ اور تعلق کو بھی محفوظ رکھے وہ تو اہل حقیقت و اہل شریعت کے نزدیک یکملے زمانہ ہے، ورنہ ضعیف و اہل حقیقت کے نزدیک ضعیف وہ ہے جو میل جول اور تعلقات سے بھاگنے والا ہو یعنی خلوت کو جلوت پر ترجیح دینے والا ہو اور اہل علم کے نزدیک ضعیف وہ ہے جو تعلقات اور میل جول سے نکلنے پر قادر نہ ہو، یعنی جب تک وہ پہلے مقام پر نہ پہنچے جس کے کمال پر سب کا اتفاق ہے کیونکہ اس مقام پر پہنچنے کے بعد تعلقات سے نکلنے کی ضرورت نہیں رہتی اس مقام پر پہنچنے کے بعد یہ تمام تعلقات موجب ترقی بن جاتے ہیں موجب تنزل نہیں ہوتے۔

جب تم کو ہدایت اور اس کے طرق معلوم ہو گئے پھر بھی حفظ نفس کی طرف جھکتے رہو تو سلوک کے وقت راستہ تم پر دشوار ہو جائے گا۔ الوجه الخامس  
يُؤخذ من مفهوم الحديث اشارة لطيفة الى قوله توعدت عليك  
عند السلوك الطرق

فہ تعلقات دنیویہ کی جڑ نکاح ہے جس شخص نے نکاح نہیں کیا وہ گویا دنیا میں داخل ہی نہیں ہوا اسی لئے علماء میں اختلاف ہوا ہے کہ نکاح کرنا اور عبادات ضروریہ پر اکتفا کرنا افضل ہے یا نکاح نہ کرنا اور عبادات ضروریہ کی ساتھ نوافل کی کثرت کرنا افضل ہے، حنفیہ کا رجحان مسلک اول کی طرف ہے اور شافعیہ کے نزدیک مسلک دوم افضل ہے مگر یہ اختلاف اسی صورت میں ہے جبکہ نکاح کے بعد حقوق نکاح ادا کرنے کی قدرت ہو۔ بیوی کا نان و نفقہ و مہر وغیرہ

عہ یعنی قلب کو ان تعلقات سے فارغ اور عیسو کو نہ لپکا ہوا ہے مگر دل عیسو نہیں ہوتا جمعیت قلب میں نہیں ہوتی ۱۱

ادا کر سکے اس کی دلجوئی دلداری کر سکے اور اولاد ہو جائے تو ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا انتظام کر سکے وغیرہ وغیرہ

تو جو شخص ادا لے حقوق پر قادر ہو اس کے لئے نکاح کرنا کثرت نوافل سے افضل ہے کیونکہ نکاح حضرات انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے تمام انبیاء علیہم السلام بجز ایک دو کے صاحب ازواج تھے اور جو شخص ان حقوق کی ادائیگی پر قادر نہ ہو تو افلاس کے یا بوجہ آزادی طبیعت کے اس کے لئے کثرت نوافل نکاح سے افضل ہے اور اس صورت میں اسکو غلبہ شہوت کے مفاسد سے بچنے کے لئے سخت مجاہدات کی ضرورت ہوگی جیسے کثرت صیام و قلت اختلاط مع الانام وغیرہ وغیرہ

فے جو شخص باوجود ادا حقوق سے عاجز ہونے کے تعلقات دنیویہ میں مشغول ہوتا ہے وہ اہل حقیقت کے نزدیک ضعیف نہیں بلکہ ہلاک ہونیوالا ہے ان کے نزدیک ضعیف ہے جو اس حالت میں تعلقات سے الگ ہی رہے نکاح ہی نہ کرے، آبادی میں بھی نہ رہے جو ہمسایہ وغیرہ کے حقوق ادا کرنے پڑیں۔

فے۔ یہاں سے ان جاہل صوفیوں کی غلطی واضح ہوگئی جو نکاح کر کے بیوی اور اولاد کے حقوق ادا نہیں کرتے اور فرزند کرتے ہیں کہ ہم نے دس سال یا بیس سال سے بیوی کا منہ نہیں دیکھا وہ یاد رکھیں کہ اہل حقیقت کے نزدیک ایسے لوگ ہلاک و برباد ہونیوالے ہیں اگر ان کو بیوی کا منہ دیکھنے سے بچنا تھا تو نکاح کرنے کو کس نے کہا تھا اور اگر نکاح کیا ہے تو اس کے حقوق ادا کرنا تمام مجاہدات و ریاضات سے مقدم ہے۔ مجاہدات و ریاضات فرض نہیں اور ادا لے حقوق فرض ہے غیر فرض کے لئے فرض کو ترک کرنا پوری ہلاکت ہے منہ سب سب۔

## حدیث

## تعاقب الملائكة الکرام الکاتبین

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا درمیان کچھ فرشتے رات کو اور کچھ فرشتے دن کو باری باری آتے ہیں اور وہ سب نماز فجر اور نماز عصر میں جمع ہو جاتے ہیں پھر وہ فرشتے جو رات کو آئے تھے آسمان پر چڑھ جاتے ہیں تو ان سے ان کا پروردگار سوال فرماتا ہے، اور وہ ان سے زیادہ جاننے والا ہے، کہ تم نے میسر بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ تو وہ عرض کرتے ہیں کہ ہم نے ان کو نماز پڑھتا ہوا چھوڑا اور جب ان کے پاس گئے تھے اس وقت ہی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔

**شرح** ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ ہمارے درمیان کچھ فرشتے رات کو کچھ دن کو باری باری آتے ہیں اور نماز صبح اور نماز عصر میں سب اکٹھے ہو جاتے ہیں اور اللہ عزوجل ہمارے پروردگار اپنے بندوں کے متعلق ان سے سوالات کرتے ہیں اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۲۰۶) یہاں چند سوالات ہیں

۱۔ اللہ تعالیٰ شانہ صبر آخری عمل کو کیوں دریافت فرماتے ہیں، دوسرے اعمال کو کیوں نہیں پوچھتے؟ کیونکہ حدیث کا لفظ یہ ہے کہ تم نے میسر بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ تو سوال اسی عمل سے ہوتا ہے جس پر بندوں کو چھوڑ کر فرشتے

آسمان پر گئے تھے اور وہ آخری عمل ہے جو ان کے سامنے ہوا)

۲۔ فرشتے سوال سے زیادہ جواب کیوں دیتے ہیں (کیونکہ وہ سوال کا جواب دیکر اتنا ابد بڑھاتے ہیں دانتینا ہم و ہم یصلون جب ہم ان کے پاس گئے تھے اس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے)

۳۔ یہ بندے کون ہیں جن کی بابت سوال ہوتا ہے۔

۴۔ سوال کئے لئے یہی اوقات کیوں مقرر ہوئے دوسرے اوقات کیوں نہ ہوئے

۵۔ ہم لوگوں کو اس سوال و جواب کی اطلاع سے کیا فائدہ ہے؟ اور اس پر علمی احکام

کیا مرتب ہوئے؟

**اعتبار خاتمہ کا ہے پس اپنے دن اور رات کو اعمال حسنہ پر ختم کرنا چاہیے**

پہلی بات کا جواب تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ان الاعمال بخواتیم ہا کہ اعمال کا اعتبار ان کے خاتمہ پر ہے تو یہاں بھی وہی حکم ہے جو وہاں ہے جیسا زندگی بھر کے اعمال میں خاتمہ کے اعمال کا اعتبار ہے اسی طرح دن بھر اور رات بھر کے اعمال میں اخیر عمل کا اعتبار ہے جسکی رات اور دن اچھے عمل پر ختم ہوا کسی ساری رات اور سارا دن اچھا ہی شمار ہوگا۔

درا ملائگو کا سوال سے زیادہ جواب دینا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو یہ بات

معلوم ہے کہ اس سوال کا منشاء رحمت و فضل ہے تو وہ جواب میں ایک بات اور بڑھا دیتے ہیں جو رحمت و فضل کا مزید سبب ہے کہ ہم نے یہاں سے جا کر بھی ان کو نماز ہی پڑھنا ہوا پایا تھا اور اس سے دو علمی مسئلے مستنبط ہوئے

**نماز تمام عبادات سے اعلیٰ و افضل ہے** ایک یہ کہ نماز تمام عبادات میں اعلیٰ و افضل ہے کیونکہ سوال و

جواب اسی پر واقع ہوتا ہے۔

دوسرے یہ کہ

فرشتے ہمارے نیک اعمال بخوش ہوتے ہیں ملائکہ بندے کے نیک عمل سے خوش ہوتے ہیں

اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بہترین جزا کے طالب ہوتے ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ اپنی طرف سے ایسی بات نہ بڑھاتے جس کا ان سے سوال نہیں کیا گیا تھا۔ یہ کہ یہ بسکد کون ہیں جن کی طرف اس عظیم الشان خصوصیت سے اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی طرف منسوب فرماتے ہیں اور ان کو یاد فرماتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا ان کو یاد فرمایا بڑی رحمت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بتلایا ہے کہ ان کا اپنے بندہ کو یاد کرنا رحمت ہی رحمت ہے چنانچہ سورہ مریم میں فرمایا: **نَحْنُ رَحْمَةٌ لِّرَبِّكَ عَبْدَا** پس یہ بندے وہی ہیں جن کی صفت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے **اَنْتَ عِبَادِي** لیس لك عليهم سلطان کہ لے اے ابلیس میرے بندوں پر تیرا کچھ قابو نہ چلے گا۔

یہ کہ اس سوال و جواب کے لئے ان ہی اوقات کو کیوں مخصوص کیا گیا یعنی بعد

## بعد فجر اور بعد عصر کی فضیلت

فجر و بعد عصر کو تو اس کی وجہ تشریف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان اوقات کو شرف دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتے ہیں شرف عطا فرمادیتے ہیں خواہ وہ جاندار ہو یا بے جان ہو یا کچھ بھی ہو اور اس پر دو علمی مسئلے مرتب ہوئے ایک یہ کہ یہ دو وقت تمام اوقات میں انشرف و اکمل ہیں اور اس پر بہت سی احادیث دلالت کرتی ہیں منجملہ ان کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے جو آپ نے حق تعالیٰ کی طرف سے بیان فرمایا ہے۔ **اَذْكُرْ فِي سَاعَةِ بَعْدِ الْفَجْرِ وَ سَاعَةِ بَعْدِ الْعَصْرِ اَكْفَلَ مَا بَيْنَهُمَا** میرے بندے تو مجھے کچھ دیر فجر کی نماز کے بعد اور کچھ دیر عصر کی نماز کے بعد یاد کر لیا کر پھر ان دونوں کے درمیانی حصہ کے لئے میں تجھے کافی ہوں گا (یعنی تو میری پناہ میں ہوگا میں تیرے سب کام بنادوں گا)

مذق صبح کی نماز کے بعد تقسیم ہوتا ہے۔ مذق صبح کی نماز کے بعد تقسیم ہوتا ہے تو جو شخص اس وقت طاعت میں مشغول ہوگا اس کے مذق میں ترقی ہوگی۔ اسی لئے تم عبادوں کے مذق میں برکت دیکھتے ہو اور برکت تمام ترقیوں سے بڑھ کر ہے۔

اور حدیث میں اس شخص پر سخت وعید آئی جو عصر کے بعد جھوٹی قسم کھائے اس سے معلوم ہوا کہ یہ وقت خاص عظمت رکھتا ہے منجملہ ان کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے استعینوا بالغدوة والروحة مددو صبح کے وقت اور شام کے وقت کام کرنے سے اگر ان میں فضیلت نہ ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا پتہ نہ بتلاتے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جو نماز ان اوقات میں ادا کی جاتی ہے وہ تمام نمازوں سے افضل ہوتی ہے کیونکہ جس عمل کو استمات کے ساتھ دریافت کیا جاتا ہے وہ دوسرا اعمال سے مانع ہوتا ہے اور سب نمازوں میں سے ان ہی دو نمازوں کی بابت سوال ہوتا ہے تو اس تاویل پر یہی صلاۃ وسطیٰ ہے جس پر محافظت کا حکم دیا گیا ہے تو اس فتور میں صلاۃ وسطیٰ دو ہوگی۔ ایک صلاۃ وسطیٰ تا کے وقت میں ہے دوسری صلاۃ وسطیٰ دن کے وقت میں ہے کیونکہ صلاۃ وسطیٰ کے متعلق علماء کے درمیان اختلاف ہے اس میں ان کے گیارہ اقوال ہیں اور کوئی قول ایسا نہیں جس میں دوسروں نے طعن اور اعتراض نہ کیا ہو اور مجھے امید ہے کہ جو تقریر ہم نے کی ہے اس پر سب کم اعتراض وارد ہوگا۔

علاوہ ازیں یہ کہ اس حدیث کی جب یہ تقریر کی گئی تو بعض طلبہ نے تو اس سے مواظبت کی بلکہ اکثر نے تو اس کو تسلیم کیا اور پسند کیا۔ سچ ایک شخص کے جس نے ہماری اس بات پر بے ڈھنگے پن سے اعتراض کیا کہ اس حدیث سے صلاۃ وسطیٰ پر دلالت ہے۔ ایک طالب علم پر جس کو مقرر سے تعلق تھا یہ اعتراض گراں ہوا تو رات کو اس نے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ

مقرر حضور کے سامنے ہے اور عرض کر رہا ہے یا رسول اللہ مجھ اس حدیث سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اس میں صلاۃ وسطیٰ پر دلالت ہے اور اپنی تقریر بیان کی اور یہ بھی کہا کہ اس پر ایک شخص نے اعتراض کیا ہے کہ اس سے صلاۃ وسطیٰ پر دلالت نہیں ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ تم نے جو کچھ کہا خوب کہا اور جو تم نے مجھادرسنہ ہے۔ صبح ہوئی تو خواب دیکھنے والے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی مقرر کو اطلاع دی اس نے کہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو درست فرما دیا ہے تو اب مجھے کسی کے رد کی پروا نہیں؛  
 دہا یہ کہ اس اطلاع میں فائدہ کیا ہے اور اس پر علمی مسائل کیا مرتب ہوتے تو اس میں بہت فائدہ ہے اور علمی مسائل بھی بہت ہیں۔

بیداری اور ہوشیاری سے کام کرنا چاہیے  
 منجملہ فوائد کے ایک فائدہ یہ ہے کہ اس

میں ہم کو بتلایا گیا ہے کہ ہم کے اعمال ضبط کئے جاتے ہیں اور ان کی کیفیت بھی بتلا دی گئی اس پر علمی مسئلہ یہ مرتب ہوا کہ ہم کو بیداری اور ہوشیاری سے کام کرنا اور مرو نہی کی حفاظت کرنا چاہیے یہ تو عوام کا حصہ ہے اور خواص کا حصہ یہ ہے کہ ان کو ان اوقات سے فرحت و سرور

ہونا چاہیے  
 عارفین کو فجر اور عصر کے وقت مسرور ہونا چاہیے کیونکہ شاہی

فرستادہ ان کے پاس آتے اور اللہ تعالیٰ (ان سے) ان کا حال دریافت فرماتے ہیں اور یہ ان کے نزدیک تمام مسرتوں سے بڑھ کر مسرت ہے اسی لئے بعض اہل اللہ کے متعلق کہا گیا ہے کہ جب رات کا پچھلا اہسا تا اور وہ نماز پنجہ سے فارغ ہو جاتے تو عمدہ سے عمدہ کپڑے پہن کر اچھے سے اچھے بستر پر بیٹھتے اور فرماتے میگر پروردگار کے معزز فرستادوں کو مرحبا بسم اللہ تشریف لائیے اور کھئے اس کے بعد بلا بر ذکر تلاوت میں لگے رہتے یہاں

تک کہ نماز کا وقت آتا تو نماز پڑھتے، پھر دن کی آخری نماز (یعنی عصر) کے لئے بھی ایسا ہی استہمام کرتے اور رات میں بھی اسی طرح ذکر و تلاوت کرتے ہمیشہ ان کا یہی معمول تھا۔

ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے ہم کو ملائکہ کی اس محبت کا علم ہو گیا جو ان کو ہم کے ساتھ ہے جس کا علی نفع یہ ہے کہ ہم کو بھی ان سے انس و محبت ہوگی اور یہ محبت اللہ تعالیٰ سے قرب فرشتوں سے محبت ہونا چاہیے کا ذریعہ ہے کیونکہ حدیث میں ہے  
المرء مع من احب انسان اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہو۔ پس صلحاء کی محبت انسان کو صلحاء کے ساتھ کرنے کی اور وہ بارگاہ قرب میں واصل ہیں۔  
تو یہ بھی مقرب ہو جائے گا۔

ایک فائدہ یہ ہے کہ اس میں غیب کی خبر دی گئی ہے اور یہ سب بڑا فائدہ ہے جس پر علی نفع یہ مرتب ہوگا کہ اس سے ایمان کو ترقی ہوگی جس سے بہت بڑی نعمت اور وہ اعلیٰ درجہ کی مدح حاصل ہوگی جس سے اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی تعریف  
غیب کی باتیں سننے سے ایمان کو ترقی ہوتی ہے میں فرمائی ہے

چنانچہ ارشاد ہے الذین یؤمنون بالغیب (قرآن ہدایت ہے ان لوگوں کے لئے جو غیب پر یقین رکھتے ہیں) نیز اس پر یہ فائدہ بھی مرتب ہوا کہ ان دو نمازوں کی حرمت و عظمت کی ہم کو اطلاع ہوگئی جس سے علمی نفع یہ ہوا کہ ان دو نمازوں کی پابندی اور حفاظت کا استہمام کیا جائے گا۔ نیز اس سے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت و عظمت بھی ہمارے قلوب میں زیادہ ہوگئی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امور غیب کی جس قدر اطلاع اور علم ہوا اور جتنا آپ ان کو بیان فرمائیں اسی قدر آپ کی رفعت و عظمت قلوب میں زیادہ ہوتی ہے اور ہم جس قدر حضور کی



جس قدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم میں ترقی ہوگی اسی قدر  
قرب میں ترقی ہوگی کی تعظیم زیادہ کریں گے اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے  
قرب میں ترقی کریں گے۔

ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے اس امت محمدیہ کی رفعت دوسری امتوں پر  
معلوم ہوئی کیونکہ اس واقعہ کی اطلاع اسی واسطے تودی گئی ہے کہ یہ بات معلوم  
ہو کہ حق تعالیٰ کی اس امت پر کس قدر عنایت ہے اس کا علمی نفع یہ ہے کہ  
ہم اس نعمت کا شکر کریں جو خاص طور پر ہمیں عطا کی گئی ہے اور شکر ترقی  
نعمت کو مقتضی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے

لَنْ شُكِرْتُمْ لَّا رُبَّكُمْ

اگر تم نعمت کا شکر کرو گے تو میں تم کو زیادہ عطا کروں گا

ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں  
پر کیسی توجہ ہے جس کا علمی نفع یہ ہے کہ اس بات کے علم سے ہماری قوت  
یعین زیادہ ہوگی (اللہ تعالیٰ سے محبت میں ترقی ہوگی) اور یہ بڑا اعلیٰ  
درجہ ہے۔

ایک فائدہ یہ ہے کہ اس حدیث کو  
قوت وضعف ایمان کا معیار سن کر تمہیں اپنے ایمان کا اندازہ  
ہوگا اپنے ایمان کی قوت وضعف کی معرفت حاصل ہوگی کیونکہ اگر اس حدیث  
سے عمل کی رغبت زیادہ ہوئی تو یہ قوت ایمان کی علامت ہوگی جو اس بات  
کی بشارت ہے کہ تمہارے اندر نسبت قوم موجود ہے (یعنی تم کو اللہ والوں  
کی نسبت سے حصہ ملا ہے) اور اگر تم یہ دیکھو کہ اس حدیث کے سننے سے  
تمہارے اندر کچھ زیادتی نہیں ہوئی بلکہ تم نے اسی طرح اس کو سنا ہے جیسا  
لوگوں کی باتوں کو سنا کرتے ہو تو معلوم ہوگا کہ تم ان مسکینوں اور ھروہوں

میں سے جو جن کی حالت اندیشہ ناک ہے اور اس حالت میں معالجہ کر کے اپنے نفس کی اصلاح کا تم کو استقام ہو گا اور یہ علم کا بہت بڑا دروازہ ہے  
 قوله الوجه الاول ان يقال لمسأل مولانا جلالہ عن  
 آخر الاعمال لا غیر الخ قوله فی الوجه الخامس وهذا  
 وجه کبیر من الفقه

فے سالکین کو نماز فجر اور نماز عصر کے بعد خاص طور سے ذکر اللہ میں  
 کچھ دیر مشغول رہنا چاہیے۔ سلف صالحین نماز فجر کے بعد سے طلوع  
 آفتاب تک بات کرنا پسند نہ کرتے تھے بلکہ ذکر اللہ میں مشغول رہتے  
 تھے۔ ہم نے اپنے اکابر کو اسی قدم پر پایا ہے۔

حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب  
 رحمۃ اللہ علیہ اس وقت مراقب رہتے تھے۔ حضرت حکیم الامت دام  
 ظہم و مجد ہم بھی اس وقت کسی سے بات نہیں کرتے تھے اپنے خاص  
 معمولات میں مشغول رہتے تھے، عصر کے بعد بھی کچھ دیر ذکر و  
 تلاوت میں مشغول رہتے ہیں حالانکہ ان حضرات کی تو گفتگو بھی اللہ  
 ہی کے لئے ہوتی ہے ان کا ہر کام ذکر ہی ہے

گفتگوئے عاشقان در کار رب

جو شش عشق ست نے ترک ادب

علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حدیث میں جو آیا  
 ہے کہ صبح کی نماز کے بعد رزق تقسیم ہوتا ہے۔ یہ رزق ظاہر  
 و رزق باطن دونوں کو عام ہے اس لئے اس وقت سے غافل نہ  
 رہنا چاہیے۔

وئے صلوٰۃ وسطی کے متعلق حنفیہ کا قول یہ ہے کہ وہ صلوٰۃ العصر  
 ہے۔ احادیث معیہ سے اسی کی تائید ہوتی ہے، حضرت شارح

نے یہاں جو تحقیق بیان فرمائی ہے کہ صلاۃ وسطیٰ دو ہیں ۔

ایک وسطی اللیل

ایک وسطی النہار

یہ عجیب تحقیق ہے مگر سلف میں سے غالباً کوئی اس طرف نہیں

گیا۔ سب کے نزدیک صلاۃ وسطیٰ ایک ہی ہے پس اعتقاداً تو حنفیہ

کی تحقیق کو راجح سمجھا جائے اور عملاً دونوں نمازوں کا اہتمام صلات وسطیٰ

کی طرح کیا جائے واللہ اعلم بالصواب

## حدیث

### من نسی صلوة فليصلها اذا ذكرها

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص کسی نماز کو بھول جائے تو جب یاد آئے اسی وقت اسکو پڑھے اس کے سوا اس کا کفارہ کچھ نہیں۔ اتم الصلوة لندکری نماز کو میری یاد کے لئے قائم کرو۔

ظاہر حدیث بتا رہا ہے کہ بھولی ہوئی نماز کو جب وہ یاد آئے وقت پڑھنا چاہیے یعنی بشرطیکہ وقت مکروہ نہ ہو کیونکہ شرح لیلۃ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز فجر قضا ہوئی تو آپ نے عین طلوع شمس کے وقت قضا نماز نہیں پڑھی بلکہ کسی قدر توقف کے بعد قضا کی۔

### (۲۰۷) ذکر اللہ جملہ اعمال سے اعلیٰ ہے اور ذکر کی اقسام

یہاں ایک اشارہ علم تصوف کا بھی ہے کیونکہ صوفیاء فرماتے ہیں کہ تمام اعمال میں اعلیٰ عمل ذکر ہے کیونکہ ذکر لسانی سے احکام الہی کی یادداشت پیدا ہوتی ہے اور وہی تمام اذکار میں بلند تر ہے جیسا حضرت عمر رضی اللہ عنہ

نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو امر و نہی کے موقع پر یاد کرنا زبانی ذکر سے بہتر ہے اور غفلت کا سبب نسیان ہی تو ہے، پس جو عزم ہوا غفلت کے سبب عزم ہوا اور جو کامیاب ہوا ذکر و حضور ہی کی وجہ سے کامیاب ہوا، اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں **وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ** اللہ کی یاد سب سے بڑی دولت ہے۔ **قوله الوجه الرابع هنا إشارة صوفية الى قتوله ولذا ذكر الله اكبر**

فہ یہ اشارہ **اقتر الصلوة لذكرى** سے حاصل ہوا جس میں اللہ کی یاد کے لئے نماز کی پابندی کا حکم ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام فرائض و واجبات سے مقصود اللہ کی یاد ہے۔ پس ذکر تمام اعمال سے افضل ہوا۔ اس کے بعد سمجھو کہ لوگوں نے عام طور پر ذکر اور یاد کو زبانی ذکر میں مختصر کر رکھا ہے یہ غلط ہے بلکہ اصل ذکر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو امر و نہی کے امر و نہی کے موقع پر تعمیل حکم کرنا اصل ذکر ہے ذکر لسانی

**اسی کا ذریعہ** ہے اور جس کام سے منع کیا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ کے حکم اور نہی کو یاد کر کے نامودبہ بجالائے اور نہی عن سے رکن جائے۔ جو شخص امر و نہی کے موقع پر اللہ تعالیٰ کے حکم اور نہی کو یاد کر کے اس کی تعمیل نہیں کرتا وہ ذاکر نہیں گو زبان سے کتنا ہی ذکر کرتا ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد کا یہی مطلب ہے۔

اور حضرت اصفیہ نے جو ذکر لسانی کا بہت اہتمام کیا ہے اور اس کی تاکید کی ہے وہ بھی محض اسی واسطے ہے کہ کثرت ذکر سے دل بیدار ہو جاتا ہے اور امر و نہی کے موقع پر اللہ تعالیٰ کے احکام کو یاد کر کے ان کی تعمیل پر مستعد ہو جاتا ہے۔ اگر ذکر لسانی سے یہ مقصود حاصل نہ ہو تو سمجھنا چاہیے

کہ ابھی ذکر ناقص ہے کامل نہیں اس شخص کو شیخ محقق کامل کی طرف رجوع کر کے مکمل ذکر کا اہتمام کرنا چاہیے، جب ذکر میں مرتبہ کمال حاصل ہوگا جس کا نام نسبت اور حضور دائم ہے تو امر و نہی کے وقت قلب حق تعالیٰ سے غافل نہ ہوگا اور ہر وقت کے متعلق جو احکام ہیں ان کی تعمیل ہوتی رہے گی یہی اصل ذکر ہے جو کامیاب ہوا اسی سے کامیاب ہوا پس جو لوگ ذکر لسانی کو فضول سمجھتے ہیں وہ بھی غلطی پر ہیں کیونکہ اصل ذکر کا ذریعہ یہی ہے۔

از صفت و زمانہ چہ ناید خبیال      وان خیال تست دلال وصال  
اور جو لوگ محض ذکر لسانی یا ذکر قلبی کو کافی سمجھتے ہیں اور احکام البسیہ کی تعمیل کا اہتمام نہیں کرتے وہ بھی گمراہ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ مجھے اس طریقہ سے یاد کرو جس طرح میں نے بتلایا ہے تو جو شخص نماز کے وقت نماز نہیں پڑھتا محض زبان یاد دل سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو اس طریقہ سے یاد نہیں کرتا جس طریقہ پر وہ اس وقت اپنی یاد چاہتے ہیں اسی طرح جس پر زکوٰۃ فرض ہو اس کو سال تمام پر زکوٰۃ ادا کرنا چاہیئے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی یاد کا طریقہ یہی ہے، جس پر رمضان کا روزہ فرض ہے اس کو رمضان میں روزہ رکھنا چاہیئے کہ اس وقت اللہ کی یاد کا یہی طریقہ ہے جس وقت کوئی ناہرم عورت سمنے سے گزے اس وقت اللہ کی یاد کا طریقہ یہی ہے کہ آنکھیں نیچی کر لے و علیٰ ہذا ہر وقت کے متعلق جو بھی حکم ہے اس وقت اس کا بجا لانا ہی ذکر ہے اگر اس وقت حکم کی تعمیل نہ ہوئی تو نماز، رقبہ یا ذکر لسانی کرنے سے یہ شخص ڈاکر نہ ہوگا بلکہ غافل اور نافرمان شمار ہوگا اسی لئے محققین صوفیہ کا ارشاد ہے کل مطیع للہ فہو ذاکر جو شخص اللہ کی اطاعت میں لگا ہوا ہے وہ ڈاکر ہے گو زبان سے ذکر نہ کر رہا ہو کیونکہ اطاعت میں لگا رہنا بدون محبت یا خوف الہی کے نہیں ہوتا اور محبت یا خوف ہی اصل ذکر ہے۔ خوب سمجھ لو۔

## حدیث

### الاذان فی البادية وفضله

عبدالرحمن بن ابی سعید انصاری مازنی رضی اللہ عنہما اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ تم کو بکریوں سے اور جنگل میں رہنے سے محبت ہے تو جب تم اپنی بکریوں میں یا جنگل میں ہو اور نماز کے لئے اذان دو تو بلند آواز سے اذان دیکر کہو کیونکہ مؤذن کی اذان جہاں تک جاتی ہے وہاں تک جو انسان یا جن یا جو چیز بھی اس کی آواز سنے گی قیامت کے دن اس کے واسطے گواہی دے گی۔ ابو سعید خدری نے فرمایا کہ میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔

ظاہر حدیث یہ ہے کہ جو چیز مؤذن کی اذان سنے گی وہ اس کے لئے قیامت کے دن گواہی دیگی۔

(۲۰۸) بے جان چیزیں بھی اعمال صالحہ کی گواہی دیں گی

شے سے مراد بظاہر ہر چیز ہے جاندار ہو یا بے جان کیونکہ شے کا اطلاق سب پر آتا ہے خصوصاً جب کہ دوسری حدیث میں مدہر و شجر بھی آیا ہے

(یعنی ڈھیلے اور دخت بھی گواہی دیں گے) یہاں ایک سوال ہے کہ ان چیزوں کی گواہی سے فائدہ کیا ہوگا؟ اور عمل کمریوالے کے لئے اس پر کون سی خیر مرتب ہوگی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کو سننے والوں کے عمل کے برابر ثواب ملے گا واللہ اعلم اسکی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے من حلالی ہدی فله اجرہ واجر من عمل بہ ہوشخص ہدایت کی طرف بلائے اس کو اس عمل کا ثواب بھی ملے گا اور جو اس پر عمل کریگا اس کا ثواب بھی ملے گا نیز حدیث میں بھی آیا ہے کہ زمین کے قطعات باہم ایک دوسرے کو روزانہ پکارتے ہیں ایک دوسرے سے سوال کرتا ہے کیا تجھ پر کوئی اللہ کو یاد کر نیوالا گنڈا ہے؟ تو جس قطعہ پر اللہ کو یاد کر نیوالا گنڈا ہو گا وہ دوسرے قطعات پر فخر کرتا ہے تو چونکہ یہ شخص اذان دیکھ کر اللہ کی طرف بلا رہا ہے اس لئے اس کو دوسرا ثواب ملے گا، اگر یہ کہا جائے کہ اذان تو ذکر نہیں بلکہ وقت نماز کی اطلاع ہے تو ہم کہیں گے بجا ہے مگر اس کو ذکر ہی کا ثواب ملے گا کیونکہ اذان میں الوہیت (خداوندی) کا اقرار ہے اور ذکر کی نفی ہے اور جو کوئی اذان سنے اس کو اذان کا جواب دینا مشروع و سنون ہے تو اس میں نماز کی اطلاع ہی ہے اور افضل الاذکار یعنی نماز کی دعوت بھی ہے اس لئے اس پر وہ ثواب مرتب ہوا جو ہم نے بتلایا ہے۔

الوجه الاول هل یعنی بشئ کل حیوان او جماد الخ قوله فوجب له بذلك من الاجر ما ذكرنا

(۲۰۹) جمادات میں شعور اور قوت سماع کا اثبات حدیث میں اس پر بھی

دلائل ہے کہ جمادات سنتے ہیں علماء نے ان احادیث و آیات کی تفسیر میں اختلاف کیا ہے جن میں جمادات کے متعلق اس قسم کی باتیں وارد ہوئی ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا اندشا ہے وان من شئ الا یسبح بحمده کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کی تسبیح و حمد نہ کرتی ہو تو بعضوں نے کہا ہے کہ ان میں بعض اوقات حیات پیدا کر دی جاتی ہے اس



وقت وہ تسبیح کرتے ہیں اور بعض نے ان آیات واحادیث کو ظاہر پر رکھا ہے۔ کہ جمادات اسی حالت میں سنتے اور خوش ہوتے اور تسبیح کرتے ہیں کیونکہ قدرت سب کچھ کر سکتی ہے اور یہی حق ہے خصوصاً جبکہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی موجود ہے وان من الحجارۃ لما یتغیر منہ الونہا روان منہا لما یشق فیخرج منہ المار وان منہا لما یدھب من خشیۃ اللہ لکہ بعضے پتھر ایسے ہیں جن سے نہریں بھوٹ کر بہتی ہیں بعض ایسے ہیں جو بھٹ جاتے ہیں تو ان سے پانی رستا ہے اور بعضے انش کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔ علماء محققین نے فرمایا ہے کہ جو پتھر مٹی کی طرح بہتا ہے اور جو سیاڑ گرتا ہے وہ اللہ عزوجل کے خوف ہی سے گرتا ہے، یہی قول حق ہے کیونکہ اگر یہ تسبیح وغیرہ زبان مال سے ہوتی جیسا ایک جماعت کا خیال ہے تو ہمیں اس کی اطلاع دینے سے کیا فائدہ؟ کیونکہ اتنی بات تو ہم کو بداعتہ معلوم ہے کہ ہر مخلوق اپنے انقبلا و تغیر و احتیاج سے اپنے خالق کا پتہ دے رہی ہے۔ اس کا بتانا تو تحصیل حاصل ہے جو حکیم کے حق میں محال ہے۔

فے۔ جمادات و نباتات میں شعور اور قوت تکلم کا ہونا صوفیہ کو کشف سے معلوم ہو چکا ہے بعض اہل اللہ سے درختوں اور پہاڑوں نے بات چیت کی ہے وہ ان آیات واحادیث کو جن میں جمادات کے متعلق اس قسم کی باتیں مذکور ہیں ظاہر پر غور کرتے۔ فلاسفہ اور معتزلہ اور وہ علماء جن پر فلسفہ غالب ہے۔ ان میں تاویل کرتے ہیں مگر ظاہر قرآن وحدیث صوفیہ کا مؤید ہے۔

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زمین کے قطعات قیامت کے دن اُن (۲۱۰) اعمال خیر و شر کی گواہی دیں گے جو ان پر کئے گئے ہیں اس کے متعلق اور بھی بہت احادیث وارد ہیں آیات قرآنیہ بھی اس پر دلالت کرتی ہیں، اور قدرت الہیہ سب کچھ کر سکتی ہے اور اس مضمون کی اطلاع سے فائدہ بھی جب ہی ہو سکتا ہے جیسے اس کو ظاہر پر رکھا جائے تاویل کرنے سے اس اطلاع کا

فائدہ کچھ نہیں رہتا۔ اور جو لوگ قدرت الہیہ پر حکم لگانا چاہتے اور یوں کہتے ہیں کہ سمجھنا اور بات کرنا بڑی حیات و عقل کے ناممکن ہے، اُن کے پاس

## فہم و تکلم کو حیات و عقل پر موقوف سمجھنا بلا دلیل ہے

اس دعوے کی شرعی دلیل کوئی نہیں، انہوں نے محض عقل سے یہ بتانے کی ہے

قدرت کو عقل کا پابند نہیں کیا جاسکتا اور قدرت کو عقل

جاسکتا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں و یخلق مالا تعلمون اللہ تعالیٰ ایسی چیزیں پیدا کرتے رہتے ہیں جن کی تم کو خبر بھی نہیں اس مضمون پر ہم شروع کتاب میں بحث کر چکے ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں قوله الوجه الثالث فیہ دلیل علی ان الجمادات تشہد الی قوله اغنی عن اعادۃ ہنا

فے اس نماز میں سائنس کی ایجادات نے فلسفہ قدیمہ کے بہت سے نظریوں کو غلط کر دیا ہے۔ جن چیزوں کو پہلے عرض کیا جاتا ہے آج وہ جواہر میں داخل ہیں، ریڈیو اور گراموفون کی ایجاد نے جمادات کے تکلم کا استبعاد بھی رفع کر دیا

کیا تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں ایسی برقی طاقت رکھی ہو جو ان اعمال کا اثر قبول کر لیتی ہو جو اس پر یا اس کے قریب کئے جاتے ہوں اور قیامت میں وہ ان اعمال کی گواہی دے۔ حضرات اہل کشف کے واقعات اس پر شاہد ہیں کہ ان کو بعض دفعہ زمین پر بیٹھتے ہی معلوم ہو گیا کہ یہاں کسی نے بُرا کام کیا ہے یا یہاں کسی بزرگ نے قیام کیا ہے یہ اسی اثر کا تو نتیجہ ہے جو اعمال مالمہ یا اعمال سیاہ کی وجہ سے اس جگہ پیدا ہو گیا تھا۔

فے قانون قدرت کی تحقیق  
و تعلیم یافتہ جماعت کو جو بعض آیات  
واحا۔ یث پر شبہات پیدا ہوتے ہیں

ان کا منشا یہی ہے کہ وہ قدرت الہیہ کو اس عقل کا پابند کرنا چاہتے ہیں اور

اس کا حاکم ہونا ظاہر ہے ایک لفظ اس جماعت نے خوب یاد کر لیا ہے کہ قانونِ قدرت کے خلاف نہیں ہو سکتا، مگر کوئی ان سے پوچھے کہ جب تم قدرت کا احاطہ نہیں کر سکتے تو اس کے قوانین کا احاطہ کیونکر کر سکتے ہو ممکن ہے جس بات کو تم اپنے زعم میں قانونِ قدرت کے خلاف سمجھتے ہو وہ حقیقت میں قانونِ قدرت کے خلاف نہ ہو بلکہ کسی ایسے قانون کے موافق ہو جس کی تم کو خبر نہیں۔ غرض یہ لوگ اپنی عقل سے قدرت کا ایک قانون بنا لیتے ہیں اور جو بات اس کے خلاف سنتے ہیں اس کو رد کر دیتے ہیں حالانکہ عقل سے قدرت کے لئے کوئی قانون مقرر کرنا ہرگز جائز نہیں جب تک خود صاحبِ قدرت نہ کہے کہ میرا یہ قانون ہے۔ خوب سمجھو۔

## (۲۱۱) حیوانات و جمادات نیک بندوں سے خوش ہوتے ہیں

حدیث میں اس پر بھی دلالت ہے کہ حیوانات و جمادات نیک بندوں سے خوش ہوتے ہیں (جب ہی تو وہ ان کے لئے گواہی دیں گے) آیت خضایکت علیہم السماء والارض کی تفسیر میں وارد ہوا ہے کہ جس زمین پر بندہ عبادت کرتا تھا اور آسمان کے جس دروازہ سے اس کے اعمال اوپر جاتے تھے وہ چالیس دن تک (اس شخص کے مرنے کے بعد) روتے ہیں، یہ حدیث جنگل میں عباد کرنے کی بھی ترغیب دے رہی ہے کیونکہ جب مؤمن کو اس ثواب کی اطلاع ہوئی تو وہ اس میں گوشش کرے گا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص نماز کی وقت جنگل میں ہو اور اذان و اقامت کہہ کر نماز پڑھے تو اس کے پیچھے سیاڑوں کے برابر فرشتے نماز پڑھتے ہیں اور اگر منفر اقامت کہے اذان نہ دے تو اس کے پیچھے منفر دو فرشتے نماز پڑھتے ہیں۔

عنه انه ان پراسمان کورونا آیانہ زمین کو

## جنگل میں نماز پڑھنے کی فضیلت اور اس کا مطلب

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جنگل کی ایک نماز ستر نمازوں کے برابر ہے، پس ان احادیث سے جو جنگل میں عبادت کرنے کے متعلق ہیں اور ان احادیث سے جو بستی میں نماز پڑھنے اور جماعت میں حاضر ہونے اور مسجدوں کی پابندی کرنے ان میں عبادت کرنے وغیرہ کے متعلق ہیں یہ معلوم ہوا کہ مومن جب کتاب و سنت کے موافق عمل کرے یا ہو تو وہ جہاں بھی ہوگا حسبِ وعدہ بڑی خیر میں ہوگا۔

الوجه الرابع فيه دليل على ان الحيوان والجهاد يفرح بالصلحين  
الحقوله في خير عظيم بحسب الوعد الحق

فے جنگل کی نماز میں جو ثواب و فضیلت وارد ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ بستی کو چھوڑ کر جنگل میں نماز پڑھنے جایا کریں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی ضرورت سے جیسے بکریاں چرانایا نذاعت یا اور کسی مزدوری کام کے لئے جنگل جانا پڑے تو بستی کی مسجد اور جماعت کے فوت ہونے سے دلگیر نہ ہوں بلکہ اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ جنگل کی تنہا نماز ہی میں بھی بہت ثواب عطا فرمائیں گے۔ باقی بلا ضرورت بستی کی نماز چھوڑ کر جنگل میں نماز پڑھنے کے لئے جانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین سے منقول نہیں۔

(۲۱۲) جو حق دنیا دین سے مانع نہ ہو وہ جائز ہے  
مدیث میں اس پر بھی دلالت

ہے کہ جس شخص کو دنیا کے کسی ساز و سامان سے محبت ہو اور یہ محبت دین کے حقوق و احباب و مستحقہ کے پوری طرح بجالانے سے مانع نہ ہو تو ایسی محبت جائز ہے کیونکہ ان بزرگ نے اپنے ساتھی کو اس محبت سے منع نہیں کیا بلکہ اس پر قائم

رکھا جو اس کے اندہ نظر آئی تھی۔ یعنی بکریوں کی محبت ہاں اس کو ایک امر مستحب کی ترغیب دی کہ جنگل میں اذان کے ساتھ نماز پڑھا کرے۔

قوله الوجه السادس فيه دليل على ان من احب شيئا من متاع الدنيا الى قوله وهو الاذان والصلاة فيه

(۲۱۳) اختلاف اغراض مانع اتحاد نہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اختلاف اغراض کے

ساتھ ہی محبت میں اتفاق و اتحاد ہو سکتا ہے کیونکہ ان دونوں بندہ گوں نے ایک دوسرے کو اس کے حال پر برقرار رکھا جائے اور باہم دونوں میں اتفاق تھا کیونکہ ہر شخص اپنے حال میں شریعت کے موافق تھا۔ ایسا ہی قصہ امام مالک رضی اللہ عنہ کو اپنے ایک دوست کے ساتھ پیش آیا تھا جو عبادت میں مشغول تھا۔ اس نے امام مالک کے پاس خط بھیجا جس میں اس بات کی ترغیب دی تھی کہ علمی مشاغل اور اس میں جدوجہد کو چھوڑ کر ہمہ تن عبادت میں مشغول ہو جاؤ، امام مالک نے اسکو جواب دیا کہ تم بھی خیر پر ہو اور میں بھی خیر پر ہوں، میں اس خیر کو نہیں چھوڑ سکتا جس پر میں ہوں اور تم اس خیر کو نہیں چھوڑ سکتے جس پر تم ہو پھر دونوں میں دوستی بدستور قائم رہی حالانکہ ہر ایک اپنے خاص حال پر جما ہوا تھا۔

فہ یہاں سے ان صوفیوں کی غلطی واضح ہو گئی جو اپنے کو سب سے الگ رکھے اور سب کو دنیا دار سمجھ کر چھوڑ بیٹھتے ہیں حالانکہ یہ کوشش کرنا کہ سارے ہم جیسے ہو جائیں نوری جہالت ہے۔ اگر سارے صوفی ہی ہو جائیں تو علم کی اشاعت کون کرے گا درس و تدریس کا فرض کون ادا کرے گا زناعت و تجلعت اور قضاء و حکومت کون کرے گا ممالک اسلامیہ کی جہاد کے ذریعہ و شمنوں سے کون حفاظت کرے گا۔ اسی طرح اگر علمائریہ چاہیں کہ سارے ہم جیسے ہو جائیں تو مقامات سلوک کون طے کریگا، امراض قلب کا علاج کون کرے گا؟

مسلمانوں کو اپنے مال و قال سے کون سنبھالے گا؟ غرض یہ خیال کرنا کہ ہم اس سے محبت و اتفاق رکھیں گے جس کا حال ہمارے حال کے موافق ہو۔ اسلامی تعلیم کے خلاف ہے ہر شخص کو اس مسلمان سے دوستی اور محبت رکھنا چاہیے جو اپنے احوال میں شریعت کی موافق عمل کر رہا ہو خواہ وہ بکریاں چرانے والا ہو یا عالم ہو یا قاضی ہو یا تاجر و صنعت پیشہ ہو۔

## (۲۱۴) ہر ایک کو اس کے مناسب نصیب کی جائے

اس سے یہ بھی معلوم کہ ہر شخص کو اس کے حالات کے مناسب نصیب کرنا چاہیے کیونکہ ان بزرگ اصحاب نے اپنے دوست کو اسی امر مستحب کی ہدایت کی جو اس کی حالت کے مناسب تھا یعنی اذان کے ساتھ نماز پڑھنا اس سے یہ نہیں کہا کہ مسجدوں میں نماز پڑھنے کی پابندی کرو اور اس کے مثل دوسرے کام جو وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کی سکونت بستی میں ہے (نہیں بتلائے) کہ اس سے اسکو تشویش ہوتی کیونکہ جس حالت میں وہ تھا اس میں رہتے ہوئے ان کاموں کو نہیں کر سکتا تھا

الوجه الثامن یؤخذ منه ان نصیحة كل شخص بما  
یتقتضیه حاله الى قوله لكونه لا یقدر علی فعله مع  
ما هو به۔

فے۔ عارف روی فرماتے ہیں ۷

چار پارہ اور در طاقت بارہ بر ضعیفان قد ہمت کار  
طفل را گزنان دہی بر جائے شیر طفل بیچارہ ازاں نان فرور  
بعض لوگ سب لوگوں کو ایک ہی لاسٹی سے بلکتے ہیں وہ محقق نہیں  
عطائی ہیں محقق ہر شخص کو اس کے حال کے مناسب کام بتلائے۔

## (۲۱۵) قرن اول میں ہر ایک کو دوسرے کی فکر تھی

اس سے قرن اول کی فضیلت بھی معلوم ہوئی کہ ان میں ہر ایک دوسرے کی فکر میں لگا رہتا تھا اگر یہ بات نہ ہوتی تو یہ بزرگ صحابی اپنے بھائی کو یہ بات نہ بتلاتے۔

الوجه التاسع فيه دليل على فضل الصدق الاول

الحقوله لما ارشد هذا السيد اخاه الى ذلك  
فـ ہم لوگوں کی بد حالی اور پستی کا بڑا سبب یہی ہے کہ ہر شخص کو اپنا  
فکر ہے اپنے بھائیوں کی فکر نہیں کہ وہ کس حال میں ہیں کوئی ٹکسی کی  
خیر خواہی نہیں کرتا۔ افسوس۔

## (۲۱۶) ہر ایک کے لئے جمعیت قلب کا طریق جد ہے

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر شخص کی جمعیت خاطر (جمعیت قلب)  
کا طریقہ جد ہے۔ یہ اس سے معلوم ہوا کہ ان بزرگ صحابی نے اپنے ساتھی  
کو اذان کی ہدایت کی دوسرے مستحبات و اواراد نہیں بتلائے جس کی وجہ  
وہی تھی جو ہم نے بتلائی کہ ایک کی جمعیت خاطر کا طریق الگ ہے۔

قوله الوجه العاشر فيه دليل على ان لكل شخص ما

هو اجمع لخطره الى قوله للعلّة التي عللنا ما قبل

فـ یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص کو بارہ تسبیح اور مراقبات ہی سے جمعیت  
قلب حاصل ہو بعض کو اذان سے بعض کو تلاوت قرآن سے یہ دولت  
حاصل ہوتی ہے پس ہر ایک کو اس کے مناسب کام بتلاؤ۔

(۲۱۷) حضرت صحابہ کو مستحبات کا اہتمام بھی بہت تھا اس سے یہ  
معلوم

ہوا کہ قرن اول کے لوگ مستحبات کی بھی ایسی ہی پابندی کرتے تھے جیسی واجبات کی کیونکہ صحابی نے یوں فرمایا ہے کہ جب تم اذان دو اس سے معلوم ہوا کہ ان کو اپنے ساتھی کی نسبت یہ گمان نہ تھا کہ وہ اس مستحب کو چھوڑ دیتے ہیں اور نماز کے وقت اذان نہیں دیتے اور اذان کی جو پانچ قسمیں فقہانے بیان فرمائی ہیں واجب و مستحب و حرام و مکروہ و مباح، یہ اذان ان میں سے نوع مستحب میں داخل تھی کیونکہ جو شخص جنگل میں تنہا نماز پڑھے اس کے ذمہ اذان واجب نہیں مگر مستحب ہے مگر صحابی نے اس شخص کو اس مستحب میں ایک جیسے زیادہ کرنے کی ہدایت کی یعنی آواز بلند کرنے کی۔

قوله الوجه الحادى عشر فيه دليل على ان الصلوة  
اول كانوا يحافظون على المندوب الى قوله وهو مذهب الصلوة

اس میں اہل تصوف کے حق

(۲۱۸) سب اہم و اقدم دین ہے پر ہونے کی بھی دلیل ہے کیونکہ

ان کے نزدیک سب چیزوں سے اہم اور مقدم دین ہے اگر قرن اول کا بھی یہی حال نہ ہوتا تو یہ صحابی اپنے ساتھی کو یہ وصیت نہ کرتے جن کا ذکر ہو چکا ہے (بلکہ کوئی دنیا کی ترقی کا ذریعہ بتلاتے) حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی تو یہ حالت تھی کہ جب باہم ملاقات کرنے تو ایک دوسرے سے یوں کہتا تھا تعالٰیٰ نعم۔ آؤ ایمان کی باتیں کریں، یعنی ایسی باتیں کریں جن سے ہمکے ایمان کو قوت ہو (شارح فرماتے ہیں) کہ میکہ احباب میں بھی ایک صاحب ایسے ہی تھے جن کا مرتبہ طریقی علم اور طریقی مال دونوں میں بلند تھا جب ہم دونوں ملاقات کرتے تو سلام کے بعد اول یہ سوال کرتے کہ تمہارے دین کا کیا حال ہے اور اپنے پروردگار کے ساتھ تمہارا کیسا حال ہے تمہاری قلبی حالت کیسی ہے، اس کے بعد دوسری باتوں کو



پوچھتے تھے (مثلاً مزاج کیسا ہے گھر میں خیتہ ہے وغیرہ وغیرہ) ان سے مل کر جب میں مجاہد ہوتا تو سینہ میں انشراح اور ایمان میں خاص ترقی محسوس کرتا تھا جس کا سبب ان کا صدق اور قرن اول کے ساتھ تشبیہ تھا کہ سب زیادہ اہم اور ضروری بات کو مقدم کرتے تھے۔ اخوت ایمان اسی طرح کی معنی چاہیے اسی لئے اللہ تعالیٰ جل جلالہ فرماتے ہیں:

الاخلاء یومئذ بعضہم لبعض عدو والالمتقین  
سب دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔ بھرتقین  
کے کہ ان کی دوستی وہاں کام آئے گی اور جو شخص لباس تقویٰ سے آراستہ ہوگا اس پر تقویٰ کے آثار ضرور ظاہر ہوں گے۔

قوله الوجه الثاني عشر فيه دليل لاهل الصوفية  
لان اهل الاشياء عندهم الدين الى قوله فمن  
ليس ثوب التقى ظهرت عليه بشارته

فہ۔ افسوس آج کل یہ طریقہ مسلمانوں میں بالکل متروک ہو گیا اعزہ اور احباب سے ملنے ہیں تو مزاج پُری اور گھر باہر کی خیتہ تو دریافت کرتے ہیں یہ کوئی نہیں پوچھتا کہ تمہارے دین کا کیا حال ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کیسا ہے قلبی حالت کی کیا کیفیت ہے۔ صوفیہ تمنا ہے کہ اس واقعہ سے سبق لینا چاہیے  
جعلنا الله و اياهم كما يحب و يرضى

## حدیث

## فَضْلُ الْإِذَاانِ وَالصَّفِّ الْأَوَّلِ الْعَتَمَةِ وَالصَّهْرِ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر لوگ جلتے اس ثواب کو جو اذان اور صف اول میں ہے پھر قرعہ اندازی کے سوا کوئی متور (تصفیہ) نہ پاتے تو وہ ضرور قرعہ اندازی کرتے اور اذان و صف اول کو وہی شخص پاتا جس کا نام قرعہ میں نکلتا اور اگر جلتے اس ثواب کو جو دوسرے کے وقت نماز کے لئے آئے ہیں تو اس میں ایک دوسرے پر سبقت کرنے کی کوشش کرتے اور اگر جلتے اس (ثواب) کو جو عشاء اور صبح کی نماز باجماعت میں ہے تو ان کے لئے ضرور آتے، چاہے کھٹ کر ہی آنا پڑتا۔

شرح ظاہر حدیث میں صف اول کی اور اذان کی اور ظہر کی نماز اور عشاء و صبح کی نماز میں جماعت کی ترغیب ہے۔ اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

۲ اعمال صالحہ میں مسابقت کرنا چاہیئے حدیث

ہوا کہ نیک اعمال میں باہم ایک دوسرے پر سبقت کرنا چاہیئے اور یہ کہ اس

سے عمل میں نقص لازم نہیں آتا اور نہ یہ دیا میں داخل ہے اس کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے لا یتکلموا علیہ کہ وہ اس پر قرعہ اندازی کرتے اور حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے وخی ذلک فلیتنا المتنافسون اسی میں باہم آگے بڑھنے والوں کو آگے بڑھنا چاہیے۔  
 قوله فی الشافی فیہ دلیل علی المناقضة الی قوله فلیتنا  
 المتنافسون “

## (۲۲۰) نفس کو کسی عمل کا شوق نفع معلوم ہونے کے بعد

ہوتا ہے  
 حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نفوس انسانی کو اعمال پر برا بیگمگی اسی وقت ہوتی ہے جب یہ معلوم ہو جائے کہ اس سے کیا نفع حاصل ہوگا، اسکی دلیل حضور کا یہ ارشاد ہے لو یعلم الناس اگر لوگوں کو معلوم ہوتا الخ جس میں حضور نے ثواب کی عبارت پر اشارہ فرما دیا ہے اور دوسرے مواقع میں مفصل طریقہ پر بیان فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ اذان دینے والوں کی گردنیں قیامت کے دن سب سے زیادہ لمبی ہوں گی، نیز ارشاد ہے کہ مؤذن مشک کے ٹیلوں پر ہوں گے، وغیرہ وغیرہ چونکہ اس حدیث میں اذان وغیرہ کی ترغیب کا عنوان ہے اس لئے یہاں حضور نے عظمت ثواب پر اشارہ کافی سمجھا تفصیل بیان نہیں فرمائی اس سے یہ علمی مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ مجز کو خبر کا عنوان ایسا اختیار کرنا چاہیے جس سے زیادہ فائدہ کی امید غالب ہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں اجمال سے کام لیا اور دوسری احادیث میں تفسیر فرمائی ان دونوں میں تفرق کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ آپ نے ہر موقع کے مناسب عنوان اختیار فرمایا جس میں اس وقت زیادہ نفع کی امید تھی۔ قوله فی الوجه الثالث فیہ دلیل علی ان النفوس فی الغالب الخ قوله لا یجوز ان الوجه

(۲۲۱) اعمالِ خیر کے لئے ہر ممکن تدبیر کرنا چاہیے اس سے

ہو کہ اعمالِ خیر کی تحصیل کے لئے ہر ممکن تدبیر سے کام لینا چاہیے اس کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے، ”پھر کوئی صورت نہ پاتے“ یعنی یہ لوگ قرعہ اندازی اسی وقت کریں گے جب اس عملِ خیر کے حاصل کرنے کی قدرت نہ رہے گی۔ یہیں سے صوفیہ نے اپنے نفس کے مقابلہ میں تدبیر اور مجاہدہ کی دلیل اخذ کی ہے چنانچہ بعض صوفیہ منقول ہے کہ وہ ایک مدت اپنے نفس کو صوفیہ کے لباس پر آمادہ کرتے تھے اس کی خوبیاں اس کو بتلاتے تھے یہاں تک کہ اس نے صوفیہ کا لباس پہن لیا جب یہ لباس پہنا دیا تو اس کے بعد جب وہ کسی ایسے کام کا ارادہ کرتے تو صوفیہ کے طرز کے خلاف ہوتا تو نفس سے فرماتے کہ تو نے اس قوم کا لباس پہن لیا (ان کی سی صورت بنالی ہے) پھر ان کی مخالفت کرنا چاہتا ہے یا وہ اہل دنیا کی سی حالت کا تقاضا کرتا تو فرماتے یہ حالت اس لباس کے مستحق نہیں۔ اس جیسی تدبیریں ان حضرات سے بہت منقول ہیں۔

قوله الوجه الخامس فيه دليل على التحصيل الى قوله

ومثله عنده كثير

فے۔ لباس اور وضع کو بھی اصلاح حال میں بہت دخل ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا آپس وہ لوگ سخت غلطی کرتے ہیں جو منہ اٹھا کر کہہ دیا کہ تم ہیں کہ لباس میں کیا رکھا ہے اور بعض حضرات سعدیؒ کا یہ شعر ٹپھ دیا کرتے ہیں۔

درویش صفت باش و کلاه تتری دار

ان کو سمجھ لیا گیا ہے کہ سعدیؒ کا مطلب لباس و وضع کی لغویت کا

اثبات نہیں بلکہ درویش صفت ہونے کی ضرورت و اہمیت بتلانا ہے اور

تجربہ سے ثابت ہے کہ دیویش صفت بدون اُن کی وضع اختیار کئے عادتاً نہیں ہو سکتا تو مقدمہ لازم کا لازم ہوگا، ہاں جب درجہ کمال حاصل ہو جائے اور انسان صحیح معنوں میں دیویش صفت ہو جائے پھر اس کو وضع اور طرز کی پابندی لازم نہیں رہتی۔

(۲۲۲) نشاط کے ساتھ کام کرنا چاہیے کہ عمل صالح کے لئے نشاط کے ساتھ کسل کو چھوڑ کر سبقت کرنا چاہیے۔ اس کی دلیل حضور کا یہ ارشاد ہے ولو حبا چلے گھسٹ ہی کر آنا پڑتا اور جس کا یہ حال ہوگا وہ تو کسل سے بہت دور ہوگا۔

(۲۲۳) مجاہدہ صوفیہ کی دلیل اس میں صوفیہ کی بھی دلیل ہے کہ وہ اپنے نفوس کو مجاہدہ سے پکڑتے ہیں (یعنی مجاہدات سے ان کو قابو میں لاتے ہیں) کہو کہ گھسٹ کر آنا تو بڑا مجاہدہ ہے۔

(۲۲۴) شعائر اسلام میں اخفارا فضل نہیں بلکہ اظہارا فضل ہے

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو اعمال شعائر اسلام ضروریہ میں سے ہوں ان کو ظاہر کر کے ادا کرنا افضل ہے۔ چنانچہ یہ سب اعمال جن کا حدیث میں ذکر ہے اسلام کے شعائر ضروریہ سے ہیں۔

(۲۲۵) دین کے لئے ظاہری بدنمائی گوارا کرنا چاہیے

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دین کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے ظاہری بدنمائی اختیار کرنا چاہیے اسکی دلیل بھی حضور کا وہی ارشاد ہے ولو حبا کیونکہ بڑے درجہ کے آدمی کے حق میں گھسٹ کر چلنا بدناموثر ہے خصوصاً

جب اس کو کوئی جاہ و مرتبہ بھی حاصل ہو مگر یہاں دین کی رعایت کی گئی اور بنائی کی رعایت نہیں کی گئی۔

اور اس میں لوگوں کے قول کی دلیل بھی ہے جو یوں کہتے ہیں کہ جمعہ کی نماز ادا کی جائے اگرچہ راستہ میں گارا ہو جس سے کپڑوں وغیرہ کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو علماء نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے کہ اگر راستہ میں گارا کچرہ ہو جس سے کپڑوں اور بدن کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو یہ عند ایسا ہے جس کی وجہ سے جمعہ کو چھوڑنا جائز ہو جائے، اس میں دو قول ہیں اور اس حدیث میں ان لوگوں کے لئے محبت ہے جو اس کو عذر نہیں ملتے۔

فے۔ یہاں سے ان صوفیوں کا رد ہو گیا جو وقار و قدر بہت رکھتا کرتے ہیں کہ یہ کام وقار کے خلاف ہے ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ تصوف میں وقار کوئی چیز نہیں نہ شریعت نے فضائل کے مقابلہ میں اس کا کچھ لحاظ کیا۔ اصل چیز اتباع حق ہے اور صوفیہ کی بڑی دولت دنیا سے یکسوئی ہے۔

## (۲۲۶) مسابقت کی تقسیم اور مسابقت معنویہ کی تحقیق

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ باہم ایک دوسرے پر سبقت ظاہر بھی ہوتی ہے اور باطناً بھی اور یہاں سبقت معنویہ مراد ہے نہ کہ حسیہ کیونکہ سبقت حسیہ کی صورت تو یہ ہے کہ پیروں سے دوڑ کر ایک دوسرے سے آگے بڑھے اور یہ صورت یہاں ممنوع ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب نماز کے لئے آؤ تو دوڑتے ہوئے نہ آؤ بلکہ سکون و اطمینان کے ساتھ آؤ۔ پس اب سبقت معنویہ ہی رہ گئی یعنی وقت کی نگہداشت میں لگا رہنا (سب سے پہلے وہی آئے گا جس کو وقت کا دوسروں سے زیادہ استقامت ہوگا) اس موقع پر ایک سوال ہو گا وہ یہ کہ اس حدیث میں عشاء اور صبح کو ایک درجہ

میں رکھا گیا ہے۔ حالانکہ دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو عشا کی جماعت میں حاضر ہوا اس نے گویا آدمی رات تہجد میں قیام کیا اور جو صبح کی جماعت میں آیا اس نے گویا تمام رات تہجد میں قیام کیا اس کا جواب یہ ہے کہ سبقت و مبادرت کے باب میں دونوں کے یکساں ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں کا ثواب و اجر بھی برابر ہو جائے اور مبادرت میں دونوں کو اس لئے برابر کر دیا گیا کہ ان دو نمازوں کو دوسری نمازوں پر عظمت و فوقیت حاصل ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہم آئے اور منافقین کے درمیان فرق کر نیوالی عشا اور صبح ہے منافقین ان دونوں میں نہیں آسکتے۔ دیکھو اگر دو گواہ عادل ہوں تو یہ ضرور نہیں کہ ان میں سے ایک کو دوسرے پر کسی بات میں بھی رفعت حاصل نہ ہو کیونکہ جتنی بات کی عدالت شرعیہ میں ضرورت ہے اس میں برابر ہو جانے کے بعد اگر ایک میں کوئی وصف دوسرے سے زیادہ ہو تو اس کا کچھ حرج نہیں ایسا ہی یہاں سمجھو کہ یہ دو نمازیں بقیہ نمازوں سے بڑھی ہوئی ہیں۔ رہا ان دونوں کے درمیان جو ایک کو دوسرے پر فضیلت ہے وہ دوسری بات ہے۔

ف۔ حنفیہ کے نزدیک صلاۃ وسطیٰ کی تفسیر نماز عصر کے رائج ہے اور زائل صحیح سے بھی ہوئی ہے اس کا مقتضایہ ہے کہ نماز عصر تمام نمازوں سے افضل ہو۔ پس یہاں جو صبح و عشا کی فضیلت بتلائی گئی ہے وہ فضیلت جزئیہ ہے جس کی مخرج دوسری حدیث میں وارد ہوئی ہے کہ یہ دونوں نمازیں منافقین پر گہرائی ہیں، مگر چونکہ مالکیہ کے نزدیک صلاۃ وسطیٰ کی تفسیر فجر کے ساتھ رائج ہے اس لئے شائع نے ان دو نمازوں کو بقیہ تمام نمازوں سے افضل کہہ دیا ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

## حدیث

## ایمان الصلوة بالسکینة

ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے اچانک آپ نے لوگوں کا شور سنا نماز کے بعد فرمایا کیا بات تھی (یہ شور کیسا تھا) انہوں نے عرض کیا کہ ہم نماز کے لئے جلدی کر رہے تھے۔ حضور نے فرمایا آئندہ ایسا نہ کرنا جب تم نماز کے لئے آؤ تو سکون و وقار کے ساتھ آیا کرو پھر جتنی نماز مل جاوے اسکو تو امام کے ساتھ پڑھ لو اور جو فوت ہو جاوے اس کو بعد میں پورا کر لو۔

شرح ظاہر حدیث یہ ہے کہ نماز کے لئے اطمینان سے آنا چاہیے اور جو حد فوت ہو جاوے اس کو پورا کر لیا نہ چاہیے اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۲۲۷) کسی پر بدون تحقیق حال کے حکم نہیں لگانا چاہیے حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی فعل یا فاعل پر حکم شرعی تحقیق سبب کے بغیر نہیں ہو سکتا اس کی دلیل حضور کا یہ قول ہے ما شائکم (کیا بات تھی)



پھر حیب لوگوں نے نماز کے لئے جلدی کرنے کا ذکر کیا اس وقت آپ نے اس کے متعلق حکم بیان فرمایا عرض ثور سنتے ہی فیصلہ نہیں کر لیا گیا کہ یہ حرکت سجا ستی اور نہ تحقیق سبب سے پہلے آپ نے ان کے فعل پر کچھ مواخذہ فرمایا کیونکہ جلدی کرنے اور شور کرنے میں یہ احتمال بھی تھا جو صحابہ نے بیان کیا اور یہ احتمال بھی تھا کہ کوئی دوسرا غند پیش آگیا ہو کیونکہ حوادث تو شمار اور انحصار میں نہیں آسکتے۔

قوله الوجه الاول ان الحكم الشرعي لا يكون الا بعد تحقيق الى  
قوله لان الحوادث لا تنحصر

فے آجکل صوفیہ اور مشائخ بھی اس معاملہ میں تساہل کرنے لگے ہیں کہ بدین تحقیق کے جن پر جو چاہتے ہیں حکم لگا دیتے ہیں ان کو اور سب مسلمانوں کو اس قاعدہ کی پابندی کرنا چاہیے اور جان لینا چاہیے کہ بدون تحقیق حال کے کسی پر کوئی حکم لگانا جائز نہیں۔

## (۲۲۸) نماز میں خشوع و سکون کا وجوب مختلف ہے

یہاں ایک سوال ہے کہ یہ حکم بطور وجوب کے ہے یا بطور استحباب کے اور کیا اس سکون کی کوئی حد معین ہے یا نہیں؟ پہلے سوال کا تو جواب یہ ہے کہ صیغہ امر کے متعلق اختلاف ہے لیکن اس مقام پر امر کا استحباب کے لئے ہونا زیادہ ظاہر ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ خود نماز کے اندر تادب و خشوع و سکون کے واجب ہونے میں اختلاف ہے اکثر فقہاء کا قول یہ ہے کہ وہ شرط کمال ہے شرط صحت نہیں اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بندہ جب تک نماز کا انتظار کرتا ہے نماز ہی میں بیٹھا ہے جس میں نماز کے لئے چلنے نماز کے لئے وضو کرنے اور بیٹھے رہنے کو نماز ہی کے حکم میں کر دیا گیا حالانکہ یہ سب وسائل و مقدمات ہیں اور وسیلہ یا مقدمہ کا بڑا حکم

یہ ہے کہ اس کو خود اس شے کے مثل کر دیا جائے جس کا وہ وسیلہ ہے تو جب خود نماز کے اندر اس وصف سکون و خشوع کے واجب ہونے میں اختلاف ہے تو وسیلہ میں وجوب کیسے ہوگا؟ دوسری بات یہ ہے کہ اگر یہ امر وجوب کے لئے ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کلام میں کچھ اضافہ کر کے اس پر اشارہ فرماتے کیونکہ تنہا امر تو وجوب کے لئے کافی نہیں اور آپ صاحب تشریع ہیں اور یہ وقت حکم بیان کرنے کا تھا اور ضرورت کے موقعہ سے بیان کو مؤخر کرنا جائز نہیں، تیسری بات یہ ہے کہ صحابہ کا تیزی کے ساتھ چلنا نماز کے شوق اور ثواب کی رغبت اور اس میں ترقی کی طلب تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ بتلانا چاہا کہ ثواب جلدی کرنے اور جلدی پہنچنے ہی پر موقوف نہیں بلکہ اس صورت میں بھی ثواب مل جائے گا جس کا حکم کیا گیا ہے تاکہ ان کے دلوں کو سکون و اطمینان ہو جائے تو آئندہ نماز کے لئے سکون سے آیا کریں

قوله الوجه الشاخي وهنا بحث الحقوله لان يسكن نفوسهم

بذلك

ف۔ یہاں سے معلوم ہو گیا کہ جن صوہب نے بلا خشوع و بلا سکون کے نماز کو باطل کہا ہے ان کا مطلب بطلان کمال ہے کہ نماز ناقص ہو گئی بطلان اصل ملو نہیں کہ نماز صبح نہ ہو ۱۲

(۲۲۹) حادث کی طرف دل کا بلا اختیار متوجہ ہو جانا اور

دیہر تک متوجہ رہنا مفسد صلوٰۃ نہیں نہ موجب حائل معلوم ہوا کہ حوادث کی طرف نماز میں دل کا متوجہ ہو جانا ثبے بشرطیکہ نماز کی طرف دل کی توجہ فوت نہ ہو اور یہ کہ اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی جبکہ معمولی التقاء

کچھ زیادہ نہ ہو یہ اس سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ نے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے اندر آدمیوں کا شور سنا اور کسی کو نماز کے اعادہ کا حکم نہیں دیا گیا اور نہ آپ نے کسی سے یہ فرمایا کہ اس سے نماز میں کچھ خلل آگیا ہے اور یقیناً شور سننے سے اسکی طرف دل کو تھوڑی بہت توجہ ضرور ہوتی ہوگی۔

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دل میں کسی ضروری بات کے سوچنے سے بھی نماز فاسد نہیں ہوتی جبکہ دل پر غلبہ نماز کے شغل کو ہے، یہ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں اس (غل) شور کی یاد دیر تک برابر رہی یہاں تک کہ آپ نماز سے فارغ ہو گئے۔ اس وقت اس کے متعلق سوال فرمایا اور ان دونوں باتوں کا نماز میں بلا اختیار قصہ کے جائز ہونا اس حدیث کے مجموعی معنی سے ماخوذ ہے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد جبکہ آپ سے نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا یہ شیطان کی شاطری ہے وہ تمہاری نماز میں سے کچھ لپک لیتا ہے سو وہ قصہ کے متعلق ہے کیونکہ ادھر ادھر دیکھنا نماز کے اختیار ہی سے ہوتا ہے کسی عذر طاری کی وجہ سے نہیں ہوتا سو یہ تو حقیقت میں اس رشتہ سے نکل جاتا ہے جس میں وہ داخل ہوا تھا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَا أَمْرُ الْأَعْبَادِ وَاللَّهُ مَخْلَصِينَ ان کو اس کے سوا کچھ حکم نہیں دیا گیا کہ اللہ کی عبادت اخلاص سے کریں اور جو اخلاص کے ساتھ عبادت کرتے ہیں وہ ادھر ادھر نماز میں نہیں دیکھ سکتا اور جو بغیر اخلاص کے عبادت میں داخل ہو گیا وہ ان احکام کو پوری طرح کیونکر بجالائے گا جن کا امر کیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جب آدمی نماز میں داخل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر پوری طرح متوجہ ہوتے ہیں پھر اگر وہ ادھر ادھر دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے رخ پھیر لیتے ہیں تو جو شخص بے توجہی اور دل کی بے رخی سے نماز میں داخل ہوا

جس حال میں نماز سے پہلے تھا اسی میں نماز کے اندر مشغول رہا اس کو اللہ تعالیٰ کی توجہ کہاں نصیب؟ یہاں ان کے اور خدا کی توجہ کے درمیان تو بہت سے میدان ہیں جن کو ہمت و حوصلہ والے ہی طے کرتے ہیں پس بیدار ہو جاؤ اگر سو رہے ہو اور ہمت کرو اگر جاگ رہے ہو۔

## (۲۳۸) نماز وہ اچھی ہے جس میں بشریت کا حصہ باقی ہے

اور ذکر وہ اچھا جسمیں فنا ہوجائے قول کی بھی دلیل ہے کہ نماز تو اچھی وہی ہے جس میں بشریت کا بھی کچھ حصہ باقی ہے تاکہ کلام الہی کو سمجھتا ہے اور جن ارکان کا امر کیا گیا ہے ان کو پوری طرح بجا لاتا ہے اور ذکر کی سب سے بہتر صورت تو یہ ہے کہ ذکر مذکور میں بالکل فنا ہوجائے یہاں تک کہ اس کو یہ بھی خبر نہ ہے کہ اس کی دائیں جانب کیا ہے؟ اور بائیں طرف کون ہے؟ اگر یہ بات صحیح نہ ہوتی بلکہ نماز کا حکم بھی وہی ہوتا جو ذکر کا بتلایا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع میں شور کی آواز کو نماز کے اندر نہ سن سکتے تھے یہاں ایک سوال ہے کہ یہ جو کہا گیا ہے کہ سب سے اچھی نماز وہ ہے جس میں بشریت باقی ہے یہ حکم سب نمازوں کو عام ہے یا صرف فرض نماز کے ساتھ خاص ہے تو واللہ اعلم ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم فرض نمازوں کے لئے تو بالاتفاق ہے اور فاضل کے بارہ میں ظاہر یہ ہے کہ ان کا حکم مثل ذکر کے ہے کہ ان میں فنا نہ ہو بہتر حکم اس کی تائید حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ ان کی ران میں ایک نیسر لگ گیا تھا جس سے ان کو تکلیف تھی لوگوں نے اس کو نکالنا چاہا تو آپ انکار کرتے تھے کہ ابھی نہیں محوئی دیر کے بعد نکالنا چہرہ نکالنا چاہتے تو یہی جواب دیتے کہ ابھی نہیں، تو بعض لوگوں نے کہا کہ تم نماز کے سوا کسی وقت میں اس کو نہ نکال

سکے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا کہ جس وقت نفل نماز کے سجدہ میں آپ گئے اس وقت تیر کو کھینچ کر نکال دیا، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں میں اپنے آپ کو گہل ہوا پایا فرمایا کیا بات ہے کیا تیر نکالنا چاہتے ہو؟ لوگوں نے عرض کیا وہ تو ہم نے نکال ہی لیا پھر اس کو سامنے کر دیا کہ دیکھئے یہی تو ہے فرمایا بخدا مجھے تمہاری اس حرکت کی کچھ بھی خبر نہیں ہوئی اور ایسے واقعات اہل کبریت صلحاء سے بہت منقول ہیں۔

قوله الوجه السادس فيه دليل لاهل الصوفة الى قوله  
ومثله كثير عن المباركين مع حذف شيء من العبارة  
من بينهما

فے۔ اس پر حنفیہ کے اصول سے یہ سوال وارد ہوگا کہ شروع کے بعد نفل بھی واجب ہو جاتی ہے اور اس میں بھی قرآن کو صحیح طوے سے پڑھنا اور ارکان کا پوری طرح بجالانا ضروری ہے جیسا فرائض میں ضروری ہے اور یہ فنار تمام کی صویت میں نہیں ہو سکتا یقیناً فنار تمام کی صویت میں ارکان میں گڑ بڑ ہوگی جس سے بعض اوقات سجدہ سہولازم ہوگا اور سجدہ سہو بھول گیا تو نماز ناقص ہوگی، جواب یہ ہے کہ لافل میں تطویل کی اجازت ہے کہ ارکان کو جتنا چاہے طویل کرے لمبا قیام کرے لمبا رکوع کرے لمبا سجدہ کرے پس اگر کسی شخص کو لمبے رکوع یا لمبے سجدہ میں فنار تمام حاصل ہو جائے تو اس سے نماز میں کوئی خلل نہ ہوگا کیونکہ رکوع یا سجدہ میں محض تسبیحات ہوتی ہیں جو ذکر کی قبیل سے ہیں۔ البتہ حالت قیام میں قراءت قرآن واجب ہے، اسی طرح قعدہ میں تشهد واجب ہے۔ اس میں فنار تمام ہونا اچھا نہیں تاکہ قراءت اور تشهد میں گڑ بڑ نہ ہو اور ظاہر یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو نماز نفل کے سجدہ میں حالت فنا حاصل ہوتی تھی اسی لئے لوگوں نے سجدہ میں تیر کو نکالا۔ قیام

اور قعود میں نہیں نکالا۔ خلاصہ یہ کہ نوافل کے ان ارکان میں حالتِ فناء کا طاری ہونا اچھا ہے جن میں کوئی ذکرِ طویل واجب نہیں جیسے رکوعِ قومہ یا سجدہ اور جن ارکان میں قراءت یا تشہد واجب ہو ان میں اتنی بشریت کا رہنا ضروری ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زبان سے کیا نکل رہا ہے خوب سمجھ لو۔

یہ جواب تو اس وقت ہے جب فناء تمام سے مراد استغراق ہو جیسا شایع کے کلام سے متبادر ہے اور اگر فناء تمام سے حضور تمام مراد ہو تو اس کا قلدہ یہ ہے کہ حضور جتنا کامل ہوتا ہے اسی قدر احکامِ عمدگی اور خوبی سے ادا ہوتے ہیں۔ حضور تمام سے تلقی خطاب اور تکمیل ارکان میں اصلاً خلل نہیں ہوتا اس میں لذت خطاب کے ساتھ تلقی خطاب اور تکمیل ارکان سب جمع ہوتے ہیں اس لئے فرض اور نفل نماز میں فرق کرنے کی ضرورت نہیں حضور تمام دونوں میں مطلوب ہے کیونکہ حضور تمام میں بشریت کے اوصاف باقی رہتے ہیں گو بعض دفعہ لذت خطاب سے مغلوب ہو جاتے ہیں مگر مستور نہیں ہوتے اسی لئے ہمارے بزرگوں کا قول یہ ہے کہ نماز میں حضور تمام ہونا چاہیئے اور ذکر میں استغراق تمام حضور تمام کی حقیقت وہی ہے جو حدیثِ نبوی میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔

ان تعبد اللہ کانک تراہ

عبادتِ اس طرح کرو گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو

اس مراقبہ کو جس قدر کامل کیا جائے گا اسی قدر حضور تمام حاصل

ہوگا۔ جس کے لئے استغراق لازم نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

## (۲۳۱) نماز کے لئے سکون و وقار کے ساتھ آنے کی تحقیق

یہ سوال کہ اس سکون کی کوئی حد بھی ہے یا نہیں؟ تو علمائے فرمایا ہے کہ سکون کی حد یہ ہے کہ انسان مد وقار سے باہر نہ ہو تو جب تک وقار محفوظ ہو سکون مائل ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب وہ مسجد کو آتے ہوئے اقامت کی آواز راستہ میں سن لیتے تو قدم بڑھاتے اور جلدی جلدی قدم اٹھاتے تھے۔ یہ سکون کا انتہائی درجہ ہے اس سے زیادہ رفتار بڑھانے کو لپکنا یا دوڑنا کہا جائیگا جو وقار کی حد سے باہر اور سکون کے خلاف ہے۔

اور اس سے معلوم ہوا کہ دین بہت آسان ہے کیونکہ صحابہ کو جب نماز میں دیر ہو جانے سے فکر ہوا اور فکر کی وجہ سے تیزی کے ساتھ مسجد کی طرف چلے تو حضور نے ان کے لئے اس کوتاہی کا کفارہ یہ مقرر کیا کہ جب نماز کو آیا کرو تو سکون سے آیا کرو پھر جتنی جلدی نماز مل جائے اس کو پڑھ لو جو فوت ہو جائے اس کو بعد میں پورا کرو حالانکہ تاخیر صلوٰۃ معمولی جرم نہیں جس سے یہ خطا سرزد ہو یعنی نماز میں وقت سے تاخیر کر دے وہ اس آیت کی وعید کا مصداق ہے

(يَخْلَفُ مِنْ بَعْدِهَا مِنْ خَلْفٍ) اضاعوا الصلوٰۃ واتبعوا

الشهوات فسوف يلقون غيًّا

(پھر ان کے بعد ایسے ناخلف لوگ پیدا ہوتے جنہوں نے نماز کو

ضائع کر دیا اور شہوتوں کے پیچھے پڑ گئے سو عنقریب جہنم کے طبقہ میں داخل ہوں گے)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسکی تفسیر میں منقول ہے کہ بخدا ان لوگوں

نے نماز کو چھوڑا نہیں تھا بلکہ وقت غنا سے مؤخر کر دیا تھا جب جی میں آتا تھا پٹھہ لیتے تھے خواہ تنگ وقت ہو یا وسیع مستحب ہو یا مکروہ جب اوقات کی فضیلت کا یہ درجہ ہے کہ اس کے فوت کرنے پر ایسی وعید ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت سے نماز کا کچھ حصہ رہ جاتا کیا کچھ ہو گا کیونکہ وقت کے بارہ میں تو علماء کے درمیان اختلاف بھی ہے بعض اول وقت کو افضل فرماتے ہیں بعض اوسط کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جو نماز ہو اس کے متعلق تو کسی کو بھی اختلاف نہیں (بلکہ اس پر سب متفق ہیں کہ وہ تمام نمازوں سے افضل نماز ہے تو اتنی بڑی فضیلت میں کوتاہی کرنا کتنا بڑا جرم ہو گا خود ہی سمجھ لو پھر اتنے بڑے جرم کا کفارہ کتنا آسان مقوی کیا گیا ہے کہ نماز کے لئے سکون کے ساتھ آؤ دوڑ کر آنے کی ضرورت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سکون سے آنا دراصل کفارہ نہیں بلکہ کفارہ تو وہ فکر ہے جو دوڑنے اور جلدی کرنے کا متقاضی تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے اہتمام اور فکر کو معلوم فرما کر لیس سکون کو بجائے کفارہ کے ذکر فرمایا پس سکون کے ساتھ نماز کے لئے آنا اسی وقت کفارہ تاخیر ہو گا جب اس کے ساتھ فکر و اہتمام بھی مجتمع ہو خوب سمجھ لو اور اس پر اصحاب قلوب کے لئے یہ علمی مسئلہ مرتب ہوا کہ نیک کام کا فکر و اہتمام بھی اس کے فوت ہونے کا بدل ہو جاتا ہے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ بدل سب باتوں میں اصل کے برابر نہیں ہو سکتا، اس کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اشعار سے ہوتی ہے جبکہ زید بن حارثہؓ نے آپؐ سے دریافت کیا کہ جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں اس کے اندر اللہ

**محبت الہی کی علامت** کی طرف سے کیا علامت ظاہر ہوتی ہے جس سے وہ یہ سمجھ لے کہ خدا کو مجھ سے محبت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا اے زید ! تم نے کس حال میں صبح کی ہے، کہا میں نے اس حال میں صبح کی ہے کہ اپنے



دل میں خیر کی اور اہل خیر کی محبت پانا ہوں اور اگر قدرت پاتا ہوں تو خیر کی طرف سبقت کرتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے فوت ہو جائے تو رنجیدہ اور نادم ہوتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بس یہی اللہ کی محبت کی علامت ہے اس شخص کے لئے جس کو وہ چاہتے ہیں اور اگر اس کے سوا وہ اور کچھ ارادہ کرتے تو دوسری حالت کے لئے تم کو تیار کر دیتے تو نذیب کے اس قول پر بھی کہ خیر کے فوت ہو جانے پر رنجیدہ ہوتا ہوں ان کے لئے مضمون حدیث کی بشارت صحیح رہی تو معلوم ہوا کہ عمل خیر کے فوت ہونے پر فکر اور رنج ہونا بھی عمل کے قائم مقام ہو جاتا ہے اور اس کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے

الندم توبۃ ندامت توبہ ہے

اور اس میں تنہا ندامت بھی گناہ کا کفارہ ہو جاتی ہے عجیب علی مضمون ہے کہ تنہا ندامت ہی گناہ کو دور کر دیتی ہے جب کہ کسی فعل ممنوع کا ارتکاب ہو گیا ہو، اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو کہ ندامت توبہ ہے ظاہر ہی پر محمول کریں اور اگر یہ تاویل کریں کہ ندامت توبہ کے استیسا میں بڑا سبب ہے یا اس کے اجزاء میں بڑا جزو ہے جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد الحجۃ عرفۃ کہ حج عرفہ ہے کے یہی معنی ہیں تو اس تاویل پر تنہا ندامت سے تو کماؤ دور نہ ہوگا البتہ ندامت اس ورطہ سے خلاصی پلانے کا بہت بڑا سبب ہو جائے گی جس میں گناہ کے بعد انسان پھنس جاتا ہے اور جو صورت بھی ہو دونوں خیر عظیم ہیں اور بہر حال ندامت سے اس نقصان کی تلافی تو ضرور ہو جاتی ہے جو خیر کے فوت ہونے سے ہوتا ہے جیسا اوپر بیان ہوا ہے۔

اس کی زیادہ توضیح رسول اللہ  
مومن دنیا میں غمگین ہی رہتا ہے صلی اللہ علیہ وسلم سے اس

اشاد سے ہوتی ہے

مَا أَمْسَى الْمُؤْمِنُ فِيهَا يَعْغَى فِي الدُّنْيَا وَلَا أَصْبَحَ إِلَّا حَزِينًا

مؤمن دنیا میں ہر صبح اور شام غمگین ہی رہتا ہے۔

کیونکہ دو حالتوں میں سے ایک حالت اس کو ضرور پیش آتی ہے یا کسی  
مستحب کام سے غفلت یا سہو کی وجہ سے کسی مکروہ کا ارتکاب یہ تو کم سے  
کم ہے اور ممکن ہے کبھی حرام کا ارتکاب بھی ہو جائے یا فرض ہی ترک ہو  
جائے تو یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمن کی یہ خاص شان بیان  
فرمائی ہے کہ وہ دنیا میں ہمیشہ غمگین ہی رہتا ہے اگر غم اور رنج کچھ نفع  
نہ دیتا تو اس کو مقامِ مدح میں ذکر کرنے کی کچھ وجہ نہ ہتی پس معلوم ہوا کہ  
حزن و غم سے ان کو تابیوں کا کفارہ ہوتا رہتا ہے جو مؤمن سے بصورتِ ترک  
مندوب یا ارتکاب مکروہ سرزد ہوتی ہیں اور اس مضمون پر بھی ایک فقہی مسئلہ  
اور ایک تحقیق و طریقت کا مسئلہ مرتب ہوا۔

خبر کے فوت ہونے پر رنج ہونا ایمان کی علامت ہے، فقہی مسئلہ، تو یہ مرتب

ہوا کہ کسی خبر کے فوت ہونے یا اسکی ضد کے ارتکاب پر رنج ہونا ایمان کی  
علامت ہے اور تصوف کا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ دل میں حزن و غم رہنا  
چاہیے کیونکہ صوفیہ کا قول ہے

أَنَّ الْقَلْبَ إِذَا خَلَا مِنَ الْحُزْنِ خَرَبَ

دل جب رنج و غم سے خالی ہوتا ہے ویران ہو جاتا ہے

دل جب رنج و غم سے خالی ہوتا ہے ویران ہو جاتا ہے

اور اس پر تصوف کا دوسرا مسئلہ یہ مرتب ہوا کہ جس شخص کا یہ حال ہوگا اس کی حالت ہر دم مراقبہ اور نگہداشت کی حالت ہوگی کیونکہ ہر وقت رنج و غم اسی کو ہوسکتا ہے جو ہر وقت کے حقوق و آداب پر نظر رکھے اسی کو ان آداب کے فوت ہونے یا سہواً مکروہ کے سرزد ہو جانے سے رنج ہوگا اور جس کو حالت مراقبہ حاصل نہ ہو اس کو یہی خبر نہ ہوگی کہ مجھ سے اس وقت کا کون سا حق فوت اور کون سے مکروہ کا ارتکاب ہوا۔

نگہداشت بہت بڑی حالت ہے اور مراقبہ و نگہداشت بہت بڑی حالت ہے اور بیش بہا دولت ہے مگر جس کو یہ حالت حاصل ہو اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ خوف کے اندر امید بھی ساتھ ساتھ ہو ورنہ یہ شخص حالت کمال سے ناقص ہے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہمارے اس قول کی دلیل ہے المؤمن تسره حسناتہ و تسوره سیئاتہ مومن کو نیکیاں خوش کرتی ہیں اور گناہ رنجیدہ کرتے ہیں تو یہ شخص

غلبہ خوف میں اس خوف سے بھی خوش ہونا چاہئے کیونکہ خوف بھی ایک نعمت ہے اس خوف سے خوش بھی ہونا چاہئے کیونکہ خوف الہی بھی ایک حسنہ ہے بلکہ اعلیٰ درجہ کا حسنہ ہے تو عین حالت خوف میں اس کے اندر ایمان کی دو علامتیں جمع ہو جائیں گی۔ ایک خوف کا اپنے موقع میں ہونا، دوسرے فرح کا اپنے محل میں ہونا۔ اسی لئے بعض بزرگوں نے اپنی ایک مناجات میں فرمایا، یکون خوفی و محب و محبوب کہ مجھے آپ سے ایسا خوف حاصل ہو جیسا محب محبوب کا خوف ہوتا ہے کیونکہ عاشق کے

خوف کی تو یہ شان ہے کہ وہ تو ادنیٰ ادنیٰ بات بھی خطا کی اپنے اندر دیکھتا ہے تو ڈر جاتا ہے کہ یہ بعد و فراق کا سبب نہ ہو جائے، اور محبوب کے خوف کی یہ شان ہوتی ہے کہ وہ بڑی سے بڑی بات بھی موجب بعد و فراق دیکھتا ہے تو زیادہ نہیں گھبراتا کیونکہ جانتا ہے کہ محبوب کب ایسی ایسی خطائیں کچھ ضرور نہیں دیا کرتیں اس کو اپنی کسی خطا سے رنج بھی نہیں ہوتا۔ پس مناجات کا حاصل یہ ہوا کہ میکرا اندر نہ مگر عاشق کا خوف ہو کہ ذرا ذرا سی خطا پر ناامید ہو جایا کروں نہ مگر معشوق جیسا خوف ہو جس کو اپنی کسی خطا سے بھی اندیشہ نہیں ہوتا کیونکہ اس کو اپنے محبوب بچنے کا ناز ہوتا ہے بلکہ میکرا اندر دونوں کے خوف کو جمع کر دیجئے تاکہ مگر تو ہر خطا سے بچنے کی ہو مگر ناامیدی کسی حال میں نہ ہو تو یہ شخص ایک ہی وقت میں شان محب اور شان محبوب کا جامع ہوگا اور یہ تمام حالات سے کامل تر حالت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنے کرم سے اس کا اہل بنادیں۔

قوله في الوجه السادس واما الجواب على قولنا  
هل للسكينة حدا هلا الى قوله جعلنا الله من  
اهلها بمنه

فے۔ خوف کے ساتھ رجاء کا جمع کرنا ہر حال میں ضروری ہے اس پر علما اور صوفیہ سب کا اتفاق ہے لیکن اس پر ایک اشکال واقع ہوتا ہے کہ جس وقت کسی وارد کی وجہ سے خوف کا غلبہ ہوتا ہے تو عین غلبہ کی حالت میں رجاء کو کیوں کر جمع کیا جائے کیونکہ غلبہ خوف بے اختیار ہوتا ہے اور شدت کے ساتھ ہوتا ہے اس وقت ضد کو اس کے ساتھ کیونکر جمع کیا جائے۔ شارح نے اس کا عجیب حل کیا ہے کہ عین حالت خوف میں اس خوف ہی سے اس کو خوش ہونا چاہیے کہ الحمد للہ مجھے اللہ تعالیٰ

نے اپنا خوف عطا فرمایا جو بہت بڑی دولت ہے۔ جس پر بہت بڑی  
 بشارت نص قرآن میں وارد ہے وَلَمَّا خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٍ  
 بَسِ اس سے رجا حاصل ہو جائیگی۔ غلبہ خوف میں اگر انسان کو اپنے  
 اندر کوئی عمل صالح نظر نہیں آتا نہ اپنی نماز نماز معلوم ہوتی ہے نہ ذکر و  
 تلاوت طاعت معلوم ہوتی ہے سارے حسنات سیئات ہی نظر آتے  
 ہیں تو یہ خوف تو اس کو اپنے اندر ضرور نظر آتا ہے بس اس کو اسی سے  
 خوش ہونا چاہیے۔ اس خوف پر خوش ہونے ہی سے رجا حاصل ہو  
 جائے گی۔ بقیہ نعمتوں اور طاعات کو سوچنے کی اور ان سے رجا حاصل  
 کرنے کی ضرورت نہیں، سبحان اللہ کیسا عجیب حل ہے۔ سچ ہے  
 وَلِلّٰهِ هَمُّ الْفَلَّاسَةِ حَقًّا



عہ ترجمہ: جو شخص اپنے رب کے مقابلے ڈرا اس کے لئے دو جہنمیں ہیں۔

## حدیث

### القیام الی الصلوٰۃ

بوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کے لئے اقامت کہی جائے تو جب تک مجھے مسجد کی طرف آنا ہوا نہ دیکھ لو کھڑے نہ ہوا کرو اور سکون و وقار کے ساتھ بیٹھو۔  
ظاہر حدیث یہ ہے کہ اقامت کے بعد کھڑا ہونا ضروری نہیں جب  
شرح تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر نہ آجائیں۔ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے امام مالک رحمہ اللہ کا قول اس حدیث کے موافق ہے اور یہی ان کی محبت ہے وہ فرماتے ہیں کہ اقامت کے وقت کھڑا ہونا ضروری نہیں بلکہ لوگوں کو اختیار ہے خواہ اقامت کے شروع میں کھڑے ہوں یا وسط یا امام کے نماز شروع کرنے پر کھڑے ہوں اور امام شافعی کا قول یہ ہے کہ جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہے اس وقت سب کو کھڑا ہونا چاہیے۔  
(نصوحۃ النشارح نفسه فی الوجه الخامس) ان کی دلیل حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقامت کے وقت قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہوتے ہی تکبیر کہہ دیتے تھے۔

حنفیہ نے دونوں حدیثوں کو جمع کیا اور یہ کہا ہے کہ اگر اقامت کے وقت

امام مسجد کے اندر موجود نہ ہو بلکہ مسجد سے باہر حرجو وغیرہ میں ہو اس وقت تو امام کو دیکھ کر نمازیوں کو کھڑا ہونا چاہیے۔ قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑا نہ ہونا چاہیے اور اگر اقامت کے وقت امام مسجد میں موجود ہو تو قد قامت الصلوٰۃ پر سب کو اٹھانا چاہیے۔ علامہ طحاوی نے شرح مراقی الفلاح میں تہریج کی ہے کہ حنفیہ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ قد قامت الصلوٰۃ سے قیام کو مؤخر نہ کیا جاوے یہ معنی نہیں کہ اس سے پہلے کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ پس یہ ایسی سنت نہیں ہے جس پر اصرار کیا اور مبالغہ کیا جائے نہ سلف نے اس پر اصرار کیا بلکہ تمام بلاد اسلام میں علمائے اس میں توسع ہی رکھتے ہیں جس کا جی چاہے اول اقامت سے کھڑا ہو جائے جس کا جی چاہے قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑا ہو جائے جس کا جی چاہے امام کی تکبیر پر کھڑا ہو، اس پر اصرار کرنا اور جو ایسا نہ کرے اس پر انکار و طعن کرنا حد سے تجاوز ہے اور یہ صورت تو سلف سے کہیں بھی منقول نہیں جو آجکل ہندوستان کے بعض شہروں میں رواج پا رہی ہے کہ امام شروع اقامت میں یا اقامت کے متصل اپنے مصلے پر آ کر اس غرض سے بیٹھ جائے کہ قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑا ہو۔ فقہانے تو ان لوگوں کے لئے جو پہلے سے مسجد میں بیٹھے ہوئے ہوں اٹھنے کا ایک معیار بتلایا تھا، ان کا یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ اس معیار کو جاری کرنے کے لئے قیام سے قعود کیا کرو اور قد قامت الصلوٰۃ پر اٹھا کرو مگر آجکل کچھ لوگوں کو نئی نئی باتیں نکالنے میں مزا آتا ہے جس کے لئے اہل دنیا نے تو ملبوسا و مطعوما کو تختہ مشق بنایا تھا آئمہ مساجد نے عبادات کو تختہ مشق بنالیا خالی اللہ المشتکی اس حدیث پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۲۳۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹی سے چھوٹی

بات کو بھی نہیں چھوڑا حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے تمام احکام کی تعلیم بطریق کمال دیدی ہے کیونکہ آپ نے اس چھوٹی سی بات کو بھی نہیں چھوڑا جس پر بہت کم کسی کی نظر جاتی ہے۔ مگر حضور نے قول اور فعل سے اس کو بھی ظاہر کر دیا اس تعلیم میں رفیق اور بہت کی بھی رعایت ہے اور واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں پر بہت ہی مہربان تھے۔ آپ کو یہ احتمال ہوا کہ شاید کسی وقت جماعت میں کوئی کمزور آدمی ہو اگر وہ بھی اقامت کو سن کر کھڑا ہو اور کسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو باہر تشریف لانے میں دیر ہو گئی تو یہ کمزور آدمی نماز اس وقت شروع کرے گا جب کہ پہلے سے کھڑا کھڑا تھک گیا ہو گا اور کیا عجب ہے کہ تھک کر بیٹھ جائے اور بیٹھ کر نماز ادا کرے اور قیام کی فضیلت اس سے فوت ہو جائے اور ممکن ہے کسی وقت گرمی یا سہری ہو اور حضرات صحابہ میں زیادہ ایسے ہی تھے جن کے پاس کپڑے کم تھے اور کھڑے ہوئے آدمی کو گرمی سہری زیادہ لگتی ہے تو اقامت کی بوقت سے کھڑا ہونا ان کے لئے نماز میں تشویش کا سبب ہو گا۔

## عبادت میں مشغول ہونے سے پہلے اپنی حالت کو دیکھ لینا چاہیے

اور اس پر یہ علمی مسئلہ مرتب ہوا کہ عبادت کرنے والے کو نماز یا اور کسی عبادت میں مشغول ہونے سے پہلے دیکھ لینا چاہیے کہ اسے کس حالت پر عبادت کرنا چاہیے جس سے عبادت اچھی طرح ادا ہو اور تشویش و پریشانی کا سامنا نہ ہو۔

قوله الوجه الرابع فيه دليل على توفيقه صلى الله

عليه وسلم تعليم جميع الاحكام الى قوله ولا يكون معه تشویش

ف۔ بعض اہل الشاسی سنت پر نظر کر کے اپنے خدام کو ذرا ذرا سی



چھوٹی چھوٹی باتوں کی تعلیم دیتے ہیں جو دیکھنے میں چھوٹی معلوم ہوتی ہے مگر نتیجہ ادا کر کے لحاظ سے بہت بڑی ہوتی ہیں ان پر ناواقف لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ بڑے سخت گیر ہیں اتنی معمولی معمولی باتوں کو بھی نہیں چھوڑتے ان کو اس مقام سے سبق لینا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو تمام احکام پوری طرح پہنچائے ہیں۔ معمولی سے معمولی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی آپ نے نہیں چھوڑی مگر وہ باتیں ناواقف ہی کی نظر میں معمولی ہیں۔ چھارہ عقلا کی نظر میں جب ان کی حکمتیں آتی ہیں تو پہاڑ سے بھی بڑی دکھائی دیتی ہیں۔

## (۲۳۳) احکام میں کمزوروں کا اول لحاظ رکھا جائے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ احکام میں قوی لوگوں کو کمزوروں کا تابع کیا جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عموم کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے

کَلَّا تَقْوِ مَوَاحِشَ تَرْوِی

جب تک مجھے نہ دیکھ لو نماز کے لئے کھڑے نہ ہو

جس میں قوی اور ضعیف سب کو یکساں (مساوی) خطاب ہے۔ خصوصاً نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھے دیکھنے سے پہلے ضعف رکھڑے نہ ہوں۔ اقویاء کھڑے ہو سکتے ہیں بلکہ آپ نے کمزوروں کی رہایت سے قانون مقرر فرمایا اور اقویاء کو ان کا تابع کر دیا گیا۔ اس کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے۔

سیر و البسیر اضعفکم

اپنے کمزور ساتھیوں کی چال چلا کرو

اقویاء کی چال نہ چلو ورنہ کمزور پیچھے رہ جائیں گے یا ٹک کر پریشان ہوں گے اور سب کو پریشان کریں گے۔

قوله الوجه السادس فيه دليل على ان يحمل القوي

الى قوله سير والسير اضعفهم

ف۔ حضرات اہل اللہ کو اس سنت کا بہت زیادہ اہتمام ہے جیسا ان کی صحبت میں رہنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔

## (۲۳۴) حکمت کے ساتھ قدرت پر بھی نظر سنا چاہیے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ چھوٹی سے چھوٹی بات میں حکمت کیسا تھا قدرت الہیہ میں بھی نظر سنا چاہیے چنانچہ اس مسئلہ میں حکمت کا پہلو تو یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقامت کی ایک حالت بیان فرمائی ہے کیونکہ اقامت نماز وقت کے شروع ہونے کا وقت بتلانے کی ایک علامت ہے (نو حضور نے بتلادیا کہ یہ فروری نہیں کہ اقامت ختم ہونے کے ساتھ ہی امام اللہ اکبر کہہ دے۔ کبھی کسی عذر سے اس میں تاخیر بھی ہو سکتی ہے اور قدرت پر نظریہ ہے کہ حضور نے لوگوں کو اس وقت تک کھڑا ہونے سے روک دیا جب تک آپ کو نہ دیکھ لیں کیوں کہ ممکن ہے غیب سے کوئی مانع پیش آجائے جو وقت پر آپ کو باہر تشریف لانے سے روک دے اور احکام حکمت کے ساتھ قدرت کو پیش نظر رکھنا اہل فہم کے نزدیک بڑا بلند مرتبہ ہے جیسا چند حدیثوں میں ہم نے پہلے بھی اس کو بیان کیا ہے۔

قوله الوجه السابع فيه دليل على لخط القدرة الى

قوله في غير ما حديث

## (۲۳۵) عبادت کا ادب یہ ہے کہ اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف نہ لوٹے

اس میں صوفیہ کے اس قول کی دلیل بھی ہے کہ عبادت کا ادب یہ ہے

کہ اعلیٰ حالت سے ادنیٰ کی طرف نہ لوٹے چنانچہ حضور نے اس وقت تک کھڑے ہونے سے منع فرمایا ہے جب تک آپ کو دیکھ لیں مبادا تقدّر سے کوئی ایسی بات پیش آجائے جو موجب تاخیر ہو تو اس وقت لوگوں کو عبادت کے لئے کھڑے ہو جانے کے بعد قعود کی طرف لوٹنا پڑیگا جس میں ایک گونہ نقصان مرتبہ ہے۔

قوله الوجه الثامن فيه دليل لاهل الصوفة الحی  
قوله فيكون نقص مرتبة

### (۲۳۶) مقدم کا اہتمام پہلے کرو اگرچہ مؤخر اس سے اعلیٰ ہو

حدیث سے معلوم ہوا کہ سنت یہ ہے کہ جو کام مقدم ہو پہلے اس کا پورا اہتمام کیا جائے اگرچہ اس کا مابعد اس سے بھی ارفع و افضل کیوں نہ ہو چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تک مجھے نہ دیکھ لو اس وقت تک نماز کے لئے نہ کھڑے ہو۔ حالانکہ نماز یقیناً اقامت سے ارفع و اولیٰ ہے مگر اس وقت امام کو دیکھنے میں مشغول رہنا کماہر آگیا ہے یا نہیں جو درحقیقت اقامت کے حق کو ادا کرنا ہے۔ نماز میں مشغول ہونے سے اولیٰ ہے جو اقامت کے جملہ شرائط ادا کرنے کے بعد شروع ہوگی، اس میں حکمت کا ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ ہر حق دار کا حق پورا ادا کیا جائے اگرچہ قلیل ہی ہو۔ اعلیٰ کا حق ادا کرنا ادنیٰ کا حق ادا کرنے سے مانع نہ ہو۔ اسکی دلیل بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی ارشاد ہے۔ فلا تقوموا حتی ترونی

حدیث میں حضرات صوفیہ کی اس  
(۲۳۷) اولے حق وقت کا لحاظ رکھو  
تعلیم کی بھی دلیل ہے کہ وہ ادائیگی  
حق وقت میں مشغول رہنے اور اسکی نگہداشت رکھنے کی ترغیب دیا کرتے ہیں اگرچہ  
معمولی ہی حق ہو۔ کیونکہ امام کو دیکھتا رہنا (جس کی تعلیم اس حدیث میں ہے) ایک معمولی بات

ہے مگر چوں کہ اس وقت کا حق ہے تو اس کو چھوڑ کر اگلے کام میں مشغول نہ ہونا چاہیے اگرچہ وہ اس سے اعلیٰ ہی ہے۔ نئی وقت میں سستی سے کام نہ لو ورنہ عتاب یا مروت سے دوچار ہونا پڑے گا۔ بعض اہل خیر کا انشا دہے جو شخص اپنے وقت کا حق پوری طرح ادا کرتا ہے گا اگرچہ قلیل ہی ہو اس کا بوجھ ہلکا ہے گا، فکر کم ہوگا، علم درست ہوگا، عمل اچھا ہوگا، کامیابی اور معرفت کا لفظ اس کے لئے لست ہوگا۔ دین دنیا دونوں میں سود مند ہوگا۔

حق وقت کی تاکید حضرات فقہانہ بھی فرمائی ہے چنانچہ کتب فقہ میں مصدقہ ہے کہ تلاوت کرتے ہوئے اگر اذان ہونے لگے تو تلاوت کو موقوف کر کے اذان کا جواب دینا افضل ہے کیونکہ یہ حجاب سنت و وقت ہے اور سنت وقت دوسرے اعمال سے مقدم و افضل ہے اگرچہ وہ اعمال فی نفسہ اس سنت سے ارفع ہوں مگر حق وقت کی وجہ سے سنت وقت ان سے مقدم ہوگی۔ پس عارف کو ہر وقت یہ سوچنا چاہیے کہ اس وقت کا میسر اور پر کیا حق ہے؟ اگر کوئی غاص حق نہ ہو تو اللہ کی یاد میں لگا رہنا تو ایسا حق ہے جس سے کسی وقت کو خالی نہ جانے دیا جائے۔ جعلنا اللہ دایا عدا صما یحب ویرضی

## حدیث

## انتظار الامام

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ نماز کے لئے اقامت کی گئی تو لوگوں نے صفیں برابر کر لیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آگے بڑھ گئے حالانکہ آپ اس وقت جنابت کی حالت میں تھے پھر جب آپ کو یاد آیا کہ مجھے غسل کی ضرورت ہے تو فرمایا اپنی اپنی جگہ پر رہو پھر واپس گھر میں گئے اور غسل کیا پھر اس حالت میں تشریف لائے کہ آپ کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا اور آپ نے نماز پڑھائی۔

شرح ظاہر حدیث یہ ہے کہ لوگ نماز کی صفیں برابر کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرتے رہے یہاں تک کہ آپ لوٹ کر گھر میں گئے اور غسل کیا اور باہر تشریف لائے، اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۲۳۸) قرینہ حال سے کوئی حکم لگانا جائز ہے اس سے معلوم ہوا کہ قرینہ حال سے حکم لگانا جائز ہے جب کہ ایک صورت کے سوا کسی اور صورت کی گنجائش ہی نہ ہو اس کی دلیل صحابی کا یہ قول ہے۔ وہو جنب کہ آپ جنابت کی

حالت میں تھے، کیونکہ صحابی کو اس کا علم قنبرؓ حال ہی سے ہوا تھا اور قنبرؓ وہ ہے جو بعد میں بیان کیا ہے کہ آپؐ اس حالت میں تشریف لائے کہ سر سے پانی ٹپک رہا تھا (اس قرینہ پر نظر کر کے اس کے سوا اور کسی احتمال کی گنجائش نہیں کہ اس وقت حضورؐ کو غسل کی ضرورت تھی اور غسل بھی مستحب یا سنت تھا بلکہ فرض تھا۔ کیونکہ جب حضورؐ نے نماز کو چھوڑا حالانکہ لوگ صغیریں برابر کر چکے تھے اعلان کو اپنے انتظار کا حکم دیا پھر غسل کر کے آپؐ باہر تشریف لائے تو اس جگہ جنابت کے سوا اور کوئی وجہ نہیں بن سکتی۔ پس صحابی نے صبح کہا اگر کوئی دوسرا احتمال ہو سکتا تو صحابی یقیناً اور جزم کے ساتھ حکم نہ لگاتے اس پر یہ علمی مسئلہ مرتب ہوا کہ جس دلیل سے مدلول تک قطعی طور پر رسائی ہو جائے وہی علم صحیح حاصل کرنے کا راستہ ہے جس پر حکم لگا دینا چاہیے (خواہ قرینہ حال ہو یا کوئی دلیل عقلی یا نقلی ہو)

قوله الوجه السادس فيه دليل على جواز الحكم

بقريضة الحال الى قوله يجب الحكم به

فہ یہ قاعدہ علم فقہ اور علم تصوف دونوں میں مشترک ہے۔ فقہاء اور صوفیہ دونوں اس قاعدہ سے کام لیتے ہیں اگرچہ فقہاء قرآن پر حکم کم لگاتے ہیں اور صوفیہ زیادہ مگر قاعدہ دونوں کے یہاں مسلم ہے۔ لیکن قرینہ پر حکم لگانے کی یہ شرط ہے کہ اس میں ایک صورت کے سوا دوسری صورت کی گنجائش ہی نہ ہو جیسا واقعہ حدیث میں واضح ہے۔

(۲۳۹) حوائج بشریہ عبادت کے منافی نہیں

حدیث میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ جو چیزیں حوائج بشریہ میں داخل ہیں وہ عبادت کے منافی نہیں ہیں بشرطیکہ طریق مشروع یعنی جائز طریقہ پر ادا کی جائیں کیونکہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاجماع

سب سے زیادہ عبادت کرنیوالے تھے اور تم دیکھ رہے ہو کہ ضروریات بشریہ جماع وغیرہ کچھ بھی آپ کی عبادت میں مخل نہ ہوتی تھیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ضروریات کو طریق مشروع پیدا کرتے تھے اور بشریت کے اندر رہتے ہوئے غایت کمال یہی ہے کیونکہ اس وقت امور طبعیہ اور امر الہیہ کے تابع ہو جاتے ہیں اور اس کا غایت کمال ہونا ظاہر ہے کہ احکام الہیہ طبعیت ثانیہ بن جاتی ہیں اور امور طبعیہ احکام الہیہ کے تابع ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

ولقد ارسلنا رسلا من قبلك وجعلنا لہما زواجا  
وذریۃ

اور ہم نے آپ سے پہلے بھی بہت رسول بھیجے ہیں اور ہم نے ان کو بھی  
بیوی بچے دیئے تھے۔

مطلب دی ہے کہ سب کے سب ضروریات بشریہ کا حق ادا کرتے تھے اور بیوی بچوں کا ذکر خاص طور سے اس لئے کیا گیا کہ یہ دونوں ان اسباب میں سب سے اعظم و اشد ہیں جن سے عام لوگ مبتلافتن ہوتے ہیں۔ نیز نکاح تمام شہوتوں میں سب سے بڑی شہوت ہے۔ غرض اس آیت سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پوری طرح طبعیت بشریہ پر تھے (تقاضائے بشریت سب کے سب ان کے اندر موجود تھے اور وہ سب کا حق ادا کرتے تھے۔ مگر یہ ان کو احوال عالیہ کا حق ادا کرنے یعنی نبوت و رسالت کا حق پوری طرح ادا کرنے سے ذرا مانع نہ ہونا تھا اور اسی سے دوسروں کا عذر ساقط ہو گیا کہ بشریت کے ساتھ حق عبادت ادا نہیں ہو سکتا۔ حق تعالیٰ نے اس عذر کو باطل کرنے کے لئے ہی انبیاء و رسل فرشتوں میں سے نہیں بھیجے بلکہ انسانوں میں سے بھیجے تاکہ ان کو دیکھ کر یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ ضروریات بشریہ اور طبعیت انسانیہ ان احکام کی سجا آوری سے مانع نہیں

ہو سکتی تھی کا بارگاہ ربوبیت نے ان کو مکلف بنایا ہے پس اللہ کی حجت  
بندوں پر قائم ہوگئی

قل فللّٰہ الحجۃ الباقیۃ  
کہد بیجئے عبت کاملہ تو اللہ ہی کیلئے ہے

(۲۴۰) دین کے معاملہ میں حیا و شرم نہ کرنا چاہئے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دین کے معاملہ میں حیا و شرم کی ضرورت  
نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اپنا جنبی ہونا یاد آ گیا تو آپ  
نے کوئی بہانہ نہیں کیا نہ سر کو چھپایا تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ نکسیر بھوٹ  
گئی ہوگی اور جنابت کا حال مخفی ہے بلکہ آپ نے صورت واقعہ کو اسی کے  
حال پر چھوڑ دیا تاکہ اس سے یہ قاعدہ اخذ کر لیا جائے جس کا ہم نے  
ذکر کیا ہے کہ دین کے معاملہ میں شرم عرفی کی ضرورت نہیں۔

قوله الوجهہ الثامن فیہ دلیل علی عدم الحیاء  
فی الدین الی قوله حتی تفقد هذه المقاعدة التي ذكرنا

(۲۴۱) عبادت میں کاوش اور وہم کرنا بدعت ہے

حدیث میں اس کی بھی دلیل ہے کہ عبادت میں کاوش کرنا اور وہم  
میں پڑنا یا بدعت ہے (اگر بقصد ہے) یا مصیبت ہے (اگر بلا قصد  
ہے) یہ اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل  
میں زیادہ دیر نہیں کی جس کی دلیل معافی کا یہ پر شوکت قول ہے  
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو کھڑا ہوا چھوڑا اور واپس تشریف  
لے گئے پھر غسل کیا اور باہر آگئے مچران کو نماز پڑھائی جس سے معلوم  
ہوتا ہے کہ لوگ آپ کے انتظار میں کھڑے ہی رہے۔ اگر آپ کا غسل



دیر میں ہوا کرتا تو آپ یقیناً صحابہ کو بیٹھنے کا حکم دے کر جاتے کیونکہ امت کے ساتھ آپ کی نرمی اور شفقت اور تمام امور میں یسرو سہولت کی رعایت جس قدر تھی وہ ایسی بدیہی ہے جس کے لئے وسیل بیان کرنے کی حاجت نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل سے ایک اور علمی

**وضو اور غسل میں جلدی کرنا اور نماز میں دیر کرنا**

مسلکہ معلوم ہوا کہ طہارت میں خواہ وضو ہو  
**ہی سنت ہے** یا غسل جلدی کرنا اور نماز میں دیر تک  
 مشغول رہنا ہی سنت ہے، حضور نے اس مسئلہ کو اپنے عمل سے ظاہر  
 فرمادیا کیونکہ عملی تعلیم قولی تعلیم سے زیادہ مؤثر ہوتی ہے، اسی طرح  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بھی عادت تھی کہ خطبہ کو مختصر کرتے تھے  
 اور نماز کو طویل، مگر آج کل اکثر مدعیان علم کا طرز عمل اس کے خلاف ہے۔  
 پھر ہم سے ان کی اقتداء کیونکر ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی  
 سنت کے خلاف چلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے فضل و احسان سے اس بلا  
 سے بچائے۔

قوله فی دلیل علی ان التعمق فی العبادۃ والوسواس الی

قوله اعاذنا اللہ من ذلك بمنہ

**(۲۲۲) عبادت میں اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف رجوع نہ کرنا چاہیے**

اس میں صوفیہ کے اس قول کی بھی دلیل ہے کہ عبادت کر نیوالے  
 کو اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف رجوع نہ کرنا چاہیے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے صحابہ کو یہ حکم دیا کہ اپنے حال پر رہو بیٹھنے کا حکم نہیں دیا کیونکہ اس  
 وقت وہ توجہ (الی اللہ) کے لئے کھڑے ہو چکے تھے تو حضور نے یہ پسند

تہ کیا کہ ان سے یوں کہا جائے کہ پھر پہلی حالت کی طفر لوٹ جاؤ اور بیٹھا جاؤ بلکہ یہ فرمایا کہ اپنی جگہ پر رہو۔

(۲۴۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں

کا ایمان زیادہ قوی تھا حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نماز کا بعد سے زیادہ قوی تھا کیونکہ صحابی فرماتے ہیں کہ لوگوں نے صفیں برابر کر لیں اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صفوں کو سیدھا کرنے کا حکم دینے کی نوبت نہیں آئی۔ نیز آپ کو صفیں سیدھی ہوجانے کی خبر دینے کی ضرورت نہیں ہوئی بلکہ لوگوں نے خود ہی صفیں سیدھی کر لیں اور حضور بھی بے فکر رہے اور زمانہ خلافت کے متعلق روایات میں یہ آیا ہے کہ انہوں نے کچھ آدمیوں کو صفیں سیدھی کرنے پر مامور کر رکھا تھا جب تک وہ اکرا اطلاع نہ دیتے کہ صفیں برابر ہو گئی ہیں اس وقت تک وہ حضرات نماز کے لئے تکبیر نہ کہتے تھے جیسا امام مالکؒ نے موطا میں رعایت کیا ہے تو دونوں نعمانوں کے ایمان میں فرق نمایاں ہو گیا۔ پھر ہمارے زمانہ کے ایمان کا حال کیا پوچھتے ہو اللہ تعالیٰ اپنے فضل ہی سے ہم کو ایمان کا بڑا حصہ عطا فرمائے۔

وقت ایمان ہی سے اعمال میں سہولت ہوتی ہے

یہاں سے ایک علمی مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا کہ وقت ایمان کے اندازہ ہی سے اعمال صالحہ میں خفت اور سہولت ہوتی ہے جسکی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے

وانہا کعبیرۃ الا علی الخاشعین

نماز بیشک بہت گراں ہے مگر اہل خشوع پر نہیں

اس کمال وقت ایمان ہی کا یہ اثر تھا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں سے ایسے کارنامے ظاہر ہوئے جو دوسروں کے ہاتھوں ظاہر نہیں ہوئے اور نہ وہ اس پر قادر ہیں، صحابہ کے بعد حضرات موفیہ کا درجہ ہے کہ ان کے ابدان کو ان مجاہدات (شاقہ) کا تحمل اور ان پرمان حالات عالیہ کا ظہر اسی وقت ایمان کی وجہ سے تو ہے (جو ان کو دوسروں سے زیادہ حاصل ہے)

قوله الوجه الثاني عشر فيه دليل على ان الایمان

الى قوله الا بقوة ایمانهم

(۲۲۴) جماعت کو امام کا انتظار کرنا چاہیے حدیث سے معلوم ہوا کہ

جماعت کو امام کا انتظار کرنا چاہیے جب اسے کوئی عذر پیش آجائے بشرطیکہ نماز میں داخل نہ ہو گئے ہوں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ انتظار اسی وقت کیا جائے جبکہ عذر تھوڑی دیر کا ہو جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عذر اتنی دیر کا تھا کہ آپ نے غسل کر لیا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ امام کا انتظار اسی وقت کیا جائے جب کہ اس نے جماعت کو انتظار کا حکم دیا ہو یہ مضمون اس حدیث کو اس حدیث کے ساتھ ملانے سے مفہوم ہوا جس میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار بعض عسکر قبائل میں صلح کرانے کے لئے قبا تشریف لے گئے اور نماز کا وقت آگیا تو صحابہ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے ہیں تو صحابہ نماز میں تھے آپ نے ان کے ساتھ اپنی نماز پوری کی۔ نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ تم نے

اچھا کیا اور کہا قال صلی اللہ علیہ وسلم کیونکہ جب آپ باہر تشریف لے گئے اور لوگوں کو یہ حکم نہیں دیا کہ نماز میں آپ کا انتظار کریں تو صحابہ نے نماز کا وقت ہو جانے پر نماز شروع کر دی جس کے وہ مامور تھے اور اس واقعہ میں حضور نے ان کو انتظار کا حکم دیا تھا تو انہوں نے حکم کی تعمیل کی، ان دونوں حدیثوں کے ملانے سے وہ علی مسئلہ مستنبط ہوا جس کو ہم نے ابھی بیان کیا ہے، البتہ اگر نمازیوں کو یقین ہو یا گمان غالب ہو کہ امام کا عذر قحطی دیر کا ہے تو اگرچہ اس نے انتظار کا حکم نہ دیا ہو تب بھی اس کی حرمت کی وجہ سے کچھ دیر تک اس کا انتظار کرنا چاہیے جبکہ وقت میں گنجائش ہو اور وقت مسعوب کے ٹپکنے کا اندیشہ نہ ہو بلکہ بعض علماء نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ نمازیوں میں سے بھی اگر کوئی شخص کسی خاص مسجد میں نماز پڑھنے کا پابند ہو اور نماز کا وقت آجائے اور وہ شخص نہ آیا ہو تو اتنی دیر اس کا انتظار کیا جائے جتنی دیر میں ایک نماز ادا ہو جائے۔ یعنی دو رکعت کے برابر انتظار کیا جائے۔ اس کے بعد نماز شروع کر دیں کیونکہ اس کی پابندی کا بھی ایک حق ہے جس کا احترام کرنا چاہیے اسکی بیفہمی نہ کرنا چاہیے اور یقیناً امام کی حرمت اور اس کا حق بہت زیادہ ہے۔ خوب سمجھ لو

اسی مناسبت سے ہم ایک شیخ کی حکایت بیان کرتے ہیں جو نماز نمازوں میں پابندی سے آیا کرتے تھے اور مسجد کے دروازہ پر اذان دے کر مسجد میں داخل ہوتے تھے ایک دن وقت معین سے ذرا پیچھے و گئے تو مؤذن نے نماز کے لئے اقامت کہہ دی اور لوگوں نے نماز شروع کر دی شیخ تشریف لائے تو لوگوں کو نماز میں دیکھا جس سے ان کا دل متغیر ہوا کیونکہ آج ان سے اذان و اقامت فوت ہوئی اور تکبیر تحریمہ بھی فوت ہوئی مگر انہوں نے کسی کو کچھ نہیں کہا۔ جب رات ہوئی تو مؤذن نے خواب میں

سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ اس سے فرمایا ہے ہیں  
تأدب مع الشیخ شیخ کیساتھ مؤدب ہو کر رہو  
(تمیز سے کام کیا کرو بذمیزی کا معاملہ نہ کرو)

جب صبح کی نماز کیلئے شیخ تشریف لائے تو خود ہی مؤذن سے  
فرمایا کیا تو نے یہ سمجھا ہے کہ میری ساتھ کوئی نہیں جو میرا بدلہ لے (شیخ  
کو مؤذن کا خواب بطور کشف کے پہلے ہی معلوم ہو گیا) تب مؤذن نے  
توبہ کی اور شیخ سے معافی مانگی، اسی طرح جو شخص بھی اپنے مولیٰ کے ساتھ  
چائی کا معاملہ کرتا ہے وہ اسکی مدد کرتا ہے۔

قوله في الوجه الاول والثاني والثالث ان الجماعة

ينتظرون الامام الى قوله فانه ينصره

فے ہر چند کہ یہ مسئلہ تصوف کا نہیں مگر صوفیہ کے معمولات میں سے ہے  
وہ اپنی خانقاہوں کی مسلجہ میں شیخ کا انتظار نماز کے لئے ضرور کرتے ہیں  
بدون شیخ کے نماز شروع نہیں کرتے چونکہ عموماً خانقاہوں کی مسلجہ میں اہل  
خانقاہ ہی زیادہ ہوتے ہیں جن کو شیخ کا انتظار گراں نہیں ہوتا اس لئے  
اس انتظار میں کوئی قباحت نہیں جب تک وقت میں گنجائش ہے۔ خانقاہ  
امدادی میں حالانکہ کسی کو بھی حفتہ شیخ کی تشریف آوری سے پہلے نماز شروع  
کرنا اچھا نہیں معلوم ہوتا بلکہ گراں گذرتا ہے مگر حفتہ شریک الامت کا ارشاد ہے  
کہ پانچ منٹ سے زیادہ میرا انتظار نہ کیا جائے۔ بہ حال انتظار امام کے لئے یہ  
حدیث عجت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

## حدیث

### سبعة يظلهم الله يوم القيامة في ظل عرشه

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ سات شخص ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے سایہ میں جگہ دیں گے جس دن کہ اس کے سایہ کے سوا کہیں سایہ نہ ہوگا۔

(ایکٹ) امام عادل اور

(دوسرا) وہ جوان جس کا اٹھان اپنے پروردگار کی عبادت میں ہوا ہو اور

(تیسرا) وہ شخص جس کا دل مسجدوں ہی میں اٹکا رہتا ہو اور

(چوتھے) وہ دو شخص جن میں باہم اللہ کے لئے محبت ہو اسی پر جمع

ہوتے ہیں اسی پر جلا ہوتے ہیں۔ اور

(پانچواں) وہ شخص جس کو کسی معززہ خوبصورت عورت نے اپنے پاس

غرض نفسانی کے لئے بلایا اور اس نے صاف کہہ دیا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور

(چھٹا) وہ شخص جس نے کچھ صدقہ کیا اور چھپا کر دیا یہاں تک کہ اس کے ہاں

لہذا کو سی خبیث ہیں ہوتی کہ دایاں ہاتھ کی خرچ کر رہا ہے۔ اور  
(سائٹاؤں) وہ شخص جس نے اللہ عزوجل کو تنہائی میں یاد کیا پھر اس کی  
آنکھیں بند نہ لگیں، (اللہ کی محبت یا ہیبت سے رونے لگا)  
ظاہر حدیث تو یہ ہے کہ ان سات شخصوں کو جن کا ذکر ہوا اللہ  
تعالیٰ قیامت میں سایہ کی بچہ دیں گے جبکہ اللہ کے سوا کسی کے  
پاس سایہ نہ ہوگا، اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۲۴۵) اعمال صالحہ دلیل سعادت ہیں <sup>حدیث میں اس</sup> بات کی دلیل  
ہے کہ اعمال صالحہ انسان کی سعادت پر دلالت کرتے ہیں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ سات شخص ہیں جن کو حق تعالیٰ  
قیامت میں سایہ دیں گے پھر آپ نے سایہ کا سبب ان اعمال کو بتلایا  
جن کا حدیث میں ذکر ہے۔

قوله الوجه الثاني فيه دليل على ان اعمال الخير دالة  
الى قوله فجعل موجب الظل تلك الاعمال

(۲۴۶) اعمال صالحہ سب مطلوب ہیں <sup>حدیث سے معلوم ہوا</sup> کہ ہم سے تمام اعمال  
صالحہ مطلوب ہیں اگرچہ بعضے افعال فرض و واجب بھی نہ ہوں کیوں کہ  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اعمال کا ثواب بیان فرما دیا اور ان  
سب کے بدلے لانے کا حکم نہیں دیا بلکہ ان میں سے بعض کا تو اپنے حکم دینے  
جو واجب ہیں اور بعض کا حکم نہیں دیا وہ مستحب ہیں کیونکہ فائدہ کا زیادہ ہونا  
ضمناً خود ہی عمل پر ترغیب دیتا ہے۔

قوله فيه دليل على ان جميع افعال البر مطلوبة منا الى

قوله لان كثرة البر يحتمل بعضه على المعاملة

(۲۴۷) ثواب کی بناء کسی علت پر نہیں۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ اعمال پر ثواب کا عطا

ہونا کسی علت عقلیہ یا علت ذاتیہ پر معنی نہیں کیونکہ ان سات اعمال میں سے بعض واجب ہیں اور بعض مستحب ہیں اور ثواب سب کا برابر ہے کہ عرش کا سایہ عطا ہوگا اور دلائل شرعیہ کی بناء پر امت کا اس پر اتفاق ہے کہ فرائض کا مرتبہ دو کمر اعمال سے بڑھا ہوا ہے پس اگر ثواب کی بناء پر کسی علت پر ہوتی تو فرض و مستحب کا ثواب برابر نہ کیا جاتا حالانکہ یہاں برابر کر دیا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ کسی علت کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر ہے۔

قوله فی الوجه الخامس فیہ دلیل علی ان اعطاه الاجور علی

الاعمال الی قوله فلیس ذلک لعلته

(۲۴۸) خواہش نفس کو پوری طرح رہانا اور اخلاص حقیقی

حاصل کرنا ہی کامیابی کا سبب ہے یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ ان سات اعمال

کے ساتھ اس ثواب کا مخصوص ہونا امر تبعیدی ہے جس کی کوئی علت عقلی نہیں یا قیاسی ہے جس کی علت عقل سے معلوم ہو سکتی ہے؟ اگر کہا جائے کہ یہ امر تبعیدی ہے جس کی علت عقل سے معلوم نہیں ہو سکتی تب تو کچھ بحث نہیں اگر یہ کہا جائے کہ اسکی علت مقول ہے تو وہ کیا ہے؟ تو اس سوال کا جواب واللہ اعلم یہ ہے کہ یہاں دو علتیں ہیں ایک تو پوری قوت سے نفس کو اور اس کی خواہش کو رہانا اور یہ دنیا و آخرت کی خیر کے لئے بڑا سبب ہے، کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

و نهی النفس عن الهوى فان الجنة هي المأوى



”اور جس نے نفس کو خواہش سے روک لیا تو جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہے“

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے  
رجعتہ من الجہاد الا صغر الى الجہاد الا کبر و هو جہاد النفس  
اب تم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف واپس جاتے ہو  
جو کہ نفس کا جہاد ہے۔

اور دوسری علت حقیقت اخلاص کا حاصل ہونا ہے اور اس کی عظمت اور اس کا موجب ترقی و رفعت ہونا ظاہر ہے۔ حق تعالیٰ جل جلالہ فرماتے ہیں  
وما امرنا الا لیعبدا واللہ مخلصین لہ الذین  
لوگوں کو اور کسی بات کا حکم نہیں دیا گیا۔ بجز اس کے کہ اللہ کی عبادت  
کریں غلو ص کے ساتھ اللہ کے لئے منقاد بن کر۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے  
ان اللہ لا یقبل عمل امرئ حتی یتقنہ قالوا وما یتقنہ  
یا رسول اللہ قال یمخلصہ من الریاء والبدعة  
اللہ تعالیٰ کسی شخص کا عمل اس وقت تک قبول نہیں کرتے جب تک اس کو  
پنچتہ نہ کر لے۔

صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ عمل کی پختگی کیا ہے فرمایا یہ کہ اس کو  
ریاء اور بدعت سے پاک کر لے اور ریاء کا چھوڑنا ہی عین اخلاص ہے اور  
ان دونوں علتوں کی علت اللہ عز وجل کا خوف ہے (خوف ہی کی وجہ سے  
اخلاص کی طلب اور ریاء سے نفرت ہوتی ہے اور اسی سے نفس کو دبانے  
اور اس کی خواہشوں کو فناء کرنے کی ہمت ہوتی ہے۔ اب تم ان سب  
میں الگ الگ غور کرو تو خود ہی اسکی تصدیق کرو گے۔

چنانچہ اول امام عادل ہی کو لو کہ وہ اپنے کو محض شدت خوف الہی

کی وجہ سے ہی ظلم سے نوکت اور اپنے نفس کو عدل پر مجبور کر تلے ہے ،  
 باوجودیکہ اس کو ظلم پر قدرت حاصل ہے کیونکہ وہ ظالمانہ حکم بھی دے سکتا  
 ہے اور دوسروں کو دبا بھی سکتا ہے کوئی اس کو ظلم سے روک نہیں سکتا  
 اب بجز شدت خوف خدا کے کیا چسپکے جو اس کو عدل پر مجبور کر رہی ہے  
 اور ایک حدیث میں اس شخص کی حکایت ہے جس نے اپنے گھر والوں  
 کو وصیت کی تھی کہ جب میں مرجاؤں مجھے جلا دینا چنانچہ وہ مر گیا تو انہوں  
 نے ایسا ہی کیا حتیٰ تعالیٰ نے اس کے تمام اعضاء کو جمع کیا اور زندہ کر کے  
 اس سے پوچھا کہ تو نے ایسی وصیت کیوں کی تھی کہا اے پڑ گوار! بعض تیرے  
 خوف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسکو بخش دیا، تو شدت خوف ہی اس شخص کی  
 نجات کا سبب بنی۔ رہا وہ جوان جس کا اٹھان اللہ کی عبادت میں ہوا، تو  
 ظاہر ہے کہ عبادت حقیقت میں نفس کو دبانا اور راحت سے نکالنا اور  
 مجاہدات پر آمادہ کرنا ہے اور اس پر مداومت باوجودیکہ جوانی کے زمانہ میں  
 نفس کی خواہشیں زوریں پر ہوتی ہیں بدون خوف شدید کے نہیں ہو  
 سکتی اسی لئے ایک نوجوان عابد کی نسبت منقول ہے کہ وہ بستر پر لیٹتے  
 تو سو نہیں سکتے تھے بس یہ کہہ کر کھڑے ہو جاتے کہ اے اللہ! آپ جانتے  
 ہیں کہ آپ کی جہنم کے خوف نے مجھے سونے سے روک دیا ہے اور کھڑے ہو  
 کر صبح تک نماز پڑھتے رہتے۔ رہا وہ شخص جس کا دل مسجدوں میں اٹکا ہوا  
 ہو تو بظاہر ہے کہ اخلاص حقیقی دل کو عبادات سے پیوستہ کر دیتا ہے

عہ مروی میں مسجد ہے خواہ کسی مسجد سے دل اٹکا ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 جمع کا صیغہ غالباً اسلئے اختیار فرمایا کہ اس زمانہ میں المسجد سے متبادر مسجد حرام یا مسجد نبوی  
 ہوتی تھی اور مقصود تعیم تھی اس لئے المسجد کی جگہ المساجد جمع علی باللام کا صیغہ اختیار فرمایا  
 جو استغراق یا جنس پر دل ہوتا ہے قالہ الشارح ۱۲

اور تمام عبادات میں ارفع و اعلیٰ نماز ہے اور نمازوں میں سب سے ارفع وہ ہے جو مسجدوں میں ادا ہوتی ہے تو یہ شخص اخلاص کی وجہ سے اعلیٰ درجے کی عبادت کی دُھن میں لگا رہتا ہے جیسا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت منقول ہے کہ لوگوں نے ان کا نام امام المسجد المسجد کا کہو تہ کہ لیا تھا کیونکہ وہ مسجد سے بہت لگے لپٹے رہتے تھے، اور جن دو شخصوں میں اللہ کے لئے محبت ہو اسی پر جمع ہوں اسی پر جدا ہوں یعنی محض منہ دیکھے کی محبت نہیں بلکہ سچی اور واقعی محبت ہے جو ملاقات و اجتماع کے وقت بھی رہتی ہے اور مفارقت و جدائی کی حالت میں بھی رہتی ہے تو یہ بات ان دونوں کے شدت اخلاص ہی سے پیدا ہو سکتی ہے یہاں تک کہ نفس کی کوئی خواہش کوئی غرض اور کسی شے کی طلب درمیان میں نہ ہو محض اللہ کا واسطہ ہو اور اللہ کے لئے تعلق ہو۔

رہا وہ شخص جس کو کسی معزز و خوبصورت عورت نے اپنے پاس بلایا اور اس نے صاف کہہ دیا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں تو یہ بات سختی کے ساتھ نفس کی خواہشوں کے دبانے سے حاصل ہو سکتی ہے، اور اس کا سبب شدت خوف خدا ہوتا ہے، رہا یہ سوال کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیوں فرمایا کہ عزت دار خوبصورت عورت نے بلایا حالانکہ عورت تو ہر حالت میں بڑا فتنہ ہے خواہ معزز ہو یا ذلیل خوبصورت ہو یا بدصورت۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

عہ اس زمانہ کی تہذیب تو یہ تھی اب اپنے زمانہ کی تہذیب ملاحظہ ہو کہ ملائوں کو مسجد کا مینڈھا کہا جاتا ہے۔ ایک رئیس نے کسی طالب علم کو مسجد سے آتا دیکھ کر کہا وہ آگے مسجد کے مینڈھے تو اس نے برجستہ جواب دیا کہ مسجد کا مینڈھا سب

دنیا سے اچھا ہے۔ خاموش ہی تو رہ گئے ۱۲ ظ

ما تزلزل بعدی فتنۃ ہی اضری الرجال من الفسار  
میں نے اپنے پیچھے کوئی فتنہ مردوں کے حق میں عورتوں سے  
زیادہ خطرناک نہیں چھوڑا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان دو وصفوں کو اس لئے بیان کیا گیا ہے تاکہ  
یہ بات محقق ہو جاوے کہ اس کے انکار کا سبب شدت خوف خداوندی کے  
سوا اور کچھ نہ تھا کیونکہ اگر کوئی ذلیل عورت شریف آدمی کو بلائے اور وہ  
انکار کرے تو احتمال ہو سکتا ہے کہ انکار کا منشا عتق نفس ہے اس  
کی شرافت نے ایسی ذلیل عورت سے اختلاط گوارا نہ کیا، اسی طرح  
بدعت عورت نے کسی کو اپنی طرف بلایا اور اس نے انکار کر دیا تو احتمال ہو  
سکتا ہے کہ طبعی نفرت کی وجہ سے انکار کیا ہے مگر جہاں یہ دونوں باتیں  
نہ ہوں بلکہ عورت معزز خاندان کی ہو اور خوبصورت بھی ہو اور خود ہی  
طالبہٴ جمال بھی ہو اس صورت میں مرد کے انکار کا منشا خوف خداوندی کے  
سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ نیز یہ کہ ان دونوں وصفوں میں سے ہر اک کو عورت  
کی طرف رغبت و میلان اور شہوت جماع کے بھڑکانے میں بڑا دخل  
ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

تتزوج المرأة لجمالها او حسنها

عورت سے شادی کی جاتی ہے اسکے جمال کی وجہ سے یا شرافت کی وجہ سے اور  
جس چیز کی طرف ایک سبب بھی رغبت ہو جاتی ہے وہاں اگر دو سبب  
رغبت کے جمع ہو جائیں تو ظاہر ہے کہ رغبت زیادہ اور خواہش پور قوت  
کے ساتھ ہوگی۔ اسی لئے اس خواہش کے بدلنے پر ثواب بھی بہت زیادہ  
عطا ہوا۔

اس کی نظیر بعض صوفیہ سے منقول ہے کہ ان میں سے کچھ تو خلوت میں  
مقید تھے اور بعض مقید نہ تھے پھر ان کو فتوحات میں عمدہ کھانا ملا ہوا

تو شیخ نے فرمایا خلوت والوں کو مفتدم کر دو پہلے ان کے سامنے یہ کھانا  
 لکھو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، تو ان میں سے بعض نے کھانے کو دیکھتے ہی اپنے  
 دو سر بھائیوں کو خبر دیئے چل دیئے یہ بھی معلوم نہ کیا کہ یہ کیا ہے اور کس  
 قسم کا کھانا ہے اور بعضوں نے کھڑے ہی کھڑے کھانے کو کھولا اس کو  
 دیکھا اور پہچان لیا کہ کیا ہے اور بدن کھائے چل دیئے اور بعض نے  
 اس کو دیکھا اور ایک لقمہ اٹھا کر منہ میں دیا اس کا مزا چکھا (لذت حاصل کی)  
 یہاں تک کہ مزا چکھنے کی وجہ سے کھانے کی خواہش نے زور کیا مگر اس کے بعد  
 اس نے دوسرا لقمہ نہیں لیا بلکہ چھوڑ کر چل دیا تو اس شخص کا زہد جس نے  
 کھانے کا مزا چکھ لیا تھا دو دھڑوں سے بڑھا ہوا تھا کیونکہ اس کی خواہش  
 زبردست تھی جس کو اس نے قوت سے دبا دیا (دوسروں نے کھانے کو  
 دیکھا اور چکھا ہی نہیں تو خواہش کیا خاک ہوتی۔

رداءہ جس نے صدقہ کیا اور چھپا کر دیا حتیٰ کہ بائیس لاکھ کو بھی خبہ ہوئی  
 کہ واپس نے کیا کیا تو یہ کمال اخلاص ہی سے ہو سکتا ہے۔ اسی کے  
 قریب بعض صوفیہ سے منقول ہے کہ وہ کسی کا ہدیہ بہت کم وصول کیا  
 کرتے تھے۔ ایک دن عشاء کے بعد ایک شخص نے ان کا دروازہ کھٹکھٹایا  
 وہ باہر آئے تو دیکھا کہ ان کا ایک پڑوسی ہے جو کپڑا سینے کا کام کرتا تھا پوچھا کیا  
 کہنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا کہ آج میں نے اتنی رقم کا کپڑا سیا ہے اور اس  
 سے یہ کھانا خیر کر لایا ہوں جو میکے ساتھ ہے اور کچھ گھر کی ضرورت کی  
 چیزیں خرید لی ہیں اور میرا خیال ہے کہ یہ سب حلال طریقہ سے حاصل  
 کیا ہوا ہے میں اس کو خوشی کے ساتھ آپکے واسطے لایا ہوں اور اس  
 وقت اندھیرا رات ہے اور بچہ امیں نے کسی کو اس ہدیہ کی اطلاع نہیں  
 کی اور نہ کسی نے مجھے آپکے پاس آتا ہوا دیکھا، وہ کھانا یہ ہے اس کو لے لیجئے  
 یہ کہہ کر دروازہ ہی میں اس کو رکھ کر چلتا بنا، تو دیکھو اس درجہ اہتمام اختتام

پراس شخص کو اس بات ہی نے تو برا گنہگار کیا تھا کہ اس کو عمل میں اخلاص کی طلب تھی۔

دہاؤہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور اس کی آنکھیں بند نہ لگیں تو اس میں تو دونوں وصف مجتمع ہیں۔ خوف بھی اور اخلاص بھی اور ان اوصاف حمید میں سے کوئی وصف بھی اس وقت تک پوری طرح حاصل نہیں ہوتا۔ جب تک نفسانی صفات زائل نہ ہو جائیں، جس قدر صفات نفس غائب ہوں گی، اسی قدر راستہ کھلے گا۔ اسی لئے بعض لوگوں کا جن کو اس قوم (صوفیہ) سے تعلق نسبت حاصل ہے یہ ارشاد ہے کہ جب تک تیری نظر اپنے نفس پر ہے اس وقت تک تو اس کے سوا کسی کو نہ دیکھے گا اور جب اپنے نفس سے نظر ہٹالے گا تو کوئی چیز بھی تیری نظر سے غائب نہ ہے گی، پس ان چیزوں کے دیکھنے کی رغبت کر جن کو تو شمار بھی نہیں کر سکتا (ایک اپنے نفس کو دیکھنے سے کیا ملے گا اور ہمارے بندگوں کا ارشاد ہے کہ بشمار چیزوں کے دیکھنے سے بھی کیا فائدہ؟ اس ایک کو دیکھو جس کے دیکھنے کے بعد کسی کے دیکھنے کی ہوس ہی دل میں نہ آئے۔

دل ہو وہ جسمیں کچھ نہ ہو جلوہ یار کے سوا

میری نظر میں خاک بھی جاں جہاں نما نہیں

اور بعض کمالات وہ ہیں جن کے ایک ذرہ کی معرفت بھی تجھ کو اس وقت تک حاصل نہ ہوگی جب تک اس چیز سے اعراض نہ کرے جو حقیقت میں فائدہ کے برابر بھی نہیں یعنی دنیا اور سب بڑی دنیا تیرا نفس ہے اور جب تجھ کو یہ وصف حاصل ہو جائے یعنی دنیا سے اور اپنے نفس سے تیری نظر ہٹ

ع ع اس مقام کو ناپید مہرِ خود دل نہیں کر سکا حضرت حکیم الامت دام مجدم

نے اسکو عمل فرمایا وللہ الحمد ۱۲ ظ

جلے تو ساری مخلوق تیرے ایک ذرے کے بھی برابر نہ ہوگی یعنی اس وقت تیری قیمت اللہ کے نزدیک بہت زیادہ ہوگی۔

قوله في الوجه العاشر وهنا بحث هل هذه السبعة خصت بهذا الثواب تعبد الى قوله في الوجه السابع عشر عاد الوري  
باسرعة لا يعدل منك ذرّة

فے یہ حدیث طریق صوفیہ کی واضح عبت ہے کیونکہ جن اعمال عظیمہ پر اس میں اجر عظیم کی بشارت دی گئی ہے ان پر حضرات صوفیہ ہی پوری طرح عامل ہیں خصوصاً ہر شخص کے ساتھ عدل کا معاملہ کرنا اور مسجدوں میں دل کا انکار نہ کرنا اور باہم اللہ کے لئے محبت کرنا اور کسی ہی حسین و جمیل عورت بلئے اللہ کا خوف کر کے اس سے بچ جانا اور تنہائی میں اللہ کی یاد میں رہنا اور چھپا کر صدقہ خیراً کرنا ان حضرات کا معمول خاص ہے، معتبر لوگوں سے سنا ہے کہ حضرت مولانا گنگوہی قدس اللہ سرہ مولانا محمد یحییٰ صاحب دعتہ اللہ علیہ کی مفت گنگوہ کی بیواؤں غریبوں کے مکان پر عشا کے بعد روپیہ بھجاتے تھے اور مولانا محمد یحییٰ صاحب اپنے منہ پر لنگی یا ڈمرا بطور نقاب کے ڈال لیتے تھے تاکہ کوئی پہچانے نہیں جب حضرت کے وصال کے بعد رات کو روپیہ کی تقسیم موقوف ہوئی اس وقت بیواؤں اور غریبوں کو علم ہوا کہ یہ سب کچھ حضرت قدس سرہ کی طرف سے ہوتا تھا اور اگر انہیں عمر میں مولانا کی بینائی زائل نہ ہوگئی ہوتی تو شاید حضرت والا اس تقسیم میں مولانا محمد یحییٰ صاحب کو بھی واسطہ نہ بناتے اور خود اپنے ہاتھ ہی سے اس کام کو انجام دیتے تاکہ بایں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہوتی کہ وائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔

فے یہ صدقہ نافلہ ہے جس کے چھپا کر دینے میں اتنا ثواب ہے اور صدقہ فرض یعنی زکوٰۃ اور صدقہ فطر وغیرہ کو ظاہر کر کے دینا افضل ہے کیونکہ

اختیار کی فضیلت ریل سے بچنے کے لئے ہے اور فرائض میں دیا نہیں ہوتی جو کام فرض ہے اس کے بجا لانے میں کیا دیا؟ وہ تو سب ہی کرتے ہیں مگر نہ کوۃ و صدقہ فطر کے ظاہر کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ جس غریب کو دو اس کو زکوۃ کا روپیہ کہہ کر دو، اس کی ضرورت نہیں بلکہ یوں کہنا اچھا بھی نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے غریب کو نقد وغیرہ دو چھپا کر نہ دو تاکہ لوگ خواہ مخواہ بدنام نہ کریں کہ فلاں شخص کے پاس اتنا روپیہ ہے مگر ہم نے کبھی اس کو زکوۃ دیتے ہوئے نہ دیکھا، اگر تم دو چار کے سامنے زکوۃ کی رقم دیتے رہو گے تو تمام مسلمان بدگمانی سے بچیں گے ان کو تم سے ہمدردی بھی ہوگی اور کیا عجب ہے کہ تم کو دیکھ کر کوئی دوسرا مالدار بھی زکوۃ دینے لگے تو اس کے عمل کا ثواب بھی تم کو ملے گا اگرچہ اس کا ثواب بھی کم نہ کیا جائے گا۔

## (۲۴۹) اللہ کے واسطے محبت کرنیوالوں کی تین قسمیں ہیں

المخالون فی اللہ یعنی اللہ کے واسطے باہم محبت کرنیوالوں کی تین قسمیں ہیں ایک یہ کہ اللہ کے واسطے محبت ہو مگر ساتھ میں کس دنیوی منفعت کی بھی امید ہو خواہ ظاہری ہو یا باطنی، ظاہری جیسے مال و دولت، باطنی جیسے جاہ و عزت وغیرہ تو یہ تو طالب غرض ہے اس کا مقصد دنیا ہی ہے بس یہ ہو گا اور اسکی غرض خواہ وہ پوری ہو یا نہ ہو۔

دوسری قسم یہ ہے کہ محبت و زماقت تو اللہ کے لئے ہو مگر اس کے ساتھ کسی اخروی نفع کی بھی امید ہے خواہ ظاہری ہو یا باطنی ظاہری جیسے توفیق اعمال صالحہ و ذکر و شغل وغیرہ باطنی جیسے اخلاق حمیدہ و نسبت و احسان و اخلاص کا حصول علوم و معارف کا ورود اور مرنے کے بعد شیخ کی شفاعت سے دخول جنت وغیرہ سو یہ بھی طالب حاجت اور مستار غرض ہے



مگر اس کا نفس پہلے سے بلند حوصلہ ہے کہ اس کو منافع کی طلب تو ہے مگر منافع اخرویہ کی طلب ہے، منافع دنیویہ کی طلب نہیں اور اسی قسم کے لوگ اُن حضرات کے پاس زیادہ ہوتے ہیں جو بزرگ کہلاتے ہیں۔

تیسری قسم یہ ہے کہ صحبت اور رفاقت و محبت محض اللہ کے لئے ہے اور کوئی غرض نہیں نہ دنیوی نہ اخروی یعنی شیخ سے تعلق محض اس وجہ سے ہے کہ وہ اللہ والا ہے اور اس قابل ہے کہ اس سے محبت اور تعلق پیدا کیا جائے خواہ نم کو نفع ہو یا نہ ہو جیسا بادشاہ علول سے سب کو محبت ہوتی ہے اگرچہ کسی خاص شخص کو اس کے بدل سے نفع حاصل کرنے کا موقع نہ ملا ہو مگر عدل کمال ہی ایسا ہے کہ جس میں بھی ہو اس سے طبعاً محبت ہوتی ہے اس سبط

اللہ والا ہونا وصف ہی ایسا ہے کہ جس میں یہ وصف ہو اس سے محبت اور تعلق ہونا چاہیے اگرچہ کسی خاص شخص کو اس سے نفع نہ پہنچا ہو جس کو یہ بات حاصل ہو بس وہ ہے جس کو اللہ کے لئے محبت کرنے والا سچ چمکتے ہیں اور جو ایسا ہو گا اس کو اپنے بھائی کی کوئی بات بھی جو اس کے حق میں صادر ہو متغیر نہ کرے گی کیونکہ اس کی محبت اپنے واسطے نہیں بلکہ اللہ کے واسطے ہے اور اللہ تعالیٰ کا تعلق اس کے کسی برتاؤ سے بدل نہیں سکتا اور جو ایسا نہ ہو وہ امتحان کے موقع پر بہت کم ثابت قدم رہے گا اور اگر ایک کی نیت اللہ کے لئے ہو اور دوسرے کی نیت کچھ اور ہو یعنی دنیا کے لئے ہو تو ہر شخص کو اس کی نیت کا پھل ملے گا چنانچہ دو شخصوں کی جو اللہ کے واسطے باہم صحبت و رفاقت رکھتے تھے حکایت ہے کہ ان میں سے ایک نے دوسرے کے ساتھ

جفا کی تو اس نے اس سے کہا عزیز من! ذرا تم فلاں بزرگ کی مجلس میں تو ہو آؤ چنانچہ وہ اس کے کہنے سننے سے چلا گیا جب مجلس میں پہنچا تو ان بزرگوں نے اس وقت باتوں باتوں میں وہ بات ظاہر کر دی جو اس کی طرف سے اپنے ساتھی کے ساتھ صادر ہوئی تھی اور یہ سب سمجھ گیا کہ میں نے اپنے دوست پر زیادتی کی اور اس کے

ساتھ جفا کی۔ اسی وقت اس نے توبہ کی استغفار کی اور غم کر لیا کہ واپس جاتے ہی اپنے دوست کے پاؤں پکڑوں گا شاید میری خطا معاف کر دے جب دوست کے پاس پہنچا اس کو اپنے ارادہ کی اطلاع دی اس نے کہا عزیز من! تم اپنے نفس کے پاؤں پکڑو کیونکہ مجھے تو تم سے خالص اللہ کے واسطے تعلق ہے مجھ پر تمہاری کوئی حرکت گراں نہیں ہو سکتی مگر تمہارا رُخ مفسر اپنے نفس کی طرف ہے اور کسی طرف نہیں چنا چنا اب بھی تم اپنے نفس کے کہنے ہی سے معافی مانگئے آئے ہو تو تم اسی کے پاؤں پکڑ لو۔

قوله في الجث الرابع فالمتحابون في الله على ثلاثة وجوه الى قوله وانما وجهك في حق نفسك لا غير

## (۲۵۰) اللہ کو تنہائی میں یاد کرنے کی تین صورتیں ہیں

یہاں ایک سوال اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کو تنہائی میں یاد کرنے سے مراد ظاہر تنہائی ہے یا باطنی یادوں کا مجموعہ؟ ظاہر تنہائی کے معنی تو یہ ہیں کہ اپنی جگہ پر تنہا ہو اس کے پاس کوئی دوسرا نہ ہو اور باطنی تنہائی کے معنی یہ ہیں کہ اس کے رونے کا سبب مفسد اللہ کا خوف ہو اور کوئی سبب ہوا وہ مجموعہ کی صورت یہ ہے کہ اس کے پاس کوئی دوسرا بھی نہ ہو اور رونے کا سبب بھی خوفِ خدا کے سوا کچھ نہ ہو اگر یہ دونوں باتیں ایک ساتھ جمع ہوں تو اس میں شک نہیں کہ یہ حالت زیادہ کامل ہے اور اگر تنہائی پوری ہو پاس کوئی نہ ہو مگر اللہ کو یاد کرتے ہوئے کسی اور خیال سے رونے لگا اللہ کے خوف کی وجہ سے نہیں دیا نہ اللہ کی یاد سے محبت میں رویا تو بالاتفاق یہ حالت وہ نہیں جس کی طرف اس جگہ اشارہ کیا گیا ہے بلکہ یہ حالت مذموم ہے کیونکہ دہوکہ پر مشتمل ہے ظاہر تو یہ کہ رہا ہے کہ اللہ کی وجہ سے رویا ہے۔ کیونکہ یاد الہی کے ساتھ گریہ طاری ہوا ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں بلکہ انشوائفاً اللہ کو یاد کرتے ہوئے ظاہر میں نکل آئے مگر جب تنہائی میں رونا فرض کیا گیا ہے تو

دھوکے کے کیا معنی؟ دھوکہ کی صورت تو وہ ہے جبکہ جمع میں ذکر ہو اور اللہ کی یاد سے نہ دیا ہو اور جو صورت شایع نے بیان کی ہے اس میں نہ دھوکہ ہے نہ ثواب دہی تیسری صورت کہ جمع میں اللہ کو یاد کر لیا ہو اور دل ماسوا سے خالی ہو ذکر اللہ ہی کے اثر سے آنسو نکلے ہوں تو امید ہے کہ یہ شخص بھی ان بابرکت لوگوں میں داخل ہے جن کا حدیث میں ذکر ہے کیونکہ اس پر یہ بات باطناً صادق ہے کہ اس نے غلوت میں اللہ کو یاد کیا کیونکہ اس کا باطن ماسوا سے خالی تھا گو ظاہر جمع میں تھا اور جو صورت بطور احتمال کے حدیث کے تحت میں داخل ہو وہاں امید تو ضرور ہوتی ہے اگرچہ یقینی صورت ہی ہے جہاں مضمون حدیث کا پورا تحقق ہو اور وہ وہی ہے جہاں دونوں باتیں مجتمع ہوں (غلوت ظاہر بھی غلوت باطن بھی)

**ذکر اللہ کے اقسام** یہاں ایک اور سوال ہے وہ یہ کہ ذکر اللہ سے مراد وہ ہے جو زبان اور لبوں سے ہو یا وہ جو دل سے ہو اگرچہ زبان کو حرکت نہ ہو یا جس صورت سے بھی ہو ہر حال میں فکر کہلائے گا، جواب یہ ہے کہ ان صورتوں میں سے ہر اک پر ذکر اللہ صادق ہے جس کی دلیل سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے جو صحیح حدیث قدسی میں وارد ہے۔

مَنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِي وَمَنْ ذَكَرَنِي

فِي مَلَأْ ذَكَرَنِي فِي مَلَأْ خَيْرَ مِنْهُمْ

جس نے مجھے اپنے دل میں یاد کیا میں اس کو اپنے دل میں یاد کر دوں گا اور جو مجھے جماعت میں یاد کریگا میں اس کو اس بہتر جماعت میں یاد کر دوں گا

عہ یہاں سے اس قول کا بھی جواب ہو گیا جو بخاری شریف کی ایک تقریر میں جو بہت بڑے علامہ کی طرف

منسوب لکھا ہے کہ ذکر قلبی کی میں کوئی دلیل سنت سے نہیں ملی ۱۲ ط

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو ذاکر کا لقب دیا ہے اور طفیلی تو اس سے بھی کم تر بہانہ سے امید وابستہ کر لیتا ہے۔ یہ تو بہت صاف دلیل ہے جس سے احتجاج مجتہدانہ بھی ہو سکتا ہے۔ یہ ہمارے واسطے کیوں کافی نہ ہوگی۔

صوفیہ کے نزدیک ذکرِ تسبی افضل ہے  
پھر مذہبِ صوفیہ پر تو ذکرِ تسبی افضل

ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد پر امر و نہی کے موقد پر اللہ کو یاد کرنا اور حکم کی تعمیل کرنا زبانی ذکر سے افضل ہے کیونکہ ان کا قول ہے

ذکر اللہ عند امرہ و نہیہ خیر من ذکرہ باللسان  
سو حضرت عمرؓ کے ارشاد کے مطابق جواب تو یہ ہے کہ بیشک امر و نہی کے موقد پر اللہ کو یاد کرنا اور حکم کی تعمیل کرنا زبانی ذکر سے بہتر ہے مگر یہ حدیث اس کو شامل نہیں اگرچہ امید یہ ہے کہ اس کا حال اس ذاکر کے حال سے بھی بلند تر ہے جس کا یہاں ذکر ہے اور صوفیہ جو کچھ فرمایا ہے وہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو پیشی نظر رکھ کر فرمایا ہے۔

نضعة فی الجسد اذا صلحت صلح الجسد كله الا وهي القلب

انسان کے بدن میں ایک لوتھڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے سارا بدن درست ہو جاتا ہے سن لو وہ دل ہے۔

اس بنا پر صوفیہ کا قول دو مٹرن کے قول پر راجح ہے کیونکہ جب تمام بدن کی صلاح کو صلاحِ قلب پر موقوف کیا گیا ہے اور سب کی صلاح ذکرِ اللہ سے ہے تو ذکرِ قلب ذکرِ لسان اور ذکرِ جوارح سے افضل ہوا اور بات تو یہ ہے کہ عمل اختلاف سے بچ کر اور تمام صورتوں میں سے درجہ کمال کو لیکر کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی ان میں سے کرے جن کو اللہ نے اپنے احسان

سے یہ دولت عطا فرمائی ہے۔

قوله فی البحث السایع ذکر اللہ خالیاً قفاضت عنیاء هل  
یعنی بقوله خالیاً حساً او معنی الی قوله جعلنا اللہ مع  
من علیہ بذلك بمنه

ف۔ حضرت حکیم الامت دام مجرم کی بھی یہی تحقیق ہے کہ سب افضل ذکر وہ  
ذکر ہے جس میں ذکر لسانی کے ساتھ ساتھ ذکر قلبی مجتمع ہو تنہا ذکر قلبی گو  
افضل ہے مگر مختلف فیہ، دوسری تجربہ ہے کہ تنہا ذکر قلبی دیر تک نہیں رہتا  
کچھ دیر کے بعد دل ادھر ادھر متوجہ ہو جاتا ہے اور یہ شخص وہو کہ میں رہتا  
ہے کہ میں ذکر قلبی کر رہا ہے البتہ اگر کسی کا دل ذکر قلبی میں غیر حق کی طرف  
متوجہ نہ ہوتا ہو تو اس کو ذکر لسانی کی ضرورت نہیں اگر اس سے تشویش ہوتی  
ہو، خوب سمجھ لو۔



## حدیث

### تقدیم العشاء علی الصلوٰۃ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ حضور نے فرمایا کہ جب شام کا کھانا سامنے آجائے اور نماز کی اقامت ہو جائے تو کھانے کو مقدم کرو۔

شرح ظاہر حدیث یہ ہے کہ شام کا کھانا جب سامنے آجائے اس کو پہلے کھا لینا جائز ہے اگرچہ نماز کھڑی ہوگئی ہو اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۲۵۱) حضور و خشوع و اخلاص ہی نماز کے قبول ہونے کے

اسباب ہیں یہاں ایک سوال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذا وضع العشاء کیوں فرمایا کہ جب شام کا کھانا سامنے رکھا جائے اذا کان دقت العشاء کیوں نہیں فرمایا کہ جب شام کا وقت آجائے جواب یہ ہے کہ کھانے کا سامنے رکھا جانا خواہش طعام کو بھڑکانے کا سبب ہے اور خواہش طعام کا بھڑکانا اس کے ساتھ دل کو وابستہ کرتا ہے اور دل کا اس سے وابستہ ہونا نماز میں حضور و خشوع و اخلاص نہ ہونے کا سبب ہے، اور

یہی وہ چیزیں ہیں جو نماز کے مقبول ہونے کے استباہیں تو جب کھانے کا سامنے آنا ایسی علت ہے جس سے نماز کے قبول نہ ہونے کا اندیشہ ہے تو اس سے کہا جائیگا کہ پہلے کھانا کھا کر اپنی اس علت کا علاج کر لو اس کے بعد نماز کی طہریش پیش کر دو کیونکہ اللہ جل جلالہ فرماتے ہیں۔

فاذا فرغت فانصب والى ربك فارغب  
جب فارغ ہو جاؤ اس وقت عنایت کرو اپنے پروردگار ہی کی طرف متوجہ ہو

## ضروریات سے فارغ ہو کر ذکر اور نماز میں مشغول ہونا چاہیے

علمائے فرمایا ہے کہ ضروری امور سے فارغ ہونا واجب ہے کیونکہ دل ہمیشہ اپنی ضرورتوں میں اٹکا ہوا رہتا ہے جب ان سے فراغت ہو جائے اسی وقت عبادت میں مشغول ہونا بہتر ہے چنانچہ عبدالمثد بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب وہ روزہ سے ہوتے اور اپنی کسی باندی کی کوئی ادا ان کے دل کو بجا جاتی تو مغرب کے وقت کھانا کھا کر اس سے جماع کرتے اور غسل کر کے نماز پڑھتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ مغرب کا وقت ایسا تنگ نہیں جیسا عوام نے سمجھ رکھا ہے کہ افطار کرتے ہی نماز کی جلدی پھا دیتے ہیں دیکھو عبد اللہ بن عمر روزہ افطار کرنے کے بعد باندی سے جماع کرتے پھر غسل کرتے پھر نماز مغرب کو جاتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں رمضان کے دنوں میں مغرب کی نماز عزوب کے کافی دیر بعد ہوتی تھی (توان بندگان مہلبی نے آیات و حدیث کا مطلب خوب سمجھا اس لئے وہ سب لوگوں سے زیادہ متبع سنت کہلاتے تھے پس اگر مغرب کا وقت آجائے اور کھانا سامنے نہ لایا گیا ہو تو اس وقت نماز کو کھانے پر مقدم کرنا واجب ہے کیونکہ اب کھانے کے انتظار میں بیٹھنا فضول وقت ضائع کرنا ہے کہ نہ اس وقت شیغص کھانا کھا رہا ہے نہ اس فرض نماز کو ادا کرتا ہے جو اس کے ذمہ ہے اور یہاں سے یہی مسئلہ

معلوم ہوا کہ حق اس کا ہے جو پہلے آئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب شام کا کھانا سامنے رکھ دیا جائے اور نماز بھی کھڑی ہو جائے تو کھانا پہلے کھاؤ کیونکہ کھانا نماز کی اقامت سے پہلے آگیا ہے تو حق اسی کا ہے اور اس میں اہل خواطر کی یعنی صوفیہ اہل کشف کی دلیل بھی ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ جب چند خواطر کے بعد دیگرہ قلب پر وارد ہوں تو حکم خاطر اول کے لئے ہے یعنی اسی کو مقدم کیا جائے۔

قوله في الوجه الخامس وهنا بحث لم قال اذا وضع

العشاء الى قوله في الوجه السابع الحكم للخاطر الاول

فہ حضرت رحیم الامت دام مجدہم نے حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ سے دریافت کیا کہ بعض دفعہ ذکر کے وقت کوئی مریض کام یا د آجاتا ہے اس وقت اگر اس کام کو نہ کیا جائے تو ذکر میں کشاکش ہوتی ہے اس سے فراغت کر لی جائے تو ذکر میں یکسوئی ہوتی ہے تو اس وقت ذکر کو مقدم کیا جائے یا اس کام کو پہلے کر لیا جائے فرمایا اس کام کو پہلے کر لیا جائے پھر یکسوئی کے ساتھ ذکر کیا جائے، یہ تحقیق اس دلیل سے مؤید ہے جو شارح نے یہاں بیان فرمائی ہے

حدیث میں اس بات کی مستحبات کی پابندی کرنا سنت ہے بھی دلیل ہے کہ مستحبات

کی پابندی کرنا سنت ہے بلا فرق کہ ان کو ترک کرنا چاہیے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب شام کا کھانا سامنے رکھ دیا جائے اور نماز کی اقامت ہو جائے تو کھانے کو مقدم کرو اور جماعت سے نماز پڑھنا اکثر علماء کے نزدیک مستحب ہے مگر حنفیہ کے نزدیک واجب یا سنت مؤکد ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی عذر نہ ہو تو مستحب کو ترک نہ کرے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کے چھوٹنے کی اجازت منکر کھانے کی وجہ سے دی ہے جب وہ آگے رکھ دیا جائے اس سے معلوم ہوا کہ مستحب کو بلا وجہ ترک نہ کیا جائے،



تولہ فی الوجہ الشامیہ فیہ دلیل علی ان من السنۃ المحافظۃ  
 علی المندوبات الی قولہ الا من اجل علة الطہارۃ وقتد مہ

(۲۵۳) متبع سنت کے سارے کام طاعت بھی ہوتے ہیں یہ بھی معلوم

ہو کہ متبع سنت کے سارے کام طاعت ہی طاعت ہوتے ہیں جن پر اسے اجر ملتا ہے کیونکہ متبع سنت ایسے وقت میں کھانے کو مقدم منہ اس لئے کرے گا شائع علیہ السلام نے اس کا حکم دیا ہے تو اس کو ثواب ملے گا کیونکہ اس کا کھانا محض امر کی وجہ سے ہو گا اور غیر متبع سنت محض اپنے اختیارات سے اور اپنی خواہش کی رعایت سے کھائے گا اور بڑا فرق ہے اس میں جو امر کی وجہ سے کھائے اور

اس میں جو شہوت کی وجہ سے کھائے اسلیطرح تمام کاموں میں دونوں کا یہی حال ہو گا۔ نیز اسمیں صوفیہ کی بھی دلیل ہے جنہوں نے شہوت کی حصہ ہی کو چھوڑ دیا اور یہاں تک چھوڑا کہ ان میں خواہش نفس کا نام بھی نہیں رہا۔

کیونکہ یہ خواہش ہی نماز کے مؤخر کرنے کا سبب ہوتی ہے جب یہ ہی نہ ہوگی تو نماز اپنے مستحب وقت میں ادا ہوگی حدیث سے اللہ تعالیٰ کی مہربانی بھی اپنے بندوں پر معلوم ہوتی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کی عبادت سے مستغنی ہیں کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر شام کے کھانے کو نماز سے مقدم کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ نفس کو غذا کی خواہش ہوتی ہے اس سے راحت و آرام ملتا ہے اور عبادت میں تو غالب حالت یہ ہے کہ لوگوں کو تعب ہی ہوتا ہے گو سب کی یہ حالت نہیں۔

خاصانِ خدا کو عبادت سے بھی ویسی ہی راحت ملتی ہے جیسی دہرو  
 کیونکہ خاصانِ خدا کو تو عبادت سے بھی ویسی ہی راحت ملتی ہے  
 کو غذا سے جیسی دہروں کو عموماً غذاؤں سے ملتی ہے اسی حقیقت کی وجہ سے

ابراہیم بن ادہم نے فرمایا ہے جیسا ان سے منقول ہے کہ دنیا فالے مسکین ہیں دنیا سے چلے گئے اور اس کی راحت کا کچھ بھی مزہ نہ چکھا لوگوں نے کہا دنیا کی راحت کیا ہے جس کا اہل دنیا نے مزہ نہیں چکھا۔ فرمایا طاعت کی لذت کہ یہ دنیا والے اس کو بدن چکھے ہی چلے گئے تو ان کو نہ دنیا ہی ملی نہ آخرت ہی اور اسی حقیقت کی بنا پر سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے

ارحنا بھایا بلال یعنی الصلوٰۃ

اے بلال ہم کو نماز کے ذریعے راحت دو یعنی بھلا نماز جیسے اذان و اقامت کہیں

قوله الوجه التاسع فيه دليل على ان المتبع السنة الى قوله

في الوجه الحادي عشر ارحنا بھایا بلال یعنی الصلاة

ف۔۔ حدیث ارحنا بھایا بلال جو مطلب شارح نے بیان کیا ہے اس پر وہ اشکال وارد نہیں ہوتا جو دوسرے علماء کی تفسیر پر وارد ہوتا ہے اہل علم اس کو سمجھ جائیں گے۔

(۲۵۴) اللہ والوں کے نزدیک دنیا کے کام اسی وقت مباح ہیں

جب آخرت میں معین ہوں  
حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل ارادت یعنی جو صلہ والوں کے نزدیک

دنیا کے کام اسی وقت مباح سمجھے جاتے ہیں جبکہ وہ آخرت میں معین ہوں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا نیکو مقدم کرنے کی اجازت صرف اس لئے دی ہے تاکہ نماز اچھی طرح کامل طریقت سے ادا ہو اور کھانا نفس کے حظوظ اور شہوات میں سے ہے اور حظوظ نفس جتنے بھی ہیں سب دنیا ہیں اور نماز آخرت کا کام ہے تو دنیا کی سب بڑی چیز کھانا پسینا ہے جس سے سب محتاج ہیں دوسری چیزوں سے تو کبھی استغناء بھی ہو سکتا ہے اور ان کے ترک سے کچھ ضرر نہیں ہوتا مگر کھانا نہ ہو تو قیادۂ مستقر یہ ہے کہ انسان ہی نہ ہو گا اور یہ

آخرت کے سب بڑے کام یعنی نماز میں معین ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تمہیں اور کافر کے درمیان امتیازی نشان نماز کا چھوڑنا ہے جس سے معلوم ہوا کہ نماز تمام اعمال آخرت سے اعلیٰ و افضل ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سب بڑے کام کا حکم آخرت کے سب بڑے کام کے مقابلہ میں بتلادیا کہ اس کو اُس کے لئے معین بنانا چاہیے اب ان کے سوا جو اور کام رہ گئے وہ ان کے تابع ہیں پس یہاں اعلیٰ سعادتی پر تنبیہ کی گئی ہے کہ دنیا کے سب کاموں کو اعمال آخرت میں معین بنانا چاہیے کوئی کام محض دنیا کے واسطے نہ کرنا چاہیے۔

قوله الوجه الرابع عشر في دليل على ان امور الدنيا ما تستبام  
الى قوله من باب التنبيه بالادعوى على الادنى .

الحمد لله کہ آج بتاریخ ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۵۸ھ بعد نماز عصر بروز یکشنبہ  
حصہ اول رحمت القدس تمام ہوا، اللہ تعالیٰ بقیہ حصص کی تکمیل کی بھی توفیق  
عطا فرمائی اور اس کتاب کو نافع عام و خاص اور مقبول بارگاہ بنائی آمین  
وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا النبی الامی محمد و علی آلہ و  
اصحابہ اجمعین و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین و الحمد لله  
الذی بعزته و جلالة و نفعه تم الصلحت ۱۲

تمت القدس کا پہلا حصہ ختم ہوا

تاریخ اسلام کا گرانقدر ذخیرہ

## سیر الصحابةؓ (کامل)

صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) تابعین تبع تابعین اور نامور ائمہ کرام (رحمہ اللہ) کے مستند حالات زندگی پر اردو میں جمع الکتاب سے فزین سبب ہم جامع اور متصل سلسلہ کتب جو پندرہ حصوں میں تحریر کیا تھا اب جلد نو جلدوں میں دستیاب ہے

### جلد ۱

حصہ اول : خلفائے راشدین (پانچوں خلفائے راشدین کے حالات و کمالات)

### جلد ۲

حصہ دوم : مہاجرین حصہ اول (عشر مشرؤ اکابر قریش اور فتح مکہ سے پہلے اسلام لانے والے ۳۰ حضرت صحابہ کے حالات)  
حصہ سوم : مہاجرین حصہ دوم (بقیہ ۱۰۱ مہاجر حضرت صحابہ کے حالات جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے)

### جلد ۳

حصہ چہارم : انصار حصہ اول (۵۱ جلیل القدر انصار کرام صحابہ کے حالات)  
حصہ پنجم : انصار حصہ دوم (بقیہ ۶۴ انصار کرام اور طغبار انصار صحابہ کے حالات)

### جلد ۴

حصہ ششم : (پانچویں حصہ) لام حشر حضرت امیر صحابہ حضرت امام حسینؑ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے حالات  
حصہ ہفتم : (فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کرنے والے ۱۵۰ صحابہ کے حالات کا مرقع)

### جلد ۵

حصہ ہشتم : اسوۂ مشاہیر اول (صحابہ کرام کے عقائد، عبادات، اخلاق، حسن معاشرت اور طرز معاشرت)  
حصہ نہم : اسوۂ مشاہیر دوم (صحابہ کرام کی سیاسی، مذہبی، علمی خدمات کی تفصیل اور مجاہدانہ کارنامے)

### جلد ۶

حصہ دہم : ریزہ صحابیات (ازواج مطہرات نجات طاہرات اور اکابر صحابیات کے سوانح زندگی)  
حصہ یازدہم : اسوۂ صحابیات (صحابیات کے مذہبی، علمی، اخلاقی، معاشرتی واقعات اور دینی خدمات)  
حصہ ہوازدہم : (۹۳) اہل کتاب صحابیات اور تابعین و تابعات کے سوانح اور کارنامے

### جلد ۷

حصہ بیسزدهم : تابعین (۹۶) اکابر تابعین کے سوانح زندگی، علمی، اصلاحی خدمات، مجاہدانہ کارنامے

### جلد ۸

حصہ چہاردهم : تبع تابعین (اول) (۱۹) جلیل القدر تبع تابعین بشمول مشہور ائمہ کرام کے حالات و کمالات

### جلد ۹

حصہ پانزدہم : تبع تابعین (دوم) (۴) تبع تابعین عظام کے سوانح و حالات اور ان کی علمی و دینی خدمات کی تفصیل  
سانچے پر زراعت پر مشتمل کنسل ۹ جلدوں میں جلد، گیسٹریفیکانڈ، ڈائی وارنٹریو و طبعیت، بیت۔ /

نشر: اداة اسلامیات ۱۹۰ - اناورہی لاہور ۶۳۲۵۳